تحریکِ ختمِ نبوّت

ڈاکٹر محمد بہاؤ الدین

مکتبہ قدوسیہ

تحریک ختم نبوت

حصہ سوم

(۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۲ء)

ڈاکٹر محمد بہاء الدین

مکتبہ قدوسیہ لاہور

نام کتاب۔تحریک ختم نبوت حصہ سوم ۱۹۰۶ءتا ۱۹۱۲ء
مئولف۔ڈاکٹر محمد بہاءالدین
طبع اول۔دسمبر ۲۰۰۵ء۔ناشر۔مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند۔دہلی
طبع دوم۔۲۰۰۶ء۔ زیر اہتمام۔مکتبہ قدوسیہ۔لاہور

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
حرف آغاز	۵
کتاب الوصیت	۹
بہشتی مقبرہ	۲۰
تقسیم بنگال	۲۶
علم الدرمان	۳۷
شہادۃ القرآن	۴۱
ڈاکٹر عبدالحکیم	۴۶
طاعون	۶۱
مباہلہ سے فرار	۷۹
منشی الٰہی بخش	۸۸
دعائے آخری فیصلہ	۱۰۱
اخبار اہل حدیث	۱۲۴
حقیقت الوحی	۱۳۳
بشیر اول	۱۶۹
دعائیں جو قبول نہ ہوئیں	۱۹۰
کذبات مرزا	۲۲۴
یوم الرحیل	۲۳۰
عمر مرزا	۲۴۵
اسمہ احمد	۲۶۵
مباحثہ رام پور	۲۷۷
مباحثہ لدھیانہ	۲۸۳
بحث متعلق آخری فیصلہ	۳۰۷
دانیال کی پیش گوئی	۳۴۰

مسیح موعود	۳۴۹
دجال	۳۸۸

شخصیات

غلام علی قصوری	۳۹۹
احمد اللہ امرتسری	۴۰۱
حفیظ اللہ خان	۴۰۳
محمد بشیر سہسوانی	۴۰۴
سلامت اللہ جیراج پوری	۴۱۲
عبدالوہاب دہلوی	۴۱۴
قاضی احتشام الدین	۴۱۷
شاہ علی نعمت پھلواروی	۴۱۹
عبدالجبار غزنوی	۴۲۰
غلام حسن سیالکوٹی	۴۲۷
سید عبدالسلام دہلوی	۴۳۰
عبدالواحد غزنوی	۴۳۱
عبدالغفور غزنوی	۴۳۶
سید ابوالحسن تبّتی	۴۳۸
ثناء اللہ امرتسری	۴۳۹
محمد ابراہیم سیالکوٹی	۴۷۸
کارکنان تحریک ختم نبوت	۴۸۹
قائدین تحریک ختم نبوت	۵۰۴
کتابیات	۵۷۱
خیر الختام	۵۷۸

حرف آغاز

اللہ کا شکر ہے کہ اس کی توفیق سے یہ مرحلہ آن پہنچا ہے کہ تاریخ تحریک ختم نبوت پر کام مکمل ہونے کے بعد تیسری جلد کا مقدمہ (جو دراصل خاتمۃ الکتاب ہے) لکھا جا رہا ہے۔

تاریخ سے متعلق کسی موضوع پر ایسی جگہ بیٹھ کر لکھنا آسان نہیں ہے جو علمی طور پر ایک صحرا کی طرح ہو۔ جہاں نہ موضوع سے واقفیت رکھنے والوں کی رہنمائی میسر ہو۔ نہ موضوع سے متعلق لٹریچر موجود ہو۔ میری اس مشکل کو اللہ نے یوں حل فرمایا کہ اس نے دور دراز مقامات پر چند دوستوں کی صورت میں کچھ وسائل مہیا فرما دیئے۔ مانچسٹر انگلینڈ کے فضل الرحمٰن صدیقی (مرحوم) نے ابتدائی طور پر کچھ مطبوعہ لٹریچر عنائت کر دیا۔ اس کے بعد بنارس کے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری۔ کاسگنج یوپی کے ڈاکٹر عبدالوہاب انصاری۔ لاہور کے محمد اسحاق بھٹی۔ لندن کے ثناء اللہ سیالکوٹی۔ برمنگھم کے عبدالہادی العمری۔ حفیظ اللہ خان۔ ممتاز احمد کھوکھر۔ شیر خان جمیل احمد العمری۔ اور ہالی فیکس کے عبدالرزاق مسعود تعاون اور رہنمائی کی صورت میں اس فقیر کو خیرات سے نوازتے رہے۔ یوں مجھے اپنی بے بضاعتی اور دوستوں کے تعاون کا آمیزہ اس کتاب کی صورت میں آپ کے سامنے رکھنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

گر قبول افتد زہے عزو شرف

جیسا کہ میں نے فاتحۃ الکتاب میں کہا تھا کہ میرا مقصد نہ کسی کو گرانا ہے نہ کسی کو اٹھانا۔ اس لئے میں نے اپنا مدار زیادہ تر اس دور کے لٹریچر پر رکھا ہے جس دور کے واقعات بیان کئے جا رہے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیفات میرا سب سے بڑا ماخذ رہیں اور ان کی زندگی میں ان کے نظریات و عقائد پر ان کے معاصرین نے جو کچھ لکھا وہ میرا دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ پھر میں نے اس لٹریچر کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے جو مرزا غلام احمد کے راسخ مریدوں اور قریبی عزیزوں نے ان کی موت

کے بعد ان کے بارے میں مرتب کیا۔ اس کے علاوہ میں نے ان بزرگوں کی نگارشات سے فائدہ اٹھایا ہے جن کا بانی قادیانیت سے اس کی زندگی میں بھی قلمی یا لسانی مکالمہ ہوتا رہا ہے۔

اس مشق میں جس بزرگ کا نام مرزا غلام احمد کے عقائد ونظریات کے خلاف کام کرنے والے کارکن کی حیثیت سے میرے سامنے آیا میں نے بلالحاظ مسلک اس کے نام اور کام کا ذکر کیا ہے اور جتنا جس کا نام اور کام میرے سامنے آیا ہے میں نے کوشش کی ہے کہ اسی قدر اس کا ذکر میری اس تحریر میں موجود ہو۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد اگر آپ محسوس فرمائیں کہ کسی جگہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا تو اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ خاص اس مقام سے متعلق مجھے مناسب اور ضروری معلومات دست یاب نہیں ہوسکی ہیں۔ بنابریں میری درخواست ہوگی کہ معلومات کی صورت میں مجھ پر عنائت فرمادی جائے تاکہ دوسرا اڈیشن شائع کرنے کا موقع آئے تو اس کوتاہی کی تلافی کی جاسکے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال ۔مولانا ظفرعلی خان اور ان کا اخبار زمین دار نیز سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کی جماعت احرار تحریک ختم نبوت کے معتبر نام ہیں لیکن میری اس کتاب سے غائب ہیں۔ اسی طرح چند دیگر معروف بزرگوں کے اسماء گرامی اور ان کے کارناموں کے ذکر سے اس کتاب کو تہی دامن پاکر شائد آپ حیران ہوں اسلئے یہاں اس بات کی یاد دہانی غیر مناسب نہیں ہوگی کہ یہ کتاب ۱۹۱۲ء تک کی داستان ہے۔اور مذکورہ بزرگوں کی اس تحریک میں شمولیت اس کے بعد ہوئی ہے۔

۱۹۰۸ء میں بانی قادیانیت کی موت واقع ہوئی تو مسلمانوں کا عام خیال یہ تھا کہ ان کی موت خود ان کی اپنی دعا کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے کہ مولوی ثناء اللہ اور مرزا غلام احمد میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے ۔ مسلمانوں کے نزدیک اس دعا کا مطلب یہ بھی تھا کہ اگر مرزا صاحب پہلے مرجائیں تو مرزائی اس واقعے کو ان کے صدق وکذب کا خدائی فیصلہ سمجھ کر قبول کرلیں اور دائرہء اسلام میں داخل ہو جائیں۔

مرزائیوں نے اپنے پیرومرشد کی ہدایات پر عمل نہ کیا۔ اس کے برعکس انہوں

نے اپنے پیر کی دعاء پر چھینٹے اڑاتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ آخری فیصلے والہ اشتہار حجت نہیں ہے۔ اور اگر مرزا غلام احمد نے کوئی دعا کی تھی تو وہ اس لئے کالعدم ہے کہ دعا کرتے وقت خدا کی مشیت اس میں شامل نہیں تھی ۔ دعا کی نوعیت اور قبولیت کے بارے میں فریقین کا یہ تنازع چلتا رہا تا آنکہ ۱۹۱۲ء میں لدھیانہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری اور قادیانیوں کے نامور مناظر میر قاسم علی ایڈیٹر رسالہ احمدی کے درمیان منصفین کے روبرو تحریری مباحثہ ہوا اور ایک غیر جانبدار سکھ ثالث نے فیصلہ دیا کہ مرزائیوں کا موقف غلط اور کارکنان تحریک ختم نبوت کا موقف درست ہے۔

یعنی ۱۹۰۸ء میں خدائی عدالت سے قادیانیت کے خلاف فیصلہ ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب اور دجال ہیں اور ان کا مسیح موعود ہونے کا دعوی جھوٹا ہے۔ پھر ۱۹۱۲ء میں زمینی عدالت نے فیصلہ دیدیا کہ خدائی عدالت کے اس فیصلے کو قادیانی حضرات جن بہانوں سے پس پشت ڈال رہے ہیں ان کا وزن پرکاہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ یوں تحریک ختم نبوت کے کارکن جس مقصد کے حصول کے لئے ۱۸۹۱ء سے کام کر رہے تھے وہ بڑی حد تک حاصل ہوگیا۔اور چونکہ یہ اپریل ۱۹۱۲ء کی بات ہے اس لئے میں نے اپنی گذارشات کو وہیں تک محدود رکھا ہے۔

۱۹۱۲ء کے فیصلے کے بعد مرزائیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ انہیں ایک سکھ قانون دان کا فیصلہ منظور نہیں ہے اور یہ کہ ہمارے مناظر میر قاسم علی نے مباحثے سے پہلے قادیانی سربراہ سے اجازت نہیں لی تھی۔ اس کے جواب میں مسلمان کہتے تھے کہ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمارے نزدیک لدھیانے والہ فیصلہ ایک ایسے شخص کا فیصلہ ہے جسے آپ اور ہم نے ثالث تسلیم کیا تھا۔اس لئے اس کا فیصلہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہے۔ تاہم تمہارے پاس اب کوئی ایسے دلائل آگئے ہیں جو تمہارے مناظر نے لدھیانے میں پیش نہیں کئے تھے تو پھر میدان میں آجاؤ لیکن اب اپنے سربراہوں کو سامنے لاؤ۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنا یہ چیلنج تا عمر دہراتے رہے لیکن نہ قادیانی سربراہ مرزا محمود سامنے آئے نہ لاہوری سربراہ محمد علی۔ اس سلسلے کی چند تحریریں جو ۱۹۱۲ء کے بعد کی ہیں میں نے کتاب ہذا میں شامل کی ہیں اور امید ہے کہ قند مکرر کے طور پر ناظرین کو پسند آئیں گی

میں نے اقتباسات نقل کرتے ہوئے حوالہ جات کی صحت کا حتی الامکان اہتمام کیا ہے اور کسی حقیقی ماخذ کے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں بالواسطہ حوالے بھی مستند ثانوی ماخذوں سے دیئے ہیں۔ نیز کسی عبارت کی تلخیص کرتے ہوئے اس کا مطلب تبدیل نہیں کیا اور نہ ہی سیاق و سباق سے الگ کر کے کسی عبارت کا مفہوم بدلنے کی کوشش کی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین

محمد بہاء الدین

کتاب الوصیت

الوصیت کے نام سے مرزا غلام احمد قادیانی نے ایک مختصر رسالہ شائع فرمایا تھا جس کے طبع اول پر ۲۴ دسمبر ۱۹۰۵ء کی تاریخ درج ہے۔ تاہم اس رسالے میں مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ کی ایک میٹنگ کی کاروائی بھی شائع ہوئی تھی جس میں مرزا صاحب کے علاوہ حکیم نور الدین، نواب محمد علی خان، مرزا محمود احمد، مولوی محمد احسن امروہی، خواجہ کمال دین اور ڈاکٹر سید محمد حسین شریک تھے اور یہ میٹنگ ۲۹ جنوری ۱۹۰۶ء کو منعقد ہوئی تھی۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ الوصیت پر اگرچہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۵ء کی تاریخ طباعت درج ہے لیکن یہ جنوری ۱۹۰۶ء کے بعد ہی طبع ہوکر قارئین تک پہنچا تھا۔ اور چونکہ ہماری کتاب کے حصہ سوم کا آغاز ۱۹۰۶ء سے ہوتا ہے اس لئے ہم اس رسالے کے بعض مندرجات سے اپنی گزارشات کا آغاز کرتے ہیں۔

الوصیت میں مرزا غلام احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالی کی جانب سے بتا دیا گیا ہے کہ ان کی موت کا وقت اب قریب آ گیا ہے۔ان کے الفاظ یوں ہیں

> خدائے عزوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانہ وفات نزدیک ہے اور اس بارے میں اس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو نبیاد سے ہلا دیا۔اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا.....وہ (وحی) یہ ہے قرب اجلک المقدر۔ ولا نبقی لک من المخزیات ذکراً۔ قلّ میعاد ربک۔ ولا نبقی لک من الخزیات شیئا۔....جاء وقتک و نبقی لک الآیات باہرات۔ جاء وقتک و نبقی لک الآیات بینات ..یعنی تیری اجل قریب آ گئی ہے اور ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا موجب ہو۔تیری نسبت خدا کی میعاد مقررہ تھوڑی رہ گئی ہے اور ہم ایسے تمام اعتراض دور اور دفع کر دینگے اور کچھ بھی ان میں سے باقی نہیں رکھیں گے جن کے بیان سے تیری رسوائی مطلوب ہو....جو وعدہ کیا گیا وہ قریب ہے۔

پھر مرزا صاحب ان الہامات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

. اس جگہ اللہ تعالی کا یہ فرمانا کہ ہم تیری نسبت ایسے ذکر باقی نہیں چھوڑیں گے جو تیری رسوائی اور ہتک کا موجب ہوں۔ اس فقرہ کے دو معنی ہیں۔

اول یہ کہ ایسے اعتراضات کو جو رسوا کرنے کی نیت سے شائع کئے جاتے ہیں ہم دور کردیں گے اوران اعتراضات کا نام و نشان نہ رہے گا۔

دوسرے یہ کہ ایسے شکائت کرنے والوں کو جو اپنی شرارتوں کو نہیں چھوڑتے اور بدذکر سے باز نہیں آتے دنیا سے اٹھالیں گے۔ اور صفحہ ہستی سے معدوم کردیں گے۔ تب ان کے نابود ہونے کی وجہ سے ان کے بے ہودہ اعتراض بھی نابود ہوجائیں گے۔ (الوصیت ص ۲ ۔۳ طبع ۱۹۰۵ء)

یعنی مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ خدا تعالی نے ان سے کہا ہے کہ اے مرزا ہم تیرے متعلق ایسی باتوں کا نام و نشان نہیں چھوڑیں گے جن کا ذکر تیری رسوائی کا باعث ہو۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب نے اسی کتاب میں اپنا یہ الہام بھی درج فرمایا ہے کتب اللہ لا غلبن انا و رسلی (خدانے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اس کے نبی غالب رہیں گے) نیز مرزا صاحب نے مقدمہ چشمہ مسیحی کے صفحہ ب پر دنیا کی کل عمر سات ہزار سال بتا کر لکھا ہے کہ اب چھٹا ہزار آدم کی پیدائش سے آخر پر ہے جس میں خدا کے سلسلہ کو فتح ہوگی اور روشنی اور تاریکی میں یہ آخری جنگ ہے جس میں روشنی مظفر اور منصور ہوجائے گی اور تاریکی کا خاتمہ ہوجائے گا۔ اور ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے اور وہ ہزار ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے اور چودھویں کے سر پر ختم ہوتا ہے اور ساتواں ہزار ہدائت کا ہے جس میں ہم موجود ہیں. (لیکچر سیالکوٹ ۔صفحہ ۷) ۔ان عبارتوں کی روشنی میں ہونا تو یوں چاہیے تھا کہ مرزا صاحب کی زندگی ہی میں ان کیلئے راستہ صاف ہوجاتا ۔ ان کی مخالفت مٹ جاتی اور ان کی فتح و نصرت کے نقارے بجتے۔ چاروں طرف سے آواز آتی نشھد ان الرسول القادیانی جری اللہ فی حلل الا نبیا مگر واقعہ کیا ہے؟ مرزا صاحب کی زندگی کا خاتمہ جس رنگ میں ہوا تھا وہ دیکھنے کی چیز تھی کیونکہ بتایا جاتا ہے کہ کسی قسم کی گندی چیز نہ تھی جو لاہوریوں نے آپ کے جنازہ پر نہ ڈالی ہو۔

مرزا صاحب نے کہا تھا کہ ان کے الہام کنندہ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کی موت

سے پہلے وہ تمام لوگ نیست و نابود کردیئے جائیں گے جو ان کی مخالفت کرتے ہیں اور ان تمام چیزوں کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا جن کا ذکر تیری رسوائی اور عار کا باعث ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں اس حال میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ ان کے بڑے دشمن ابھی زندہ موجود تھے۔ اور

یوں کہا کرتا تھا مر جائیں گے اور　　　　اور تو زندہ ہیں خود ہی مر گیا

اور بے شمار چیزیں بھی موجود تھیں جو مرزا صاحب کے لئے اب تک باعث عار اور باعث ذلت ہیں۔ ۱۹۰۸ء کے ایام مرزا صاحب کے مرنے کے دن نہیں تھے۔ ابھی تو ان کے بہت سے ایسے کام باقی تھے جن کا نہ ہونا ان کے لئے زندگی میں عار بنا رہا اور ان کی موت کے بعد بھی نہ صرف ان کے لئے بلکہ ان کے مریدوں کے لئے بھی عار بنا ہوا ہے۔ ذیل میں چند ایک ایسی باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں ایک ہی مباہلہ کیا تھا اور وہ کہا کرتے تھے کہ باہم مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہوتا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ اور وہ اپنے مریدوں کو اس مباہلے کے نتیجے کا انتظار کرنے کی ہدائت فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اپنے مرید منشی رستم علی کو لکھتے ہیں

'بات یہ ہے کہ جب یہ عاجز (مرزا) امرتسر گیا اور جاتے ہی عاجز نے ایک خط رجسٹری کرا کر عبدالحق (غزنوی) کو مباہلہ کیلئے بھیجا کہ تم اس وقت مجھ سے مباہلہ کرلو ... تاریخ مقررہ پر عبدالحق مباہلہ پر آ گیا اور امرتسر میں جو بیرون دروازہ رام باغ عیدگاہ متصل مسجد ہے اس میں مباہلہ ہوا اور کئی سو آدمی جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ بعض انگریز پادری بھی آئے اور ہماری جماعت کے احباب شائد چالیس کے قریب تھے ..... اب جب تک پہلے مباہلہ کا فیصلہ نہ ہو۔ دوسرا مباہلہ کیونکر ہو۔ غلام احمد ۱۹۔ اگست ۱۸۹۳ء۔　　　　(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۱۲۱۔۱۲۲)

مرزا صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے مباہل کو ختم کر کے مرتے۔ لیکن ان کی وفات کے وقت یعنی مئی ۱۹۰۸ء میں مولانا عبدالحق زندہ تھے اور ان کی زندگی میں مرزا صاحب کی موت مرزا صاحب کے کذاب ہونے کی دلیل تھی۔

مرزا صاحب قرآن کی تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں اس بات کو

صاف صاف کرنے سے نہیں رہ سکتا کہ یہ (قرآن کریم کی تفسیر کر کے چھپوا کر شائع کرنا) میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے (ازالہ اوہام۔صفحہ ۷۷۳)۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مرزا صاحب نے کوئی ایسی تفسیر قرآن مجید کی لکھی اور شائع کی؟ جواب میں یہی کہنا پڑے گا کہ وہ اپنے ارادہ میں بامراد نہیں گئے۔ نسیم سیفی قادیانی نے مرزا صاحب کی کتابوں کی جو فہرست مرتب کی ہے ہمیں تفسیر قرآن اس میں نظر نہیں آئی۔ دوسری طرف جب مولانا ثناء اللہ امرتسری نے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے نام سے عربی میں تفسیر لکھ کر ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء کو بذریعہ کھلی مطبوعہ چٹھی مرزا غلام احمد کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر قرآنی لطائف و معارف دکھانے منظور ہوں تو میری تفسیر کے مقابلہ پر ایک عربی تفسیر اسی طرز کی لکھیں۔ بعد تیار ہو جانے کے منصف مسلم الطرفین سے فیصلہ کرایا جائے گا۔ مرزا صاحب نے ساری عمر اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ کیا یہ بات ان کے لئے باعث عار اور مولانا ثناء اللہ کے ساتھ تفسیری مقابلے سے ان کا فرار نہیں ہے؟

مرزا صاحب نے اپنی عمر کے آخر میں ایک بیٹے کی پیش گوئی بھی فرمائی تھی۔ ہوا یوں کہ جب ان کا بیٹا مبارک احمد ۱۹۰۷ء میں فوت ہوا تو آپ نے فرمایا

. خدا کی قدرتوں پر قربان جاؤں کہ جب مبارک احمد فوت ہوا ساتھ ہی خدا تعالی نے یہ الہام کیا انا نبشرک بغلام حلیم ینزل منزل المبارک یعنی ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھے خوش خبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا۔ اور اس کا قائم مقام اور اس کا شبیہ ہوگا۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ دشمن (مبارک احمد کی موت سے) خوش ہو اس لئے اس نے بمجرد وفات مبارک احمد کے ایک دوسرے لڑکے کی بشارت دی تا یہ سمجھا جائے کہ مبارک احمد فوت نہیں ہوا بلکہ زندہ ہے.

(اشتہار مرزا صاحب مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۷ء مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۸۷)

اور حقیقت یہ ہے کہ مبارک احمد کی موت کے بعد مرزا صاحب کے ہاں کوئی بیٹا نہیں ہوا اور اس موعود بیٹے کو وہ اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ ایک دفعہ انہوں نے مولانا عبدالحق صاحب غزنوی کو لکھا تھا کہ جس بیٹے کا تمہیں انتظار ہے وہ

. کہاں گیا۔ کیا اندر ہی اندر پیٹ میں تحلیل پا گیا یا پھر رجعت قہقری کر کے نطفہ بن گیا. (انجام آتھم خزائن ج ۱۱ ص ۳۱۱)۔

مبارک کی موت کے بعد موعود بیٹے کے معاملے میں تقدیر نے وہ تمام باتیں مرزا صاحب کو سنا دیں جو انہوں نے مولانا غزنوی کو طعن و تشنیع کرتے ہوئے کہیں تھیں۔ اب سوال یہ ہے کہ موعود بیٹے کا نہ ہونا مرزا کے لئے باعث عار ہے کہ نہیں ؟ خاص طور پر اس لئے کہ الہامی وعدہ کیا ہی اس لئے گیا تھا کہ لوگ مبارک کی موت سے خوش نہ ہوں۔

اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

. پھر خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا۔ اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کرونگا۔ اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی ۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۱۰۲)

. اس عاجز نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ پیش گوئی خدا تعالی کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض با برکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولا پیدا ہوگی .(اشتہار محک اخیار واشرار ستمبر ۱۸۸۶ء۔ مجموعہ اشتہارات ۔ ج اول ۔ اشتہار نمبر ۳۵۔ص ۱۳۰)

اور مرزا صاحب اپنے مرید حکیم نوردین صاحب کو لکھتے ہیں

. مخدومی اخویم مولوی نورالدین صاحب ... جو عنایات خداوند کریم جل شانہ کے اس عاجز کے شامل حال ہیں ان کے بارے میں ہمیشہ یہی دل چاہتا ہے کہ اپنے دوستوں سے کچھ اس میں سے بیان کرتا رہوں ۔ سو آپ بھی جو میرے مخلص دوست ہیں ایک راز پیش گوئی کا بیان کرتا ہوں ۔ شائد چار ماہ کا عرصہ ہوا کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ سو اس کا نام بشیر ہوگا۔ اب تک میرا قیاسی طور پر خیال تھا کہ شائد وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ (نصرت بیگم) سے ہوگا۔ اب زیادہ تر الہام اس بات میں ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑے گا ۔ اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی ۔ وہ صاحب اولاد ہوگی ... ان دنوں اتفاقاً شادی کے لئے دو شخصوں نے تحریک کی تھی مگر جب ان کی نسبت استخارہ کیا گیا تو ایک عورت کی نسبت جواب ملا کہ اس کی قسمت میں ذلت اور محتاجگی اور بے عزتی ہے ۔ اور اس لائق نہیں کہ تیری اہلیہ ہو ۔ اور دوسری کی نسبت ارشاد ہوا کہ

اس کی شکل اچھی نہیں ۔گویا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ صاحب صورت و صاحب سیرت لڑکا جس کی بشارت دی گئی ہے وہ برعائت مناسبت ظاہری اہلیہ جمیلہ و پارساطبع سے پیدا ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اب مخالفین آنکھوں کے اندھے اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں اب کی دفعہ لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ان کے ابطال میں ایک دوست (میر عباس علی لدھیانوی) نے اشتہارات شائع کیے ہیں ۔مگر میری دانست میں اس لڑکے کے تولد سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ تیسری شادی ہو جائے ۔کیونکہ اس تیسری شادی میں اولاد ہونے کے اشارات پائے جاتے ہیں ۔غالبا اس تیسری شادی کا وقت نزدیک ہے ۔اب دیکھیں کہ کس جگہ ارادہ ازل نے اس کا ظہور مقرر کر رکھا ہے۔ الہامات اس بارہ میں کثرت سے ہوئے ہیں ۔اور ربانی ارادہ میں کچھ جوش سا پایا جاتا ہے۔ خاکسار غلام احمد از قادیان ۸ جون ۱۸۸۶ء۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر۲ ص ۵۔۶، تذکرہ ۱۱۲۔۱۱۳)

اور دو ہفتے بعد حکیم صاحب کو جناب مرزا صاحب لکھتے ہیں

. مخدومی اخویم مولوی نورالدین صاحب ... اس عاجز نے جو آپ کی طرف لکھا تھا وہ صرف دوستانہ طور پر بعض اسرار الہامیہ پر مطلع کرنے کی غرض سے لکھا گیا کیونکہ اس عاجز کی یہ عادت ہے کہ اپنے احباب کو ان کی قوت ایمانی بڑھانے کی غرض سے کچھ کچھ امور غیبیہ بتا دیتا ہے۔ اور اصل حال اس عاجز کا یہ ہے کہ جب سے اس تیسرے نکاح کے لئے اشارہ غیبی ہوا ہے۔تب سے طبیعت متفکر و متردد ہے۔ اور حکم الہی سے گریز کی جگہ نہیں مگر بالطبع کارہ ہے۔اور ہر چند اول اول یہ چاہا کہ یہ امر غیبی موقوف رہے لیکن متواتر الہامات و کشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر مبرم ہے۔ خاکسار غلام احمد ۲۰ جون ۱۸۸۶ء

(مکتوبات ج ۵ نمبر۲ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ۳۹۸۔۳۹۹)

اور ضمیمہ انجام آتھم (ص ۵۴) میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

. اور تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا۔ اور یہ لفظ احمد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت ایک حمد اور تعریف ہوگی .

اب سوال یہ کہ نصرت بیگم کے بعد مرزا صاحب کو کون سی خواتین مبارکہ ملیں ؟

اور ان سے کون سی اولاد ملی؟ یہ خواتین مبارکہ عالم ارواح میں مرزا صاحب کا رونا رو رہی ہیں اور ان سے موعود اولاد عالم ارواح میں اپنے باپ کو ان کے یہ الہام اور دعوے

انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول کن فیکون (حقیقۃ الوحی ص ۱۰۵)۔

اعطیت صفۃ الافنا و الاحیا من رب الفعال ۔ دیا گیا میں صفت مارنے اور زندہ کرنے کی رب فعال سے۔ (خطبہ الہامیہ ص ٦)

دکھا کر پوچھ رہی ہے کہ آپ کے مالک کن فیکون ہونے کا ہمیں کیا فائدہ ہوا کہ آپ ہمیں چار دن کی حیات مستعار بھی نہ دلا سکے۔

پھر محمدی بیگم کا معاملہ زندگی بھر مرزا صاحب کے گلے میں چھپکلی کی طرح پھنسا رہا اور آج تک ان کے مریدوں کے لئے باعث عار بنا ہوا ہے۔ مرزا کہتے ہیں

ہر یک نبی کو خدا تعالی یہ دن دکھاتا ہے۔ اول وہ کوئی وعدہ بشارت اپنے نبی کو دیتا ہے اور پھر جب وہ نبی اس وعدہ پر خوش ہو جاتا ہے تو ابتلاء کے طور پر چاروں طرف سے ایسے موانع قائم کر دیتا ہے کہ جو نومیدی اور ناکامی پر دلالت کرتے ہوں۔ بلکہ قطع اور یقین کی حد تک پہنچ گئے ہوں۔ جیسا کہ خدا تعالی نے ایک طرف تو ہمارے سید و مولی نبی ﷺ کو بدر کی لڑائی میں فتح و نصرت کی بشارت دی اور دوسری طرف جب لڑائی کا وقت آیا تو پھر پتہ لگا کہ مخالفوں کی اس قدر جمعیت ہے کہ بظاہر کامیابی کی امید نہیں۔ تب آنحضرت ﷺ کو سخت کرب و قلق ہوا اور جناب الہی میں رو رو کر دعائیں کیں کہ یا الہی اس گروہ کو فتح بخش اور اگر تو فتح نہیں دے گا اور ہلاک کر دے گا تو پھر قیامت تک کوئی تیری پرستش نہیں کریگا۔ سو یہ الفاظ درحقیقت اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ آنحضرت ﷺ پیش گوئی کی نسبت شک میں پڑ گئے تھے بلکہ حالات موجودہ کو خلاف مراد دیکھ کر خدا تعالی کے غنائے ذاتی پر نظر تھی۔ اور اس کی جلالی ہیبت سے متاثر ہو گئے تھے اور درحقیقت ہر ایک جگہ جو قرآن شریف میں نبی کریم کو کہا گیا ہے کہ تو ہمارے وعدہ میں شک مت کر وہ سب مقامات اسی قسم کے ہیں جن میں بظاہر سخت ناکامی کی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں اور اسباب مخالفہ نے ایسا رعب ناک چہرہ دکھلایا تھا جن کو دیکھ کر ہر یک انسان ضعف بشریت کی وجہ سے حیران ہو جاتا ہے۔ سو ان وقتوں میں نبی کریم کو بطور تسلی دہی کے فرمایا گیا کہ اگرچہ

حالت نازک ہے مگر بباعث ضعف بشریت شک مت کر یعنی یہ خیال مت کر کہ شائد اس پیش گوئی کے اور معنے ہوں گے ۔ راقم رسالہ ہذا (مرزا غلام احمد) اس مقام میں خود صاحب تجربہ ہے ۔ عرصہ تین برس کا ہوا ہے کہ بعض تحریکات کی وجہ سے جن کا مفصل ذکر اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے خدائے تعالی نے پیش گوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گاماں بیگ ہشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی ۔ اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا اور فرمایا کہ خدا تعالی ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا ۔ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے ۔ اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھاوے گا اور اس کام کو ضرور پورا کریگا ۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے ۔ چنانچہ اس پیش گوئی کا مفصل بیان مع اس کی میعاد خاص اور اس کے اوقات مقرر شدہ کے اور مع اس کے ان تمام لوازم کے جنہوں نے انسان کی طاقت سے اس کو باہر کر دیا ہے اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے ۔ اب اس جگہ مطلب یہ ہے کہ جب یہ پیش گوئی معلوم ہوئی اور ابھی پوری نہیں ہوئی تھی (جیسا کہ اب تک بھی جو ۱۶ اپریل ۱۸۹۱ء ہے پوری نہیں ہوئی) تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی ۔ اس وقت گویا پیش گوئی آنکھوں کے سامنے آگئی ۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ اٹھنے والا ہے ۔ تب میں نے اس پیش گوئی کی نسبت خیال کیا کہ شائد اس کے معنی اور ہوں ۔ جو میں سمجھ نہیں سکا ۔ تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا الحق من ربک فلا تکونن من الممترین ۔ یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے ۔ سو اس وقت مجھ پر یہ بھید کھلا کہ کیوں خدا تعالی نے اپنے رسول کریم کو قرآن کریم میں کہا کہ تو شک مت کر ۔ سو میں نے سمجھ لیا کہ درحقیقت یہ آئت ایسے ہی نازک وقت سے خاص ہے جیسے یہ وقت تنگی اور نومیدی کا میرے سر پر ہے ۔ اور میرے دل میں یقین ہوگیا کہ جب نبیوں پر بھی ایسا ہی وقت آجاتا ہے جو میرے پر آیا تو خدا تعالی تازہ یقین دلانے کے لئے ان کو کہتا ہے کہ تو کیوں شک

کرتا ہے اور مصیبت نے مجھے کیوں نا امید کر دیا تو نا امید مت ہو۔

(ازالہ اوہام حصہ اول (خزائن ج ۳) ص۳۰۴۔۳۰۶)

یعنی مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ محمدی بیگم ہمارے نکاح میں ضرور آئے گی۔ لیکن ایسا ہوا نہیں۔ مرزائی کہتے ہیں کہ محمدی بیگم سے مرزا صاحب کا نکاح ہونا مرزا سلطان محمد کی موت پر موقوف تھا۔ وہ چونکہ مرزا صاحب کی زندگی میں نہیں مرا اور محمدی بیگم بیوہ نہیں ہوئی اور اس لئے اس محمدی بیگم کا دوسرا نکاح مرزا صاحب کے ساتھ نہ ہوا۔

دوسری جانب مرزا صاحب انجام آتھم میں فرماتے ہیں

میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کی انتظار کرو۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی (انجام آتھم (خزائن ج ۹ ص ۳۱ حاشیہ)

کہ سلطان محمد کا میری زندگی میں مرنا تقدیر مبرم ہے۔ وہ میری زندگی میں نہ مرے تو میں جھوٹا۔ پس سلطان محمد کا حیات مرزا میں نہ مرنا مرزا صاحب کا ایک جھوٹ ہوا اور محمدی بیگم کا مرزا صاحب کے نکاح میں نہ آنا ان کا دوسرا جھوٹ ہوا۔

نیز مرزا کہتے ہیں کہ محمدی بیگم والی پیش گوئی میں نہ ایک، بلکہ چھ دعوی ہیں۔

اول (محمدی بیگم کے کسی اور شخص کے ساتھ) نکاح کے وقت تک میرا زندہ رہنا۔

دوم۔ (کسی اور کے ساتھ) نکاح کے وقت تک اس لڑکی کے باپ کا یقیناً زندہ رہنا۔

سوم۔ پھر نکاح کے بعد اس لڑکی کے باپ کا جلدی سے مرنا جو تین برس تک نہیں پہنچے گا۔

چہارم۔ اس کے خاوند کا اڑھائی برس کے عرصہ تک مرجانا۔

پنجم۔ اس وقت تک کہ میں اس لڑکی سے نکاح کروں اس لڑکی کا زندہ رہنا۔

ششم۔ پھر آخر بیوہ ہونے کی تمام رسموں کو توڑ کر باوجود سخت مخالفت اس کے اقارب کے میرے نکاح میں آجانا۔ (خزائن ج ۵ ص ۳۲۵)۔

اور اپنے مباہل مولوی عبدالحق غزنوی کو مخاطب کر کے مرزا صاحب کہتے ہیں

پھر تمہارا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ احمد بیگ کا داماد اب تک زندہ ہے۔ سو میں کہتا ہوں اے نابکار قوم کب تک تو اندھی اور گونگی اور بہری رہے گی؟ اور کب تک تیری آنکھیں اس نور کو نہیں دیکھیں گی جو اتارا گیا؟ سن اور سمجھ۔ کہ اس

الہام کے دو ٹکڑے تھے۔ ایک احمد بیگ کے متعلق اور ایک اس کے داماد کے متعلق ۔سو تم سن چکے ہو کہ احمد بیگ میعاد کے اندر فوت ہوگیا۔اور وہ دن آتا ہے کہ تم سن لو گے کہ اس کے داماد کی نسبت بھی پیش گوئی پوری ہوگئی۔خدا کی باتیں ٹل نہیں سکتی۔

(حجۃ اللہ۔ خزائن، جلد۱۲ ص ۱۵۹)

کیا ۱۹۰۸ء تک سلطان محمد مر گیا تھا کہ محمدی بیگم سے مرزا صاحب کی شادی کی راہ ہموار ہوسکتی؟ کیا یہ لڑکی ۱۹۰۸ء تک مرزا صاحب کے نکاح میں آگئی تھی؟ کیا یہ لڑکی اور مرزا صاحب ابھی زندہ ہیں کہ ان کی باہم شادی کی امید رکھی جا سکے؟

اور کیا یہ ساری باتیں تک مرزا صاحب کے لئے باعث ذلت نہیں ہیں؟

اور مرزا صاحب نے کتاب الوصیت میں کہا ہے کہ اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری زندگی میں ہی وہ سب لوگ ختم ہوجائیں گے جو تم پر اعتراض کرتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب مرزا صاحب کی ۱۹۰۸ء میں وفات ہوئی کیا اس وقت تک ان کے مخالفین اور ان پر اعتراضات کرنے والے ختم ہوچکے تھے؟

کیا سید ابو الحسن تبّتی مر گیا تھا؟ نہیں۔

کیا محمد بخش جعفر زٹلی مر گیا تھا؟ نہیں۔

کیا ڈاکٹر عبد الحکیم مر گیا تھا؟ نہیں

ابھی تو مولانا محمد حسین بٹالوی زندہ تھے جنہیں مرزا صاحب اپنا شدید ترین دشمن کہا کرتے تھے۔جن کو فرعون کے لقب سے بھی نوازا کرتے تھے۔ جیسا کہ لکھا ہے

. فرمایا (مرزا صاحب نے) ابوجہل اس امت کا فرعون تھا کیونکہ اس نے بھی نبی کریم ﷺ کی چند دن پرورش کی تھی جیسا کہ فرعون مصری نے حضرت موسی کی پرورش کی تھی۔اور ایسا ہی مولوی محمد حسین صاحب نے ابتدا میں براہین پر ریویو لکھ کر ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی۔ (ملفوظات ج ۳ ص ۲۷۲)۔

اور مولوی محمد حسین صاحب کو آپ ابوجہل کہہ کر بھی خوش ہوا کرتے تھے۔ان کی زندگی میں مرزا صاحب کی موت، مرزا صاحب کے لئے عار۔شکست اور جھوٹے ہونے کی دلیل تھی۔ (ویسے مرزا صاحب کا یہ لکھنا کہ ابوجہل نے آنحضرت ﷺ کی چند دنوں تک پرورش کی تھی بالکل غلط اور سیرۃ النبی ﷺ اور تاریخ اسلام سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت ہے۔اور

چونکہ انہوں نے اپنی اس غلطی کی تاعمر اصلاح نہیں فرمائی اس لئے ان کا یہ دعوی بھی جھوٹا ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ کسی غلطی پر مجھے خدا تعالی قائم نہیں رکھتا۔ تذکرہ ص ۵۷) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اپنے الہام کنندہ کا مبلغ علم بھی قابل رشک نہیں تھا۔ اس کے علاوہ سیرۃ النبی سے عدم واقفیت کی ایک اور مثال مرزا صاحب کی ایام صلح میں یہ تحریر ہے ۔ آنحضرت ﷺ کو والدین سے مادری زبان سیکھنے کا بھی موقع نہ ملا کیونکہ چھ ماہ کی عمر تک دونوں فوت ہو چکے تھے (ایام صلح، حاشیہ ص ۱۷۰) ۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد محترم تو آپ کی ولادت سے قبل ہی انتقال فرما چکے تھے اور والدہ محترمہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آپ عمر مبارک کے ساتویں سال میں تھے) اور جس کے متعلق تاریخ احمدیت میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی موت کے بعد ۔ مولوی محمد حسین بٹالوی جو کچھ عرصہ قبل گوشہ تنہائی میں چلے گئے تھے دوبارہ اشاعۃ السنہ کے ذریعہ حملے کرنے لگے ملاحظہ ہو اشاعۃ السنہ جلد ۲۲ نمبر ۳ ص ۷۶ (تاریخ احمدیت ج ۳ ص ۲۱۷)

ابھی تو مولانا ثناء اللہ زندہ تھے ۔ جن کے متعلق مرزا صاحب نے کہا کہ یہ مخالفت میں سب سے بڑھ گئے ہیں ۔ جن کو آپ نے ابو جھل اور دجال بھی کہا ۔ اور جن کے مقابلے میں انہوں نے دعا مانگی تھی کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے ۔

۱۹۰۸ء میں جب مرزا صاحب نے دنیا سے کنارہ کیا تو اس وقت ۱۸۹۶ء والے مباہلے کے مخاطبین میں سے جو لوگ زندہ تھے ان میں محمد بشیر سہسوانی، محمد حسین کوئلہ والہ دہلی، عبد الحق غزنوی ، عبد الجبار غزنوی، عبد الواحد غزنوی، ثناء اللہ امرتسری، احمد اللہ امرتسری، عبد الاحد خانپوری، محمد علی بھوپڑوی ، عبد المنان وزیر آبادی، حسین عرب یمانی ، عبد الحق حقانی، محمد رمضان پشاوری ، حتشام الدین مراد آبادی، محمد حسن رئیس لدھیانہ شامل ہیں

جس طرح مرزا صاحب خود اپنی زندگی میں مرنے والوں کی موت کو ان کے کذب اور اپنی صداقت کی شہادت کے طور پر بیان کیا کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو اسے میں نے چیلنج کیا تھا اور اگر چہ مباہلہ منعقد نہیں ہوا لیکن میری زندگی میں اس کی موت میری صداقت اور اس کے جھوٹا ہونے کا ثبوت ہے ۔ اسی طرح مرزا کی موت کے وقت مذکورہ بالا بزرگوں کا زندہ ہونا اسی طرح مرزا صاحب کے کذب کی شہادت ہے

بہشتی مقبرہ

کتاب الوصیت میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

. خدا نے مجھے میری وفات سے اطلاع دی ہے اور مجھے مخاطب کر کے میری زندگی کی نسبت فرمایا کہ : بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں .....اور مجھے ایک جگہ دکھلا دی گئی کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہوگی ۔ ایک فرشتہ میں نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے ۔ تب ایک مقام پر اس نے پہنچ کر مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے۔ پھر ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی اور اس کی تمام مٹی چاندی کی تھی ۔ تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے۔ اور ایک جگہ مجھے دکھائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا ۔ اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں ۔

تب سے ہمیشہ مجھے یہ فکر رہی کہ جماعت کے لئے ایک قطعہ زمین قبرستان کی غرض سے خریدا جائے لیکن چونکہ موقعہ کی عمدہ زمینیں بہت قیمت سے ملتی تھیں اس لئے یہ غرض مدت دراز تک معرض التواء میں رہی ۔ اب اخویم مولوی عبد الکریم صاحب کی وفات کے بعد جبکہ میری وفات کی نسبت بھی متواتر وحی الٰہی ہوئی میں نے مناسب سمجھا کہ جلدی انتظام کیا جائے ۔ اس لئے میں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے جس کی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہیں اس کام کے لئے تجویز کی ۔ اور میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بنا دے۔ (الوصیت ص ۱۵)

اور . اس قبرستان کے لئے مجھے بڑی بھاری بشارتیں ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ . یہ مقبرہ بہشتی ہے . بلکہ یہ بھی فرمایا کہ . انزل فیھا کل رحمه یعنی ہر قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے . ، (الوصیہ ص ۱۶) ۔

(اور) . خدا کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ صرف بہشتی ہی اس میں دفن کیا جائے گا (الوصیہ ص ۱۹ حاشیہ)

پھر فرماتے ہیں۔ اس قبرستان کی زمین بطرز چندہ میں نے اپنی طرف سے دی ہے۔لیکن اس احاطہ کی تکمیل کے لئے کسی قدر اور زمین خریدی جائے گی۔ جس کی قیمت اندازاً ہزار روپئہ ہوگی اور اس کے خوش نما کرنے کے لئے کچھ درخت لگائے جائیں گے اور ایک کنواں لگایا جائیگا اور اس قبرستان کی شمالی طرف بہت پانی ٹھہرا رہتا ہے جو گزرگاہ ہے۔ اس لئے وہاں ایک پل تیار کیا جائیگا اور ان متفرق مصارف کے لئے دو ہزار روپئہ درکار ہوگا۔ سو کل یہ تین ہزار روپئہ ہوا جو اس تمام کام کی تکمیل کے لئے خرچ ہوگا۔

اور چونکہ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ انزل فیها کل رحمة یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں۔ اس لئے خدا نے میرا دل اپنی وحی خفی سے اس طرف مائل کیا کہ ایسے قبرستان کے لئے ایسے شرائط لگا دیئے جائیں کہ وہی لوگ اس میں داخل ہوسکیں جو اپنے صدق اور کامل راست بازی کی وجہ سے ان شرائط کے پابند ہوں۔

ا۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں مدفون ہونا چاہتا ہے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ان مصارف کے لئے چندہ داخل کرے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا جو یہ وصیت کرے جو اس کی موت کے بعد دسواں حصہ اسکے تمام ترکہ کا حسب ہدائت اس سلسلہ کی اشاعت اسلام اور تبلیغ احکام قرآن میں خرچ ہوگا اور ہر ایک صادق کامل الا یمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے زیادہ بھی لکھ دے لیکن اس سے کم نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والہ متقی ہو اور محرمات سے پرہیز کرتا ہو اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو

اگر کوئی وصیت کرنے والہ مجذوم ہو تو ایسا شخص اس قبرستان میں دفن نہ ہوگا لیکن اگر وہ وصیت پر قائم ہے تو اس کو وہی درجہ ملے گا جو دفن ہونے والے کو

اگر کوئی طاعون سے مرے تو دو برس تک (اس کی) میت (اس کے آبائی

علاقے میں) امانت (دفن) رہے اور ۲ برس بعد ایسے موسم میں میت قادیان لائی جائے جب کہ اس (آبائی) جگہ اور قادیان میں طاعون نہ ہو۔ اگر کوئی مرید سمندر میں غرق ہو جائے تو بہشتی مقبرہ میں اس کے نام کا کتبہ لگا دیا جائے اور خدا تعالی کے نزدیک ایسا ہی ہوگا گویا وہ اسی قبرستان میں دفن ہوئے ہیں

اگر کوئی کچھ بھی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ نہ رکھتا ہو اور بایں ہمہ ثابت ہو کہ وہ ایک صالح درویش ہے اور متقی اور خالص مومن ہے۔ اور کوئی حصہ نفاق یا دنیا پرستی یا قصور اطاعت کا اس کے اندر نہ ہو تو وہ میری اجازت سے یا میرے بعد انجمن کی اتفاق رائے سے اس مقبرہ میں دفن ہو سکتا ہے

میری نسبت اور میرے اہل وعیال کی نسبت خدا نے استثنا رکھا ہے۔ باقی ہر ایک مرد ہو یا عورت ان کو ان شرائط کی پابندی لازمی ہوگی اور شکائت کرنے والہ منافق ہوگا (ضمیمہ رسالہ الوصیہ ص ۲۸ ۔ ۲۹ ۔ روحانی خزائن ص ۶ ۔ ۳۲۷ جلد ۲۰)

واضح ہو کہ خدا تعالی کا ارادہ ہے کہ ایسے کامل الایمان ایک ہی جگہ دفن ہوں تا آئندہ کی نسلیں ایک ہی جگہ ان کو دیکھ کر اپنا ایمان تازہ کریں۔ (الوصیت)

مرزا صاحب کی اس وحی اور اس سے متعلق تشریحات اور واقعات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں جس جگہ کو دکھا کر انہیں بتایا تھا کہ یہ جگہ بہشتی مقبرہ ہے وہ اور تھی لیکن جس جگہ پر مرزا صاحب نے بہشتی مقبرہ بنایا وہ جائے دیگر ہے۔ اور یہ رؤیا بھی عجیب ہے کہ مرزا صاحب کی پہلی قبر کی جگہ اور ہے اور چاندی کی قبر اور ہے اور بہشتی مقبرہ اور جگہ ہے۔ اگر فرشتہ سچ کہتا ہے تو پہلی قبر کو بھی مرزا صاحب کی بتاتا ہے۔ اور جلد ہی دوسری قبر کو اور معاً بعد بہشتی مقبرہ کی جگہ دکھاتا ہے۔ غرض تینوں جگہیں مختلف ہیں۔ اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے اس کی قیمت ہزار سے کم نہیں اس کام کے لئے تجویز کی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہشتی مقبرے کی موجودہ جگہ مرزا صاحب کی تجویز کردہ جگہ ہے الہامی نہیں ہے ۔ اور اسی لئے مرزا صاحب اپنی منتخب کردہ زمین کے متعلق دعائیں کر رہے ہیں کہ خدا اسی کو بہشتی مقبرہ بنا دے ورنہ خواب میں دکھائی جانے والی جگہ کے لئے ایسی دعائیں کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ جگہ تو خود ان کے الہام کنندہ نے

پہلے سے بہشتی قرار دے رکھی تھی۔

پھر ہوا یوں کہ خواب میں دکھائی گئی الہام کنندہ کی طرف سے بہشتی قرار دی جانے والی جگہ پر مرزا صاحب کی قبر نہیں بنی اور نہ ہی وہ خواب میں دکھائی جانے والی قبر میں دفن ہوئے۔ جس جگہ مرزا صاحب نے بہشتی مقبرہ بنایا ہے خواب میں دکھائی گئی جگہ سے اس کا مختلف ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے الہام کنندہ میں بہشتی مقبرے کے تعین میں اختلاف ہے۔ مرزا صاحب جس جگہ کو بہشتی قبرستان قرار دے کے مریدوں سے پیسے مانگ رہے ہیں ان کے الہام کنندہ کی اس پر مہر نہیں ہے کیونکہ وہ تو کسی اور جگہ کو بہشتی قرار دیتا ہے۔ باہم اختلاف کی صورت میں یا تو مرزا صاحب حق پر ہو سکتے ہیں یا ان کا الہام کنندہ۔ اور دونوں ہی صورتوں میں مرزائیت کا تیا پانچہ ہو جاتا ہے۔ اور درحقیقت یہ قبرستان مرزا صاحب کے کذب کا نشان بن جاتا ہے کہ انہوں نے خواب میں اپنے الہام کنندہ کی طرف سے دکھائی گئی جگہ کو چھوڑ کر ایک دوسری جگہ بہشتی مقبرہ بنا کر اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ انہیں خود بھی اپنے الہام کنندہ کی باتوں پر یقین نہیں تھا۔ نبی کی خواب تو وحی ہوتی ہے اور وحی کا اتباع کرنا نبی پر لازمی ہوتا ہے کیونکہ وحی کو ترک کر کے وہ مرتبہ نبوت پر فائز نہیں رہ سکتا۔ مرزا صاحب جس الہام کنندہ کے نبی تھے۔ اسی کی جانب سے کی گئی وحی کا خلاف کر کے وہ کہیں کے بھی نہیں رہے۔ اور اپنی خواب خود انہوں نے اپنے عمل سے جھوٹی ثابت کر دی۔ اور اچھی قیمتی زمین الہام کنندہ کی خدمت میں پیش کرنے کی بجائے اپنی بے کار زمین قبرستان کے لئے مخصوص کر کے اسے سونے کے بھاؤ مارکیٹ میں پیش کر دیا۔

ایک ہزار روپئے مالیت کی زمین اپنی طرف سے چندہ دینے کی بات عجیب ہے کہ وہ تو مرزا صاحب کے قبضے میں تھی ہی نہیں۔ وہ تو مرزا صاحب نے بیوی کے پاس رہن کی ہوئی تھی جس کی میعاد تیس سال تھی۔ اور رہن کی دستاویز ۲۵ جون ۱۸۹۸ء کو رجسٹری کرائی گئی تھی۔ زر رہن پانچ ہزار روپئہ تھا جس میں سے ایک ہزار نقد درج ہے اور باقی بصورت زیورات ہے۔ اس رہن میں مرزا صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل الفاظ درج ہیں

. اقرار یہ ہے کہ عرصہ تیس سال تک فک الرہن نہیں کراؤنگا۔ بعد تیس سال مذکور کے ایک سال میں جب چاہوں زر رہن دوں تب فک الرہن کروا لوں گا۔ ورنہ

بعد انفصال میعاد بالا اکتیس سال کے بتیسویں سال میں مرہونہ بالا ان ہی روپئوں میں بیع باوفا ہو جائیگا اور مجھے دعوی ملکیت کا نہیں رہے گا۔ قبضہ اس کا آج سے کرا دیا ہے اور داخل خارج کرادوں گا۔ اور منافع مرہونہ بالا کی قائمی رہن تک مرتہنہ مستحق ہے اور معاملہ سرکاری فصل خریف ۱۹۵۵ بکرمی سے مرتہنہ دے گی اور پیداوار لے گی
(سیرۃ المھدی۔ ج۱۔ ص۵۲۔۵۳) .

اور اس زمین کے قبرستان کے بننے سے پہلے مرزا صاحب کی مسجد کے امام ، عبدالکریم سیالکوٹی کی وفات ہو چکی تھی اور انہیں کسی اور جگہ دفن کیا گیا تھا۔ بہشتی مقبرہ بننے کے بعد ان کی قبر اکھاڑی گئی اور ان کی میت کو ۲۶ دسمبر ۱۹۰۵ء کے روز اس نئے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اور شائد نئے قبرستان میں دفن ہونے والے پہلے شخص یہی ہیں۔ مولوی عبدالکریم نے اپنی جائداد کا کوئی حصہ وقف نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی انہیں پرانی قبر سے نکال کر نئے قبرستان میں دفن کر دیا گیا جس کی وجہ ان کا یہ اختصاص معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی نے مرزا صاحب کو ان کے مقام نبوت پر فائز کر کے اعلان کیا تھا کہ مرزا صاحب دراصل نبی ہیں۔ جیسا کہ لکھا ہے

۱۹۰۱ء میں مرزا صاحب کے خطیب مولوی عبدالکریم جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے . مرزا صاحب کو نبی اور رسول کہنے لگے۔ سارا مجمع خاموش رہا البتہ مولوی محمد احسن امروہی نے اعتراض کیا۔ جس پر مولوی عبدالکریم نے خطبے کے دوران ہی مرزا صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر میں آپ کو رسول یا نبی سمجھنے میں غلطی پر ہوں تو مجھے مطلع کر دیں۔ نماز ختم ہونے کے بعد جب مرزا صاحب جانے لگے تو مولوی عبدالکریم نے ان کا دامن پکڑ لیا۔ اگر میرے اعتقاد میں غلطی ہے تو مجھے بتا دیں۔ مرزا صاحب نے جواب دیا. ہمارا بھی یہی دعوی ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں .

(حقیقۃ النبوہ ص ۲۲۱۔ منقول از خاتم النبیین ص ۳۸۳۔۳۸۴)

اور ایسا شخص جو بعد از تدفین اور بغیر وقف جائیداد اس اختصاص کے باعث نئے قبرستان میں از سرنو دفنایا گیا ہو جس کے متعلق مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ وہاں بہشتی ہی دفنائے جائیں لاہوری مرزائیوں کو خبردار کر رہا ہے کہ وہ اپنا ٹھکانہ کر لیں کہ بہشت تو صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔

پھر مرزا صاحب نے اپنے اہل و عیال کے لئے شرائط سے استثنا رکھ دیا ہے کہ وہ مال و جائداد بھی نہ دیں اور ان کے لئے متقی اور پرہیزگار ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اولاد کو متقی ہونا کیوں ضروری نہیں اور انہیں اپنی جائدادوں میں سے وصیت کرنا کیوں ضروری نہیں ؟ کیا خدا کے ہاں ان کی یہی نیکی کافی ہے کہ وہ اولاد مرزا ہیں اور اس وجہ سے ان کی تمام برائیاں معاف اور وہ بغیر حساب کتاب سیدھے بہشتی ہیں؟

اور بتایا جاتا ہے کہ جو زمین مرزا صاحب نے بہشتی مقبرہ کے لئے مقرر کی تھی وہ ختم ہوگئی تو پھر ملحقہ زمین خرید کر بہشتی مقبرہ وسیع کیا گیا ۔ یہ ملحقہ زمین ایک مسلمان کی ملکیت تھی اور اس مسلمان نے مرنے سے پہلے یہ وصیت کررکھی تھی کہ اس کی قبر عین اس جگہ بنائیں جہاں بہشتی مقبرہ کی حد ملتی ہے۔ چنانچہ جب وہ فوت ہوا تو اس کے وارثوں نے اس کی ہدائت کے مطابق اس کی قبر وہیں بنائی جہاں وہ چاہتا تھا ۔ کچھ عرصہ بعد جب یہ زمین بہشتی مقبرہ میں شامل ہوئی تو اس کی قبر بھی بہشتی مقبرہ میں آگئی۔ اب قادیانی حضرات سے سوال یہ ہے کہ تحریک ختم نبوت کا یہ خاموش کارکن بہشتی ہے یا دوزخی ؟

تقسیم بنگال

۱۱ فروری ۱۹۰۶ء کو مرزا غلام احمد نے بایں الفاظ ایک پیش گوئی فرمائی
'پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی،

اس پیش گوئی کا پس منظر یا شان نزول یوں ہے کہ لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے بنگالہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دو جدا جدا صوبے بنا دئے۔ ایک مغربی بنگال جس کا صدر مقام کلکتہ تجویز ہوا۔ اور دوسرا مشرقی بنگال جس کا صدر مقام ڈھاکہ مقرر ہوا۔ اس تقسیم کو بنگالیوں نے نا مناسب سمجھ کر کوشش کی کہ یہ منسوخ ہو جائے اور مثل سابق دونوں صوبے ایک ہو جائیں اور ان کا گورنر بھی ایک ہی ہو۔ مگر حکومت کی طرف سے اس کا جواب نفی میں ملتا رہا۔ اس پر ہوا کا رخ دیکھ کر مرزا صاحب نے فروری ۱۹۰۶ء میں درج بالا الہام شائع کیا۔ اور اگلے سال اپنی کتاب حقیقت الوحی میں اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔

'۱۱ فروری ۱۹۰۶ء کو بنگالہ کی نسبت ایک پیشگوئی کی گئی تھی جس کے یہ الفاظ تھے۔ 'پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسا کہ سب کو معلوم ہے گورنمنٹ نے تقسیم بنگالہ کی نسبت حکم نافذ کیا تھا اور یہ حکم بنگالیوں کی دل شکنی کا باعث اس قدر ہوا تھا کہ گویا ان کے گھروں میں ماتم پڑ گیا تھا۔ اور انہوں نے تقسیم بنگالہ کے رک جانے کی نسبت بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ نتیجہ ہوا کہ ان کا شوروغوغا گورنمنٹ کے افسروں نے پسند نہ کیا۔ اور ان کی نسبت ان افسروں کی طرف سے جو کچھ کاروائیاں ہوئیں ہمیں اس جگہ اس کی تفصیل کی بھی ضرورت نہیں۔ خاص کر فلر لفٹننٹ گورنر کو انہوں نے اپنے لئے ملک الموت سمجھا۔ اور ایسا اتفاق ہوا کہ ان ایام میں بنگالی لوگ اپنے افسروں کے ہاتھ سے دکھ اٹھا رہے تھے۔ اور سر فلر کے انتقام سے جان بلب تھے۔ مجھے مذکورہ بالا الہام ہوا یعنی یہ کہ . پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی. ۔ چنانچہ میں نے اس پیشگوئی کو انہیں دنوں میں شائع کر دیا۔ سو یہ پیش گوئی اسی طرح

پوری ہوئی کہ بنگالہ کا لفٹنٹ گورنر فلر صاحب جس کے ہاتھ سے بنگالی لوگ تنگ آ گئے تھے اور اس قدر شاکی تھے کہ ان کی آہیں آسمان تک پہنچ گئی تھیں یکدفعہ مستعفی ہو گیا۔ وہ کاغذات شائع نہیں کئے گئے جن کی وجہ سے استعفا دیا گیا۔ مگر فلر صاحب کے استعفا پر جس قدر خوشی کا اظہار بنگالیوں نے کیا ہے جیسا کہ بنگالی اخباروں سے ظاہر ہے وہ سب سے بڑھ کر گواہ اس بات پر ہے کہ بنگالیوں نے فلر کی علیحدگی میں اپنی دلجوئی محسوس کی ہے اور فلر کے استعفا دینے سے ان کے خوشی کے جلسے اور عام طور پر خوشی کے نعرے اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ درحقیقت فلر کی علیحدگی سے ان کی دلجوئی ہوئی ہے بلکہ پورے طور پر دلجوئی ہوگئی ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے فلر کی علیحدگی کو اپنے لئے گورنمنٹ کا بڑا احسان سمجھا ہے۔ پس فلر کے استعفی میں جس غرض کو کہ گورنمنٹ نے اپنی کسی مصلحت سے پوشیدہ رکھا ہے وہ غرض بنگالیوں کی بے حد خوشیوں سے ظاہر ہو رہی ہے۔ اور اس سے بڑھکر پیش گوئی کے پورا ہونے کا اور کیا ثبوت ہوگا کہ بنگالیوں نے اپنی دلجوئی اس کاروائی میں خود مان لی ہے اور گورنمنٹ کا بے انتہاء شکر کیا ہے۔ اور یہ میری پیش گوئی صرف ہمارے رسالہ ریویو میں ہی شائع نہیں ہوئی تھی بلکہ پنجاب کے بہت سے اخباروں نے اس کو شائع کیا تھا۔ یہاں تک کہ خود بنگالہ کے بعض نامی اخباروں نے اس پیش گوئی کو شائع کر دیا تھا (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹۶ ۔ ۲۹۸ ۔ روحانی خزائن ج ۲۰ ص ۳۰۹ ۔ ۳۱۱)'

اور ایک اور دلیل اس بات پر کہ یہ پیش گوئی پوری ہوگئی ہے۔ یہ ہے کہ امرت بازار پترکا ، کلکتہ کا انگریزی اخبار جو بنگالیوں کا سب سے زیادہ مشہور اخبار ہے لکھتا ہے جس کے فقرہ ذیل کو اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور نے ۲۲۔ اگست ۱۹۰۶ء کی اشاعت میں درج کیا ہے اور وہ یہ ہے ۔ یہ اغلب ہے کہ اس کا یعنی فلر کا جانشین خاص دلجوئی کی پالیسی اختیار کرے گا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عین ہمارے مقصد کے مطابق ہے۔

اخبار مذکور کے اس فقرہ سے بھی ظاہر ہے کہ اس نے اس بارہ میں اپنی اطمینان ظاہر کی ہے کہ ضرور ہی (نئے) لیفٹینیٹ گورنر کا یہ فرض ہوگا کہ بنگالیوں کی دل جوئی کرتا رہے۔

پس اخبار مذکور بھی پیش گوئی کے پورا ہونے کی ایک شہادت ہے۔

پھر آخر میں ہم اس پیش گوئی کے پورا ہونے پر ایک اور زبردست دلیل لکھتے ہیں اور وہ

یہ کہ ایک انگریز افسر جو پچاس سال گورنمنٹ کے ایک ممتاز عہدہ پر رہا ہے۔ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور مورخہ ۲۴۔ اگست ۱۹۰۶ء میں ایک لمبی چٹھی کے اثناء میں جس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سر فلر کا استعفاء عین بنگالی بابوؤں کے منشاء کے مطابق ہے لکھتا ہے اس میں شک نہیں کہ اسکے یعنی فلر کے جانشین کو یہ حکم (حکام بالا سے) ملا ہے اور اس نے اسکو قبول کیا ہے کہ شر انگیز بابوؤں کے ساتھ دل جوئی کا طریق اختیار کرے اب دیکھو کہ کس صفائی سے یہ پیش گوئی پوری ہوگئی۔ خدا تازہ بتازہ اپنے نشان دکھاتا جاتا ہے۔ آہ۔ کیسے غافل دل ہیں کہ پھر قبول نہیں کرتے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲۲۹۔خزائن۔ ج ۲۰ ص ۲۳۱)

ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا پیش گوئی کا مصداق مرزا صاحب کے نزدیک اس وقت کے مشرقی بنگال کے گورنر سر فلر کی تبدیلی تھی اور بس۔ نیز اقتباس منقولہ از حقیقت الوحی میں مرزا صاحب نے جس رسالہ ریویو کا ذکر کیا ہے اور جس کی بابت لکھا ہے ’ ہمارے رسالہ ریویو میں درج تھی ‘ اس کی عبارت مولانا ثناء اللہ نے نقل فرمائی ہے جو درج ذیل ہے۔

’ بنگالہ کی نسبت جو پیشگوئی آج سے چھ سات ماہ پہلے شائع کی گئی تھی اس پر غور کرو کہ کس صفائی سے پوری ہوئی۔ پیش گوئی کے شائع ہونے کے وقت بنگالیوں کی شورش اور فساد حد درجہ تک پہنچی ہوئی تھی اور ادھر سر فلر کی گورنمنٹ اس بات پر تلی ہوئی تھی کہ اس تمام فساد کو زور سے دبایا جائے۔ ایسے وقت میں دو قسم کی امیدیں تو لوگوں کے دلوں میں ضرور تھیں۔ یعنی بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ شاید گورنمنٹ بنگالیوں کی شورش وغیرہ سے دب کر تقسیم بنگال کو منسوخ کر دے گی۔ چنانچہ بعض نجومیوں نے ایسی پیشگوئیاں اپنی جنتریوں میں شائع بھی کر دی تھیں۔ دوسری طرف جو لوگ اس امر سے واقف تھے کہ سر فلر کیسا مستعد اور کسی سے نہ دبنے والہ حاکم ہے ان کا یہ خیال تھا کہ گورنمنٹ اس تمام شورش کی کوئی پرواہ نہیں کریگی۔ اور قانون کے منشا کے مطابق اس شورش کو (مناسب ذرائع عمل میں لاکر) فرو کریگی۔ لیکن ان دو خیالوں کے سوا اور کوئی خیال اس وقت کسی نے ظاہر نہیں کیا۔ انہیں حالات کے نیچے ۱۱۔ فروری ۱۹۰۶ء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر پا کر حضرت مسیح موعود نے اس امر کا اعلان کیا کہ اس حکم کے

متعلق جو ہو چکا ہے۔ اب گورنمنٹ صرف ایسا طریق اختیار کریگی جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہو۔جس کا صاف صاف مفہوم ہے کہ جو خیال لوگوں کے دلوں میں ہیں وہ دونوں پورے نہیں ہونگے۔ بلکہ ایک ایسا طریق اختیار کیا جاوے گا جس سے تقسیم بھی منسوخ نہ ہو اور اہل بنگال کی دلجوئی بھی ہو جائے۔ اب جس وقت تک نئے صوبہ کی حکومت سرفلر کے ہاتھ میں تھی اس وقت تک کسی بات سے بنگالیوں کی دلجوئی کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو سرفلر بھی ایک زبردست حاکم تھا اور دوسری طرف بنگالیوں کو اس سے اس کی بعض کاروائیوں کے سبب خاص عناد تھا۔اور بظاہر پانچ سال تک جب تک سرفلر کا زمانہ حکومت خود بخود ختم ہو جاتا گورنمنٹ کی پالیسی بنگالیوں کی نسبت بدل نہیں سکتی تھی۔مگر وہ علیم خدا جس نے اپنے بندہ پر پیش از وقت یہ ظاہر کیا تھا کہ اب بنگالیوں کی دلجوئی ہو گی وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر واقعات پیدا ہونے والے ہیں جن سے دلجوئی کی جاوے گی۔ چنانچہ یک بیک جب کسی کو خیال بھی نہ تھا سرفلر نے استعفا پیش کیا اور گورنمنٹ نے اسے منظور کیا۔ یہ بات کہ اس استعفا سے بنگالیوں کی دلجوئی ہوئی ایسی صاف ہے کہ ایک سخت سے سخت دشمن بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ جو خوشیاں بنگالہ میں سر فلر کے استعفا پر ہوئی ہیں اور جس طرح پر بنگالی اخباروں نے خوشی کے نعرے بلند کئے ہیں اور کالموں کے کالم اسی خوشی میں سیاہ کئے ہیں اس سے بہت سے لوگ ناواقف ہوں گے۔اور یہ سب باتیں صاف ظاہر کرتی ہیں کہ بنگالیوں نے گورنمنٹ کی اس دلجوئی کو خوب محسوس کیا ہے۔‘

(ریویو۔ بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۶ء ص ۳۴۷)

مولانا ثناءاللہ امرتسری کہتے ہیں کہ

یہ عبارت بقلم مولوی محمد علی ایم اے ایڈیٹر ریویو اور بتصدیق مرزا صاحب شائع ہوئی کیونکہ مرزا صاحب نے اس رسالہ کو اپنا رسالہ کہا جو درحقیقت تھا بھی انہی کا۔اور اس عبارت کا خود حوالہ بھی دیا ہے۔ اس لئے یہ عبارت مرقومہ مولوی محمد علی اور مصدقہ مرزا صاحب ہے۔اس عبارت میں صاف طور پر اظہار ہے کہ پیشگوئی ہذا سے یہ مراد ہے کہ تقسیم بنگال منسوخ نہ ہوگی بلکہ اور کوئی صورت دلجوئی کی تجویز کی جاوے گی۔یعنی صوبہ کے لاٹ سرفلر کا استعفی قبول کیا جائے گا۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ بعد کے واقعات کس طرح پیش آئے۔ ہوا یہ کہ ۱۱ ۔دسمبر ۱۹۱۱ء کو جارج پنجم قیصر ہند شاہ انگلستان نے دہلی میں آکر دربار کیا اور اس میں بایں الفاظ اعلان فرمایا۔

' مابدولت اپنی رعایا پر اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اپنے وزراء کی صلاح پر جو ہمارے گورنر جنرل باجلاس کونسل سے مشورہ لیکر پیش کی گئی تھی مابدولت نے گورنمنٹ آف انڈیا کا صدر مقام کلکتہ سے قدیم دارالسلطنت دہلی میں بدلنے اور اس تبدیلی کے نتیجہ پر جس قدر ممکن ہو سکے الگ گورنری احاطہ بنگال کیلئے قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جیسے ہمارے گورنر باجلاس کونسل ہمارے سکرٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا باجلاس کونسل کی طرف سے مناسب طریقہ پر قرار دیں ' (روزنانہ پیسہ اخبار ۱۵۔دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

اس اعلان شاہی سے بنگالیوں کو جو مسرت ہوئی وہ اس خبر سے ثابت ہوتی ہے۔

' دہلی میں جب بنگالیوں نے منسوخی تقسیم کا اعلان سنا تو ان کو اس قدر خوشی ہوئی کہ جب حضور شہنشاہ معظم (جلسہ سے) تشریف لے گئے تو انہوں نے تخت کو جھک جھک کر سلام کئے اور بوسے دیئے (پیسہ اخبار ۱۶۔دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۸)

اس اعلان سے تقسیم بنگال حسب منشاء بنگالیاں ۱۹۱۱ء میں منسوخ ہو کر صوبہ بنگال بجائے دو کے ایک صوبہ بن گیا اور ایک ہی گورنر کے ماتحت ہو گیا۔ یوں مرزا کی پیشگوئی غلط ہوگئی جو ریویو کے الفاظ میں مشرح لکھی گئی تھی کہ تقسیم بنگال منسوخ نہ ہوگی

دراصل مرزا صاحب نے تقسیم بنگال کی نسبت اعلی حکام کے انکار پر انکار کو سن کر ہوا کا رخ یہ سمجھا تھا کہ تقسیم بنگالہ منسوخ نہ ہوگی۔ اس لئے انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ تقسیم تو منسوخ نہ ہوگی مگر اور کسی طرح بنگالیوں کی دلجوئی کی جاوے گی جو سر فلر گورنر مشرقی بنگال کے مستعفی ہونے سے پوری ہوگئی۔ لیکن جب شاہ انگلستان کے فرمان سے تقسیم بنگال منسوخ ہوئی اس وقت مرزا صاحب تو زندہ نہ تھے۔ ان کے مریدوں نے بڑی ذہانت اور ہوا شناسی سے کام لیا۔ چنانچہ خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی صاحبان لکھتے ہیں۔

' اس مادہ پرستی کے زمانہ میں جبکہ تقریباً کل کی کل دنیا اسباب دنیا کی تلاش میں منہمک ہو کر خدا کی یاد دلوں سے عملاً بھلا رہی ہے۔ عجب نہ تھا کہ خداوند عالم اصلاح

عالم کی خاطر اپنی سنت قدیمہ کے مطابق از سرنو دنیا کو اپنی ہستی کا ثبوت دے کر اپنی یاد دنیا میں پیدا کرے ۔نو برس کے قریب زمانہ گذرا جب لارڈ کرزن وائسرائے ہندوستان نے خالص مصالح ملکی کے ماتحت جن کا احساس غالباً ۱۸۶۷ء میں ایام وزارت لارڈ نارتھ کوٹ سے شروع ہو چکا تھا۔آخر کار ملک بنگالہ کے متعلق وہ حکم نافذ فرمایا کہ جس سے بنگال کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ تقسیم اگرچہ زیادہ تر انتظام ملک میں سہولت پیدا کرنے کیلئے وقوع میں آئی تھی لیکن اس کا جو اثر اہل بنگال پر ہوا اور اس سے جو نتائج پیدا ہوئے وہ محتاج تشریح نہیں۔تقسیم بنگال کو اہل بنگال نے ایک قومی صدمہ سمجھا اور اس صدمہ کا اظہار جائز اور ناجائز طریق پر کیا گیا۔اگر ایک طرف ایجی ٹیشن اور پولیٹیکل جلسوں کے ذریعہ ملک میں شور کیا گیا تو دوسری طرف قتل ڈکیتیاں بلوے بدامنی فساد قیمتی سے قیمتی جانوں پر حملے۔ الغرض طرح طرح کے جرائم اور بدعملیوں نے اس رنج وصدمہ کے اظہار کی صورت اختیار کی۔ یہ حکم اگر کسی چھوٹے موٹے افسر کا ہوتا تو شائد ملک کی یہ خطرناک حالت اس کو قابل ترمیم ٹھہرا دیتے۔لیکن یہ حکم نہ صرف ایک بادشاہ کے نائب کا ہی تھا کہ جس کی تائید میں وزیر ہند کی اجازت بھی تھی اور اس لئے بنگالی شوروشر پر ایسے حکم کی ترمیم وتنسیخ شاہی رعب اور ملکی سیاست کے منافی تھی۔ بلکہ یہ حکم ان مصالح حقہ پر مبنی تھا کہ جن کا نفاذ پریذیڈنسی بنگال کے حسن انتظام کے لئے از بس ضروری سمجھا گیا تھا۔ پریذیڈنسی بنگال میں ملک بنگال کے علاوہ بہار اڑیسہ چھوٹا ناگپور کا جمع ہو جانا انتظامی مشکلات کا موجب ہو کر عمائد سلطنت کو مدت سے تقسیم بنگالہ کی طرف راغب کر رہا تھا۔ بالمقابل تقسیم بنگالہ کی مخالفت میں بنگالی یا غیر بنگالی اہل الرائے اصحاب کی طرف سے جو کچھ کہا سنا گیا اس میں کبھی کوئی ایسی وزنی بات نہ تھی کہ جس سے گورنمنٹ کے اس فعل پر جائز نکتہ چینی ہوسکتی۔اور حق تو یہ ہے کہ تقسیم بنگالہ کے مضرات جو بروقت تقسیم اہل الرائے طبقے کی طرف سے بیان کئے گئے وہ مشتعل شدہ طبائع کے وہم وخیال کا ہی نتیجہ تھے۔ دراصل وہ واقعات ابھی اس ملک میں پیدا نہ ہوئے تھے کہ جس سے بنگالیوں کی یہ شکائت جو بالکل وہمی تھی حقیقی ہو جاتی۔ اس لئے ایسے وقت میں گورنمنٹ نے بدامنی کو انارکزم کی حالت میں دیکھنا قبول کیا۔لیکن شاہی سیاست نے گورنمنٹ کی پالیسی میں تبدیلی گوارا نہ

کی۔ اہل بنگال اپنی جائز اور ناجائز کوشش میں ناکام رہے۔ گو لارڈ کرزن کا اچانک چلے جانا اور ان کی جگہ لارڈ منٹو جیسے مرنجاں مرنج انسان کا آنا۔ لارڈ مارلے جیسے حکیم انسان کا عنان وزارت کو ہاتھ میں لینا بنگالیوں کے لئے موجب اطمینان ہوا۔ اوران دو مدبران سلطنت نے مفید سے مفید احکام ہند میں جاری کئے لیکن تقسیم بنگال کے متعلق جب کبھی ان عالی مرتبت عمال سلطنت کو رائے ظاہر کرنے کا موقع ملا انہوں نے اس حکم تقسیم کو پتھر پر لکیر ہی بتلایا۔ عین ایسے وقت میں جب اس حکم نے قطعیت کا رنگ اختیار کرلیا۔ اور اہل بنگال کو اس کی ترمیم سے ہمیشہ کیلئے مایوس کرکے ان کو کوتاہ اندیش ہتھیاروں پر اتارا۔ خدائے علیم و قدیر کی مقتدر آواز ذیل کے پرسطوت الفاظ میں خدا کے ایک خاص الخاص بندہ پر نازل ہوئی۔

'پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی'

اور کیا شان ربی ہے کہ آج تقریباً چھ برس کے بعد یہ الفاظ لفظاً اور معناً پورے ہوگئے۔ ان مقدس کلمات میں یہ امر نہایت ہی غور طلب ہے کہ ان الفاظ میں یہ نہیں پایا جاتا کہ وہ حکم آخر منسوخ ہوگا کہ جس نے بنگالہ کو تقسیم کرکے بنگالیوں میں شورش پیدا کر رکھی تھی (صوبہ بنگال کی تقسیم پر بنگالی ناراض تھے جسکو منسوخ کرکے ۱۹۱۱ء میں بنگال کو پھر سے ایک صوبہ بنایا گیا۔ حالانکہ مرزا صاحب کہہ چکے تھے کہ تقسیم بنگال منسوخ نہ ہوگی اور وہ منسوخ ہوگئی) ۔ بلکہ یہ الفاظ کسی ایسی ترمیم کا پتہ دے رہے ہیں کہ جس ترمیم کو کسی آئندہ وقت پر گورنمنٹ اہل بنگال کی دلجوئی کے لئے اختیار کرے گی۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر اس پیش گوئی پر تقسیم بنگالہ کی منسوخی یا بحالی کا اشارہ ہوتا تو اسے عقلیہ قیاس پر مبنی قرار دینا عین صحیح اور درست ہوتا۔ کیونکہ سیاسی نکتہ خیال جہاں ایک طرف اس کی سفارش کررہا تھا وہاں ملک کی شوریدہ سری اس تقسیم کے منسوخ ہوجانے پر طبائع کو متوجہ کررہی تھی۔ لیکن یہ پاک الفاظ کسی نجوم رمل یا اٹکل بازی کے ماتحت نہ تھے بلکہ یہ اس علیم و قدیر خدا کے منہ بولے الفاظ تھے کہ جس کے علم میں وقت آنے والہ تھا جب حکم تقسیم بعض نئے واقعات کے پیدا ہوجانے پر گورنمنٹ کے نزدیک بھی ایک حد تک اہل بنگالہ کے لئے مضر ہوگا۔ اور پھر اس وقت اہل بنگالہ کی دلجوئی اسی میں سمجھی جاوے گی کہ اس کا ضرر رساں حصہ ترمیم کر دیا جاوے۔ کیا

۱۹۰۶ء میں کوئی شخص گورنمنٹ کو یقین دلا سکتا تھا کہ یہ حکم ایک دن فی الواقعہ قابل ترمیم ہو کر اہل بنگالہ کی دلجوئی اس سے چاہے گا۔ ۱۹۰۶ء تک تو خود بنگالہ کے اہل الرائے کھلے کھلے الفاظ میں کسی حقیقی مضرت کا پتہ نہ دے سکتے تھے جو تقسیم بنگالہ ان کیلئے پیدا کرنے والی تھی۔ تو پھر اس وقت وہ کس دلجوئی کے مستحق سمجھے جاتے۔ یہ تو ۱۹۰۶ء سے کئی سال بعد جب مجلس واضعان قوانین ہند کے متعلق لارڈ مارلے کی نئی تجویز نیابت نے کماحقہ عملی لباس پہنا تو تقسیم بنگالہ گورنمنٹ کی نگاہ میں بھی اہل بنگالہ کو ضرر رساں نظر آنے لگی۔ اور ان کی شکایت جو ۱۰۔ ۱۹۰۹ء تک وہمی نظر آرہی تھی حقیقت کی صورت اختیار کرنے لگی۔ اور جس کی طرف موجودہ وائسرائے کی گورنمنٹ نے خیال کیا اور قدرتی طور پر کسی ایسی تجویز کی فکر میں لگ گئی کہ جس سے اہل بنگال کی دلجوئی اس حکم کی نسبت ہو جائے جو پہلے جاری ہو چکا تھا۔ مقام غور ہے کہ کئی سال بعد واقعات نے پیدا ہو کر گورنمنٹ سے وہ کرانا چاہا جو خدا کے بولے ہوئے الفاظ ۱۹۰۶ء میں بتلا رہے تھے کہ ' پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی ' یہ الفاظ ایک ایسے وقت میں بولے گئے تھے جب وہ حکم نہ مضرت رساں سمجھا جاتا تھا اور نہ اس کے متعلق کسی دلجوئی کی ضرورت تھی۔ یہ امر ایک طالب حق کیلئے اور بھی ازدیاد ایمان کا موجب ہوگا جب اسے معلوم ہوگا کہ حضور وائسرائے بہادر نے یہ ترمیم لارڈ کرزن کے حکم میں تجویز فرمائی۔ اس سے بھی زیادہ تر ان کی غرض وہی دلجوئی ہے کہ جس کی طرف خدا کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ اس مراسلہ میں جو لارڈ ہارڈنگ اور ان کی کونسل کی طرف سے وزیر ہند کی خدمت میں تبدیلی دارالخلافہ اور ترمیم حکم تقسیم بنگالہ کے متعلق چار ماہ ہوئے اگست میں لکھا گیا۔ لارڈ ہارڈنگ صاحب بہادر صاف اور صریح الفاظ میں تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اہم تجویز جو ہمارے زیر نظر ہے اس کا ایک بھاری مقصد اہل بنگالہ کی دلجوئی ہے۔ یعنی وائسرائے بہادر اس تجویز سے اس زخم پر مرہم لگانا چاہتے ہیں جو تقسیم بنگالہ نے اہل بنگالہ کے دل پر لگا رکھا ہے (وہ زخم یہی تھا کہ بنگالی زبان بولنے والا صوبہ بنگال دو صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا جو آخر کار پھر ایک صوبہ بنایا گیا) اور وائسرائے اور اس کی کونسل کے نزدیک دربار دہلی سے بہتر موقعہ اس دلجوئی کا نہیں۔ مقام غور ہے کہ شہنشاہ معظم کا نائب اس عظیم الشان انقلاب

کی جو تبدیلی دارالخلافہ کے ساتھ وابستہ ہے ایک بھاری وجہ اگر بتلاتا ہے تو وہی دلجوئی اہل بنگال جسے خدا کا نائب آج سے چھ سال پہلے بر بنائے الہام ربانی بتلا چکا ہے۔اور یہ دلجوئی حکام بالا دست کی نگاہ میں کچھ ایسی اہم سمجھی جاتی ہے کہ ایک سرکاری دستاویز میں مختلف پیرایوں میں اس دلجوئی کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے اور پھر اس دلجوئی کا اظہار سب سے بڑا عظیم الشان بادشاہ جو زمین پر خدا کا سایہ ہے اپنی خوشی کے بہترین وقت میں کرتا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ اس خداوند کے بولے ہوئے الفاظ پورے ہوں جو حاکموں کا حاکم اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے' (رسالہ مسیح موعود مصنفہ مولوی محمد علی ایم اے منقول از خواجہ کمال دین صفحہ ۲۸۱۔۲۸۶)

(مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ) یہ عبارت بڑی ہوشیاری اور ہوا شناسی سے لکھی گئی ہے اور ایک مختصر مضمون بڑی طویل عبارت میں ادا کیا ہے کیونکہ اس ساری عبارت میں اصل مطلب دو ہی فقرے ہیں۔

(الف) بنگالیوں کو تقسیم بنگال سے سخت زخم لگا تھا۔

(ب) پیشگوئی کا مطلب یہ تھا کہ تقسیم بنگال میں ترمیم ہوگی۔چنانچہ ترمیم ہوئی

حالانکہ منقولہ عبارت از ریویو ۱۹۰۶ سے صاف ثابت ہے کہ پیش گوئی کا صدق سر فلر گورنر مشرقی بنگال کے استعفا سے پورا ہو گیا تھا۔مگر بعد منسوخی تقسیم پھر اس پیشگوئی کو دہرایا گیا جو کئی سال پہلے بقلم مولوی محمد علی پوری ہو چکی تھی۔لطف یہ ہے کہ منسوخی کو ترمیم کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

مولوی محمد علی صاحب کو تسلیم ہے کہ بنگالیوں کو اس بات کا صدمہ تھا کہ بنگلہ زبان بولنے والا ملک دو حصوں مغربی اور مشرقی بنگال میں تقسیم کرکے دو گورنروں کے ماتحت کیا گیا۔ بادشاہ نے آکر دو گورنروں کی بجائے کل صوبہ کو ایک گورنر کے ماتحت کر دیا۔..یہی بنگالی لوگ چاہتے تھے اس کا نام منسوخی تقسیم بنگال ہے۔جس کی مرزا صاحب بقلم محمد علی نفی کر چکے تھے۔لیکن جب بادشاہ نے تقسیم کو منسوخ کیا تو وہی مولوی محمد علی جن کے قلم سے پیشگوئی سر فلر تک پوری ہو کر ختم ہو چکی تھی جو منسوخی تقسیم کی نفی کر چکے تھے ہوا کا رخ دیکھ کر فوراً لکھ دیا کہ پیش گوئی کا مطلب یہی تھا جو بادشاہ نے کیا۔ آپ حیران ہونگے کہ مولوی محمد علی صاحب نے بات کو کیسے بدلا ہے۔ہم

بتاتے ہیں ایک ہی الہام سے مختلف معانی اور مختلف مصداق بتانا مرزا صاحب کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس کی مثال سنئے ۔ ان کا ایک الہام ہے شاتان تذبحان (دو بکریاں ذبح ہونگی) اس الہام کو مرزا صاحب نے اپنے رسالہ ضمیمہ انجام آتھم میں مرزا احمد بیگ والد محمدی بیگم اور مرزا سلطان محمد شوہر محمدی بیگم پر چسپاں کیا اور کہا کہ یہ الہام ان دو کے حق میں ہے۔ یعنی دو بکریوں سے مراد یہ دو شخص ہیں (صفحہ ۵۷) ۔ پھر جب کابل میں مرزا صاحب کے دو مرید مولوی عبداللطیف اور ان کا کوئی ساتھی بجرم ارتداد قتل کئے گئے تو اسی پیش گوئی کو ان پر چسپاں کر دیا ۔ (کتاب تذکرۃ الشہادتین ۔ص ۶۷) ۔ اور مولوی محمد علی جس طرح مذہب میں مرزا صاحب کے مرید ہیں فن بوقلمونی میں بھی انہی سے مستفید ہیں۔

اور ۷ مئی ۱۹۴۱ء کے الفضل میں مولوی شیر علی قادیانی نے لکھا کہ

بنگال کے دو حصے مشرقی اور مغربی بنگال کر دیئے۔ اس تقسیم کے خلاف ہندوؤں نے بہت شور مچایا مگر ان کی شنوائی نہ ہوئی ۔ ..آخر ہندو مایوس ہو گئے ۔ انہی دنوں یعنی فروری ۱۹۰۶ء میں خدا کے مسیح موعود نے خدا تعالی سے اطلاع پا کر یہ خبر شائع کی کہ پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دل جوئی ہوگی (اخبار بدر ۱۶ فروری ۱۹۰۶ء ص ۲) ۔ حضرت مسیح موعود نے جب یہ خبر شائع کی تو چونکہ تقسیم بنگالہ کی طرف لوگوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں اس لئے لوگوں نے بڑی دلچسپی لی ۔ گو حالات اس خبر کے پورا ہونے کے بالکل برخلاف تھے لیکن پھر بھی یہ خبر جو خدا نے بتائی تھی اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی ۔ مولانا امرتسری اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مولوی شیر علی صاحب ایک شریف قوم کی طرح جس نے توریت میں آئت رجم پر ہاتھ رکھ کر مخفی کیا تھا خاموشی سے آگے چلے گئے ۔ یعنی آپ نے مرزا صاحب کے الہام کی تشریح کا ایک ایسا فقرہ ہضم کر لیا جس کے ظاہر ہونے سے ان کی ساری پیش گوئی سچی ثابت ہونے کے بجائے غلط ٹھہرتی ہے وہ فقرہ ہم ظاہر کرتے ہیں ۔ مرزا صاحب کے رسالہ ریویو بابت ستمبر ۱۹۰۶ء میں ملاحظہ کریں

. اب گورنمنٹ صرف ایسا طریق اختیار کرے گی جس سے بنگالیوں کی دلجوئی ہو جس کا صاف مفہوم ہے کہ جو خیال لوگوں کے دلوں میں ہیں وہ دونوں

پورے نہیں ہوں گے بلکہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے گا جس سے تقسیم بھی منسوخ نہ ہو اور اہل بنگال کی دل جوئی بھی ہو جائے. (صفحہ ۳۴۰)

قادیانیو۔ تمہیں یاد ہے کہ خدا نے اس پیش گوئی کی تکذیب کے لئے کیا سامان پیدا کیا تھا۔.. جارج پنجم بذات خود ہندوستان تشریف لائے اور دہلی دربار منعقد کر کے تقسیم بنگال کی منسوخی کا اعلان کیا۔ (اہل حدیث ۲۳ مئی ۱۹۴۱ء ص ۵)

اور مرتب تذکرہ نے پیش گوئی . پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب ان کی دل جوئی ہو گی۔ لکھ کر حاشیہ میں لکھا ہے اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا باعث بادشاہ جارج پنجم ہوئے جبکہ آپ ۱۹۱۱ء میں ہندوستان تشریف لائے اور تقسیم بنگالہ کی تنسیخ کا اعلان کیا (تذکرہ ص ۵۹۶)

مرتب تذکرہ کی یہ تشریح مرزا صاحب کی تصریح کے خلاف ہے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مرزا صاحب نے سرفلر کے استعفی کو اس پیش گوئی کے پورے ہونے سے تعبیر کیا تھا۔ اور اگر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی منسوخی کو پیش گوئی کے پورا ہونے سے منسلک کرنا ہے تو قادیانیوں کو معلوم ہی ہوگا کہ بنگال تو ایک مرتبہ پھر تقسیم ہو گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء مشرقی بنگال اور مغربی بنگال الگ الگ ہوئے۔ مشرقی بنگال ہندوستان سے الگ ہونے کے بعد ملک پاکستان کا حصہ بنا اور پھر ۱۹۷۱ء میں پاکستان سے بھی الگ ہو کر بنگلہ دیش کے نام سے بذات خود ایک ملک کی شکل میں دنیا کے نقشے پر ابھرا جب کہ مغربی بنگال اپنی الگ حیثیت میں ہندوستان کا حصہ بنا ہوا ہے۔ کہو اب کیا کہتے ہو؟

علم الدرمان

اکتوبر ۱۹۰۶ء میں ایک روز مرزا غلام احمد نے اپنے مریدوں کو بتایا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میں کچھ لکھ رہا ہوں اور لکھتے لکھتے یہ الفاظ دیکھے علم الدرمان ۲۲۳۔ (اور) فرمایا (مرزا صاحب نے کہ) علم عربی لفظ ہے اور درمان فارسی ہے۔اس کے آگے ۲۲۳ کا ہندسہ ہے۔معلوم نہیں کہ اس سے کیا مراد ہے.

(۱۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء کا خواب۔ تذکرہ ص ۶۷۷ بحوالہ بدر ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء اور الحکم ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء)۔

پھر مرزا محمود احمد نے اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا

علم عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں جاننا اور درمان ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہیں علاج۔یعنی علاج کا علم ۱۵ اکتوبر سے ۲۲۳ دن بعد ہو جائے گا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ ۱۵ اکتوبر سے ۲۲۳ واں دن کونسا ہے سوحساب لگا کر دیکھو کہ وہ دن ۲۵ مئی ۱۹۰۷ء ہے۔چنانچہ اس الہام کے مطابق حضرت اقدس ۲۶ مئی کو فوت ہوئے۔

اب ایک اور غور طلب امر ہے جس کا شائد مخالف کم فہمی سے انکار کردے۔اور وہ یہ کہ الہام تو ہوا ہے ۱۹۰۶ء کو اور فوت ہوئے ۱۹۰۸ء میں۔ تو یہ تو ایک سال اور ۲۲۳ دن ہوئے۔سو یاد رہے کہ اس کی دو وجوہات ہیں۔اول تو یہ کہ اس الہام کے ساتھ ہے ان المنایا لا تطیش سھا مھا (یعنی موتوں کے تیر خطا نہیں ہوتے)۔اس سے بھی ثابت ہے کہ یہ ۲۲۳ والا الہام موت کے متعلق ہے (کس کی موت؟ اور پھر منایا والے الہام کو مرزا صاحب نے مولوی عبدالکریم کے بارے میں بتایا تھا اور یہ منایا والہ الہام اکتوبر ۱۹۰۶ء کا ہے بھی نہیں بلکہ اس سے بہت پہلے کا ہے بہاء) اور پھر بعد اس کے الہام ہوا انا نرینک بعض الذی نعد ھم نزید عمرک (دیکھو ریویو ریلیجنز ۲۰ نومبر ۱۹۰۶ء)۔یعنی تیری وفات تو ۱۹۰۷ء میں ہی تھی (یہ کہاں لکھا ہے؟) مگر ہم نے اس عمر کو بڑھا دیا۔چنانچہ پورے ایک سال تک عمر میں ترقی دی گئی (یہ تو سمندر سے پیاسے کو شبنم والی مثال پر بھی پورا نہیں اترتا کیونکہ مرزا صاحب

تو ۸۰ برس سے کم بات ہی نہیں کیا کرتے تھے۔ بہاء)۔ اور ایک سال بعد وہ حساب شروع ہوا (صرف ایک سال ہی کیوں؟ ۱۵ یا ۲۰ سال بعد کیوں نہیں؟۔ ۸۰ سال عمر والی پیشگوئی بھی پوری ہو جاتی۔ اور اضافے کا مطلب تو یہ تھا کہ عمر ۸۰ بلکہ ۹۵ سال سے بھی زیادہ ہوتی۔بہاء)

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت کی وفات ۲۶ مئی کو ہوئی تھی۔ اور اگر ۱۹۰۷ء میں فوت ہو جاتے تو ایک تو چند معاندین سلسلہ شور مچا دیتے کہ ہماری پیشگوئی کے اندر فوت ہوئے (تو کیا ۱۹۰۸ء عبدالحکیم کی پیش گوئی سے باہر تھا؟ بہاء)اور ایک یہ کہ اس وقت ۲۷ تاریخ آپ کی وفات ٹھہرتی (کیا ۲۶ تاریخ اور وہ بھی مئی کی ۲۶ تاریخ الہامی تھی؟ اور اگر ایسا ہے تو وہ الہام پیش کیا جائے جس میں مرزا صاحب کو بتایا گیا ہو کہ آپ کی موت ۲۶ مئی کو ہوگی۔ یا مرزا صاحب کا اپنا قول پیش کیا جائے جس میں انہوں نے کہا ہو کہ وہ ۲۶ مئی کو مریں گے۔بہاء) اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی وفات لیپ ایر (یعنی جس میں فروری کے ۲۹ دن ہوں) میں ہو۔ تا کہ پورے ۲۲۳ دن کے بعد ۲۶ مئی کو فوت ہوں۔ پس صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہونی چاہیے تھی جو کہ لیپ ایر ہے۔ نہ کہ ۱۹۰۷ء جس میں فروری کے دن ۲۸ ہوتے ہیں اور ۲۲۳ دن ۲۶ مئی تک ختم نہیں ہوتے۔ بلکہ ۲۷ کو ختم ہوتے۔

(تشحیذ الاذہان جون جولائی ۱۹۰۸ء۔ ص ۲۱۶۔ منقول از تذکرہ ۸۔۶۷۷)

مرزا صاحب کو فوت ہونے کے لئے اگر لیپ ایر ہی درکار تھا تو کیا ۱۹۰۸ء کے بعد لیپ ایرز آنا بند ہو گئے تھے؟۔ ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۶ء یا ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۸ء یا ۱۹۳۲ء میں مرزا صاحب کیوں نہ فوت ہوئے؟ دیر سے مرتے تو ان کی ۸۰ سال والی پیش گوئی پوری ہو جاتی۔ دانیال کی پیش گوئی (جس کے مطابق مرزا صاحب کہتے تھے کہ مسیح موعود ۱۳۳۵ھ میں فوت ہوگا۔ تفصیل اس کتاب میں کسی اور جگہ درج ہے) پوری ہو جاتی۔ ان کی ۹۵ سال عمر والی دعا کے قبول ہونے کا ثبوت بھی مل جاتا۔ ۹۵ سال کے اوپر مرید کے دیئے ہوئے ۵ سال بھی پورے کر لیتے۔ عبدالحق مباہل کی وفات کے بعد مرتے تو عبدالحق کے سامنے اپنے جھوٹے ہونے کا ثبوت نہ چھوڑ جاتے۔ مولوی محمد حسین (ف ۱۹۲۰ء) کو مار کر مرتے۔ اور اس کی زندگی میں مرکر فرعون کے سامنے مرنے کی ذلت سے دوچار نہ ہوتے۔ اور

۱۹۵۲ء میں مرتے تو مولانا ثناء اللہ سے آخری فیصلے والہ قصہ بھی نپٹ چکا ہوتا اور یہ عار بھی ختم ہوجاتی۔ خارق عادت اضافے کا وعدہ بھی پورا ہوجاتا اور میر قاسم علی کو لدھیانے کے مباحثے میں ذلت نہ اٹھانا پڑتی۔

اور پھر علم الدرمان ۲۲۳ کا مرزا صاحب کی موت سے کیا تعلق ہے؟ کیا علاج کا علم ان کی موت کے بعد ہونا تھا؟ کس کو علم ہونا تھا اور کس کے مرض کے علاج کا علم ہونا تھا؟ اور کیا اس سے پہلے دنیا میں ڈاکٹر اور حکیم موجود نہیں تھے؟ یا دوائیں موجود نہیں تھیں؟ آخر کون سی خاص بات تھی کہ اس الہام کو کھینچ تان کر مرزا صاحب پر لگانے کی احمقانہ کوشش کی جارہی ہے؟

مرزا صاحب نے ایک طرف تو اپنی طویل عمر کے بارے میں پیش گوئیاں کر رکھی تھیں۔ اور دوسری طرف انہوں نے یہ بھی اعلان کر رکھا تھا کہ عبدالحکیم ان کے سامنے مرے گا۔ پھر ان کا یہ بھی اعلان تھا کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے۔ اس لئے انہیں ابھی مولوی عبدالحق غزنوی کی موت کا بھی انتظار تھا۔ اور انہوں نے مولانا بٹالوی کو فرعون قرار دے رکھا تھا اور خود موسی بنے ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں یہ بھی انتظار تھا کہ محمد حسین بٹالوی مرے تو پھر موسی کی طرح وہ اپنی امت کے فرعون کی موت کے بعد دنیا سے پردہ کریں۔ انہوں نے ابھی تفسیر قرآن بھی لکھنا تھی۔ اور انہوں نے منشی الہی بخش لاہوری کو کہہ رکھا تھا کہ وہ اس وقت تک نہیں مریں گے جب تک منشی صاحب کے لگائے ہوئے الزامات دور نہیں ہوجاتے۔ مرزا صاحب کو ان سب باتوں کے ختم ہونے کا انتظار تھا جو ان کی موت کے بعد ان کے لئے اور ان کی امت کے لئے عار بنتیں۔ اور انہیں ان تمام لوگوں کے مرنے کا انتظار تھا جو ان کے بقول ان پر الزام تراشیاں کرتے رہتے تھے۔ ابھی وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ ان کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوگی۔ ابھی تو حال ہی میں (۲۲ مئی ۱۹۰۶ء) انہیں بتایا گیا تھا

. ترد علیک انوار الشباب سیاتی علیک زمن الشباب۔ و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بشفاء من مثلہ۔ رد علیها روحها و ریحانها۔

یعنی تیری طرف نور جوانی کی قوتیں رد کی جائیں گی ((لوٹائی جائیں گی)۔

تیرے پر زمانہ جوانی آئے گا یعنی جوانی کی قوتیں دی جائیں گی۔تا خدمت دین میں حرج نہ ہو۔اور اگر تم اے لوگو ہمارے اس نشان سے شک میں ہو تو اس کی نظیر پیش کرو۔اور تیری بیوی کی طرف بھی ترو تازگی واپس کی جائے گی

(الہام ۲۲ مئی ۱۹۰۶ مندرجہ بدر ۲۴ مئی ۱۹۰۶ء)

اس کی تشریح میں مرزا صاحب لکھتے ہیں میری صحت تین چار ماہ سے بہت بگڑ گئی ہے۔صرف دو وقت ظہر اور عصر کی نماز کے لئے جا سکتا ہوں۔ اور نماز بھی بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔ایک سطر لکھنے سے دوران سر شروع ہو جاتا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔حالت خطرناک اور مسلوب القوے ہوں۔ ایسا ہی میری بیوی دائم المریض امراض رحم وجگر میں مبتلا ہے۔ پس میں نے اپنی اور اپنی بیوی کی صحت کے لئے دعا کی جس پر یہ الہام ہوا۔ان کے معنی خدا تعالی بہتر جانتا ہے۔صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالی ہمیں صحت عطا فرمائے گا اور مجھے وہ قوتیں عطا کریگا جن سے دین کی خدمت کرسکوں. (اسلامیہ پاکٹ بک۔ محمد مسلم بن برکت اللہ۔کراچی۔۱۹۷۶ء۔ص ۴۵۔۴۶)۔ گویا ابھی تو مرزا صاحب کی جوانی کے دن اور امنگوں کی راتوں کا موسم چل رہا تھا۔ لیکن مرزا محمود صاحب نے خواہ مخواہ اپنے باپ پر علم الدرمان والہ الہام چسپاں کر کے اسے سوئے عدم روانہ کر دیا۔

شہادۃ القرآن

تحریک ختم نبوت کے اولین میر کاروان سید نذیر حسین محدث ۱۹۰۲ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے اور اسی سال ان کے دور آخر کے شاگرد مولانا ابراہیم میر کو اللہ نے ختم نبوت کے محاذ پر کھڑا کر دیا۔ آپ کے کچھ حالات شخصیات کے حصے میں درج کئے جا رہے ہیں اور یہاں تحریک ختم نبوت سے متعلق آپ کی سرگرمیوں ذکر مقصود ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ حضرت عیسیٰ کے فوت ہو جانے کا عقیدہ بھی پیش کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں اور اس سلسلے میں وہ قرآن کریم کی بعض آیات کو اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا کرتے تھے۔ علمائے اسلام نے مرزا صاحب کے اس عقیدے کی تردید میں تحریری اور تقریری کام کیا ہے اور مولانا میر کی شہادۃ القرآن اس سلسلے کی ایک مشہور کتاب ہے جس کے دیباچے میں اس تصنیف کا پس منظر بیان کرتے ہوئے آپ نے تحریک ختم نبوت میں اپنی سرگرمیوں کا بایں الفاظ ذکر کیا ہے۔

> ۱۹۰۲ء میں شہر سیالکوٹ میں بمواقع کثیرہ بعض احباب کے اصرار سے (میں نے) حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات فی السماء کو مع دیگر مسائل بنصوص قرآن بیان کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منکرین (حیات مسیح) کو بالکل پست کر دیا اور بہت سے مذبذبین اور مترددین کو شاہراہ عقیدت پر چلایا۔ رفتہ رفتہ دوسرے شہروں میں آوازہ بلند ہوا اور خطوط طلبی آنے لگے۔ لہذا برادران دینی کی استدعا کو بسر و چشم منظور کر کے محض تبلیغ دین کے لئے کئی سفر کئے۔ چنانچہ وزیر آباد اور ضلع گجرات شہر جہلم شہر راولپنڈی امرتسر اور پشاور میں سفر کر کے اس قدر وعظ کئے کہ اکثر لوگ مطمئن ہوگئے اور بعض مرزائی تائب ہو گئے۔ فرقہ مرزائیہ کے بعض مدعیان علم سے پسرور سیالکوٹ وزیر آباد کھاریاں اور شہر جہلم میں (شہادۃ القرآن کی تصنیف سے پہلے) مباحثات و مناظرات ہوئے۔ اور شہادۃ القرآن کے بعد بھی کئی ایک مقامات پر

قادیانی علماء سے مباحثات ہوئے۔ مثلاً چنیوٹ لاہور مونگیر (بہار) گوجرانوالہ ڈیرہ بابا نانک۔ ان سب مقامات پر خدا تعالیٰ نے خاکسار کی مدد کی اور نمایاں فتح دی۔ مخالفین کو حجت میں مغلوب کیا۔ چنانچہ بعض کو ہلاک کیا (مثلاً مولوی قائم دین صاحب سیالکوٹی اور شیخ چراغ دین صاحب گجراتی) اور بعض کو بیماریوں میں مبتلا کیا اور بعض کو ندامت کے دریا میں غرق کیا (مثلا مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کو پسرور میں فضل دین صاحب کو کھاریاں میں)۔ جہلم میں مرزا غلام احمد صاحب مولوی کرم الدین صاحب کے استغاثہ پر تشریف لائے تو ان کے سامنے کھڑا ہو کر صدہا مسلمانوں کے درمیان مسئلہ حیات و رفع مسیح علیہ السلام صرف قرآن شریف سے بیان کیا اور مرزا صاحب کو زبانی و تحریری طور پر تحقیق حق کی طرف دعوت بھی دی مگر وہ ہاں نہ کر سکے۔ جس روز مرزا صاحب لاہور میں فوت ہوئے اس سے ایک روز پیشتر ان کو میری طرف سے بوساطت ڈاکٹر ایم اے سعید صاحب دعوت مناظرہ کا خط پہنچ چکا تھا۔ وہ خط کیا تھا گویا پیغام اجل تھا کہ دوسرے روز مرزا صاحب فوت ہو گئے'

جون ۱۹۰۲ء میں مولانا سیالکوٹی نے ایک اشتہار شائع کر کے مرزا غلام احمد صاحب کو بھیجا۔ اس میں لکھا کہ اگر آپ قرآن پاک سے مسیح کا صلیب پر چڑھایا جانا ثابت کر دیں تو ان کی تحقیق کے ممنون ہو کر میں مسیح کی وفات تسلیم کر لوں گا۔ اور اشتہار میں کہا گیا کہ اس مسئلہ کا فیصلہ جس طور پر بھی مرزا صاحب کرنا چاہیں مولانا میر تیار ہوں گے۔ مرزا صاحب نے اس اشتہار کے جواب میں خاموشی اختیار کیئے رکھی۔ البتہ ان کے ایک مرید مولوی مبارک علی سیالکوٹی نے جواب باصواب کے نام سے اس اشتہار کا جواب لکھا۔ مولانا میر نے اس پر اپنی مشہور کتاب شہادۃ القرآن شائع فرمائی جس میں اپنا اشتہار اور مولوی مبارک علی صاحب کا جواب درج کر کے اپنا جواب الجواب لکھا۔ یہ کتاب دو حصوں میں ہے۔ پہلا حصہ رجب ۱۳۲۱ھ میں طبع ہوا اور دوسرا حصہ رمضان ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوا۔ مرزا صاحب اس کتاب کے جواب میں خاموش رہے۔

شہادۃ القرآن کے حصہ اول میں مولانا میر نے حضرت عیسی کی حیات پر بحث کی ہے اور دوسرے حصہ میں مرزا قادیانی کے ان دلائل کا جواب دیا ہے جو اس نے بزعم خود تیس آیات قرآنیہ کی روشنی میں اپنی کتاب ازالہ اوہام میں وفات مسیح کے بارے میں

پیش کیئے تھے۔ مرزا صاحب خود تو مولانا میر کی شہادۃ القرآن کے جواب میں خاموش رہے مگر ان کی وفات کے بعد کتاب کے حصہ اول کا جواب قاضی ظہور الدین اکمل قادیانی نے دینے کی کوشش کی اور اپنی کتاب کا نام شہادت الفرقان رکھا۔ مولانا ابراہیم نے جب شہادۃ القرآن کو دوسری مرتبہ شائع فرمایا تو کتاب کے حصہ اول کے حواشی میں قاضی اکمل کے اعتراضات کا جواب بھی لکھ دیا اور اس کا نام شہادۃ الفرقان بکشف لطائف شہادت القرآن رکھا۔ یہ حواشی دیکھنے سے مولانا میر کی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ قاضی اکمل صاحب کی شہادہ الفرقان ہماری شہادۃ القرآن کا جواب نہیں ہے۔اس کی دو وجہیں ہیں ۔اول یہ کہ مولوی اکمل صاحب شہادۃ القرآن کے مطالب عالیہ اور لطائف علمیہ کو سمجھ نہیں سکے بلکہ جن امور کو بالتصریح بیان کیا گیا ہے ان کو بھی خیال میں نہیں رکھ سکے۔ اور جو باتیں مرزا صاحب بیان کرتے تھے وہی دہرادی ہیں حالانکہ مرزا صاحب کی باتوں کی تردید شہادۃ القرآن میں کی جاچکی ہے۔ مولانا میر کہتے ہیں کہ خاکسار نے اس کتاب کو اس اہتمام سے لکھا تھا کہ مرزا صاحب قادیانی اور اس کے علماء اس کے جواب سے عاجز رہیں اور اگر کچھ ان کی طرف سے اس کا جواب نکلے تو اس کا جواب شہادۃ القرآن ہی میں ہو اور مجھے نیا جواب دینے کی ضرورت نہ پڑے۔سو الحمدللہ میرا خیال درست نکلا۔ مرزا قادیانی اور اس کی ذریت اس کے دلائل کا توڑ نہ کرسکی اور جواب میں ان کی طرف سے جو کچھ آیا مجھے اس کے جواب الجواب کیلئے شہادۃ القرآن سے باہر نہیں جانا پڑا۔

مولانا میر نے شہادۃ القرآن کے حصہ اول کی پہلی فصل میں قرآن پاک کی چار آیات سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسی کو صلیب نہیں دی گئی۔دوسری فصل حضرت عیسی کی حیات اور ان کے روح مع الجسد آسمان میں اٹھائے جانے اور قرب قیامت کے وقت آسمان سے نازل ہونے اور اس کے بارے میں حکمت الہیہ کے بیان پر مشتمل ہے جس میں قرآن پاک کی نو آیات مبارکہ اور اس موضوع کی احادیث متواترہ میں سے اختصار کے پیش نظر صرف پانچ احادیث سے استدلال کیا ہے اور اس پر وارد شدہ اعتراضات کا شافی جواب دیا ہے۔مرزا قادیانی نے لفظ توفی کے معانی بیان کرنے میں جس طرح پیچ در پیچ غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے انہیں بڑی خوش اسلوبی سے واضح کیا ہے اور وفی کے مادہ سے جو باب زبان عرب میں مستعمل ہیں ان سب کا نقشہ مع امثلہ بیان کر کے مرزا

صاحب قادیانی کا رد کیا ہے۔اسی توفی کے تمام مشتقات جو قرآن پاک میں وارد ہوئے ہیں ان کے مفہوم و معانی کو دلائل سے متعین کیا ہے ۔یوں توفی کی یہ بحث ۳۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔اسی طرح اللہ تعالی کے فرمان و رافعک الی اور بل رفعه الله الیه کے بارے میں جو تفصیل شہادۃ القرآن میں مذکور ہے اس کا کسی اور کتاب میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ آخر میں اس مسئلہ کے بارے میں علمائے سلف کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسی کی حیات اور رفع الی السماء پھر قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے کا مسئلہ امت کا اجماعی و اتفاقی مسئلہ ہے اور قادیانی موقف محض شبہات و مغالطات پر مبنی ہے جو قواعد علمیہ کے بھی خلاف ہے۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے پیش کردہ ان دلائل کا جواب ہے جو اس نے تیس آیات کی روشنی میں ازالہ اوہام میں حضرت عیسی کی وفات کے ثبوت میں پیش کئے ہیں۔ یہ حصہ ۱۳۲ صفحات پر مشتمل ہے

شہادۃ القرآن میں مولانا میر نے منکرین معجزات کی سب سے بڑی دلیل سنة الله کی وضاحت کی ہے۔منکرین کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ وہ کارخانہ قدرت میں ایک خاص نظام کو دیکھتے ہیں۔مثلاً انسان کا ماں باپ کے اختلاط سے شکم مادر سے پیدا ہونا ۔بچپن جوانی بڑھاپا زمین پر بسر کرنا کھانا پینا اور حوائج ضروریہ سے دوچار ہونا۔ بالآخر مرکر قبر میں دفن ہوجانا ۔اس نظام کو وہ سنة الله سے تعبیر کرتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ فرمان باری تعالی ہے کہ لن تجد لسنة الله تبديلا یعنی سنت اللہ بدلا نہیں کرتی ۔ اسی بنیاد پر حضرت عیسی کا بغیر باپ ہونا اور پھر آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار ہے کہ یہ انسان کے بارے میں جو سنة الله ہے اس کے خلاف ہے۔ مولانا میر نے اس اصطلاح کی وضاحت کی ہے اور قرآن میں جہاں جہاں یہ الفاظ آتے ہیں ان کے تناظر میں اس عقدہ کی گرہ کشائی کی ہے کہ اس سے مراد انبیاء کرام کی نصرت اور ان کے مقابلے میں دشمنوں کی تباہی و بربادی مراد ہے ۔ پھر کسی معاملے کو خود ہی سنة الله باور کر لینے سے یہ کیسے لازم آجاتا ہے کہ اللہ تعالی یا رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بھی یہی سنت اللہ ہے۔ دعوی بلا دلیل قابل سماعت نہیں۔ جب انسان اللہ تعالی کی قدرتوں کے اسرار و رموز اور اس کے نظام کو نہ کامل طور پر سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی ان کا احاطہ کرسکتا ہے تو پھر

بلا دلیل کسی نظام کو سنۃ اللہ قرار دینا کیوں کر درست ہوسکتا ہے۔

پھر مولانا میر نے حضرت عیسیٰ کی خصوصیات پر بحث کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ذات با برکات ولادت سے لے کر آسمان پر اٹھائے جانے تک سراپا معجزات اور خوارق پر مبنی ہے۔ اللہ نے انہیں آیہ اور مثلاً قرار دے کر اپنی قدرت کاملہ کا نشان قرار دیا ہے۔ ان کی ' ولادت ' بچپن میں ' حکیمانہ تعلیم فی المھد ' ان کے ' معجزات ' رفع آسمانی اور آسمان سے نزول سب اللہ کی قدرت کاملہ کے نشانات ہیں۔ ایک مومن صادق کے لئے جس طرح پہلی تین حقیقت واقعی ہیں اسی طرح اس کے لئے آخری دونوں باتوں سے انکار کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔ مگر ہدائت اللہ کے ہاتھ میں ہے یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا۔ (سوانح مولانا میر۔ص ۲۲۔ ۲۵)

مولانا میر کی شہادۃ القرآن کو قبول عام حاصل ہوا اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا جیسا کہ، سب سے پہلا فتوی تکفیر، میں اس کے لدھیانوی مصنف نے لکھا ہے

> ' مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی جنہوں نے قادیانیت کی تردید میں بڑا کام کیا انہوں نے ایک کتاب قادیانیت کی تردید میں شہادۃ القرآن لکھی تھی۔ جو ایک بڑا علمی اثاثہ تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسے کئی بار مجالس میں پڑھوایا تھا اور جب یہ کتاب نایاب ہوگئی تو اس کی دوبارہ اشاعت کا اہتمام کیا... حضرت رائے پوری نے حضرت مولانا محمد علی جالندھری کو بلا کر اس کتاب کی اشاعت کے متعلق فرمایا۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے اس کتاب کی طباعت کا تمام کام حضرت سید نفیس شاہ کے ذمہ لگایا۔ حضرت نفیس شاہ صاحب نے دن رات محنت کر کے اس کی کتابت و طباعت کا انتظام فرمایا'
>
> (کتاب مذکور۔ ص۴۰۴۔۴۰۲)

شہادۃ القرآن کے علاوہ مولانا میر نے مرزا صاحب کی زندگی میں مسلم الوصول الی اسرار اسراء الرسول (طبع ۱۹۰۵ء یا ۱۹۰۶ء) ختم النبوۃ بعموم الدعوۃ جامع الشریعہ (۱۹۰۷ء) الجزء الصحیح عن قبر المسیح (۱۹۰۷ء) نامی کتابیں رد قادیانیت میں رقم فرمائیں۔

عبدالحکیم پٹیالوی

مرزا غلام احمد کہتے ہیں کہ آنخضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہدی کے پاس ایک مطبوعہ کتاب ہوگی جس میں اس کے تین سو تیرہ ساتھیوں کے نام درج ہوں گے۔ اور چونکہ انہوں نے آئینہ کمالات اسلام اور انجام آتھم میں اپنے ۳۱۳ ساتھیوں کے نام لکھ دیئے ہیں جو اصحاب صدق و صفا ہیں اور میری یہ کتابیں مطبوعہ ہیں اس لئے وہ امام مہدی ہیں۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں

. چونکہ حدیث صحیح میں آچکا ہے کہ مہدی موعود کے پاس ایک چھپی ہوئی کتاب ہوگی جس میں اس کے ۳۱۳ اصحاب کا نام درج ہوگا۔ اس لئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ پیش گوئی آج پوری ہوگئی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پہلے اس سے امت مرحومہ میں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا کہ جو مہدویت کا مدعی ہوتا اور اس کے وقت میں چھاپہ خانہ بھی ہوتا اور اس کے پاس ایک کتاب بھی ہوتی۔ جس میں ۳۱۳ نام لکھے ہوئے ہوتے ۔اور ظاہر ہے کہ یہ کام انسان کے اختیار میں ہوتا تو اس سے پہلے کئی جھوٹے اپنے تئیں اس کا مصداق بنا سکتے تھے۔ مگر اصل بات یہ کہ خدا کی پیش گوئیوں میں ایسی فوق العادت شرطیں ہوتی ہیں کہ کوئی جھوٹا ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور اس کو وہ سامان اور اسباب عطا نہیں کئے جاتے جو سچے کو عطا کئے جاتے ہیں..... شیخ حمزہ بن علی ملک الطّوسی اپنی کتاب جواہر الاسرار میں جو ۸۴۰ میں تالیف ہوئی تھی مہدی موعود کے بارے میں مندرجہ ذیل عبارت لکھتے ہیں .

در اربعین آمده است که خروج مهدی از قریه کدعه باشد ـ قال النبی ﷺ یخرج المهدی من قریة یقال لها کدعة و یصدقه الله تعالی و یجمع اصحابه من اقصی البلاد علی عدة اهل بدر بثلاث مائة و ثلاثة عشر رجلا و معه صحیفة مختومة (ای مطبوعة) فیها عدد اصحابه باسمایهم و بلادهم و خالهم

یعنی مہدی اس گاؤں سے نکلے گا جس کا نام کدعہ ہے۔ یہ نام دراصل قادیان کے نام کو معرب کیا ہوا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ خدا اس مہدی کی تصدیق کرے گا۔ اور دور دور سے اس کے دوست جمع کرے گا جن کا شمار اہل بدر کے شمار کے برابر ہوگا۔ یعنی ۳۱۳ ہوں گے اور ان کے نام بقید مسکن وخصلت چھپی ہوئی کتاب میں درج ہوں گے۔ اب ظاہر ہے کہ کسی شخص کو پہلے اس سے یہ اتفاق نہیں ہوا کہ وہ مہدی موعود ہونے کا دعوی کرے اور اس کے پاس چھپی ہوئی کتاب ہو جس میں اس کے دوستوں کے نام ہوں۔ لیکن میں اس سے پہلے بھی آئینہ کمالات اسلام میں ۳۱۳ نام درج کر چکا ہوں اور اب دوبارہ اتمام حجت کے لئے ۳۱۳ نام درج ذیل کرتا ہوں۔ تا ہر ایک منصف سمجھ لے کہ یہ پیش گوئی میرے ہی حق میں پوری ہوئی اور بموجب منشائے حدیث کے یہ بیان کر دینا پہلے سے ضروری ہے کہ یہ تمام اصحاب صدق وصفا رکھتے ہیں۔ اور حسب مراتب جس کو اللہ تعالی بہتر جانتا ہے بعض بعض سے محبت اور انقطاع الی اللہ اور سرگرمی دین میں سبقت لے گئے ہیں۔ اللہ تعالی سب کو اپنی رضا کی راہوں میں ثابت قدم رکھے۔

(ضمیمہ انجام آتھم۔ خزائن۔ ج ۱۱۔ ص ۳۲۴۔ ۳۲۵)

اور مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے

. خاکسار عرض کرتا ہے کہ (۳۱۳ افراد کی) یہ فہرست حضرت مسیح موعود نے ۱۸۹۶ء۔ ۱۸۹۷ء میں تیار کی تھی۔ اور اسے ضمیمہ انجام آتھم میں درج کیا تھا۔ احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی ایک دفعہ اسی طرح اپنے اصحاب کی ایک فہرست تیار کروائی تھی۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ تین سو تیرہ کا عدد اصحاب بدر کی نسبت سے چنا گیا تھا کیونکہ حدیث میں ذکر آتا ہے کہ مہدی کے ساتھ اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق ۳۱۳ اصحاب ہوں گے جن کے اسماء ایک مطبوعہ کتاب میں درج ہوں گے۔ دیکھو ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۰۔ ۴۵۔ (سیرۃ المھدی ج ۳ ص ۱۲۸)

اور جس کتاب آئینہ کمالات اسلام کا مرزا صاحب نے اپنی مذکورہ بالا تحریر میں حوالہ دیا ہے اس کے متعلق خود ان کا کہنا ہے کہ

. اس کتاب کی تحریر کے وقت دو دفعہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت مجھ کو ہوئی اور

آپ ﷺ نے اس کتاب کی تالیف پر بہت مسرت ظاہر کی۔ اور ایک رات یہ بھی دیکھا کہ ایک فرشتہ بلند آواز سے لوگوں کے دلوں کو اس کتاب کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے هذا كتاب مبارک فقوموا للاجلال و الاكرام یعنی یہ کتاب مبارک ہے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ (اشتہار مندرجہ آئینہ کمالات اسلام۔ تذکرہ ص ۲۳۰)

گویا کتاب آئینہ کمالات اسلام دربار نبوی میں مقبول اور آسمان سے سند یافتہ ہے۔ اس کتاب میں مرزا کے ۳۱۳ اصحاب میں عبدلحکیم پٹیالوی کا نام بھی شامل ہے جو انجام آتھم میں ۱۵۹ نمبر پر ملتا ہے۔ یعنی عبدالحکیم صاحب مرزا غلام احمد کے بقول صاحب صدق و صفا تھے ان کی ثابت قدمی کیلئے مرزا صاحب نے دعا بھی فرمائی۔

اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مرزا صاحب نے جن افراد کا اپنے ساتھیوں میں شامل ہونا اپنے مہدی ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب ان میں شامل ہیں۔ بالفاظ دیگر ڈاکٹر عبدالحکیم کے اپنے مریدوں میں شامل ہونے کو مرزا صاحب نے اپنی مہدویت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا روائت حدیث کی کون سی کتاب میں ہے؟ مرزا صاحب نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ اور شیخ علی نے یہ روائت کس کتاب سے نقل کی ہے۔ اس کا بھی کوئی پتہ نہیں سوائے اربعین نامی ایک کتاب کے۔ اور یہ اربعین کس کی ہے؟۔ مرزا صاحب نے یہ بھی نہیں بتایا۔ نہ ہی آپ نے حدیث کی سند لکھی ہے؟ تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ حدیث کس درجے کی ہے؟ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ کدعہ کا مطلب قادیان کب سے اور کیسے ہو گیا؟ کیا مرزا صاحب اپنی عربی تحریروں میں قادیان کو کدعہ اور اپنے آپ کو کدعی لکھا کرتے تھے؟

مرزا غلام احمد خود کو قادیانی کے بجائے شائد اس لئے کدعی نہیں لکھتے تھے کہ ان کا وہ الہام غلط ہو جاتا تھا جس میں انہوں نے غلام احمد قادیانی کے اعداد ۱۳۰۰ قرار دے کر اسے اپنی صداقت کی نشانی بتایا ہے، جیسا کہ لکھتے ہیں

مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام کے اعداد حروف کی طرف توجہ دلائی گئی کہ دیکھ یہی مسیح ہے کہ جو تیرھویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا۔ پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی۔ اور وہ نام یہ ہے غلام احمد قادیانی۔ اس نام

کے عدد پورے تیرہ سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا نام غلام احمد نہیں۔ (ازالہ اوہام ص ۱۸۵۔۱۸۶۔ تذکرہ ص ۱۷۹)

عبدالحکیم ، پٹیالہ میں اسسٹنٹ سرجن تھے اور بتایا جاتا ہے کہ آپ تقریبا بیس سال تک مرزائی رہے اور انہوں نے بیس ہزار روپیہ تبلیغ قادیانیت پر صرف کیا تھا۔آپ نے اس زمانے میں ایک تفسیر قرآن لکھی تھی جس کے متعلق مرزا صاحب لکھتے ہیں

. ڈاکٹر صاحب کی تفسیر القرآن بالقرآن ایک بے نظیر تفسیر ہے جس کو ڈاکٹر صاحب نے کمال محنت کے ساتھ تصنیف فرمایا ہے۔ نہائت عمدہ شیریں بیان ہے۔اس میں قرآنی نکات خوب بیان کئے گئے۔ یہ تفسیر دلوں پر اثر کرنے والی ہے.

پھر اللہ تعالی نے ہدائت دی تو قاضی محمد سلیمان کی بدولت عبدالحکیم صاحب مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے ' (سوانح عمری مولوی عبد اللہ غزنوی۔ص ۸۷ حاشیہ) تو اسی تفسیر کے بارے میں مرزا نے فرمایا ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب کا اگر تقوی صحیح ہوتا تو وہ کبھی تفسیر لکھنے کا نام نہ لیتا کیونکہ وہ اس کا اہل ہی نہیں، اس کی تفسیر میں ذرہ بھر روحانیت نہیں اور نہ ہی ظاہری علم کا کچھ حصہ (بدر قادیان ۷ جون ۱۹۰۶ء منقول از قادیانیت سے اسلام تک۔ ص ۳۳۴)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تفسیر کے آخری ایڈیشن میں یا عیسی انی متوفیک کی تفسیر کے تحت مرزائیت سے تائب ہونے کا حال بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

کہ میں بڑی ارادت کے ساتھ مرزا صاحب کا مرید رہا۔ان کے عیب اور خطاؤں کو بشری کمزوریوں پر محمول کرتا رہا.... نہ کبھی قرآنی مشکل ہی ان کی طرف سے حل ہوئی.....نہ ان کی صحبت میں تزکیہ نفس اور رجوع الی اللہ کی خاص تاثیر دیکھی .....پھر بھی حسن عقیدت کے طور پر قریبا ۲۰ روپے ماہوار سے حتی الامکان ان کے لنگر سکول اخبارات اور کتب وغیرہ کی مدد کرتا رہا۔ اردو انگریزی تفاسیر اور تذکرۃ القرآن ہزاروں روپئے کے صرف سے ان کی تائید میں شائع کرتا رہا۔مرزا کی وجہ سے عام مسلمان میری تفاسیر اور دینی رسائل سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے۔....جماعت احمدی میں مرزا کے اذکار کا جوش ایسا غالب ہوگیا کہ تسبیح تقدیس اور تحمید تمجید باری تعالی قریب قریب مفقود ہو گئے یا محض برائے نام رسمی طور پر رہ گیا اور سوائے ایک مسئلے (حیات اور وفات مسیح) کے اور تمام قرآنی تعلیموں کا چرچا جاتا رہا.....جن بناؤں پر میں

عقیدہ مسیحیت و مہدویت و مجددیت مرزا صاحب سے تائب ہوا ہوں وہ مختصرا حسب ذیل ہیں۔

تمام مسلمانوں کو جو مرزا صاحب کو نہ مانیں خارج از اسلام اور جہنمی قرار دینا اور ان کے ساتھ تعلق رکھنے کو حرام بتلانا۔

جب اہالیان سیالکوٹ نے ایک تحریک پیش کی کہ لنگر کی آمد وخرچ کے اہتمام کے واسطے ایک کمیٹی مقرر ہونی چاہیے تو آپ (مرزا) نے طیش میں آکر جواب دیا کہ میں کسی کا خزانچی ہوں؟

جب یہ تحریک پیش ہوئی کہ لنگر کا انتظام توجہ طلب ہے۔ مہمانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ تو از خود رفتہ ہو کر جواب دیا کہ کیا میں بھٹیاری ہوں...

یہ (مرزا) ایمان مالک یوم الدین کا معطل کنندہ ہے۔ کیونکہ نجات مرزا غلام احمد کے ماننے پر ہی منحصر ہے۔ اور آپ (مرزا) تو تمام دنیا کو جہنمی بنانے کے لئے اتنا بھی نہیں پوچھتے کہ تیرے پاس ہم پر ایمان لانے کے لئے کافی دلائل پہنچے یا نہیں.....

مرزا صاحب کا یہ مسئلہ کہ میرے ماننے کے بغیر نجات نہیں رب العالمین کی ربوبیت عامہ اور الرحمان الرحیم کی رحمانیت و رحیمیت تامہ کو پامال کرنے والہ اور کل عالم کی سعید فطرتوں اور نیک عملوں پر جھاڑو پھیرنے والہ ہے....

(مرزا کا) قرآن حدیث اور تیرہ سو سالہ اسلام کو مردہ قرار دینا...

سید المرسلین اور خلفائے راشدین کی سخت توہین ہے کہ ان کے مدفن تو بہشتی مقبرہ نہ بنیں اور غلام احمد کا مدفن بہشتی مقبرہ بن جائے....

بے چارے مولویوں کو جو محض اسلام کی خاطر آپ کا خلاف کر رہے ہیں ان کو ولد الحرام خنازیر کورچشم شیطان حرام زادہ اوباش لومڑی دجال چوہڑے چمار سور اور بندر زندیق قرار دینا۔ کیا یہ عمل مرزا صاحب کا واجب الاطاعت ہے؟ ہم دن رات لوگوں کو فحش گالیاں دیا کریں یا قرآن کریم کی اطاعت کریں؟..

.اپنی کتابوں کے لئے رقم زکوۃ طلب کرنا اور کتابوں کی قیمت اصل مصارف سے سہ چند اور چہار چند رکھ کر ان کا منافع اپنے صرف میں لانا۔

ازالہ اوہام میں مسیح کی پیش گوئیوں پر طنزا کہا گیا کہ یہ بھی کوئی پیش گوئی ہے کہ

زلزلے آئیں گے مری پڑے گی لڑائیاں ہوں گی قحط پر قحط پڑیں گے۔ پھر ایسی پیش گوئیوں کو عظیم الشان بتایا جا رہا ہے... مسیح کے معجزات کو مسمریزم کے کرشمے بتایا ہے۔

اخبار بدر میں جنوری کے مہینے میں شائع کیا ہے کہ ہر بیعت کنندہ پر فرض ہے کہ حسب توفیق ماہواری یا سہ ماہی لنگر خانہ میں چندہ روانہ کرتا رہے۔ ورنہ ہر تین ماہ کے بعد اس کا نام بیعت سے خارج ہوگا... میں نے چند ضروری تجاویز پر (مرزا صاحب سے) ایک ضروری خط و کتابت شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا قادیانی نے مجھ کو اپنی جماعت سے خارج کر دیا۔ یہ خط و کتابت علیحدہ شائع ہوگئی ہے۔ چونکہ ۱۳ مئی کو میں نے ایک خواب کی بنا پر یہ بھی شائع کر دیا کہ جب تک مرزا صاحب اپنی موجودہ زیادتیوں کا علاج کر لیں میں اپنی بیعت واپس لیتا ہوں۔

(منقول از قادیانیت سے اسلام تک۔ص ۳۴۰۔ ۳۴۵)

ڈاکٹر صاحب کے مسلمان ہوجانے کو مرزا صاحب ان کا مرتد ہوجانا قرار دیتے ہیں جبکہ میں ان کے مسلمان ہو جانے کو مرزا صاحب کے کذب کا نشان سمجھتا ہوں کیونکہ مرزا صاحب کا کہنا تھا کہ انہیں خدائی وعدہ دیا گیا ہے اجیب کل دعائک الا فی شرکائک۔ (میں تیری ہر دعا قبول کروں گا سوائے ان دعاؤں کے جو شریکوں کے بارے میں ہوں) اور عبدالحکیم صاحب چونکہ مرزا صاحب کی برادری اور شریکوں میں سے نہیں تھے اس لئے ان کے حق میں کی ہوئی دعا کے قبول ہو جانے کا مرزا صاحب کے دعوی کے مطابق خدائی وعدہ تھا۔ اور مرزا صاحب نے عبدالحکیم صاحب کے بارے یہ کہتے ہوئے (مرزائیت پر) ثابت قدمی کی دعا کی تھی کہ یہ صاحب صدق وصفا ہیں۔ اور عبدالحکیم صاحب کا مرزائیت کے دائرے سے نکل آنا اس بات کا ثبوت ہے کہ مرزا صاحب کی ان کے بارے میں دعا قبول نہیں ہوئی۔ اور ان کے بارے میں مرزا صاحب کی دعا کا قبول نہ ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا اجیب کل دعائک الا فی شرکاءکـ والہ الہام جھوٹا تھا اور وہ مفتری علی اللہ تھے۔

ڈاکٹر عبدالحکیم نے اسلام لانے کے بعد تحریک ختم نبوت میں سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور مرزا صاحب کے دعاوی کی تردید میں تقریری اور تحریری میدان میں خوب کام کیا۔ چونکہ آپ مرزا کے معتمد مریدوں کے حلقے میں شامل رہ چکے تھے اس لئے

جانتے تھے کہ مرزا صاحب آمد وخرچ کا حساب نہیں رکھتے اور چندے کا روپیہ خورد برد ہورہا ہے۔ انہوں نے یہ معاملہ اٹھایا تو مرزا صاحب نے برہم ہوکر فرمایا کہ جب خدا ہم سے ہمارے مصارف کے متعلق پوچھ گچھ نہیں کرتا تو عبدالحکیم کو کیا حق ہے۔ اخبار الحکم کی رپورٹ کے مطابق ایک دفعہ ایک مرید نے کہا کہ مرزا صاحب آمد وخرچ کا حساب کتاب ایک کمیٹی کے سپرد فرمادیں۔ مرزا صاحب اس تجویز پر ناراض ہوئے اور فرمایا

میں تاجر نہیں کہ حساب کتاب رکھوں۔ میں کمیٹی کا خزانچی نہیں کہ کسی کو حساب دوں. میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو ایک ذرہ بھی میری نسبت اور میرے مصارف کی نسبت اعتراض دل میں رکھتا ہے اس پر حرام ہے کہ ایک کوڑی بھی میری طرف بھیجے۔ (الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء)

اور مرزا محمود کا کہنا ہے کہ

سب سے بڑا اعتراض جو ڈاکٹر عبدالحکیم پرانے صحابی نے مرزا صاحب پر کیا وہ مال کے متعلق تھا کہ وہ مکرو فریب کر کے لوگوں سے روپیہ لیتے ہیں اور اسے جس طرح چاہتے ہیں بے جا صرف کرتے ہیں کوئی حساب نہیں رکھتے.

(الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۲۲ء منقول از خاتم النبیین ص ۳۰۸۔۳۰۹)

اور مرزا غلام احمد صاحب نے ۱۶ اگست ۱۹۰۶ء کو اشتہار بعنوان .

خدا سچے کا حامی ہو . میں لکھا . ڈاکٹر عبدالحکیم جو تخمیناً بیس برس تک میرے مریدوں میں داخل رہے چند دنوں سے مجھ سے برگشتہ ہوکر سخت مخالف ہوگئے ہیں اور اپنے رسالہ المسیح الدجال میں میرا نام کذاب مکار شیطان دجال شریر حرام خور رکھا ہے اور مجھے خائن شکم پرست نفس پرست مفسد مفتری اور خدا پر افترا کرنے والا قرار دیا ہے اور کوئی ایسا عیب نہیں جو میرے ذمہ نہیں لگایا اور لکھا کہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو مجھے الہامات ہوئے ہیں کہ میں (مرزا) مسرف کذاب عیار ہے اور صادق کے سامنے شریر فنا ہوجائے گا اور میعاد فنا تین سال رکھی ہے .

اور مرزا صاحب نے اپنی مہدویت کے نشان کے طور پر کہہ رکھا تھا

کسی دوسرے مدعی مہدویت کے وقت میں کسوف خسوف رمضان میں آسمان پر نہیں ہوا . (تحفہ گولڑویہ ص ۲۸)۔

اس پر ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی نے اپنی کتاب الذکر الحکیم میں مدعی

مہدویت حضرات کی ایک طویل فہرست شائع کردی تھی جن کے زمانہ میں رمضان شریف میں سورج چاند کو گرہن ہوا . (مرزائے قادیان کے دس جھوٹ۔ ص ۹۳)

مرزا صاحب نے عبدالحکیم کی اس طرح کی باتوں سے نالاں ہوکر لکھا کہ

عبدالحکیم نام ایک شخص جو پٹیالہ کی ریاست میں اسسٹنٹ سرجن ہے۔ جو پہلے اس سے ہمارے سلسلہ بیعت میں داخل تھا مگر بباعث کمی ملاقات اور قلت صحبت دینی حقائق سے محض بے خبر اور محروم تھا (حالانکہ عبدالحکیم صاحب وہی شخص ہیں جنہیں مرزا صاحب انجام آتھم صاحب صدق وصفا قرار دے چکے ہیں) پہلے تکبر اور جہل مرکب اور رعونت اور بدظنی کی مرض میں مبتلا تھا اپنی بدقسمتی سے مرتد ہوکر اس سلسلہ کا دشمن ہوگیا ہے اور جہاں تک اس سے ہوسکا خدا کے نور کو معدوم کرنے کے لئے اپنی جاہلانہ تحریروں میں زہریلی پھونکوں سے کام لے رہا ہے تا اس شمع کو بجھا دے جو خدا کے ہاتھ سے روشن ہے . (خزائن جلد ۲۲ حقیقۃ الوحی ص ۱۱۲)

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

' عبدالحکیم خاں نے اپنے رسالہ مسیح الدجال میں دوسرے مخالفوں کی طرح عوام کو یہ دھوکہ دینا چاہا ہے کہ گویا میری پیش گوئیاں غلط نکلتی رہی ہیں۔ چنانچہ جو پیش گوئی عبداللہ (آتھم) کی نسبت کی تھی اور جو پیش گوئی احمد بیگ کے داماد کی نسبت کی تھی اور جو ایک پیش گوئی مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے بعض رفیقوں کی نسبت کی تھی۔ان سب کو بیان کر کے یہ دعوی کیا ہے کہ وہ پوری نہیں ہوئیں '

(روحانی خزائن ج ۲۲ (حقیقت الوحی) ص ۱۹۲)

پھر مرزا صاحب جواب میں لکھتے ہیں

. اور جو کچھ مولوی محمد حسین اور ان کے رفیق کی نسبت پیش گوئی خدا تعالی کے الہام میں لکھی گئی تھی اس کی نسبت کوئی تاریخ مقرر نہ تھی۔صرف میری دعا میں اپنے الفاظ تھے۔ الہامی الفاظ نہ تھے اور صرف میری طرف سے دعا تھی کہ اتنی مدت میں ایسا ہو۔سو خداوند تعالی اپنی وحی کا پابند ہوتا ہے۔اس پر فرض نہیں کہ جو اپنی طرف سے التجا کی جائے بعینہ اس کو ملحوظ رکھے۔اس لئے پیش گوئی میں جو عربی میں شائع ہوچکی ہے کوئی مدت مقرر نہیں ہے کہ فلاں مہینہ یا برس میں رسوا کیا جائے گا

(خزائن (حقیقۃ الوحی ص ۱۹۵ طبع ۱۹۸۴ء)

گویا مرزا صاحب نے اقرار کیا کہ خدا نے ان کی یہ دعا قبول نہیں۔ اجیب کل دعائک والہ الہام کدھر گیا؟ (اس پیش گوئی پرکسی اور جگہ بحث ہو چکی ہے)

اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالحکیم نے

' پنجاب کے بڑے بڑے شہروں کا دورہ کر کے میری عیب شماری کے بارہ لیکچر دیئے اور لاہور اور امرتسر اور پٹیالہ اور دوسرے مقامات میں انواع واقسام کی بدیاں میرے ذمہ لگائیں۔ اور میرے وجود کو دنیا کے لئے خطرناک اور شیطان سے بدتر ظاہر کر کے ہر ایک لیکچر میں مجھ پر ہنسی اور ٹھٹھا اڑایا ہے ..ساتھ یہ پیش گوئی بھی صدہا آدمیوں میں شائع کی کہ خدا نے مجھے الہام کیا ہے کہ یہ شخص تین سال کے عرصہ میں فنا ہو جائے گا اور اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ کذاب اور مفتری ہے۔ میں نے اس کی ان پیش گوئیوں پر صبر کیا ' (روحانی خزائن ج ۲۲۔ حقیقت الوحی۔ ص ۴۰۹)

اور فرماتے ہیں

' بعض نادان کہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے بعض لوگ بھی طاعون سے ہلاک ہوگئے ہیں ۔ منجملہ ان کے ڈاکٹر عبدالحکیم خان بھی ہے۔ جو بہت خوش ہو کر لکھتا ہے کہ فلاں فلاں احمدی طاعون سے فوت ہو گیا ہے۔ ہم ایسے متعصبوں کو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری جماعت میں سے بعض لوگوں کا طاعون سے فوت ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہ لڑائیوں میں شہید ہوتے تھے ...اگر ایک شخص ہماری جماعت میں سے طاعون سے مرتا ہے تو بجائے اس کے سو آدمی یا زیادہ ہماری جماعت میں داخل ہوتے ہیں ۔ اور یہ طاعون ہماری جماعت کو بڑھاتی ہے اور ہمارے مخالفوں کو نابود کرتی ہے۔ ..پس ہمارے لئے طاعون رحمت ہے ۔..افسوس کہ مخالف لوگ ایسے اندھے ہو گئے ہیں کہ ان کو معلوم نہیں کہ دراصل طاعون ہماری دوست اور ان کی دشمن ہے ..پس مبارک وہ خدا ہے جس نے دنیا میں طاعون بھیجا تا اس کے ذریعے ہم بڑھیں اور پھولیں.... پس اس سے زیادہ اندھا کون شخص ہے جو چند احمدی لوگوں کا طاعون سے فوت ہونا پیش کرتا ہے اور اس سے اب تک بے خبر ہے کہ اب تک کئی لاکھ انسان طاعون نے ہماری جماعت میں داخل کر دیا'

(روحانی خزائن ج ۲۲۔ تتمہ حقیقت الوحی۔ ص ۵۶۸۔۵۷۰ حاشیہ)

اور ایک جگہ مرزا صاحب نے فرمایا

'ہزاروں لوگ خود پسندی اور رعونت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ تو بہت ہی دلیر ہو گیا ہے اور حد سے بڑھ گیا ہے۔ جتنی گالیاں انسان سوچ سکتا ہے وہ سب اس نے ہمیں دی ہیں۔ اس کے رو برو بڑے بڑے نشانات خدا تعالیٰ نے دکھائے۔ اس نے خود بھی تصدیق کی۔ بیس برس تک یہ ہمارا مصدق رہا۔ اس کے خطوط میرے پاس موجود ہیں' (ملفوظات مرزا۔ ج ۹۔ ص ۳۳۸۔ ۳۳۹)

اور ایک مرتبہ فرمایا

'ایک شخص (عبدالحکیم) جو بیس برس تک میرا مرید رہا اور ہر ممکن طریق سے میری تائید کرتا رہا اور میری سچائی پر اپنی خوابیں سناتا رہا۔ اب مرتد ہو کر اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اس نے میری طرف منسوب کر کے کانا دجال رکھا ہے'

(ملفوظات مرزا۔ ج ۱۰۔ ص ۵۹)

اور مرزائی بتاتے ہیں کہ مرزا صاحب کی

'کتاب نصرۃ الحق ابھی زیر طبع ہی تھی کہ ایک فتنہ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کے ارتداد کا اٹھا۔ جس کے دفع کرنے کے واسطے آپ نے حقیقت الوحی ایک ضخیم کتاب جو سات سو صفحہ کی ہے تصنیف فرمائی'

(روحانی خزائن ج ۱۸ (نزول المسیح کے آخر پر ایک اعلان) ص ۶۱۹)

جب مرزا صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا مقابلہ شروع ہوا تو دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف الہامی پیش گوئیاں فرمائیں۔ اس سلسلے میں مرزا صاحب کے ایک اشتہار سے اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں

خدا سچے کا حامی ہو۔ میاں عبدالحکیم خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے میری نسبت یہ پیش گوئی کی ہے... اس کے الفاظ یہ ہیں۔ مرزا کے خلاف ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو یہ الہامات ہوئے

'مرزا مسرف کذاب اور عیار ہے۔ اور صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے'

اس کے مقابل پر وہ پیش گوئی ہے جو خدا تعالی کی طرف سے میاں عبدالحکیم خاں صاحب اسسٹنٹ پٹیالہ کی نسبت مجھے معلوم ہوئی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں ' خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا ' فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار ۔ تیرے آگے ہے پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا۔ رب فرق بین صادق و کاذب انت تری کل مصلح صادق ' (مجموعہ اشتہارات ۔ ج ۳ ۔ص ۵۵۹ ۔ ۵۶۰)

اس کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب نے اپنا ایک اور الہام شائع کیا کہ جو لائی ۱۹۰۷ء سے ۱۴ ماہ تک مرزا صاحب مر جائیں گے ۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے ایک اشتہار بعنوان تبصرہ ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کو شائع کیا اور اس کی پیشانی پر یہ عبارت درج کی ' ہماری جماعت کو لازم ہے کہ اس پیش گوئی کو خوب شائع کریں اور اپنی طرف سے چھاپ کر اشتہار کے طور پر اپنے گھر کی نظر گاہ میں چسپاں کریں ' (مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۸۵) اس اشتہار کے چند فقرات حسب ذیل ہیں

' اپنے دشمن کو کہہ دے کہ خدا تجھ سے مئواخذہ لے گا .. میں تیری عمر کو بڑھا دوں گا یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو میں جھوٹا کرونگا اور تیری عمر بڑھا دونگا۔ تا کہ معلوم ہو کہ میں خدا ہوں اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے ' یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے ۔ جس میں میری فتح اور دشمن کی شکست اور میری عزت اور دشمن کی ذلت اور میرا اقبال اور دشمن کا ادبار بیان فرمایا ہے اور دشمن پر غضب اور عقوبت کا وعدہ کیا ہے مگر میری نسبت لکھا ہے کہ دنیا میں تیرا نام بلند کیا جائے گا اور نصرت اور فتح تیرے شامل حال ہوگی اور دشمن جو میری موت چاہتا ہے وہ خود میری آنکھوں کے روبرو اصحاب الفیل کی طرح نابود اور تباہ ہوگا '

(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ۔ص ۵۹۱ نیز دیکھئے تذکرہ ۔ص ۷۳۷ ۔ ۷۳۹)

اس کے بعد ڈاکٹر عبدالحکیم خان صاحب نے اپنا ایک اور الہام شائع کیا کہ مرزا مورخہ ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک مر جائے گا (چشمہ معرفت ۔ص ۳۲۱ ۔ ۳۲۲ روحانی خزائن ج ۲۳ ص ۳۳۷)

اس چیلنج بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اگلے جہان

کی طرف کوچ کر دیا اور ان کے الہام کنندہ کے سب الہام جو فتح و نصرت اور عمر میں اضافے کے وعدوں کی صورت میں کیئے گئے تھے غلط نکلے۔

مرتب تذکرہ لکھتا ہے کہ مسیح موعود نے عمر بڑھانے والی جو پیش گوئی کی تھی

’ وہ اس طور پر پوری ہوئی کہ جب تک ڈاکٹر عبدالحکیم خان نے اپنی پیش گوئی کو جس میں حضرت مسیح موعود (مرزا) کی وفات کی ایک میعاد بیان کی تھی منسوخ نہ کر دیا اس وقت تک اللہ تعالی آپ کی عمر کو بڑھا تا گیا (آپ نے ابھی پچیس تیس سال مزید زندہ رہنا تھا۔ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو دار فانی سے مرزا صاحب کا کوچ کروا کر اللہ تعالی نے ان کی عمر بڑھائی ہے یا کم کی ہے؟ بہاء) اور جب اس نے ایک معین دن کے ساتھ اپنی پیش گوئی کو وابستہ کر دیا تو اللہ تعالی نے اسے دوسرے رنگ میں جھوٹا کیا (یہ کیا ہوا کہ اللہ نے اس کی سزا بھی مرزا صاحب کو دے دی۔ مخالف کو جھوٹا کرنے کے لئے مرزا صاحب کی موت اس معین دن ۴۔ اگست ۱۹۰۸ء سے آگے کیوں نہ بڑھا دی؟ بہاء) ‘ اس کی تفصیل میں بتایا ہے کہ پہلی پیش گوئی کی میعاد تین سال تھی۔ جو ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو شائع ہوئی۔ پھر یکم جولائی ۱۹۰۷ء نے کو اس نے لکھا کہ سہ سالہ میعاد میں سے دس مہینے اور گیارہ دن کم کر دیئے گئے ہیں اور مرزا آج سے چودہ ماہ کے اندر بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اس کے مقابل مرزا صاحب نے اشتہار ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کو شائع کیا کہ انہیں وحی آئی ہے کہ میں تیری عمر بڑھا دونگا۔ اس کے بعد مرتد مذکور نے اعلان کیا کہ مرزا ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک مر جائے گا۔ اس پر مرزا صاحب نے چشمہ معرفت کے صفحہ ۳۲۲ پر لکھا کہ اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اسے ہلاک کریگا۔ اور میں اس کے شر سے محفوظ رہونگا۔ اس کے بعد مرتد مذکور نے ۸ مئی ۱۹۰۸ء کے خط کے ذریعے سے اخبارات میں اعلان کیا کہ مرزا ۴ اگست کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے بدر مورخہ ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء میں کہا اللہ تعالی ظاہر کر دے گا کہ راست باز کون ہے سو اللہ تعالی نے مرتد مذکور کی پہلی تین پیش گوئیوں کی منسوخی کا اعلان خود اس کے قلم سے کروا کر اسکی آخری پیش گوئی کو جھوٹا ثابت کر دیا اور وہ اس طرح پر کہ حضور کی وفات ۴ اگست ۱۹۰۸ء کو نہیں بلکہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی ‘

(بیان مرتب تذکرہ ملخصاً۔ حاشیہ ص ۷۳۸۔۷۳۹)

اور . خدائے حکیم و خبیر نے جو اپنے پیارے مسیح سے یہ وعدہ کر چکا تھا کہ میں دشمنوں کو جھوٹا کروں گا عبدالحکیم کی پیش گوئی کے دونوں اجزاء کو یوں باطل کر دیا کہ حضور اپنے بعض گذشتہ الہامات کی بنا پر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو انتقال فرما گئے اور صاف طور پر واضح کر دیا کہ عبدالحکیم کاذب و مفتری انسان ہے (تاریخ احمدیت جلد ۳ ص ۴۷۲)

(دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے)۔

مرزا صاحب نے آتھم کی موت کے بارے میں پیش گوئی کی تھی کہ وہ فلاں تاریخ تک مر جائے گا۔ وہ شخص اس تاریخ تک نہ مرا تو مرزا صاحب کی بہت ہتک ہوئی۔ دوسری طرف آتھم ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اور جب وہ پیشگوئی کی حتمی تاریخ کے بعد کئی مہینے زندہ رہ کر مر گیا تو مرزا صاحب کپڑے جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا

. ڈپٹی آتھم تو بہرحال فوت ہو چکا ہے میعاد کے اندر مرا یا میعاد کے باہر مرا آخر مر تو گیا (تتمہ حقیقۃ الوحی خزائن ج ۲۲ ص ۵۶۶)۔

اور مرزا صاحب نے مولوی عبدالحق غزنوی کے متعلق لکھا تھا

. عبدالحق غزنوی بار بار لکھتا ہے کہ (آتھم والے معاملے میں) پادریوں کی فتح ہوئی۔ ہم اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ اے بدذات یہودی صفت پادریوں کا اس میں منہ کالا ہوا۔ اور ساتھ ہی تیرا بھی۔ اور پادریوں پر ایک آسمانی لعنت پڑی اور ساتھ ہی وہ لعنت تجھ کو بھی کھا گئی۔ اگر تو سچا ہے تو اب ہمیں دکھلا کہ آتھم کہاں ہے۔ اے خبیث تو کب تک جئے گا۔ کیا تیرے لئے ایک دن موت کا مقرر نہیں۔ (انجام آتھم خزائن ج ۱۱ ص ۳۲۹)۔

یعنی مرزا صاحب کہتے ہیں کہ کیا ہوا جو آتھم پیش گوئی کے مطابق نہیں مرا۔ لیکن مر تو گیا۔ بتا اب وہ کہاں ہے؟

اگر عبدالحکیم یہ کہے کہ مرزا صاحب اگست ۱۹۰۸ء میں نہیں مرے تو کیا ہوا؟ مئی ۱۹۰۸ء میں مر گئے۔ مر تو گئے۔ مرزائیوں کے پاس اس بات کا کیا جواب ہے؟

مرزائی کہتے ہیں کہ عبدالحکیم نے اپنی پہلی پیش گوئی منسوخ کر کے مرزا صاحب کی موت کی ایک تاریخ متعین کر دی تھی اور چونکہ مرزا صاحب اس متعین

تاریخ کونہیں مرے اس لئے عبدالحکیم کی پیشگوئی جھوٹی نکلی اور مرزا صاحب سچے۔ ہم کہتے ہیں کہ بات عبدالحکیم کی پیش گوئی کی نہیں ہے بلکہ مرزا صاحب کی پیش گوئی کی ہے کہ عبدالحکیم میرے سامنے مرے گا۔ وہ مرزا صاحب کی زندگی میں نہیں مرا تو مرزا صاحب کی پیش گوئی غلط اور وہ خود جھوٹے ثابت ہوئے۔ اور ہاں اگر عبدالحکیم کو جھوٹا ثابت کرنا ہے تو چلو عبدالحکیم بھی جھوٹا اور مرزا صاحب بھی جھوٹے۔ عبدالحکیم صاحب کوئی پیغمبر تو نہیں تھے اور نہ ان کا دعوی مسیح یا مہدی ہونے کا تھا۔ اور نہ ان کے سچے یا جھوٹے ہونے پر ہمارے دین و ایمان کا دارو مدار ہے۔ اگر ان کی کوئی پیش گوئی غلط نکلی تو ہمیں کیا؟ جب کہ مرزا صاحب کا دعوی مسیح موعود نبی اور مہدی ہونے کا تھا۔ اور جو لوگ انہیں نبی اور مجدد اور مہدی اور مسیح موعود مانتے ہیں عبدالحکیم کے بارے میں ان کی پیش گوئی کہ یہ شخص میری زندگی میں مرے گا جھوٹی ثابت ہونے پر ایسے لوگوں کے دین و ایمان کا کباڑہ تو ہو گیا

مرزا صاحب کا کہنا ہے خدا نے انہیں بتایا تھا کہ ان کی عمر ۸۰ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ اور وہ ۹۵ سال عمر کے لئے دعا بھی کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ عبدالحکیم والے معاملے میں خدا نے انہیں ۱۹۰۷ء میں بتایا تھا کہ ان کی عمر میں اضافہ کر دیا گیا ہے ۔یعنی ان کی عمر اب ۹۵ سال سے بھی اوپر ہوگی۔ پھر یہ کیا ہوا؟

مرزا صاحب ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہونے والہ اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں

آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے جس کا نام عبدالحکیم خان ہے وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والہ ہے جس کا دعوی ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی ۴ ۔اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جاؤں گا۔ اور یہ اس کی سچائی کے لئے ایک نشان ہوگا.... اس نے یہ پیش گوئی کی کہ میں اس کی زندگی میں ہی ۴ ۔اگست ۱۹۰۸ء تک اس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا۔ مگر خدا نے اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا تعالی کی نظر میں صادق ہے خدا اس کی مدد کرے گا

(چشمہ معرفت ص ۳۳۶۔۳۳۷ خزائن ج ۲۳)

مرزائی کہتے ہیں کہ جب مرزا صاحب فوت ہوئے تو

. مخالفین سلسلہ میں سے جس شخص نے اس موقع (مرزا کی موت) پر سب سے زیادہ فتنہ اٹھایا ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی تھا۔ اس شخص نے بڑے وسیع پیانے پر بے بنیاد پراپیگنڈہ کیا کہ مرزا صاحب کی ہلاکت اس کی پیش گوئی کے مطابق ہوئی ہے۔ اس لئے معرکہ حق و باطل میں وہ فاتح ہے۔ نیز حضور (مرزا) کی متعدد پیش گوئیوں پر اعتراض کیا کہ وہ غلط نکلیں۔ اور آپ چل بسے۔ اس سلسلہ میں اس نے اعلان الحق اور اس کا تکملہ وغیرہ شائع کئے۔ (تاریخ احمدیت ص ۲۱۷ جلد سوم)

۔ اور مرزا صاحب کو اپنے سامنے مار کر ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب ۱۲ سال بعد یکم جون ۱۹۲۰ء کو فوت ہوئے۔ (تاریخ احمدیت۔ ج ۳۔ ص ۴۷۲)۔

طاعون

مرزا صاحب کے زمانہ حیات میں کچھ عرصہ برصغیر پاک و ہند کے کچھ علاقے طاعون کی زد میں رہے اور اس بیماری سے بے شمار اموات واقع ہوئیں۔ مرزا صاحب نے مشہور کر دیا کہ مسیح موعود کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس کے عہد میں طاعون آئے گا جو اس کے مخالفوں پر عذاب کے مترادف ہوگا۔ وہ کہتے تھے کہ اس طاعون سے وہ خود اور ان کا گاؤں قادیان نیز ان کے پیروکار اور ان کے گھر کی چاردیواری میں رہنے والے لوگ محفوظ رہیں گے۔ان کے دشمن تباہ ہوں گے۔ ان کے منہ بند ہو جائیں گے اور لوگ طاعون سے ڈرتے ہوئے جوق در جوق ان کی جماعت میں شامل ہوں گے۔ مرزا صاحب نے مختلف مقامات پر اس طاعون کا ذکر یوں کیا ہے۔

. یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف میں بلکہ توریت کے بعض صحیفوں میں بھی یہ خبر موجود ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انجیل میں یہ خبر دی ہے...اور ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیش گوئی ٹل جائے .

(کشتی نوح ص ۵ ۔خزائن ج ۱۹ص ۷)

. حمامۃ البشری میں جو کئی سال طاعون پیدا ہونے سے پہلے شائع کی تھی میں نے طاعون پھیلنے کے لئے دعا کی ہے تو وہ دعا قبول ہو کر ملک میں طاعون پھیل گئی

(حقیقہ الوحی ص ۲۲۴ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ الیاس برنی۔ص ۴۴۰)

. ہشیار پور اور جالندھر کے اضلاع میں ابھی چند وارداتیں طاعون کی ہوئیں تھیں کہ میں نے اللہ تعالی سے علم پاکر پیش گوئی کی تھی کہ یہ وباء پنجاب کے دوسرے اضلاع میں بھی پھیل جائے گی .

(ملفوظات ج ٦ ص ۳۵۴ ۔منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ ص ۴۴۰)

. اس زمانے میں جب بجز ایک مقام کے پنجاب کے تمام اضلاع میں طاعون کا نام و نشان نہ تھا خدا تعالی نے مجھے خبر دی کہ تمام پنجاب میں طاعون پھیل جائے گی

اور ہر ایک مقام طاعون آلودہ ہو جائے گا اور بہت مری پڑے گی اور ہزار ہا لوگ طاعون کا شکار ہو جائیں گے اور کئی گاؤں ویران ہو جائیں گے۔ اور مجھے دکھایا گیا کہ ہر ایک جگہ اور ہر ایک ضلع میں طاعون کے سیاہ درخت لگائے گئے ہیں۔ چنانچہ یہ پیش گوئی کئی ہزار اشتہار اور رسالوں کے ذریعہ سے میں نے اس ملک میں شائع کی۔ پھر تھوڑی مدت کے بعد ہر ایک ضلع میں طاعون پھوٹ پڑی

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۰۔ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ صفحہ ۳۲۰)

. طاعون دنیا میں اس لئے آئی ہے کہ خدا کے مسیح موعود سے نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ اس کو دکھ دیا گیا۔ (دافع البلاء۔ شرکۃ الاسلامیہ ربوہ۔ ص ۸۔۹)۔

خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دور نہیں کریگا جب تک لوگ ان خیالات کو دور نہ کرلیں جو ان کے دلوں میں ہیں۔ یعنی جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول کو مان نہ لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگی۔ اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی ہے کہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔ اب دیکھو تین برس سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ دونوں پہلو پورے ہو گئے۔ یعنی ایک طرف تمام پنجاب میں طاعون پھیل گئی اور دوسری طرف باوجود اس کے قادیان کے چاروں طرف دو دو میل کے فاصلہ پر طاعون کا زور ہو رہا ہے مگر قادیان طاعون سے پاک ہے.

(دافع البلاء۔ شرکۃ الاسلامیہ ربوہ ص ۱۳۔۱۴)

.حضرت مسیح موعود (مرزا) نے ایک دفعہ طاعون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ابھی کیا ہے۔ ابھی وہ دن بھی آئیں گے جب کہ لوگ کہیں گے کہ لاہور بھی کوئی شہر ہوتا تھا۔ (ضمیمہ الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۴ء ص ۹۷) حاشیہ میں لکھا ہے . لاہور کی تباہی کی پیش گوئی جو حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں شائع ہو چکی ہے وہ یہ ہے . لاہور کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس کی سرزمین میں ایسے اجزاء میں کہ اس میں طاعونی کیڑے زندہ نہیں رہ سکتے۔ لیکن وہاں بھی طاعون نے آن ڈیرہ ڈالا ہے۔ ابھی لوگوں کو معلوم نہیں ہے لیکن سال ہا سال کے بعد لوگ دیکھیں گے کہ کیا ہوگا۔ کئی لوگ اور دیہات بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ دنیا سے ان کا نام و نشان مٹ جائے گا اور ان

کے آثار تک باقی نہ رہیں گے۔

(الحکم ۷ا۔۲۴ جولائی ۱۹۰۴ص ۱۲۔ تذکرہ۔ چوتھا ایڈیشن۔ص ۷۹۵)

. ہم طاعون کے ساتھ اس یوسف (مرزا) پر یہ احسان کریں گے کہ بدزبان لوگوں کے منہ بند کردیں تاکہ وہ ڈرکر گالیوں سے باز آجائیں. (تذکرہ ص ۴۲۴)

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ

. خدا تعالی بہرحال جب تک طاعون دنیا میں رہے گی گو ۷۰ برس تک رہے قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا.

(دافع البلاء طبع اپریل ۱۹۰۲ قادیان ص ۱۴۔ خزائن ج ۱۸ص ۲۳۰)۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے انہیں وعدہ دیا ہے کہ

انی احافظ کل من فی الداریعنی میں ہرایک کو جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہے طاعون سے بچاؤں گا۔ (حاشیہ ص ۸۷ حقیقہ الوحی)

اور انی احافظ کل من فی الدار۔ ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم میں ہرایک کو جو اس گھر کی چار دیوار کے اندر ہے بچالوں گا۔کوئی ان میں طاعون یا بھونچال سے نہیں مرے گا۔ خدا ایسا نہیں ہے کہ جن میں تو ہے ان کو عذاب کرے (حقیقۃ الوحی ص ۹۷۔۹۸)۔ (یہاں طاعون کی موت کو عذاب کہتے ہیں جب کہ دوسری جگہ طاعون سے مرنے والے مرزائیوں کی موت کو شہادت کی موت کہتے ہیں)۔

اور . یہ طاعون ہماری جماعت کو بڑھاتی ہے اور ہمارے مخالفوں کو نابود کرتی ہے۔ ہرایک مہینہ میں کم سے کم ۵۰۰ اور کبھی ہزار دو ہزار آدمی بذریعہ طاعون ہماری جماعت میں داخل ہوتا ہے۔ پس ہمارے لئے طاعون رحمت ہے۔۔ جس قدر طاعون کے ذریعہ سے ہماری ترقی تین چار سال میں ہوئی وہ دوسری صورت میں ۵۰ سال میں بھی غیر ممکن تھی . (تتمہ حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۵۸۶۔۵۸۹ خزائن ج ۲۲)

مرزا صاحب کا دعوی تھا کہ ' ہماری جماعت میں سے بعض لوگوں کا طاعون سے فوت ہونا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ آنخضرت ﷺ کے بعض صحابہ لڑائیوں میں شہید ہوتے تھے ...اگر ایک شخص ہماری جماعت میں سے طاعون سے مرتا ہے تو بجائے اس کے سو آدمی یا زیادہ ہماری جماعت میں داخل ہوتے ہیں ۔ اور یہ طاعون ہماری

جماعت کو بڑھاتی ہے اور ہمارے مخالفوں کو نابود کرتی ہے۔ ..پس ہمارے لئے طاعون رحمت ہے ۔..افسوس کہ مخالف لوگ ایسے اندھے ہو گئے ہیں کہ ان کو معلوم نہیں کہ دراصل طاعون ہماری دوست اور ان کی دشمن ہے ..پس مبارک وہ خدا ہے جس نے دنیا میں طاعون بھیجا تا اس کے ذریعے ہم بڑھیں اور پھولیں ۔ '

(روحانی خزائن ج ۲۲ (تتمہ حقیقت الوحی) ص ۵۶۸ ۔۵۷۰ حاشیہ)

مرزا صاحب اپنے مریدوں سے چندہ مانگتے ہوئے کہتے ہیں

. چونکہ آئندہ اس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ طاعون ملک میں پھیل جائے اور ہمارے گھر کے بعض حصوں میں مرد رہتے ہیں اور بعض میں عورتیں ۔ اس لئے مکان میں سخت تنگی واقع ہے۔ اور آپ لوگ سن ہی چکے ہیں کہ اللہ جل شانہ لوگوں کیلئے جو اس گھر کی چار دیواری میں رہتے ہیں حفاظت خاص کا وعدہ فرمایا ہے۔ ہمارے ساتھ والہ مکان اس وقت قیمتاً مل رہا ہے۔ میرے خیال میں یہ مکان دو ہزار تک مل سکتا ہے۔ چونکہ خطرہ ہے کہ طاعون کا زمانہ قریب ہے اور یہ گھر وحی الہی کی خوشخبری کی رو سے اس طوفان میں بطور کشتی کے ہوگا مگر میں دیکھتا ہوں کہ آئندہ کشتی میں نہ کسی مرد کی گنجائش ہے اور نہ عورت کی ۔ اس لئے اس کشتی کی توسیع کی ضرورت پڑی۔ لہذا اس کی وسعت میں کوشش کرنی چاہیے ۔ (کشتی نوح ص ۷۶)

ایک جگہ مرزا صاحب دعوی کرتے ہیں ۔

میرا نشان یہی ہے کہ اگر کوئی مخالف قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائے گا ۔(روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۸

اور . اسی طرح طاعون سے محفوظ رہنے کا نشان مجھے دیا گیا ہے میں اس سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں ۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ بدوں ٹیکہ طاعون مجھے اس بیماری سے بچایا گیا ہے ۔(ملفوظات ج ۷ ص ۵۰۸ ۔ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ برنی ۴۴۱)

اپنے الہام پر یقین کو بیان کرتے ہوئے مرزا صاحب فرماتے ہیں

. ہمیں تو اپنے الہام پر کامل یقین ہے کہ جب افسران گورنمنٹ ہمیں ٹیکہ لگانے آئیں گے تو ہم اپنا الہام (انی احافظ کل من فی الدار)ہی پیش کر دیں گے ۔ میرے نزدیک تو اس الہام کی موجودگی میں ٹیکہ لگانا گناہ ہے کیونکہ اس طرح تو

ثابت ہوگا کہ ہمارا ایمان اور بھروسہ ٹیکہ پر ہے اللہ تعالی کے کرم اور وعدہ پر نہیں.

(ملفوظات حصہ چہارم ص ۲۵۶ منقول از فسانہ قادیان۔ ص ۱۷۷)

یہ تو ہے مرزا صاحب کا دعوی اپنے الہام کی سچائی کے بارے میں اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ گھر کے بھیدی مرزا بشیر احمد صاحب بتاتے ہیں کہ

. گوشت آپ کے ہاں (عام دنوں میں) دو وقت پکتا تھا۔ مگر دال آپ کو گوشت سے زیادہ پسند تھی۔ یہ دال ماش یا اوڑدہ کی ہوتی تھی جس کے لئے گورداسپور کا ضلع مشہور ہے۔ سالن ہر قسم کا اور ترکاری عام طور پر ہر طرح کی آپ کے دسترخوان پر دیکھی گئی ہے۔ اور گوشت بھی ہر حلال اور طیب جانور کا آپ کھاتے تھے۔ پرندوں کا گوشت آپ کو مرغوب تھا اس لئے بعض اوقات جب طبیعت کمزور ہوتی تو تیتر فاختہ وغیرہ کے لئے شیخ عبد الرحیم صاحب نومسلم کو ایسا گوشت مہیا کرنے کو فرماتے تھے۔ مرغ اور بٹیر کا گوشت بھی آپ کو پسند تھا۔ مگر بٹیرے جب پنجاب میں طاعون کا زور ہوا کھانے چھوڑ دیئے تھے بلکہ منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے اور بنی اسرائیل میں ان کے کھانے سے سخت طاعون پڑی تھی. (سیرۃ المھدی ج ۲ ص ۱۳۲ طبع دسمبر ۱۹۲۷ء)

اور مرزا بشیر مزید بتاتے ہیں

. حضرت مسیح موعود کو صفائی کا بہت خیال ہوتا تھا۔ خصوصا طاعون کے ایام میں اتنا خیال رہتا تھا کہ فینائل لوٹے میں حل کر کے خود اپنے ہاتھ سے گھر کے پاخانوں اور نالیوں میں ڈالتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ بعض اوقات حضرت مسیح موعود گھر میں ایندھن کا بڑا ڈھیر لگوا کر آگ بھی جلوایا کرتے تھے تا کہ ضرر رساں جراثیم مرجاویں اور آپ نے ایک بہت بڑی انگیٹھی بھی منگوائی ہوئی تھی جسے کوئلے ڈال کر اور گندھک وغیرہ رکھ کر کمروں کے اندر جلایا جاتا تھا اور اس وقت دروازے بند کر دیئے جاتے تھے۔ اس سے اتنی گرمی ہوتی تھی کہ جب انگیٹھی کے ٹھنڈا ہونے کے ایک عرصہ بعد بھی کمرہ کھولا جاتا تھا تو پھر بھی وہ اندر سے بھٹی کی طرح تپتا تھا.

(سیرۃ المھدی۔ حصہ دوم۔ ص ۵۹)

اور مرزا صاحب نے ایک مرتبہ یہ اعلان کیا۔

چونکہ آج کل مرض طاعون ہر ایک جگہ بہت زور پر ہے اس لئے اگرچہ قادیان میں نسبتاً آرام ہے (موجود ہے اگرچہ زور کم ہے) لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برعائت اسباب بڑا مجمع جمع ہونے سے پرہیز کی جاوے۔ اس لئے یہی قرین مصلحت معلوم ہوا ہے کہ دسمبر کی تعطیلوں میں جیسا کہ اکثر احباب قادیان میں جمع ہو جایا کرتے تھے اب کی دفعہ وہ اس اجتماع کو بلحاظ مذکورہ بالا ضرورت موقوف رکھیں۔ اور اپنی اپنی جگہ پر خدا سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اس خطرناک ابتلاء سے ان کو اور ان کے اہل وعیال کو بچاوے۔ المعلن مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸ دسمبر ۱۹۰۲ء .

(مجموعہ اشتہارات۔ جلد ۳۔ ص ۴۸۱۔۴۸۲)

اور اپنے ایک مرید کو لکھے گئے ایک خط میں فرماتے ہیں

. مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب ..عنائت نامہ پہنچا۔ بدریافت خیر وعافیت خوشی ہوئی۔ الحمد للہ اس جگہ بھی بفضلہ تعالی سب خیریت ہے۔ میں اس وقت تک مع اپنی جماعت کے باغ میں ہوں۔ اگرچہ اب قادیان میں طاعون نہیں ہے۔ لیکن میں اس خیال سے کہ جو زلزلہ کی نسبت مجھے اطلاع دی گئی ہے اس کی نسبت سے توجہ کر رہا ہوں . خاکسار مرزا غلام احمد ۱۲ مئی ۱۹۰۵ء (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول ص ۳۹)

مرزا صاحب کہتے ہیں

. کتاب اللہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ طاعون رجز ہے ہمیشہ کافروں پر نازل ہوتی ہے ہاں جیسا کہ جہنم خاص کافروں کے لئے مخصوص ہے تاہم بعض گناہ گار مومن جو جہنم میں ڈالے جائیں گے وہ محض تمحیص اور تطہیر اور پاک کرنے کے لئے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ مگر خدا کے وعدہ کے موافق جو اولئک عنھا مبعدون ہے برگذیدہ لوگ اس دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ اسی طرح طاعون بھی ایک جہنم ہے۔ کافر اس میں عذاب کے لئے ڈالے جاتے ہیں اور ایسے مومن جن کو معصوم نہیں کہہ سکتے اور معاصی سے پاک نہیں ہیں ان کے لئے یہ طاعون پاک کرنے کا ذریعہ ہے جس کو خدا نے جہنم کے نام سے پکارا ہے۔ سو طاعون ادنی مومنوں کے لئے تجویز ہو سکتی ہے جو پاک ہونے کے محتاج ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۵۴۴ خزائن ج ۲۲)

اور مرزا محمود احمد نے ایک مرتبہ خطبہ جمعہ میں فرمایا

. حضرت مسیح موعود کا ایک الہام ہے جو پہلے کبھی شائع نہیں ہوا کہ . حق اولاد در اولاد . یعنی اولاد کا حق اس کے اندر موجود ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ اس جگہ اولاد سے مراد صرف جسمانی اولاد ہو ۔ بلکہ ہر احمدی جس نے حضرت مسیح موعود کو قبول کیا وہ آپ کی روحانی اولاد میں شامل ہے (الفضل لاہور ۲۶ نومبر ۱۹۴۷ء ص ۴) (تذکرہ ص ۷۹۴) (یعنی طاعون سے جو احمدی مرے وہ بھی مرزا صاحب کی روحانی اولاد تھے ۔ اور اولاد جس جگہ رہتی ہو وہ بھی اپنا ہی گھر ہوتا ہے) ۔

حفاظت قادیان کے سلسلے میں مرزا صاحب کا اصل الہام یہ ہے انه آوی القریة اس الہام کی بابت فروری ۱۸۹۸ء تک مرزا کو اقرار ہے کہ اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے ۔ جب پنجاب میں طاعون شروع ہوا تو انہوں نے اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے لکھا

. دیکھو اب تین برس سے ثابت ہو رہا ہے کہ الہام کے دونوں پہلو پورے ہو گئے یعنی ایک طرف تمام پنجاب میں طاعون پھیل گئی اور دوسری طرف باوجود اس کے کہ قادیان کے چاروں طرف دو دو میل کے فاصلے پر طاعون کا زور ہو رہا ہے مگر قادیان طاعون سے پاک ہے ۔ . (دافع البلاء ۔شرکۃ الاسلامیہ ربوہ ص ۱۳ ۔ ۱۴)

ایک جگہ مرزا صاحب کہتے ہیں

. سو گیارہ برس سے بڑے بڑے حملے طاعون کے اس نواح میں ہو رہے ہیں مگر خدا کے فضل سے ہمارے گھر کا ایک کتا بھی طاعون سے نہیں مرا . (حقیقۃ الوحی ص ۵۴۷ خزائن ج ۲۲) ۔ (آنحضرت ﷺ نے تو گھر میں کتا رکھنے سے منع کیا ہے کہ رحمت کا فرشتہ اس گھر میں نہیں آتا ۔ کیا مرزا صاحب نے رحمت کے فرشتے کی آمد روکنے کے لئے کتے رکھے ہوئے تھے؟ یا شائد کتے رکھنے کی وجہ طاعون کو روکنا ہو کیونکہ آپ کہتے تھے کہ طاعون مرزائیوں کے لئے رحمت ہے اور اس رحمت کو مرزا صاحب کے گھر میں داخل ہونے روکنے کی خاطر وہاں کتے کا وجود ضروری تھا)

مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے

. چوہدری حاکم علی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ جب اپریل ۱۹۰۵ء میں بڑا زلزلہ آیا تھا اور حضرت مسیح موعود نے اپنے باغ میں تشریف لے جا کر ڈیرہ لگا لیا تھا اور اکثر دوست باغ میں چلے گئے تھے ان دنوں میں میں بھی اپنے اہل وعیال سمیت قادیان آیا

ہوا تھا۔حضرت صاحب باغ میں تشریف لے گئے تو اس کے بعد قادیان میں طاعون پھیل گیا۔ میں نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور یہاں باغ میں تشریف رکھتے ہیں اور اکثر دوست بھی یہیں آ گئے ہیں اور سب نے یہاں پر کسی نہ کسی طرح اپنی رہائش کا انتظام کر لیا ہے۔مگر میرے پاس یہاں نہ کوئی خیمہ ہے اور نہ ہی کوئی ایسا زائد کپڑا ہے جس کے ساتھ چھپر وغیرہ تان سکوں اور نہ کوئی اور انتظام کی صورت ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہم تو یہاں زلزلہ کی وجہ سے آئے تھے لیکن اب قصبہ میں طاعون پھیلا ہوا ہے اور چونکہ ہم کو اللہ تعالی اس حالت سے قبل یہاں لے آیا تھا اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی کا کسی وجہ سے منشا ہے کہ ہم فی الحال یہیں قیام کریں ورنہ ہمیں اور کوئی خیال نہیں ہے۔آپ شہر میں ہمارے مکان میں چلے جائیں اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے۔حضرت مسیح موعود کا ایک خاص استثنائی معاملہ تھا اور وہ یہ کہ اللہ تعالی نے یہ اطلاع دی تھی کہ تیری چار دیواری (جسمانی اور روحانی) کے اندر کوئی شخص طاعون سے نہیں مرے گا۔کیونکہ ایسے تمام لوگ اللہ تعالی خاص حفاظت میں ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قادیان میں کئی دفعہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں طاعون آیا اور بعض اوقات ایک حد تک بیماری کا زور بھی ہوا۔مگر آپ کے مکان میں کسی شخص کا اس وبا سے مرنا تو درکنار کبھی کوئی چوہا بھی اس بیماری سے نہیں مرا۔حالانکہ آپ کے مکان کے چاروں طرف طاعون کا اثر پہنچا اور بالکل ساتھ والے متصل مکانات میں بھی طاعون کے کیس ہوئے مگر آپ کا مکان خدا کے فضل اور اس کے وعدہ کے مطابق بالکل محفوظ رہا۔اسی طرح گو آپ کے روحانی مکان کی چار دیواری کی اصل تعیین کا علم صرف خدا کو ہے اور صرف بیعت اور ظاہری حالت سے اس کے متعلق کوئی یقینی قیاس نہیں ہوسکتا لیکن آپ کے مخلص اور یک رنگ خادم بالعموم اس بیماری کے اثر سے نمایاں طور پر محفوظ رہے۔

(سیرۃ المہدی جلد اول ص ۴۶۔۴۷)

ادھر پیسہ اخبار لاہور نے لکھا کہ جب لاہور بھی طاعون سے محفوظ ہے تو قادیان کی کیا خوبی ہوئی؟ اس کے جواب میں مرزا صاحب کے پیش امام مولوی عبدالکریم نے ان کے اخبار الحکم کے ۹ اپریل ۱۹۰۲ء کے شمارے میں لکھا

. پیسہ اخبار کی یہ امید یا پیش گوئی اور یہ نتیجہ خوفناک حملے ہیں خدائے غیور کی اس عظیم الشان وحی پر جو کئی دفعہ اخبار الحکم میں شائع ہو چکی ہے انہ آ وی القر یۃ یعنی یہ یقینی بات ہے کہ خدا نے اس گاؤں (قادیان) کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے اور اس وحی پر کہ لو لا الا کرام لہلک المقام یعنی اس سلسلہ احمدیہ کا پاس اور اکرام اگر خدا تعالی کو نہ ہوتا تو یہ مقام بھی ہلاک ہو جاتا۔ اب سننے والے سنیں اور دیکھنے والے دیکھیں کہ خدا کا مامور اور مرسل جری اور مسیح موعود خود خدائے حکیم وعلیم کی وحی کی بنا پر ساری دنیا کے طبیبوں ڈاکٹروں اور فلسفیوں کو کھول کر سناتا ہے کہ قادیان یقیناً اس پراگندگی تفرقہ جزع فزع اور موت الکلاب اور تباہی سے محفوظ رہے گا اور بالضرور رہے گا جس میں دوسرے بلاد مبتلا ہیں اور بعض ہونے والے ہیں۔ خدا کا جلیل الشان داعی کس قدر قوت اور غیر متزلزل شوق سے دعوی کرتا ہے کہ اگرچہ طاعون تمام بلاد پر اپنا پر ہیبت سایہ ڈالے گی مگر قادیان یقیناً یقیناً اس کی دست برد اور صولت سے محفوظ رہے گا اور وہ دیکھتا اور جانتا ہے کہ قادیان کے چاروں طرف طاعون پھیلتا جاتا ہے اور قریب قریب کے اکثر گاؤں مبتلا ہو گئے ہیں اور جوق در جوق لوگ متاثر جگہوں سے قادیان آتے ہیں اور روک کا کوئی بھی سامان اور مقدرت نہیں۔ اس پر وہ یہ بلند دعوی کرتا اور اقرار کرتا ہے کہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ یہ خدا کا کلام ہے جو میں پہنچاتا ہوں..... انہ آ وی القر یتۃ کا مفہوم صاف صاف لفظوں میں تقاضا کرتا ہے کہ اس میں اور اس کے غیر میں بین امتیاز ہو اور یہ نہیں ہوسکتا جب تک کم سے کم وہ شہر طاعون میں مبتلا نہ ہوں جنہوں نے خدا کے سلسلہ سے جنگ کی ہے (شائد امرتسر بٹالہ لاہور اور دہلی مولوی عبدالکریم صاحب کی نظر میں ہیں) غیور خدا اپنے کلام کے اکرام کے لئے ایسا کرنے والا ہے کہ دشمنوں کی گردنیں نیچی کروا کر اقرار لے کہ کیا یہ صحیح نہیں کہ قادیان دارالایمان ہے۔ پھر سن لو از بس ضروری ہے کہ یہ بلا دعام طور پر محیط ہو اس لئے کہ کوئی کہنے کا موقع نہ پا سکے کہ قادیان ہی محفوظ نہیں رہا بلکہ فلاں فلاں بھی محفوظ ہے۔ مسیح موعود نے خدا سے خبر پا کر یہ اطلاع دی ہے کہ اس (مرزا) کے احباب اور انصار اس غضب سے محفوظ رہیں گے اور انہوں نے دعوی کیا ہے کہ تمام شہر اس زہر ہلاہل کے پیالہ کو مجبوراً پیئیں گے۔ مگر قادیان اس

وقت امن وعافیت کے عہد میں آرام کرتا ہوگا۔ بلکہ وہ اپنے اشد ترین مخالفوں کو بھی کہتے ہیں کہ توبہ کرلو میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔اور یقین رکھتے ہیں کہ سچا تائب جہاں کہیں ہو قادیان دارالامان ہی میں ہے .....قادیان کی نسبت تحدی کردی ہے کہ وہ طاعون سے محفوظ رہے گا اور اپنی جماعت کے علاوہ اس جگہ کے ان تمام لوگوں کو جو اکثر دہریہ طبع کفار مشرک اور دین حق سے ہنسی کرنے والے ہیں خدا کے مصالح اور حکمت کے پیش نظر اپنے سایہ شفاعت میں لے لیا ہے۔جیسا کہ آج سے برسوں پہلے خدا تعالی نے براہین احمدیہ میں خبر دی تھی کہ ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم یعنی خدا ان کو عذاب سے ہلاک نہیں کرے گا جب کہ تو ان کے درمیان ہے۔اور حضرت ممدوح بار بار فرماتے ہیں کہ جہاں ایک بھی راست باز ہوگا اس جگہ کو خدا تعالی اس مشتعل غضب سے بچائے گا (کیا امرتسر اور لاہور وغیرہ میں ایک بھی پکا مرزائی نہیں تھا؟)۔ اب اس الہام کے باطل ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں اول۔کہ لاہور امرتسر وغیرہ اس طاعون سے محفوظ رہیں۔دوم۔کہ قادیان بھی طاعون میں مبتلا ہو جائے۔ (الحکم ۹ اپریل ۱۹۰۲ء منقول از فسانہ قادیان۔ ص ۱۷۱۔۱۷۳)۔

بقول مولوی عبدالکریم، حفاظت کا وعدہ قادیان میں ہر ایک کے لئے تھا۔ مرزا صاحب کے گھر کی تخصیص نہ تھی۔ مرزا جی کی برکت سے ان کے اپنے گھر کے لوگ اور مرزائی ہی نہیں بلکہ قادیان میں رہنے والے تمام ہندو سکھ عیسائی دہریے مشرک اور مسلمان محفوظ تھے۔اور مرزا صاحب کے مرید، جہاں کہیں بھی ہوں، مرزا صاحب کے روحانی گھر میں ہونے کی وجہ سے محفوظ تھے اور پھر ان مریدوں کی وجہ سے وہ شہر بھی محفوظ تھے جہاں وہ رہتے تھے۔ پھر پیش گوئی کیا ہوئی؟ تنبیہ اور عذاب کن کے لئے ہے؟

مرزائی دعوی کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے فرمایا تھا

کہ میرے گھر کے چاردیوار کے اندر رہنے والے مخلص لوگ اس بیماری سے محفوظ رہیں گے ..پیش گوئی اس شان سے پوری نہ ہوتی جس سے کہ اب پوری ہوئی کہ طاعون قادیان میں آئی۔کئی لوگ اس سے فوت ہوئے۔آپ کے گھر کے چاردیوار کے قریب موتیں ہوئیں لیکن آپ کے گھر میں کوئی چوہا بھی نہ مرا (۱۹ دسمبر ۱۹۴۰ الفضل ص ۳)

مرزا صاحب نے اپنے گھر کی تشریح کی ہوئی ہے کہ اس سے مراد میرا اینٹوں کا

مکان نہیں بلکہ ارادت و اخلاص کا حلقہ مراد ہے۔ آپ کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں

پس جو شخص میری تعلیم پر پورا پورا عمل کرتا ہے وہ اس گھر میں داخل ہو جاتا ہے جس کی نسبت خدا تعالی کی کلام میں یہ وعدہ ہے انی احافظ کل من فی الدار۔ یعنی ہر ایک جو تیرے گھر کی چار دیوار کے اندر ہے میں اس کو بچاؤں گا۔ اس جگہ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہی لوگ میرے گھر کے اندر ہیں جو میرے اس خاک وخشت کے گھر میں بود و باش رکھتے بلکہ وہ لوگ بھی جو میری پوری پیروی کرتے ہیں میرے روحانی گھر میں داخل ہیں۔ (کشتی نوح ص ۱۰۔خزائن ج ۱۹ص ۱۲)

مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ

گھر کا لفظ اس تشریح کے ساتھ ملحوظ رکھیں اور ان اشخاص کی بابت پتہ کریں کہ وہ کون تھے اور کس موت سے مرے؟

۱ محمد افضل کشمیری امرتسری جو قادیان کے حلقہ ارادت میں رہتا تھا۔ وہ کس بیماری سے مرا اور کہاں مرا تھا؟ (اسی قادیان میں طاعون سے) اور مرنے کے بعد اس کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا؟

۲ محمد یامین سہارنپوری کہاں مرا تھا اور کس بیماری سے مرا تھا (اسی قادیان میں)

غرض اس زمانہ میں قادیان میں بہت سے مرزائی طاعون سے فوت ہوئے اور بیرون قادیان طاعون سے مرنے والوں کوئی شمار ہی نہیں۔

(اہل حدیث ۱۷ جنوری ۱۹۴۱ء ص ۱۴۔۵)

اور روزنامہ جات قادیان سے معلوم ہوا تھا کہ مارچ و اپریل ۱۹۰۴ء میں قادیان میں طاعون آیا تھا اور دو ماہ میں ۲۸۰۰ کی آبادی کے گاؤں میں ۳۱۳ آدمی مرے۔

(اسلام اور قادیانیت از عبدالغنی پٹیالوی طبع ملتان ۱۹۷۸ء ص ۱۴۳)

مرزا کو خود بھی قادیان میں طاعون کی تشریف آوری کا اقرار ہے۔ فرماتے ہیں

'ایک دفعہ طاعون کے زور کے دنوں میں جب قادیان میں بھی طاعون تھی مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو سخت بخار ہو گیا'

(روحانی خزائن ج ۲۲ (حقیقت الوحی) ص ۲۶۵)

نیز اپنے ایک مرید کو لکھے جانے والے خط میں فرماتے ہیں

. اس جگہ (قادیان میں) طاعون سخت تیزی پر ہے۔ایک طرف انسان بخار میں مبتلا ہوتا ہے اورصرف چند گھنٹوں میں مرجا تا ہے۔خدائے تعالی خوب جانتا ہے کہ کب تک یہ ابتلاء دور ہو...... مکرر یہ کہ (یہاں قادیان) آتے وقت ایک بڑا بکس فینائل کا جو سولہ یا بیس روپئے کو آتا ہے لیتے آویں۔اس کی قیمت اس جگہ دے دی جائے گی۔اور علاوہ اس کے آپ بھی اپنے گھر کے لئے فینائل بھیج دیں

. (مکتوب مرزا بنام نواب محمد علی۔مکتوبات ج ۵ نمبر چہارم ص۱۱۲۔۱۱۳)

نیز فرماتے ہیں

’ طاعون کے دنوں میں جب کہ قادیان میں طاعون زور پر تھا میرا لڑکا شریف احمد بیمار ہوا ‘ (تذکرہ ص ۴۸۶) ۔ یہ واقعہ ۱۹۰۳ء کا بیان ہوا ہے

ایک جگہ مرزا صاحب کہتے ہیں

. قادیان میں طاعون نے صفائی شروع کر دی ہے . (بدر ۱۹۔ اپریل ۱۹۰۴ء)

ایک خط میں مرزا صاحب اپنے ایک مرید کو بتاتے ہیں

. طاعون سے اس طرف شور قیامت بپا ہے۔دن کو آدمی اچھا ہوتا ہے رات کو موت آجاتی ہے . (مکتوب مرزا بنام رستم علی ۲۹ اپریل ۱۹۰۲ء مکتوبات ج ۵ نمبر ۳)

اسی مرید کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں

اس جگہ (پلنگوں کی) بنائی مشکل ہے ۔ ہرطرف طاعون کی بیماری ہے۔کوئی آدمی ہاتھ نہیں آئے گا .....غرض اس جگہ پلنگوں کے بننے کی بڑی دقت پیش آئے گی۔ ایک طرف زراعت کاٹنے کے دن ہیں اور ایک طرف طاعون سے قباحت برپا ہے۔ لوگوں کو مردے دفن کرنے کے لئے آدمی نہیں ملتے۔عجیب حیرانی میں لوگ گرفتار ہیں

(مکتوب مرزا بنام رستم علی ۶ مئی ۱۹۰۲ء مکتوبات ج ۵ نمبر ۳ ص ۱۶۹)

اوراوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میرا یہی نشان ہے کہ اگر کوئی مخالف ’ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائے گا ‘ (روحانی خزائن ج ۱۸ ص ۲۳۸) تو جب انہوں نے خود کہا کہ ان کا قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا اور پھر قادیان طاعون سے نہیں بچا تو کیا وہ خود مفتری علی اللہ نہ ہوئے ؟۔

اور جب مرزا صاحب رخصت ہوگئے ، تو مولانا امرتسری نے لکھا

آج کل ہمارے ملک پنجاب میں خصوصاً اور ہندوستان میں عموماً طاعون بفضلہٖ تعالیٰ معدوم ہے ۔ نہ کسی اخبار میں طاعون کا ذکر ہوتا ہے نہ سرکاری رپورٹوں میں ۔ (لہ الحمد) اب سنئے ۔ اپنے مجدد اپنے نبی و رسول جناب مرزا غلام احمد قادیانی کا قول

’ خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دور نہیں کریگا جب تک لوگ ان خیالات کو دور نہ کرلیں جو ان کے دلوں میں ہیں ۔ یعنی جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول (یعنی خود بدولت) کو نہ مان لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگا ‘ (رسالہ دافع البلاء ص ۵) ۔ پس ہمارا سوال (قادیانیوں سے) یہ ہے کہ ہندوستان کے سب باشندوں نے کیا رسول قادیانی کو مان لیا ؟ ۔ اگر نہیں مانا تو کیا قادیان کے تمام لوگوں نے مان لیا ؟ صاف صاف جواب دو اور ایمان سے بتاؤ کہ عذاب بقول تمہارے نبی اور رسول (مرزا صاحب) کے انکار کی وجہ سے آیا تھا ۔ وہ اسی انکار پر اصرار کرنے سے کیسے ہٹ گیا اور اس قول مرزا کے کیا معنی ہیں جو ہم نے اوپر نقل کیا ۔ واقعات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ الہام بھی غلط ہے اور صاحب الہام بھی ۔‘

مرزا صاحب کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ ان کی تکذیب ان کے اپنے گھر سے بھی ہو جاتی ہے ۔ اسی طاعون کے معاملے میں ان کے بیٹے مرزا محمود نے ان کے دعوی کو نقصان پہنچایا جب اس نے اپنی تفسیر کبیر میں کذالک نجزی القوم المجرمین کے ذیل میں لکھا

. یہ امر بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عذاب کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ قرن پر آئے ۔ یعنی ایک پوری امت پر نازل ہو ، نہ کہ بعض حصہ قوم پر . اور . اللہ تعالی کا عذاب جب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو اس کے نام ونشان تک کو مٹا دیتا ہے . (مولانا امرتسری فرماتے ہیں کہ) مرزا محمود کے یہ فقرات بتا رہے ہیں کہ بڑے مرزا صاحب کا دعوی غلط تھا جو طاعون کو اپنے منکروں کے لئے عذاب قرار دیتے دیتے چل بسے ۔ کیونکہ طاعون کل قوم پر نہیں آیا ۔ بلکہ اقل قلیل پر آیا (اور مرزا کے بڑے دشمن مولانا بٹالوی مولانا امرتسری، عبدالحق غزنوی پیر مہر علی محفوظ رہے) جو بقول مئولف تفسیر کبیر عذاب سے مو سوم نہیں ہوسکتا ۔ اس لئے ہم اس بارے میں مئولف کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے اپنے باپ کی کافی تکذیب کردی ہے . (بطش قدیر مکتبہ ناصریہ فیصل آباد ۔ ص ۵۹)

حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں مرزا صاحب کے دوران حیات طاعون آیا تھا اور اس نے مرزائیوں، مسلمانوں ہندوؤں سکھوں عیسائیوں کو بلاتمیز مارا۔ قادیان پہنچ کر اس نے مرزا صاحب کے روحانی گھر میں بھی اس نے نقب لگائی۔ اور یہ بات ثابت کردی کہ ایک آسمانی آفت کو مرزا صاحب نے توہم پرست اور کمزور عقائد کے لوگوں میں مرزائیت پھیلانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ ورنہ طاعون کا ذکر حدیثوں میں علامات مسیح کے سلسلہ میں نہیں آیا۔ اس کے برعکس طاعون نے تحریک ختم نبوت کے ایک کارکن کی طرح کام کر کے قدم قدم پر مرزا صاحب کے دعاوی کی تکذیب کی۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ

مرزا صاحب نے دعوی کیا تھا کہ قادیان طاعون سے محفوظ رہے گا لیکن طاعون مرزا صاحب کی تکذیب کے لئے قادیان پہنچا۔ اور انہوں نے کئی مرتبہ اقرار کیا کہ قادیان میں طاعون کا زور ہے یہاں تک کہ مردوں کو دفنانے کے کوئی نہیں ملتا تھا۔

مرزا صاحب نے کہا تھا کہ ان کے گھر کی چار دیواری میں رہنے والے محفوظ رہیں گے۔ اور گھر سے مراد ان کا روحانی گھر بھی شامل ہے کہ جہاں جہاں کوئی پکا مرید رہتا ہے ان کی گھر کی چاردیواری وہاں تک ہے اور مرزا محمود کے کہنے کے مطابق سب قادیانی مرزا صاحب کی اولاد ہیں اور مرزا بشیر کے کہنے کے مطابق انی احافظ کے وعدے میں روحانی گھر بھی شامل ہے۔ اور یہی بات مولوی عبدالکریم نے بھی کہی ہے۔ پھر ہوا یہ کہ مرزائی قادیان میں بھی مرے اور دیگر شہروں میں بھی ان کی اموات واقع ہوئیں۔

پھر مرزا صاحب نے کہا تھا کہ انہیں الہامی وعدہ دیا گیا ہے کہ ہم طاعون کے ساتھ اس یوسف (مرزا) پر یہ احسان کریں گے کہ بدزبان لوگوں کے منہ بند کردیں تاکہ وہ ڈر کر گالیوں سے باز آجائیں۔ یعنی طاعون ان کے دشمنوں کا منہ بند کرنے کیلئے آیا تھا۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے بڑے دشمن غزنوی، بٹالوی اور امرتسری وغیرہ نہ صرف طاعون سے محفوظ رہے بلکہ مرزا صاحب کے خلاف تحریری اور تقریری سرگرمیوں میں بھی حسب سابق مشغول رہے۔

پھر مرزا صاحب نے طاعون کو اپنے منکروں یعنی مسلمانوں آریوں عیسائیوں وغیرہ کے لئے عذاب قرار دیا تھا۔ لیکن ان کے بیٹے نے بتا دیا کہ عذاب وہ ہوتا ہے جس میں ساری قوم تباہ ہوجائے۔ طاعون نے نہ تو سارے مسلمانوں کو تباہ کیا۔ نہ سارے

ہندوؤں کو۔ نہ سارے عیسائیوں کو۔ بلکہ ہر قوم سے ان کی آبادی کے تناسب سے کم و بیش اتنے ہی آدمی مرے جتنے مرزائیوں میں سے مرے تھے۔

پھر مرزا صاحب نے کہا تھا کہ طاعون سے لاہور تباہ ہو جائے گا لیکن طاعون نے مرزا صاحب کی تکذیب کے لئے یہ کام بھی نہیں کیا۔ لاہور آج بھی موجود ہے اور پہلے سے زیادہ شاد و آباد ہے جب کہ مرزا صاحب کو رخصت ہوئے ایک صدی پوری ہونے کو ہے۔ گویا لاہور کا تختہ ارض پر وجود مرزا صاحب کے کذب کا نشان ہے۔

پھر مرزا صاحب نے کہا تھا کہ طاعون اس وقت تک نہیں جائے گی جب تک سارے لوگ احمدی نہ ہو جائیں۔ لیکن مرزا صاحب کی تکذیب کرنے کے لئے طاعون جلد ہی رخصت ہو گیا اور ساری دنیا یا سارا ہندوستان تو ایک طرف ، ان کے قادیان میں بھی ہندو مسلمان سکھ عیسائی موجود رہے اور مرزا صاحب کے سینے پر مونگ دلتے رہے۔

مرزا صاحب نے کہا تھا کہ میرا نشان یہی ہے کہ اگر کوئی مخالف قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائے گا۔ اور چونکہ مرزا صاحب نے خود کہا تھا کہ ان کا قادیان طاعون کی تباہی سے محفوظ رہے گا اس لئے ان کی تکذیب کے لئے طاعون قادیان میں آیا اور اتنی تباہی مچائی کہ مردوں کو دفنانے کے لئے کوئی نہیں ملتا تھا۔ اور خود مرزا صاحب اپنا گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور باغ میں خیمہ لگا کر مع اہل و عیال رہنا شروع کر دیا تھا۔

قادیانی طاعون کے بارے میں مولانا عبداللہ معمار نے ایک مرتبہ بڑا دل چسپ مضمون لکھا تھا۔ اس کی افادیت کے پیش نظر ہم اسے یہاں درج کرتے ہیں۔ لکھا ہے۔

یکم جون ۱۹۰۴ء کو مرزا صاحب نے چند گول مول الہامی فقرات سنائے۔ ان میں ایک سے ایک یہ ہے عفت الدیار محلها و مقامها ۔ یہ الہام اخبار الحکم ۳۱۔ مئی ۱۹۰۴ء کے صفحہ ۹ میں درج ہے اور اس کے بعد مرقوم ہے (متعلقہ طاعون)۔ اس کے سوا اور کوئی لفظ اس کی تشریح میں نہیں۔ نہ اس الہام کا ترجمہ کیا گیا ہے اور نہ ہی بتایا گیا کہ یہ مستقبل کے لئے کوئی پیش گوئی ہے یا گذشتہ طاعون کی حکایت ہے جس نے قادیان میں زور دار صفائی پھیری تھی۔

ہم بتاتے ہیں کہ یہ فقرہ دراصل لبید بن ربیعہ العامری کے قصیدہ کا اول

مصرع ہے جو سبعہ معلقہ کا چوتھا قصیدہ ہے۔ اس کا ترجمہ بالفاظ مرزا یہ ہے ' میرے پیاروں کے گھر منہدم ہوگئے۔ ان عمارتوں کا نام ونشان نہ رہا جو عارضی سکونت کی عمارتیں تھیں۔ اور نہ وہ عمارتیں رہیں جو مستقل سکونت کی عمارتیں تھیں '

مرزا صاحب نے اس فقرے کو الہام بنا کر شائع کردیا۔ بہرحال اس الہام میں ' طاعون کا کوئی ذکر نہیں ' (ضمیمہ نصرۃ الحق ص ۸۸)۔ پھر مرزا صاحب نے پنجاب میں طاعون کی رفتار دیکھ کر اسے متعلقہ طاعون ظاہر کیا۔ مطلب یہ کہ اگر آئندہ زمانہ میں مثل سابق پنجاب میں کبھی دوبارہ طاعون کا زور ہوا تو کہہ دیں گے کہ دیکھو ہم نے پہلے سے ہی اس کی خبر دے رکھی تھی اور کوئی سخت بے حیا ہی ہوگا جو اس صریح واضح اور عظیم الشان فوق العادت پیش گوئی سے منکر ہو۔ اور اگر طاعون نہ پھیلا تو چونکہ اس مصرع میں زمانہ ماضی کا ذکر ہے اس لئے کہہ دونگا کہ ان بدذات علماء کو نظر نہیں آتا کہ الہام میں صاف ماضی کا ذکر ہے۔

جب ۱۹۰۴ء میں پنجاب میں طاعون کا تھوڑا سا زور ہوا تو آپ نے جھٹ کہہ دیا کہ ' دوستو۔ خدا تعالی آپ کے حال پر رحم کرے۔ آپ صاحبوں کو معلوم ہوگا کہ میں نے آج سے قریباً نو ماہ پہلے الحکم اور البدر میں خدا تعالی کی طرف سے اطلاع پا کر یہ وحی الہی شائع کرائی تھی کہ عفت الدیار محلها و مقامها ۔یعنی ملک عذاب الہی سے مٹ جانے کو ہے۔ نہ مستقل سکونت کی جگہ رہے گی اور نہ عارضی سکونت کی۔ یعنی طاعون کی وبا ہر جگہ عام طور پر پڑے گی اور دیکھو الحکم ۳۰۔مئی ۱۹۰۴ء (غلط ہے۔ صحیح تاریخ ۳۱ جولائی ۱۹۰۴ء ہے۔ ناقل) اور اخبار البدر نمبر ۲۰۔۲۱ مورخہ ۲۴ مئی یکم جون ۱۹۰۴ء۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت بہت قریب آگیا ہے۔ میں نے اس وقت جو آدھی رات کے بعد چار بج چکے ہیں بطور کشف دیکھا ہے کہ دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شور قیامت برپا ہے۔ میرے منہ پر یہ الہام الہی تھا کہ موتا موتی لگ رہی ہے۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے طاعون کے اس سخت حملہ کی جو عنقریب ہونے والہ ہے۔ یہ اس لئے کہ لوگ متنبہ ہوجائیں۔ (اشتہار الوصیت مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص ۷۲ تا ۷۵)

اس تحریر میں خود مرزا صاحب نے اس فقرہ عفت الدیار محلها و مقامها سے

مراد بوحی الٰہی طاعون لکھی ہے۔اس کی مزید تشریح دوسرے مقام پر یوں کی گئی ہے کہ

’کسوف اور خسوف کے ساتھ ہی قرآن شریف میں این المفر آیا ہے۔جس سے یہی مراد یہ ہے کہ طاعون اس کثرت سے ہوگی کہ کوئی جگہ پناہ نہ رہے گی۔ میرے الہام عفت الدیار محلھا و مقامھا کے یہی معنی ہیں‘ ناظرین اس لفظ ’یہی‘ کو یاد رکھیں۔ (اخبار الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۴ء ص۲)

دیکھئے کس زور شور سے اس الہام سے لفظ ’یہی‘ کے ساتھ طاعون پر تمسک کیا ہے۔مگر آپ یہ سن کر حیران رہ جائیں گے کہ مرزا جی نے اسی الہام سے (جس کا مطلب یہاں طاعون بتایا ہے وہ بھی لفظ یہی کے ساتھ جو حصر کے لئے آتا ہے) دوسرے وقت میں اسی لفظ ’یہی‘ سے زلزلہ عظیمہ کے بعد اس کا مطلب زلزلہ بتایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

’دیکھو وہ نشان کیسا پورا ہوا۔اور جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے کہ پیش گوئی مذکورہ الحکم اور البدر میں اس زلزلہ سے قریباً پانچ ماہ پہلے شائع کردی گئی تھی۔اور پیش گوئی یہ ہے عفت الدیار محلھا و مقامھا اے عزیزو اس کے ’یہی‘ معنی ہیں کہ محلوں اور مقاموں کا نام و نشان نہ رہے گا۔ طاعون تو صرف صاحب خانہ کو لیتی ہے مگر جس حادثہ کی اس وحی الٰہی میں خبر دی گئی اس کے تو یہ معنی ہیں کہ نہ خانہ رہے گا نہ صاحب خانہ۔ سو خدا تعالیٰ کا فرمان پورا ہوگیا۔آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ اس کی نسبت اشتہار الوصیت میں خبر دی گئی تھی‘

(اشتہار الانذار مورخہ ۸۔اپریل ۱۹۰۵ء مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۱۰ص ۸۰)

نیز مولانا بٹالوی کو مخاطب کر کے مرزا صاحب لکھتے ہیں . اگر یہ وہم گذرے کہ کیوں کر یقین کریں کہ صاحب الہام کو یقین ہو گیا تھا کہ الہام عفت الدیار محلہا و مقامہا سے مراد زلزلہ ہے۔اس کا جواب ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ ایک صاف الہام ہے کہ اس کے معنوں پر اطلاع پانے سے ایک بچہ کو بھی یقین ہوسکتا ہے کہ یہ ایک سخت حادثہ کی پیش گوئی ہے جس کا اثر عمارتوں پر ہوگا۔اور اس سے ایک سال پہلے الحکم اخبار میں یعنی اخیر دسمبر ۱۹۰۳ء کے پرچہ میں صاف لفظوں میں زلزلہ کی پیش گوئی موجود ہے۔اور پھر مواہب الرحمٰن مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں یہی زلزلہ کی پیش گوئی

موجود ہے..... پھر باوجود اس تواتر کے کیونکر کوئی عقل مند خیال کر سکتا ہے کہ ہم اس پیش گوئی سے بالکل بے خبر تھے .. پھر جبکہ مجھ کو پیش گوئی عفت الدیار محلہا و مقامہا کی عظمت اور شدت پر پورا پورا یقین تھا اور میں اس کو پورے ایمان سے خدا تعالی کا کلام سمجھتا تھا اور اس کے ظہور نے مجھ پر کھول دیا تھا کہ جیسا کہ پیش گوئی کے ظاہری معانی تھے اسی طرح وہ وقوع میں آ گئی تو کیا وہ وقت نہیں تھا کہ بنی نوع انسان کے لئے میری ہمدردی جوش مارتی اور میں کوشش کرتا کہ آئندہ زلزلہ سے بچنے کے لئے لوگ توبہ اور استغفار اور کسی حسن انتظام کی طرف متوجہ ہوں .

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۶۹-۲۷۰)

آپ اشتہار الوصیت کی عبارت ایک دفعہ پھر پڑھ لیں وہاں صاف الفاظ میں اس فقرہ کا مطلب طاعون لکھا ہے۔ اور پہلے تو بڑے زور شور سے اس الہام کو 'یہی' کے لفظ سے مخصوص بہ طاعون لکھا مگر زلزلہ عظیمہ کے بعد اسی لفظ 'یہی' سے زلزلہ کے متعلق محصور کر لیا۔

اور جب لوگوں نے اس دورنگی پر اعتراض کیا تو مرزا صاحب نے لکھا کہ

'ایڈیٹر الحکم نے (جو اس الہام کو ۳۱ مئی ۱۹۰۴ء کے پرچے میں خطوط وحدانی کے اندر متعلقہ طاعون لکھا ہے۔ ناقل) ایسا لکھنے میں غلطی کی۔ اور ایسی غلطی خود انبیاء علیہم السلام سے پیشگوئیوں کے سمجھنے میں بعض دفعہ ہوتی رہتی ہے۔ (ضمیمہ نصرۃ الحق ص ۱۹)

۔ یعنی کس قدر دھوکہ دیا جا رہا ہے کہ آپ ہی نے تو اپنے اشتہار الوصیت میں اس کو متعلقہ طاعون لکھا۔ پھر اخبار الحکم ۲۴۔مئی ۱۹۰۴ء میں لفظ یہی کے ساتھ طاعون ہی سے حصر کیا۔ مگر یہاں معترض کے جواب میں 'ایڈیٹر الحکم والی تحریر' کو پیش کر کے اس غلطی کو اس بے چارے ناکردہ گناہ کے سر تھوپ دیا۔ اول تو یہی جھوٹ ہے کہ اخبار الحکم ۳۱ مئی ۱۹۰۴ئکے الفاظ ایڈیٹر الحکم کے ذاتی تھے۔ یقیناً وہ موافق تشریح مرزا تھے۔ دوم بفرض محال تسلیم بھی کیا جائے تو خود مرزا جی نے جو اپنی خودنوشت تحریروں میں اسے طاعون سے محصور کیا ہے اس کا کیا جواب؟

مباہلہ سے فرار

مرزائی عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے بار بار علماء اسلام کو مباہلے کے لئے بلایا لیکن کسی نے آپ کے چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ یہ دعوی سرے سے غلط ہے کیونکہ تحریک ختم نبوت کے کارکن مرزا صاحب کو مباہلے کے لئے بلاتے رہے ہیں لیکن وہ خود ہی پہلو بچا جاتے تھے۔جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں

کل ۲۴ جنوری ۱۸۹۷ء کو ایک قطعہ اشتہار مولوی غلام دستگیر صاحب میرے پاس پہنچا۔جس میں مولوی صاحب موصوف مباہلہ کے لئے مجھے بلاتے ہیں۔اور ۲۵ شعبان ۱۳۱۴ھ کی تاریخ مقرر کرتے ہیں۔مگر ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی ہے کہ (جھوٹا ہو نے کی صورت میں) اسی وقت مولوی صاحب پر کوئی عذاب نازل ہو۔اگر بعد میں ایک سال کے اندر نازل ہوا تو وہ منظور نہیں۔مگر میں ناظرین کو اطلاع دیتا ہوں کہ مولوی صاحب کی یہ سراسر زیادتی ہے. (مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۲۹۶)

اور پھر مرزا صاحب دامن چھڑا گئے۔

۱۹۰۰ء کے گرد وپیش مولانا ثناء اللہ سے مرزا صاحب کے مباہلے کی بات چلی تو مرزا صاحب حکومتی معاہدے کی آڑ لے کر میدان چھوڑ گئے تھے۔ لکھتے ہیں

”میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں اس طور کے فیصلہ کیلئے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے۔ ہم موت کے مباہلہ میں اپنی طرف سے کوئی چیلنج نہیں کر سکتے کیونکہ حکومت کا معاہدہ ایسے چیلنج سے ہمیں مانع ہے۔ ہاں مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے مخالفوں کو منع نہیں کرتے کہ ایسے چیلنج سے ہمیں جواب دینے کیلئے مجبور کریں... اور چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی تحریر کی رو سے ایسے چیلنج کے لئے طیار بیٹھے معلوم ہوتے ہیں پس ہمیں اس سے کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں۔مگر شرط یہ ہو گی کہ کوئی موت قتل کی رو سے واقع نہ ہو بلکہ محض بیماری کے ذریعے سے ہو۔مثلاً طاعون سے یا

ہیضہ سے یا کسی اور بیماری سے ... پس اگر مولوی ثناء اللہ صاحب ایسے چیلنج کیلئے مستعد ہوں تو صرف تحریری خط کافی نہ ہوگا بلکہ ان کو چاہیے کہ ایک چھپا ہوا اشتہار اس مضمون کا شائع کریں کہ اس شخص کو میں کذاب اور دجال اور کافر سمجھتا ہوں اور جو کچھ یہ شخص مسیح موعود ہونے اور صاحب الہام اور وحی ہونے کا دعوی کرتا ہے اس دعوی کا میں جھوٹا ہونا یقین رکھتا ہوں ... اگر یہ شخص فی الواقع مسیح موعود ہے اور فی الواقع عیسی فوت ہو گئے ہیں تو مجھے اس شخص سے پہلے موت دے اور اگر میں اس عقیدہ میں صادق ہوں اور یہ شخص درحقیقت دجال بے ایمان کافر مرتد ہے اور حضرت عیسی آسمان پر زندہ موجود ہیں جو کسی نامعلوم وقت میں پھر آئیں گے تو اس شخص کو ہلاک کر. ... یہ چیلنج جو درحقیقت ایک مباہلہ کا مضمون ہے اس کو لفظ بلفظ نمونہ مذکورہ کے مطابق لکھنا ہوگا جو اوپر میں نے لکھ دیا ہے۔ ایک لفظ کم یا زیادہ نہ کرنا ہوگا..... پھر ایسے اشتہار مباہلہ پر کم سے کم پچاس معزز آدمیوں کے دستخط ہونے چاہییں اور کم سے کم اس مضمون کا سات سو اشتہار ملک میں شائع ہونا چاہیے اور بیس اشتہار بذریعہ رجسٹری مجھے بھی بھیج دیں۔ ... مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں انہیں مباہلہ کیلئے چیلنج کروں یا ان کے بالمقابل مباہلہ کروں۔ (روحانی خزائن جلد ۹ ص ۱۲۱۔۱۲۳)

مرزا صاحب کو تسلیم ہے کہ مباہلہ دو فریقوں کے درمیان اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایک دوسرے کیلئے بددعا کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں

. مباہلہ کے معنی لغت عرب کی رو سے اور نیز شرعی اصطلاح کے رو سے یہ ہیں کہ دو فریق مخالف ایک دوسرے کے لئے عذاب اور خدا کی لعنت چاہیں .

(اربعین نمبر۲ ص ۳۷۷ خزائن ۱۷)

نیز یہ کہ

. میں نے بٹالوی صاحب کے سمجھانے کے لئے یہ بھی لکھ دیا کہ مباہلہ میں صرف ایک طرف سے بددعا نہیں ہوتی بلکہ دونوں طرف سے ہوتی ہے .

(راز حقیقت۔ خزائن ج ۱۴۔ ص ۱۷۳۔۱۷۴)

نیز . مباہلہ دونوں جانب کی لعنت اور بددعا کا نام ہے . اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۸)

نیز ۔ مباہلہ کا خلاصہ تو صرف یہ فقرہ ہے کہ اپنا اور فریق ثانی کا نام لے کر خدا تعالی سے یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم میں سے جھوٹا ہے وہ ہلاک ہو ۔

(حقیقۃ الوحی ۔ حاشیہ ص ۳۲۷ ۔ خزائن ج ۲۲)

ان تحریروں میں مرزا صاحب نے بتایا ہے کہ مباہلہ کیا ہوتا ہے ۔ اور جب مولانا امرتسری نے اس طرح کے مباہلے کے لئے انہیں چیلنج کیا تو وہ یہ کہہ کر جان چھڑا گئے کہ ہمیں تو مولوی ثناء اللہ سے مباہلہ کرنے کی ضرورت نہیں وہ خود ہی ایک اشتہار شائع کر کے ہماری طرف بھیج دیں ۔

اسی طرح لاہور کے ایک صاحب بابا چٹو ۱۹۰۶ء میں سید محمد یوسف سیاح کے ساتھ قادیان گئے ۔ وہاں مرزا صاحب سے ان کے عقائد اور دعاوی پر گفتگو ہوئی ۔ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے ملفوظات میں لکھا ہے کہ بابا چٹو کے وکیل نے مرزا صاحب سے کہا کہ میں اس امر میں آپ کی تکذیب کرتا ہوں ۔ اگر تکذیب نہ کرتا تو آپ کی بیعت کر لیتا ۔ اس پر مرزا صاحب نے کہا کہ تو پھر کیا آپ مجھے مفتری علی اللہ سمجھتے ہیں ۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ ۔ نہیں میں نہیں کہتا کیونکہ لا تسبوا پر میرا عمل ہے ۔ مرزا صاحب نے کہا کہ ۔ میں آپ سے اور کچھ نہیں کہتا بجز اس کے کہ آنحضرت ﷺ کا دامن پکڑ لو ۔ سعادت اسی میں ہے ۔ جواب میں کہا گیا کہ ۔ میں آپ کو مجدد بھی نہیں مان سکتا ۔ اس پر مرزا صاحب نے کہا ۔ پھر سہل راہ یہ ہے کہ مباہلہ کر لو ۔ جواب ملا کہ مباہلہ کیلئے ۔ میں موجود ہوں ۔ مرزا صاحب نے (راہ فرار ڈھونڈتے ہوئے) اس پر کہا ۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے کہ سادہ لوح کی تکذیب کچھ چیز نہیں ۔ اس لئے پہلے ضروری ہے کہ آپ پر اتمام حجت ہو لے ۔ میں نے ایک کتاب حقیقۃ الوحی لکھی ہے ۔ آپ اس کو خوب غور سے پڑھ لیں (حقیقۃ الوحی کا مسودہ ابھی در بطن مرزا صاحب تھا ۔ کتاب شائع ہونا تو ایک طرف ابھی مطبع میں بھی نہیں گئی تھی) اور میرے دلائل پر غور کر لیں ۔ اس کے بعد بھی اگر بعد امتحان آپ میری تکذیب کریں گے تب آپ کو مباہلہ کا اختیار ہوگا ۔ فریق ثانی نے رضا مندی ظاہر کر دی اور کہا ۔ بہت اچھا میں تعمیل کرونگا ۔ پھر مباہلہ کے لئے اقرار نامہ ہوا جو مولوی محمد یوسف صاحب سیاح نے تحریر کیا ۔ جس کے مطابق مرزا صاحب نے فرمایا کہ مباہلہ سے پہلے کتاب حقیقۃ الوحی کو آپ پڑھ لیں اور خوب غور سے سمجھ لیں ۔ اس کے بعد بھی اگر آپ

میری تکذیب کریں گے تو مباہلہ ہوگا مگر پہلے دس سوال اس کتاب سے کروں گا۔ان کے جواب لوں گا تا کہ معلوم ہو کہ آپ نے سمجھ لیا ہے۔ جو دس سوال میں کرونگا ان کا جواب انہی الفاظ میں دینا ہوگا جو میں نے لکھے ہیں اور پھر ایک شخص اس وقت لکھتا جاوے گا اور کتاب سے مقابلہ ہوگا۔اگر موافق نہ ہوگا تو پھر کتاب دیکھنی ہوگی اور پھر دس سوال ہوں گے ۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ متفرق مقامات کتاب حقیقۃ الوحی سے دس طور کی باتیں میں مولوی حکیم محمد یوسف سے دریافت کرونگا۔اور یہ ایک لازمی امر ہوگا کہ ہرایک سوال کا کتاب کے موافق پورا پورا جواب دیں۔کسی حصہ میں کمی نہ ہو۔اوراگرکسی سوال کے جواب دینے میں پورا جواب نہ پایا جاوے تو پھر لازم ہوگا کہ دوبارہ کتاب کو اول سے آخر تک دیکھیں۔اور پھر نئے دس سوال انتخاب کیئے جاویں گے ۔اگر اس میں بھی کسی جواب دینے میں کمی ہو تو یہی قاعدہ جاری رہے گا جب تک دس سوال کا پورے طور پر جواب نہ دیں ۔.....دستخط سید محمد یوسف سیاح بقلم ۱۲۸کتوبر۔ دستخط ہندی بابا چٹو۔مرزا غلام احمد عفی عنہ۔ اور گواہ شد خواجہ کمال الدین وکیل ۔ (ملفوظات ج ۹ص ۸۲ ـ۸۳ ـ بحوالہ الحکم ۱۰فروری ۱۹۰۷ء) معاہدہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۶ء کا ہے اور ۱۰ فروری ۱۹۰۷ء کے الحکم میں شائع ہوا ۔اور حقیقۃ الوحی ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی تھی۔

لیکن یہ مباہلہ بھی منعقد نہ ہوسکا۔

اور مولانا ثناء اللہ نے ۱۹۰۶ء میں مرزا صاحب کو لکھا

آئت قل تعالوا ندع ابنائنا وابنائکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین پرعمل کرنے کو ہم تیار ہیں ۔میں اب بھی ایسے مباہلہ کے لئے تیار ہوں جو آئت مرقومہ سے ثابت ہوتا ہے۔واضح رہے کہ یہ میری تیاری آج ہی سے نہیں بلکہ ۱۸۹۶ء میں جب مرزا صاحب نے رسالہ انجام آتھم میں مجھ کو مباہلہ کیلیئے مدعو کیا تھا تو میں نے ایک خط اس مضمون کا آپ کو بھیجا تھا۔ (اہل حدیث ۲۲ جون ۱۹۰۶ءص ۴ کالم ۱) ۔

مرزا صاحب پہلے تو خاموش رہے لیکن جب فروری ۱۹۰۷ء میں انہوں نے رسالہ قادیان کے آریہ اور ہم لکھا اور اس میں قادیان کے آریہ کو اپنی کذب بیانی پر قسم کھانے کی دعوت دی ..... تو اس رسالے کی اشاعت کے بعد مرزا صاحب کے مرید

شیخ یعقوب علی تراب نے لکھا کہ اب ثناء اللہ نے بھی کوئی نشان صداقت بطور خوارق عادت نہیں دیکھا تو وہ بھی قسم کھا کر پرکھ لے تا معلوم ہو کہ خدا کس کی حمائت کرتا ہے اور کس کو سچا کرتا ہے (الحکم ۷ مارچ ۱۹۰۷ء ص ۱۱)۔

اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے مولانا ثناء اللہ نے مرزائیوں کو مخاطب کر کے لکھا

'ہم تمہارے کرشن کی کذب بیانی پر قسم کھانے کیلئے تیار ہیں۔ آؤ جس جگہ چاہو ہم سے قسم دلوالو۔ مگر پہلے یہ شائع کردو کہ اس قسم کا نتیجہ کیا ہوگا۔ ہم حلفیہ کہہ دیں گے کہ مرزا غلام احمد کو ہم خدا کی طرف سے مامور نہیں جانتے بلکہ وہ اعلی درجہ کا جھوٹا مکار اور فریبی ہے اور اس کی کوئی پیش گوئی خدائی الہام سے نہیں ہے۔ مرزائیو۔ سچے ہوتو آؤ اور اپنے گرو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے جہاں تم ایک زمانہ میں صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کر کے آسمانی ذلت اٹھا چکے ہو۔ امرتسر میں نہیں تو بٹالہ میں آؤ۔ سب کے سامنے کاروائی ہوگی۔ مگر اس نتیجہ کی تشریح کرشن جی (مرزا قادیانی) سے پہلے کرادو اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ'

(اہل حدیث امرتسر ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء)

احمدیہ پاکٹ بک میں لکھا ہے 'چنانچہ جب اس (ثناء اللہ) نے ۲۹ مارچ (۱۹۰۷ء) کو دعوت مباہلہ دی تو حضرت کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء میں دیا گیا۔

'اس مضمون کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کرلیا ہے۔ وہ بے شک قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اور بے شک یہ بات کہیں کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین اور اس کے علاوہ اس کو اختیار ہے اپنے جھوٹا ہونے کی صورت میں ہلاکت وغیرہ کے جو عذاب اپنے لئے چاہے خدا سے مانگے لیکن خدا کے رسول چونکہ رحیم وکریم ہوتے ہیں اور ان کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت اور مصیبت میں نہ پڑے اس واسطے باوجود اس قدر شوخیوں اور دلآزاریوں کے جو ثناء اللہ سے ہمیشہ ظہور میں آتی ہیں حضرت اقدس نے پھر بھی اس پر رحم کر کے فرمایا ہے کہ یہ مباہلہ چندروز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ

کر شائع ہو جائے اور امید ہے کہ بیس پچیس روز تک انشاء اللہ وہ کتاب شائع ہو جائے گی' (الحکم مجریہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء۔ بدر مورخہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء) لیکن مولوی ثناء اللہ پھر فرار کی راہ اختیار کرنے لگا (جیسا کہ اس کے جواب مندرجہ اہل حدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء سے ظاہر ہے) تو اس کے جواب کی اشاعت سے قبل ہی اللہ تعالی نے حضرت اقدس کو اس کے ارادہ سے مطلع فرما دیا اور حضور نے ۱۵۔ اپریل کو اشتہار آخری فیصلہ شائع فرما دیا'

(احمدیہ پاکٹ بک ص ۸۲۴ حصہ دوم مطبوعہ قادیان ۱۹۴۵ء)

اور آگے چل کر لکھا ہے کہ

ابھی یہ ثنائی فرار معرض ظہور میں نہیں آیا تھا کہ اللہ تعالی نے جو علیم و خبیر ہے اپنے مسیح موعود (مرزا) کو اس کی اطلاع دے کر اپنے شکار کو دنیا کے سامنے شرمندہ کرنے کے لئے ایک طریق تحریک فرمائی۔ چنانچہ اس کے مطابق حضور نے آخری اتمام حجت کے طور پر ۱۵۔ اپریل کو اپنی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے عنوان سے دعا شائع فرمائی۔ (ص ۸۲۶)

ایسی ہی بات ایک مرتبہ مولوی اللہ دتا جالندھری قادیانی نے الفضل میں لکھی تھی کہ مرزا غلام احمد صاحب کو مولوی ثناء اللہ نے ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کو مباہلہ کے لئے بلایا تو اس کے جواب میں ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب نے آخری فیصلہ والہ اشتہار دعائے مباہلہ دیا۔ جالندھری صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

' مولوی ثناء اللہ صاحب نے مجبوراً اس میدان میں قدم رکھنا چاہا۔ اور اخبار اہل حدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء میں جماعت احمدیہ کو بایں الفاظ مخاطب کیا ' انہیں میرے سامنے لاؤ۔ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کی دعوت دی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب تک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو سب امت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا... اس لئے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے اعلان ۲۹ مارچ کے جواب میں سیدنا حضرت مسیح موعود نے اشتہار ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء دعائے مباہلہ کی صورت میں شائع فرمایا'

(الفضل ۲۴ جون ۱۹۳۴ء)

یہی مضمون جالندھری صاحب نے نومبر ۱۹۳۱ء میں بھی شائع کرایا تھا۔ پھر ۲۶۔ ۲۷ مئی

۱۹۳۴ء کی درمیانی شب امرتسر میں ہزارہا کے مجمع میں مولوی جلال الدین قادیانی نے بھی یہی کہا اور اس سے پہلے یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو لاہور کے جلسہ مناظرہ میں خادم گجراتی قادیانی نے بھی یہی عذر پیش کیا تھا۔ اس کا جواب سنئے۔

یہ کہنا کہ ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء والے مضمون کے جواب میں مرزا صاحب نے ۱۵ ۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو آخری فیصلہ والہ مضمون شائع کیا تھا غلط جھوٹ افترا دجل اور بہتان ہے۔ اس دعوی پر کوئی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ خود قادیانیوں نے ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء والے مضمون کے جواب میں اپنے اخبارات میں لکھا تھا

' اس مضمون کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کرلیا ہے۔ وہ بے شک قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص اپنے دعوے میں جھوٹا ہے اور بے شک یہ بات کہیں کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو لعنة الله على الكاذبين اوراس کے علاوہ اس کو اختیار ہے اپنے جھوٹا ہونے کی صورت میں ہلاکت وغیرہ کے جو عذاب اپنے لئے چاہے خدا سے مانگے لیکن خدا کے رسول چونکہ رحیم وکریم ہوتے ہیں اور ان کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت اور مصیبت میں نہ پڑے اس واسطے باوجود اس قدر شوخیوں اور دلآزاریوں کے جو ثناء اللہ سے ہمیشہ ظہور میں آتی ہیں حضرت اقدس نے پھر بھی اس پر رحم کر کے فرمایا ہے کہ یہ مباہلہ چند روز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے اور امید ہے کہ بیس پچیس روز تک انشاء اللہ وہ کتاب شائع ہو جائے گی' (الحکم مجریہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء۔ بدر مورخہ ۴۔ اپریل ۱۹۰۷ء)

یہ مضمون جملہ امت مرزائیہ کیلئے زہر قاتل ہے کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ مباہلہ اس وقت ہوگا جب کتاب حقیقت الوحی چھپ کر شائع ہو جائے گی اور مولوی ثناء اللہ اس کو پڑھ لے گا۔ یہاں تک کہ ہم اس سے اس کتاب کے مضمون کا امتحان بھی لیں گے۔ کتاب حقیقت الوحی ۱۵۔ مئی ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی۔ لیکن جون ۱۹۰۷ء کے شروع تک مولانا امرتسری تک نہ پہنچی تو انہوں نے تقاضا کیا۔ اس تقاضے کا انکاری جواب ۱۳۔ جون ۱۹۰۷ء کے اخبار بدر میں چھپا تھا۔ جو یوں ہے

آپ کا رجسٹری شدہ کارڈ مراسلہ ۳ جون ۱۹۰۷ء حضرت مسیح موعود کی خدمت

میں پہنچا۔جس میں آپ نے ۴ اپریل کے اخبار بدر کا حوالہ دے کر کتاب حقیقۃ الوحی کا ایک نسخہ مانگا ہے۔اس کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کی طرف حقیقۃ الوحی بھیجنے کا ارادہ اس وقت ظاہر کیا گیا تھا جبکہ آپ کو مباہلہ کے واسطے لکھا گیا تھا تا کہ مباہلہ سے پہلے آپ کتاب پڑھ لیتے۔مگر چونکہ آپ نے بریں برخیال کہ مرزا صاحب نے قرآن و حدیث کے برخلاف تو کرنا ہی نہیں آؤ ایک ایسی بات پیش کریں کہ کسی طرح یہ پیالہ ٹل جائے اپنے واسطے تعیین عذاب کی خواہش ظاہر کی اور بغیر اس کے مباہلہ سے انکار کر کے اپنے لئے فرار کی راہ نکالی۔اس واسطے مشیت ایزدی نے آپ کو دوسری راہ سے پکڑا اور حضرت حجۃ اللہ (مرزا صاحب) کے قلب میں آپ کے واسطے ایک دعا کی تحریک کر کے فیصلہ کا ایک اور طریق اختیار کیا۔ اس واسطے مباہلہ کے ساتھ جو شروط تھے وہ سب کے سب بوجہ نہ قرار پانے مباہلہ کے منسوخ ہوئے لہذا آپ کی طرف کتاب بھیجنے کی ضرورت نہیں۔محمد صادق :

(بدر قادیان شمارہ نمبر ۲۴۔ ۱۳ جون ۱۹۰۷ء ص ۲ کالم ۱)

اس جواب کا مضمون کیسا صاف ہے کہ جس مباہلہ کی تاریخ مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کی اشاعت کے بعد رکھی تھی وہ بھی منسوخ ہو کر اس کا ذکر اذکار ہی ختم ہو گیا۔اس کے بجائے بالقاالہی یہی دعا فیصلہ کن قرار پائی۔بس اب سب کچھ یہی دعا ہے۔نہ سابقہ مباہلہ نہ کوئی اور حکم۔جاؤ چپ رہو اور اس دعا کے انجام کا انتظار کرو۔ بتایئے اس تصریح اور توضیح کے بعد بھی کسی تحریر کی ضرورت ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ۴ اپریل ۱۹۰۷ء کو مباہلہ کا وقوع حقیقۃ الوحی کی اشاعت پر موقوف رکھا تھا۔ پھر بمنشائے الہی مباہلہ کے عزم کو منسوخ کر کے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ ء کو دعا شائع کر دی اور اسی دعا کو فیصلہ کن قرار دیا اور آئندہ کے لئے مباہلہ کا دروازہ بند کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ جس صورت میں ۲۹ مارچ والے مضمون کے جواب کے مطابق مرزا صاحب نے اس مباہلہ کو حقیقت الوحی کی اشاعت بلکہ اس کے امتحان کے بعد تک ملتوی کیا تھا تو اس کی اشاعت سے ایک مہینہ پہلے اور مولانا کے پاس پہنچنے سے اڑھائی مہینے پہلے ۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ء کو کیوں دعائے مباہلہ شائع کر دی۔کیا

نبیوں کے وعدے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں ۔ علاوہ اس کے قاعدہ ہے کہ ہر مضمون کے شروع میں تحریر مضمون کی وجہ بتائی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں یہ مضمون اس وجہ سے لکھتا ہوں ۔ اشتہار آخری فیصلہ مورخہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو ملاحظہ فرمائیے کہ وجہ تحریر یوں لکھی ہے

' بخدمت مولوی ثناء اللہ، مدت سے آپکے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب کا سلسلہ جاری ہے ہمیشہ مجھے آپ اپنے پرچہ میں مردود کذاب مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں .... اس لئے میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ میں اور آپ میں سچا فیصلہ فرمائے یعنی جو ہم میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے (غلام احمد) ۔

بتائیے اس بیان میں وجہ تحریر تکذیب وغیرہ لکھی ہے یا مولانا کی دعوت مباہلہ مندجہ اہل حدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء لکھی ہے ۔ اس کے علاوہ سچے ہو تو سارے اشتہار آخری فیصلہ میں مباہلہ کا لفظ ہی دکھا دو ۔

یوں یہ مباہلہ بھی نہ ہو سکا ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کو ان کی پوری زندگی میں ایک ہی مرتبہ میدان مباہلہ میں لایا جا سکا ۔ اور یہ سعادت مولانا عبدالحق غزنوی کے حصہ میں آئی ہے جب انہوں نے ۱۸۹۳ء میں امرتسر میں مرزا صاحب سے مباہلہ کیا ۔ بعد میں مرزا صاحب اپنے مریدوں کو فرمایا کرتے تھے کہ اس (غزنوی قادیانی) مباہلے کے نتیجے کا انتظار کرنا چاہیے ملاحظہ کیجئے مکتوب مرزا صاحب بنام منشی رستم علی (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ۔ ص ۱۲۱ ۔ ۱۲۲) جو ہم کسی جگہ درج کر چکے ہیں

منشی الٰہی بخش

منشی صاحب ایک جید عالم اور لاہور میں بڑی اہم اور باا ثر شخصیت وحیثیت کے مالک تھے۔حساب نویسی کے سبب منشی کہلاتے تھے۔ ۱۸۸۰ء کے عشرے میں مرزا قادیانی سے متاثر تھے لیکن جب قادیانی بلی، تھیلے سے باہر آئی تو آپ تحریک ختم نبوت میں شامل ہو گئے ۔مرزا صاحب آپ کے متعلق کہتے ہیں

'ناظرین آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک شخص الٰہی بخش نام جو لاہور میں اکونٹنٹ تھا ..مدت دراز سے... میرے ساتھ تعلق ارادت رکھتا تھا اور بار بار قادیان آیا کرتا تھا اور مجھ کو ایک سچا ملہم خدا تعالی جانتا تھا اور خدمت کرتا تھا۔بعض دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ صبح کے وقت نماز کے بعد امرتسر میں سوتا تھا اور میرے منہ پر چادر تھی ۔تب ایک شخص آیا اور اس نے میرے پاؤں دبانے شروع کر دیئے ۔ جب میں نے چادر اٹھا کر دیکھا تو وہی الٰہی بخش تھا۔اس تحریر سے غرض یہ ہے کہ اس حد تک اس کا اخلاص پہنچ گیا تھا کہ کسی نوع کی خدمت سے وہ ننگ اور عار نہیں رکھتا تھا اور نہائت انکسار سے معمولی خدمت گاروں کی طرح اپنے تئیں تصور کرتا تھا۔اور مالی خدمت میں بھی حتی المقدور دریغ نہیں کرتا تھا۔اور جب تک خدا نے چاہا وہ اسی مخلصانہ حالت میں رہا اور مجھ کو بڑی امید تھی کہ وہ اپنے اخلاص میں بہت ترقی کریگا۔اور جب میں کسی تقریب سے لدھیانہ یا انبالہ یا کسی اور جگہ جاتا تھا تو بشرط گنجائش اور فرصت نکلنے کے اسی جگہ پہنچتا تھا۔اور اکثر اوقات اس کا رفیق منشی عبدالحق اکاؤنٹنٹ بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا...پھر اس کو کچھ مدت کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ مجھ کو الہام ہوتا ہے اور یہی ایک زہریلا بیج تھا کہ قضا و قدر نے اس میں بو دیا۔پھر اس کے بعد اندر ہی اندر اسکی مخلصانہ حالت میں کچھ تغیر ہوتا گیا اور پھر جس زمانہ میں خدا تعالی نے مجھے لوگوں سے بیعت کے لئے مامور فرمایا اور قریبا چالیس آدمی یا کچھ زیادہ بیعت میں داخل ہوئے اور عام طور پر خدا تعالی کے حکم کے موافق ہر ایک کو سنایا کہ جو شخص ارادہ رکھتا ہے وہ بیعت میں داخل ہو۔تب

اس بات کو سنتے ہی الٰہی بخش کا دل بگڑ گیا اور وہ کچھ مدت کے بعد مع اپنے دوست منشی عبدالحق کے قادیان میرے پاس آیا اس غرض سے کہ تا اپنے الہام سناوے اور اب کی دفعہ اس کے مزاج میں اس قدر سختی ہوگئی تھی کہ گویا وہ اور ہی تھا الٰہی بخش نہیں تھا۔ اس نے بہت بیباکی سے الہام سنانے شروع کئے اور وہ ایک چھوٹی سی بیاض میں لکھے ہوئے تھے جو اس کی جیب میں تھا۔ منجملہ ان کے اس نے یہ سنایا کہ خواب میں میں نے دیکھا ہے کہ آپ مجھے کہتے ہیں کہ میری بیعت کرو اور میں نے جواب دیا کہ میں نہیں کرتا بلکہ تم میری بیعت کرو'

(روحانی خزائن ج ۲۲ تتمہ حقیقت الوحی ص ۵۳۴-۵۳۵)

۱۸۹۸ء میں جب مرزا صاحب نے ضرورۃ الامام لکھی تو منشی صاحب نے اس کی تردید میں عصائے موسیٰ لکھی جو متوسط سائز کے ۴۶۰ صفحات پر بڑی عمدہ کتاب ہے جس میں مرزا صاحب اور انکے پیش کردہ دعاوی اور عقائد کا نیز ان کے مقرب متوسلین کا عمدگی کے ساتھ پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ جیسا کہ حکیم نوردین صاحب کے بارے میں لکھا ہے

. مرزا صاحب اور حکیم نورالدین صاحب بالکل ہم مذاق تھے حکیم صاحب میں مرزا صاحب سے ملاقات سے پیشتر ہی باتباع سرسید احمد بالقابہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مارنے اور ان کی قبر کھودنے کا خبط موجود تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مرزائیت کی ساری چھیڑ خانی انہوں نے ہی چھیڑی تھی اور مرزا صاحب نے ان کو اپنے مفید مطلب سمجھ کر اس کی تکمیل کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ (عصائے موسیٰ ص ۳۷۶)۔

اور چونکہ منشی صاحب مرزا صاحب کے ایسے مخالفین میں سے تھے جو بحکم آہن را آہن باید کوفت الہام کا جواب الہام سے دیتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کتاب میں مرزا صاحب کے بارے میں اپنے الہامات بھی شائع کئے۔ اور صفحہ ۸۳ پر ایک الہام متعلقہ مرزا صاحب یوں درج کیا ہے

سنسمه علی الخرطوم ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی

شتاب داغ دیوینگے ہم اس (مرزا) کو اوپر ناک کے۔ نہ پھینکا تو نے جب پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

منشی صاحب کی اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ مرزا طاعون سے مرے گا

مگر مرزا صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ منشی صاحب نے میرے لئے طاعونی موت کی پیش گوئی کی تھی اپنی کتاب حقیقۃ الوحی کے تتمہ میں صفحوں کے صفحے سیاہ کئے ہیں۔ اسی ذیل میں منشی صاحب کے الہام مذکورہ بالا کو نقل کر کے ترجمہ میں چند الفاظ اس انداز میں بڑھائے کہ پڑھنے والے کو معلوم ہو کہ یہ منشی صاحب کے الفاظ ہیں۔ لکھتے ہیں۔

پھر ایک اور الہام ان (منشی الٰہی بخش) کا میرے پر عذاب نازل ہونے کے بارے میں جو اس کتاب کے صفحہ ۸۳ میں موجود ہے یہ ہے سنسمه علی الخرطوم (ترجمہ) اس مفتری کو یعنی اس مفتری کی ناک پر یا منہ پر ہم آگ کا داغ لگائینگے۔ یعنی اس کو طاعون سے ہلاک کریں گے۔ یا یہ کہ جہنم کی آگ میں ڈالیں گے

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۴ حقیقۃ الوحی۔ خزائن ج ۲۲ ص ۵۵۰)

اس ترجمہ میں طاعون وغیرہ کے الفاظ منشی صاحب کے نہیں ہیں بلکہ یہ مرزا صاحب کی بددیانتی ہے اور اسی کو بنیاد بنا کر انہوں نے مخالف کو ہدف ملامت بنایا ہے

مولوی الٰہی بخش کے ذکر میں ایک اور جگہ مرزا صاحب فرماتے ہیں

منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ کی کتاب عصائے موسیٰ مجھ کو ملی جس میں میری ذاتیات کی نسبت محض سوء ظن سے اور خدا کی بعض سچی اور پاک پیش گوئیوں پر سراسر شتاب کاری سے حملے کئے گئے ہیں۔ وہ کتاب جب میں نے ہاتھ سے چھوڑی تو تھوڑی دیر کے بعد منشی الٰہی بخش صاحب کی نسبت یہ الہام ہوا

یریدون ان پروا طمثک واللہ یرید ان یریک انعامہ ا لانعا مات المتوا تره انت منی بمنزلة اولادی واللہ وکیل وربک فقلنا یا نار کونی بردا ان اللہ مع الذین اتقوا والذین هم یحسنون الحسنی۔ ترجمہ۔ یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی اور پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ اپنی متواتر نعمتیں جو تیرے پر ہیں دکھلاوے۔ اور خون حیض سے تجھے کیوں کر مشابہت ہو وہ کہاں تجھ میں باقی ہے۔ پاک تغیرات نے اس خون کو خوبصورت لڑکا بنا دیا اور وہ لڑکا جو اس خون سے بنا میرے ہاتھ سے پیدا ہوا۔ اس لئے تو مجھ سے بمنزلہ اولاد کے ہے۔ یعنی بچوں کا گوشت پوست خون حیض سے ہی پیدا ہوتا ہے مگر وہ خون حیض کی طرح ناپاک نہیں کہلا سکتے۔ اس طرح تو بھی انسان کی فطرتی ناپاکی سے جو

لازم بشریت ہے اور خون حیض سے مشابہ ہے ترقی کر گیا ہے ۔ اب اس پاک لڑکے میں خون حیض کی تلاش کرنا حمق ہے وہ تو خدا کے ہاتھ سے غلام ذکی بن گیا اور اس کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہے اور خدا تیرہ متولی اور پرورندہ ہے ۔ جس آگ کو اس کتاب عصائے موسیٰ نے بھڑکانا چاہا ہے ہم نے اس کو بجھا دیا ہے ..

...اہانت کے لئے منشی صاحب کو دو ہی راہیں سوجھی ہیں ۔ ایک یہ کہ جس قدر کتابوں کا (میں نے) وعدہ کیا تھا وہ سب شائع نہیں کیں ۔ (منشی صاحب نے) یہ خیال نہ کیا کہ اگر کچھ دیر ہوگئی تو قرآن شریف بھی تو ۲۳ برس میں ختم ہوا ۔ آپ کو بدنیتی پر کیونکر علم ہوگیا ...دوسرا اعتراض یہ ہے کہ پیش گوئیاں پوری نہیں ہوئیں ۔ اس کا جواب تو یہی ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین ... اسی طرح احمد بیگ کے داماد کے متعلق شرطی پیش گوئی ہے ۔ اگر کچھ ایمان باقی ہے تو کیوں شرط کی انتظار نہیں کرتے ....

منشی الٰہی بخش صاحب نے جھوٹے الزاموں اور بہتانوں اور خلاف واقعہ کی نجاست سے اپنی کتاب عصائے موسیٰ کو ایسا بھر دیا ہے جیسا کہ ایک نالی اور بدرو گندے پانی سے بھر جاتی ہے ۔ یا جیسا کہ سنڈاس پاخانہ سے ۔ اور خدا سے بے خوف ہو کر میری عزت پر افتراء کے طور پر سخت دشمنوں کی طرح حملہ کیا ۔ وہ یقیناً سمجھ لیں کہ یہ کام انہوں نے اچھا نہیں کیا اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے ان گالیوں سے زیادہ نہیں جو حضرت موسیٰ کو دی گئیں اور حضرت مسیح کو دی گئیں اور ہمارے سید محمد ﷺ کو دی گئیں ۔ افسوس انہوں نے آئت ویل لکل ھمزۃ لمزۃ کے ویل کے وعید سے کچھ بھی اندیشہ نہیں کیا اور نہ انہوں نے آئت لا تقف ما لیس لک بہ علم کی بھی کچھ بھی پرواہ کی ۔ وہ بار بار میری نسبت لکھتے ہیں کہ میں نے ان کو تسلی دے دی کہ میں آپ کے افتراء کی وجہ سے کسی انسانی عدالت میں آپ پر نالش نہیں کرونگا ۔ سو میں کہتا ہوں کہ میں نہ صرف انسانی عدالت میں نالش نہ کرونگا بلکہ میں خدا کی عدالت میں بھی نالش نہیں کرتا ۔ لیکن چونکہ آپ نے محض جھوٹے اور قابل شرم الزام میرے پر لگائے ہیں اور مجھے ناکردہ گناہ کا دکھ دیا ہے اس لئے میں ہرگز یقین نہیں رکھتا کہ میں اس وقت سے پہلے مروں جب تک کہ میرا قادر خدا ان جھوٹے الزاموں سے مجھے بری کر کے آپ کا کاذب ہونا ثابت نہ کر دے ۔ الا لعنت اللہ علی الکاذبین ۔ اس کے متعلق قطعی

اور یقینی طور پر مجھ کو ۶ دسمبر ۱۹۰۰ء روز پنج شنبہ یہ الہام ہوا

بر مقام فلک شدہ یا رب ۔ گر امیدے دہم مدار عجب ۔ بعد ۱۱ انشاء اللہ ۔ میں نہیں جانتا کہ گیارہ دن ہیں یا گیارہ مہینے یا گیارہ سال ۔ مگر بہر حال ایک نشان میری بریت کے لئے اس مدت میں ظاہر ہوگا جو آپ سخت شرمندہ کرے گا ۔ خدا کے کلام پر ہنسی نہ کرو ۔ پہاڑ ٹل جاتے ہیں دریا خشک ہو سکتے ہیں ۔ موسم بدل جاتے ہیں مگر خدا کا کلام نہیں بدلتا جب تک کہ پورا نہ ہولے ۔

اور منکر کہتا ہے کہ فلاں پیش گوئی پوری نہیں ہوئی ۔ اے سخت دل خدا سے شرم کر ۔ وہ تمام پیش گوئیاں پوری ہوگئیں اور یہ زمانہ نہیں گذرے گا جب تک باقی ماندہ حصہ پورا نہ ہو جائے ۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۳۷۵ ۔ ۳۸۰ حاشیہ ۔ اشتہار ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء)

مرزا صاحب کہہ رہے ہیں کہ جو پیش گوئیاں پوری نہیں ہوئیں ان کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کیوں کرتے ہو ۔ بلکہ چپ کر کے دیکھتے رہو ۔ کہ آخر کار یہ پوری ہوکر رہیں گی ۔ اب کوئی پوچھے کہ جس شخص کے بارے میں پیش گوئی ہو کہ وہ اڑھائی سال میں مر جائے گا اور وہ شخص اڑھائی سال میں نہ مرے تو اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا انتظار کر نے کا اب کیا مطلب رہ گیا ۔ وقت تو گذر گیا ۔ مدت ختم ہوگئی ۔ کھیل ختم ہوگیا اور پیسہ ہضم ۔ پیش گوئی جھوٹی ہوگئی ۔

ویسے مرزا صاحب انتظار کا کہہ رہے تھے تو کوئی پوچھے کی انتظار سے بھی کیا ملا؟ ۔ احمد بیگ کا داماد سلطان محمد تو مرزا صاحب کی زندگی میں مرا ہی نہیں ۔ بلکہ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں مرا ۔ یعنی انتظار کے باوجود مرزا صاحب کی پیش گوئی جھوٹی ہی نکلی ۔ اور مرزا صاحب کہتے کہ ہیں مجھے یقین ہے کہ میری موت اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک منشی صاحب کے لگائے ہوئے اعتراضات دور نہیں ہو جاتے ۔ منشی صاحب نے مرزا صاحب کی جن پیش گوئیوں کے پورا نہ ہونے پر اعتراض کیا تھا وہ کبھی بھی پوری نہیں ہوئیں ۔ نہ سلطان محمد مرزا صاحب کی زندگی میں مرا اور نہ محمدی بیگم مرزا صاحب کے نکاح میں آئی ۔

اب مرزائی بتائیں کہ کیا مرزا صاحب ابھی تک زندہ ہیں ؟ اگر زندہ ہیں تو مرزا حکیم نورالدین کس کی خلافت کرتا رہا ہے؟

ویسے اگر مرزا صاحب ابھی زندہ بھی ہوں تو محمدی بیگم سے ان کی شادی تب بھی

نہیں ہوسکتی کیونکہ محمدی بیگم مرچکی ہے ۔

اور اگر بفرض محال اس شادی کا ہونا ٹھہر ہی جائے تو سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب کی بارات کہاں جائے گی؟ محمدی بیگم اوراس کے والدین تو منکرین مرزا ہونے کے باعث مرزائیوں کے عقیدے کے مطابق دوزخ میں ہیں ۔

اور منشی صاحب نے بقول مرزا صاحب یہ اعتراض کیا تھا کہ کتابوں کا وعدہ کر کے شائع نہیں کیں ۔اوراس پر مرزا صاحب نے کہا کہ قرآن بھی ۲۳ سال میں مکمل ہوا تھا اس لئے ابھی انتظار کرو۔ چلو انتظار بھی کرلیا۔ پھر کیا ہوا؟ جب منشی صاحب نے اعتراض کیا تھا اس وقت براہین احمدیہ کی ۴۶ جلدیں شائع ہونا باقی تھیں ۔مرزا صاحب نے تا عمر ان ۴۶ جلدوں میں سے ایک بھی شائع نہیں کی ۔بس ایک جلد کا مسودہ چھوڑ کر (اور ۴۵ جلدوں کا مسودہ بغل میں دبا کر) چل بسے جس میں لکھا ہوا تھا کہ ۵ اور ۵۰ میں صرف ایک صفر کا فرق ہے اس لئے براہین کی ۵۰ جلدیں لکھنے کا وعدہ ان پانچ جلدوں سے پورا ہوگیا ۔لیکن جس (پانچویں) جلد میں یہ فقرہ لکھا ہوا تھا اسے منشی صاحب کی زندگی میں مرزا صاحب شائع بھی نہ کرسکے کہ ۵ اور ۵۰ کو برابر قرار دینے کی دھاندلی تو اتنی بڑی ہے کہ عام لوگوں کے سامنے بھی نہیں چل سکتی چہ جائے کہ ایک اکاؤنٹنٹ کو مطمئن کیا جاسکتا۔

براہین احمدیہ کے علاوہ ایک کتاب سراج منیر مفت شائع کرنے کا اعلان کر کے بھی مرزا صاحب نے ۱۴۰۰ سو روپئے چندہ مانگا تھا ۔اور بہت سا روپیہ وصول بھی ہوا۔ مگر بعد میں جب کتاب شائع ہوئی تو قیمتا دی گئی ۔

اور ایک دفعہ آپ نے یہ اشتہار شائع کیا جس سے معلوم ہوتا کہ مرزا صاحب کس طرح بہانے بہانے سے مالی امداد مانگا کرتے تھے اور کس طرح لوگ ان کی جھولی بھرتے رہتے تھے ۔ لکھتے ہیں

عالی ہمت دوستوں کی خدمت میں گزارش

چونکہ طبع کتاب ازالہ اوہام میں معمول سے زیادہ مصارف ہوگئے ہیں اور مالک مطبع اور کاتب کا حساب بے باق کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے لہذا بخدمت جمیع مخلص دوستوں کے التماس ہے کہ حتی الوسع اس کتاب کی خریداری سے بہت جلد مدد دیں ۔ جو صاحب چند نسخے خرید سکتے ہیں وہ بجائے ایک کے اس قدر نسخے خرید لیں

جس قدر ان کو خرید نے کی خداداد مقدرت حاصل ہے اوراس جگہ اخویم مکرم مولوی حکیم نورالدین صاحب معالج ریاست جموں کی نئی امداد جو انہوں نے کئی نوٹ اس وقت بھیجے قابل اظہار ہے۔ خدائے تعالی ان کو خیر بخشے۔ ایسا ہی اخویم مکرم حکیم فضل دین صاحب بھیروی نے علاوہ اس تین سو روپے کے جو پہلے بھیجا تھا اب ایک سو روپیہ اور بھیج دیا۔ نہائت خوشی کی بات ہے کہ حکیم فضل دین صاحب اپنے مخدوم حکیم نور الدین صاحب کے رنگ میں ایسے رنگین ہو گئے ہیں کہ نہائت اولوالعزمی سے ایثار کے طور پر ان سے اعلی درجہ کے اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ سو روپیہ بعض زیورات کے فروخت سے محض ابتغاءً لمرضات اللہ بھیجا ہے۔

اس جگہ اخویم مولوی مردان علی صاحب صدر محاسب دفتر سرکار نظام حیدرآباد دکن بھی ذکر کے لائق ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے درخواست کی ہے کہ میرا نام سلسلہ بیعت کنندوں میں داخل کیا جاوے۔ چنانچہ داخل کیا گیا۔ ان کی تحریرات سے نہائت محبت اور خلوص پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے سچے دل سے پانچ برس اپنی عمر میں سے آپ کے نام لگا دیئے ہیں۔ خدا تعالی میری عمر میں سے کاٹ کر آپ کی عمر میں شامل کر دے۔ سو خدا تعالی اس ایثار کی جزا ان کو یہ بخشے کہ ان کی عمر دراز کرے۔ انہوں نے اور اخویم مولوی ظہور علی صاحب اور مولوی غضنفر علی صاحب نے نہائت اخلاص سے دس دس روپیہ ماہواری چندہ دینا قبول کیا ہے۔ اور بہتر (۷۲) روپیہ امداد کے لئے بھیجے ہیں۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۲۸۷۔۲۸۸۔ یہ اشتہار ازالہ اوہام بار دوم ریاض ہند امرتسر کے صفحہ ۹۴۴ پر ہے)

پھر ایک رسالہ قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ چھپوانے کا اشتہار دیا گیا کہ وہ ۲۰ جون ۱۸۸۵ء سے ماہوار نکلے گا۔ پھر نشان آسمانی میں باہمت دوستوں سے مرزا صاحب نے مالی مدد چاہی کہ اے مرداں بکوشید و برائے حق جوشید۔ اور ہر ایک کتاب کی اشاعت کے لئے امداد کی درخواست کی اور لکھا کہ ذی مقدرت لوگ زکوۃ کی مد سے میری کتابیں خرید کر تقسیم کریں۔ اور میری اور بھی تالیفات ہیں جو نہائت مفید ہیں۔ مثلا رسالہ احکام القرآن۔ اربعین فی علامات المقربین۔ سراج منیر۔ تفسیر کتاب عزیز۔ پھر جلسہ دسمبر ۱۸۹۳ء میں پریس کے لئے اڑھائی سو روپیہ ماہوار کی ضرورت پیش کی اور فرمایا کہ ہر

ایک دوست بلاتوقف اس میں شریک ہو۔اور ماہوار چندہ تاریخ مقررہ پر بھیجتا رہے۔ اس سے بقیہ براہین اور اخبار اورآئندہ رسائل کا کام جاری رہ سکتا ہے۔ یہ انتظام سب کچھ ہوگیا۔مگر تفسیر کتاب عزیز براہین احمدیہ اور رسائل ماہوار سب دربطن مرزا صاحب رہے ۔ان حالات میں ایک مرتبہ آپ کے سسر میر ناصر کے درج ذیل اشعار اشاعۃ السنہ میں شائع ہوئے

اورکہیں تصنیف کے ہیں اشتہار — یہ ہی لوگوں نے کیا ہے روزگار

پیش گی قیمت مگر لیتے ہیں وہ — خلق کو اس طرح دم دیتے ہیں وہ

بعض کھا جاتے ہیں قیمت سب کی سب — اس طرح کا پڑ گیا یارو غضب

جوکوئی مانگے وہ بے ایمان ہے — وہ بڑا ملعون اور شیطان ہے

بدگمانی کا اسے آزار ہے — سارے بدبختوں کا وہ سردار ہے

ایک تو پلہ سے اس نے زر دیا — دوسرے بدنام اپنے کو کیا

کھا گیا جو مال اچھا وہ رہا — کچھ گھٹا ہرگز نہ اس کا اتقاء

قیمتیں کھا کرنہیں لیتے ڈکار

اورمنشی الٰہی بخش صاحب نے مرزا صاحب کی اس پیش گوئی پر بھی اعتراض کیا تھا جو انہوں نے مولود موعود کے بارے میں ۱۰ فروری ۱۸۸۶ء کو اس وقت کی تھی جب ان کی اہلیہ حاملہ تھیں کہ خدا نے بتایا ہے کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔اس کا نام بشیر ہے۔ علوم ظاہری اور باطنی سے پر کیا جائیگا۔وہ تین کو چار کرنے والہ ہوگا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول و الآخر مظہر الحق و العلا کان اللہ نزل من السماء۔ اور پھراس حمل سے مرزا صاحب کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی (اوراس کے بعدبھی مرزا صاحب کے ہاں کوئی لڑکا ایسانہیں ہوا جسے انہوں نے اس پیش گوئی کا مصداق ٹھہرایا ہو اور وہ زندہ رہا ہو)۔مرزا صاحب پراعتراض ہوا توانہوں نے کہا

. وہ فقرہ یا الہام کہاں ہے جوکسی اشتہار میں اس عاجز کے قلم سے نکلا ہے جس کامطلب یہ ہے کہ لڑکا اسی حمل سے پیدا ہوگا .(اشتہار محک اخیار واشرار مندرجہ رسالہ سرمہ چشم آریہ)

حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب نے اس اشتہار میں تونہیں لکھا تھا کہ اسی حمل میں

لڑکا ہوگا مگر اپنے مریدوں کے روبرو انہی دنوں زبانی طور پر مشہور کر رکھا تھا کہ لڑکا اسی حمل سے ہوگا ۔منشی الٰہی بخش لاہوری اس بات کے گواہ تھے ۔ان کی شہادت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے تتمہ کے صفحہ ۱۲۵ پر درج کر کے اس سے انکار بھی نہیں کیا بلکہ اپنی اجتہادی غلطی کا عذر کر کے لکھا ہے

. خدا کا کوئی الہام ایسا نہیں تھا کہ لڑکا پہلے حمل سے ہی پیدا ہوگا اور کوئی اجتہادی خیال اگر ہوتو اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو نبی کے اجتہاد کو واجب الوقوع سمجھتے ہیں ۔ میری طرف سے کبھی کوئی پیش گوئی شائع نہیں ہوئی کہ لڑکا اسی حمل سے پیدا ہوگا ۔ رہا اجتہاد سو میں خود قائل ہوں کہ دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے کبھی اجتہادی غلطی نہیں کی ۔

اب رہا مرزا صاحب یا مرزائیوں کا یہ عذر کہ الہام کی رو سے نہیں کہا گیا کہ اسی حمل میں لڑکا پیدا ہوگا سو اول ہمیں کسی الہام کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ قاعدہ یئوخذ المرء باقرارہ آدمی اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے ۔اور مرزا صاحب اقرار کر چکے ہیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہے تو وہ اجتہادی طور پر کہا ہے ۔اس کے علاوہ مرزا صاحب کا دعوی ہے وما ینطق عن الھوی ان ہو الا وحی یوحی (اربعین نمبر۳ ص۴۳) ۔یعنی جو کچھ مرزا صاحب کے دہن مبارک سے نکلے گا وہ وحی ہے ۔ یعنی جو کچھ انہوں نے بقول خود اجتہادی طور پر کہا ہے وہ بھی وحی ہے ۔ اور اگر اجتہادی طور پر کہنے کے وقت بفرض محال مرزا صاحب کا الہام کنندہ سویا ہوا تھا یا کسی اور مصروفیت کے باعث مرزا صاحب کی طرف سے بے خبر تھا اس لئے وہ مرزا صاحب کی زبان سے حق نہیں نکلوا سکا تو جوں ہی اسے مرزا صاحب کی اجتہادی غلطی کا پتہ چلتا اسے چاہیے تھا کہ اس غلطی کی اصلاح کروا دیتا۔لیکن یہ کیا کہ اس نے مرزا صاحب کی جتہادی غلطی سے آنکھیں بند ہی کیئے رکھیں؟

اس کے علاوہ مرزا صاحب کا ایک الہام بھی ہے

. آج آٹھ اپریل ۱۸۸۶ء میں اللہ جل شانہ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والہ ہے جو مدت ایک حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا . اور . اس الہام سے ظاہر ہے کہ غالبا ایک لڑکا ابھی ہونے والہ ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں .

(اشتہار مئورخہ ۸ اپریل ۱۸۸۶ء مندرجہ تبلیغ رسالت ج اول ص ۷۴)

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ ایک مدت حمل کے اندر ایک لڑکے کی ولادت مرزا صاحب نے الہام سے لکھی ہے اور باقی یہ بات کہ . اس سے ظاہر ہے... یہ مرزا کا اپنا خیال ہے الہام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ۷ اگست ۱۸۸۷ء کے اشتہار میں لکھا

. اے ناظرین میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے اشتہار ۸ اپریل میں پیش گوئی کی تھی کہ اگر موجودہ حمل سے پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے ضرور پیدا ہو جائے گا۔

(اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت ج ا ص ۱۲۱)

اس تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کے الہام . ایک مدت حمل . سے مراد موجودہ حمل (جس سے بعد میں لڑکی پیدا ہوئی تھی) تھا۔ اب صرف ایک بات باقی ہے کہ اگر چہ اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ کے الہام . مدت ایک حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا . سے مراد موجودہ حمل تو ثابت ہو گیا مگر اسی اشتہار میں یہ بھی تو لکھا ہے کہ . ابھی پیدا ہونے والہ ہے یا بالضرور اس کے قریب حمل میں . ۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب الہام میں صریح الفاظ موجود ہیں کہ . مدت ایک حمل سے یعنی موجودہ حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا . تو دوسرا فقرہ مرزا صاحب کا اپنا خیال یا اجتہاد ہے جو خود انکے بقول الہام کے مقابلے میں غلط ہو سکتا ہے۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں منشی الٰہی بخش صاحب نے اعتراض کیا تھا کہ مرزا صاحب کی مولود موعود والی پیش گوئی ۱۸۸۶ء جھوٹی نکلی ہے۔ اور آپ نے دیکھ لیا کہ مرزا صاحب یہ اعتراض نہیں اٹھا سکے۔ (اس پیشگوئی کے مفصل واقعات بشیر اول کے عنوان سے اس کتاب میں آگے چل کر بیان کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ)

اور مولوی دوست محمد قادیانی لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ۱۸۹۸ء میں

. منشی الٰہی بخش صاحب کے اوہام اور وساوس کے ازالہ کے لئے ضرورت الامام تصنیف فرمائی جس پر وہ اپنی روش پر نظر ثانی کرنے کے بجائے اور بھی متشدد ہو گئے اور اپنے چند ساتھیوں مثلاً منشی عبدالحق صاحب پنشنر اکونٹنٹ خان بہادر سید فتح علیشاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر اور حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر کے سمیت ایک بڑے فتنہ کی طرح ڈالی۔ سیدنا مسیح موعود نے ان کو دو خط بھیجے جن میں ان کو خدا کی قسم دے

کر لکھا کہ وہ مسلمانوں کی حالت پر رحم کرتے ہوئے اپنے الہامات شائع کر کے بھجوا دیں۔ دوسرا خط حضور نے ۱۶ جون ۱۸۹۹ء کو بھیجا۔اس خط کے جواب میں انہوں نے جولائی ۱۸۹۹ء کے پہلے ہفتہ میں حضرت مسیح موعود کو ایک خط لکھا جس میں حضور اور سلسلہ احمدیہ کے خلاف دو ایک پیش گوئیاں بھی درج تھیں۔منشی صاحب چونکہ اب اپنے خط میں حضرت کے خلاف الہام بھجوا کر میدان مقابلہ میں اتر آئے ..اس لئے حضور نے جولائی کے آخر میں تریاق القلوب کے نام سے ایک عظیم الشان تصنیف کے لئے قلم اٹھایا۔ یہ اصل رسالہ جو ۲۳ صفحات پر مشتمل تھا یکم اگست تک مکمل ہو کر انہی دنوں چھپ بھی گیا تھا لیکن حضور کو خیال آیا کہ ملہم لاہوری پر اتمام حجت کے لئے لیکھرام اور دوسرے افراد کے متعلق پیش گوئیوں کا مفصل تذکرہ کیا جائے جو نہائت آب و تاب سے پوری ہو چکی ہیں۔ چنانچہ حضور نے اس کے ساتھ دو ضمیموں کا اضافہ فرمایا۔ تریاق القلوب جنوری ۱۹۰۰ء ایک صفحہ کے مسودہ کے سوا چھپ چکی تھی ....آخر میں دو صفحے لگا کر ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع کر دی گئی۔

(تاریخ احمدیت ص ۶۷۔۶۸ جلد سوم)

یعنی چند صفحات کے رسالے کا عظیم الشان مسودہ مرزا صاحب گھر میں دبا کر کئی سال تک بیٹھے رہے۔اور سمجھتے رہے کہ انہوں نے منشی صاحب کے اعتراضات کا جواب دیدیا ہے۔

مرزا صاحب نے اپنے مرید مولوی محمد احسن امروہی سے بھی منشی صاحب کی تردید میں گوہرافشانی کروائی جیسا کہ اشتہار کتاب آیات الرحمان سے ظاہر ہے۔مرزا صاحب خود لکھتے ہیں

. یہ قابل قدر کتاب مکرمی مولوی سید محمد احسن صاحب نے کتاب عصائے موسیٰ کے رد میں لکھی ہے اور مصنف عصائے موسیٰ کے اوہام کا ایسا استیصال کر دیا ہے کہ اب اس کو اپنی کتاب ایک دردانگیز عذاب محسوس ہوگی۔ یہ تجویز قرار پائی ہے کہ اس کے چھپنے کے لئے اسی طرح پر سرمایہ جمع ہو کہ ہر ایک صاحب جو خریدنا چاہیں ایک روپیہ جو اس کتاب کی قیمت ہے بطور پیش گی روانہ کر دیں۔ یہ خواہش ہے کہ جلد تر یہ کتاب چھپ جائے اس لئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔خاکسار مرزا غلام احمد۔

(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۴۴۲)

اس جوابی کتاب کو مرزا صاحب نے مریدوں سے روپیہ جمع کرنے کا ایک اور بہانہ بنالیا۔ جب کہ منشی صاحب کے اعتراضوں میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ مرزا صاحب لوگوں سے کتابوں کی اشاعت کے لئے پیشگی قیمت کے نام پر پیسے جمع کر لیتے ہیں اور کتابیں شائع نہیں کرتے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مولوی محمد احسن نے منشی صاحب کے اعتراضات اور اوہام کا استیصال کر دیا ہے تو مرزا کے اس دعوی کی حقیقت اس بات سے معلوم ہوسکتی ہے کہ نہ تو احمد بیگ کا داماد سلطان محمد، مرزا صاحب کی زندگی میں مرا۔ نہ محمدی بیگم مرزا صاحب کی زندگی میں بیوہ ہوئی۔ نہ محمدی بیگم اور مرزا صاحب کی شادی ہوئی۔ نہ مرزا صاحب کی فرزند موعود والی پیش گوئی کبھی پوری ہوئی۔

چشمہ معرفت میں مرزا صاحب نے مولوی غلام دستگیر قصوری۔ مولوی چراغ دین آف جموں۔ مولوی محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی بابو الٰہی بخش اکاؤنٹنٹ لاہوری کا ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ مباہلہ کیا اور مر گئے۔ مولانا امرتسری نے اپنی کتاب ناقابل مصنف مرزا میں اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

’ ان اصحاب میں سے کسی کے ساتھ آپ (مرزا) کا حقیقی مباہلہ نہیں ہوا۔ کیونکہ حقیقی مباہلہ کی جو تعریف ہمارے اور مرزا صاحب کے درمیان مسلم ہے وہ یہ ہے کہ فریقین بالمقابل دعا کریں (اربعین دوم)۔ مذکورہ اصحاب میں سے کسی کے ساتھ ان معنی کی رو سے مرزا صاحب کا مباہلہ نہیں ہوا۔ ہاں جس بزرگ سے ہوا آپ نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ وہ ہیں صوفی عبدالحق غزنوی مرحوم۔ جن کے مباہلہ کرنے کو آپ (مرزا) استخارہ کر کے امرتسر آئے اور عید گاہ بیرون دروازہ رام باغ میں مئی ۱۸۹۳ء میں آپ نے بالمقابل مباہلہ کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ آپ (مرزا) پہلے مر گئے تھے اور صوفی صاحب بہت عرصہ بعد فوت ہوئے ‘۔

منشی صاحب کے بارے میں مرزا صاحب نے پیش گوئی کر رکھی تھی کہ وہ دوبارہ مرزائی ہو جائیں گے اور ہماری مخالفت ترک کر کے ہم سے آملیں گے۔ جب منشی صاحب بیمار ہوئے تو مرزائیوں کو فکر پڑ گئی کہ اگر منشی صاحب اس بیماری میں مر گئے تو اس مطلب یہ ہوگا کہ وہ مسلمان ہونے کی حیثیت میں مرے اور قادیانیت سے دور رہے ہیں۔ یوں مرزا

صاحب کی پیش گوئی کہ منشی صاحب رجوع کرلیں گے غلط ہو جائے گی چنانچہ لکھا ہے کہ

مصنف عصائے موسی کو جب لاہور میں طاعون ہوا تو حضرت مسیح موعود کے پاس یہ بات پیش ہوئی کہ حضور نے اعجاز احمدی میں لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین اور مصنف عصائے موسی رجوع کرلیں گے۔اس پر آپ نے فرمایا ان (الٰہی بخش) کو مرنے دو۔خدائی کلام کی تاویل ہوسکتی ہے۔آخر وہ (الٰہی بخش) طاعون ہی سے مر گیا'

(سیرۃ المھدی حصہ سوم ص ۲۹۱)

یعنی مرزا صاحب نے کہا کہ مرتا ہے تو مرنے دو۔ ہم پیش گوئی کی تاویل کرلیں گے کہ خدائی کلام کا کیا ہے؟ ہم اسے کوئی بھی معنی پہنا دیں گے۔ خدا ہماری بات رد نہیں کرتا۔ہم اسے کہہ دیں گے کہ اب ہمیں پہلے الہام کے الٹ کوئی الہام بھیج دے۔

تاہم ایک بات قابل غور ہے کہ مرزا صاحب نے یہ تو کہہ دیا کہ ہم پیش گوئی کی کوئی مناسب حال تاویل کرلیں گے لیکن وہ پیش گوئی کے وجود سے انکار نہیں کر سکے اور پھر کیا ہوا؟

مرزا صاحب کی پیش گوئی کہ منشی صاحب دوبارہ مرزائی ہو جائیں گے یوں غلط ہوئی کہ منشی ۷ اپریل ۱۹۰۷ء کو بحالت ایمان لاہور میں فوت ہو گئے اور آپ کی موت مرزا صاحب کی پیش گوئی کے جھوٹا ہونے کا نشان بن گئی۔ اور یہ تو آپ کو اب تک معلوم ہو چکا ہوگا کہ مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ

اگر ان کی پیش گوئیاں جھوٹی نکلیں تو وہ خود جھوٹے اور ان کے دعاوی بھی جھوٹے

دعائے آخری فیصلہ

مرزا محمود احمد صاحب نے ایک مرتبہ لکھا۔

مولوی ثناء اللہ حضرت اقدس (مرزا) سے خاص بغض رکھنے کی وجہ سے احمدی جماعت کے اکثر لوگ ان کو جانتے ہیں۔ جیسے مسیح ناصری کے وقت بعض فقیہہ اور فریسی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح آپ کو دکھ پہنچے ویسے ہی مولوی ثناء اللہ صاحب مسیح قادیانی کے پیچھے لگے رہے ہیں۔ مگر فرق اس قدر ہے کہ وہ لوگ کسی قدر شرافت سے کام لیتے تھے اور مولوی ثناء اللہ صاحب تمسخر کا ایک زندہ پتلا ہے۔ اور اس کے علاوہ گالیاں دینے میں بھی آپ نے ایک خاص مہارت پیدا کی ہوئی ہے۔ غرض خدا کے فرستادہ کی مخالفت ہی ان کا کام ہے اور اسی پر ان کی زندگی کا دارو مدار ہے۔ کوئی موقع ایسا نہیں گذرتا کہ یہ کچھ طعن و تشنیع نہ کریں۔ ہمارے سلسلہ کے لئے کوئی خوشی کا دن ہو یا غم کا۔ ان کی ظریف طبیعت کے لئے ایک مشغلہ ہاتھ آجاتا ہے۔ ظرافت کے فن کے مشاق سے مشاق آدمی کسی بات کو معمولی تصور کریں مگر یہ اس پر قہقہہ اڑائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ زبان اردو کے گندے سے گندے شعر جو کسی دیوان سے مل سکیں وہ دینی معاملات میں آپ استعمال کرتے ہیں اور کثرت سے یاد کئے ہوئے ہیں۔ غرض تمسخر اور بدزبانی یہ دو گر ہیں جن میں آپ کو خاص ملکہ ہے اور جو آپ کی ہر ایک تحریر میں پائے جاتے ہیں۔ خشیت تو خیر خاص خاص لوگوں میں ہوتی ہے۔ یہ شرافت کا بھی بعض موقعوں پر خیال نہیں رکھتے۔ غرض جب اس بدگمانی نے بہت ترقی کی اور ملک میں بھی اس کا اثر ہونے لگا تو حضرت اقدس (مرزا غلام احمد) کو اس کے روکنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ حضرت اقدس نے اپنی طرف سے ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں اس قسم کی دعا کی کہ اے خدائے قادر چونکہ مولوی ثناء اللہ بدزبانی میں حد سے بڑھ گیا ہے اور میری نسبت تمام دنیا میں عام طور سے شائع کرتا ہے کہ یہ شخص کاذب ہے جھوٹا ہے اور فریبی ہے اور اس نے کوئی معجزات نہیں

دکھلائے گویا کہ یہ تمام میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری طرف سے نہیں ہوں اور محض لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے میں نے دعویٰ کیا ہے۔ پس اے میرے مولا اور میرے قادر خدا جو کہ میرے دل کی حالت کو جانتا ہے اور علم رکھتا ہے کہ میں نے افتراء نہیں کیا۔ بلکہ تیری طرف سے حکم پا کر ایسا کیا ہے۔ سچے اور جھوٹے میں فرق کر کے دکھلا تا کہ دنیا گمراہی سے بچ جائے اور تو ایسا کر کہ اگر میں سچا ہوں تو ثناء اللہ کو میری زندگی میں کسی مہلک مرض میں گرفتار کر یا میرے سامنے ہی اس کو موت دے۔ ورنہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے اس کی زندگی میں ہی اس دنیا سے اٹھا تا کہ ثناء اللہ اور اس کے ساتھیوں کو اس سے خوشی پہنچے '

(تشحیذ الاذہان ج ۳ ۔ ص ۶ ۔ ۷ جون جولائی ۱۹۰۸ء)

اور مرزا محمود کے چھوٹے بھائی مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں کہ

مولوی ثناء اللہ صاحب کی مخالفت دن بدن اور بھی تیز ہوتی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود کے آخری ایام میں تو وہ گویا ایک طرح مخالفانہ تحریک کے لیڈر بن گئے اور ان کا اخبار اہل حدیث امرتسر سلسلہ احمدیہ کے خلاف تحقیر آمیز پراپیگنڈے سے بھرا ہوا ہوتا۔ اس پر حضرت مسیح موعود (مرزا) نے ۱۹۰۷ء کو مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ لمبی قیل و قال سے کیا حاصل ہے۔ فیصلہ کی آسان صورت یہ ہے کہ.. میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں سے جو فریق جھوٹا ہے خدا اسے سچے کی زندگی میں ہلاک کرے '

(سلسلہ احمدیہ مطبوعہ قادیان ۱۹۳۹ء ص ۱۳۵)

میر قاسم علی قادیانی ایڈیٹر اخبار الحق نے لکھا۔

اس کا باعث جو آفتاب سے بھی روشن ہے یہ ہے کہ ثناء اللہ کی تکذیب و دشنام دہی جب مسیح موعود کی شان میں ناقابل برداشت حد تک پہنچ چکی تو حضور نے مکذب مذکورہ (ثناء اللہ) کو اول تو اعجاز احمدی وغیرہ متحدیانہ نشانوں سے مغلوب اور ساکت کیا (اعجاز احمدی میں مرزا نے چیلنج کیا تھا کہ مولوی ثناء اللہ میری پیش گوئیوں کے امتحان کے لئے قادیان نہیں آئے گا۔ لیکن جب مولانا وہاں پہنچ گئے تو مرزا صاحب نے فرمایا میں کوئی مباحثہ نہیں کرونگا۔ ہاں تم میرے سامنے بیٹھو اور

میں ہر پیش گوئی پر تین گھنٹے تقریر کروں گا تم سنتے رہو۔ مولانا نے کہا کہ تین گھنٹوں کے بعد پانچ منٹ مجھے بھی دے دیا کرنا تو مرزا صاحب نے کہا کہ نہیں تمہیں صم بکم ہونا کربیٹھنا ہوگا۔ مولانا کے ورود قادیان کی تفصیلات ہم پہلے کسی جگہ بیان کر چکے ہیں۔ بہا) اور پھر بالمقابل مباہلہ کرکے خدائی فیصلہ کے لئے چیلنج دیا تو اس سے بھی یہ شیر پنجاب گریز کر گیا (گریز کس نے کیا تھا؟ ہم بتا چکے ہیں کہ مرزا صاحب خود میدان سے یہ کہہ کر بھاگ گئے تھے کہ حکومت سے کئے ہوئے معاہدے نے ان کی زبان بند اور ہاتھ باندھ رکھے ہیں ۔ اس لئے ہم مباہلہ نہیں کر سکتے۔ اور یہ بات اس شخص نے کہی تھی جو اپنے آپ کو وجہ تخلیق کائنات قرار دیتا تھا۔ جو اپنے آپ کو کن فیکون کی طاقتوں کا حامل قرار دیتا تھا۔ جو اپنے آپ کو رسول ہی نہیں رسل قرار دیتا تھا۔ جس کے پاس موت وحیات دینے کی طاقت بھی موجود تھی۔ یہ شخص ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت سے اس وقت باہر آسکا جب اس نے یہ اقرار کرلیا کہ حضور میں آئندہ فلاں فلاں کام سے باز رہوں گا۔ بہا)۔ باوجود ہزیمت خوردہ ہونے کے بھی جب بد باطن یہودی نے ہرزہ سرائی اور افترا پردازی اور حیلہ بازی اور جعلسازی پر کمر باندھ لی تو بجز اس صورت کے کہ ایک فریق خود ہی عدالت آسمانی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور کیا تدبیر ہوسکتی تھی۔ لہذا خود ہی مسیح موعود نے احکم الحاکمین کی عدالت میں درخواست مذکور (دعائے آخری فیصلہ) اپنی جانب سے پیش کردی تاکہ خدائی فیصلہ صادر ہو۔ (رسالہ احمدی جلد دوم شمارہ ۳ ص ۵ مارچ ۱۹۱۱ء)

خود مولانا ثناءاللہ فرماتے ہیں کہ

رد مرزائیت میں اپنا پہلا رسالہ الہامات مرزا میں نے بڑی محنت سے لکھا جو اتنا مقبول ہوا کہ بڑے بڑے مصنفوں نے اس کی عبارات اپنی تصنیفات میں نقل کیں۔ پنجاب کے پیر صاحب گولڑہ نے سیف چشتیائی میں اور حیدرآباد دکن کے مولانا انوار اللہ مرحوم نے افادۃ الافہام میں الہامات مرزا سے فائدہ حاصل کیا...میرا یہ طریق کلام مرزا صاحب قادیانی کو ایسا ہوا کہ انہوں نے بحکم تنگ آمد بجنگ آمد مندرجہ ذیل اشتہار دیا

مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
۔ یستنبئونک احق ہو ۔ قل ای و ربی انہ لحق ۔ بخدمت مولوی ثناء اللہ
صاحب السلام علی من اتبع الھدی مدت سے آپ کے پرچہ اہل حدیث
میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے ۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے پرچہ میں
مردود دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں ۔ اور دنیا میں میری نسبت یہ شہرت
دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے اور اس شخص کا دعوی مسیح موعود
ہونے کا سراسر افترا ہے ۔ میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا اور صبر کرتا رہا ۔ مگر چونکہ
میں دیکھتا ہوں کہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں اور آپ بہت سے افترا
میرے پر کرکے دنیا کو میری طرف آنے سے روکتے ہیں اور مجھے گالیوں اور تہمتوں اور
ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی مضر نہیں ہوسکتا ۔ اگر میں ایسا ہی
کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات اپنے ہر پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو
میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا ۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب
کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی
زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے ۔ اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تا کہ خدا کے
بندوں کو تباہ نہ کرے اور اگر میں کذاب اور مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ اور
مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ
آپ سنت اللہ کے موافق مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے ۔ پس اگر وہ سزا جو
انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ محض خدا کے ہاتھوں سے ہے جیسے طاعون ہیضہ وغیرہ
مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں
۔ یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیش گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے اپنے خدا
سے فیصلہ چاہا ہے اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اے میرے مالک بصیر و قدیر جو علیم
و خبیر ہے جو میرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعوی مسیح موعود ہونے کا
محض میرے نفس کا افترا ہے اور میں تیری نظر میں مفسد اور کذاب ہوں اور دن
رات افترا کرنا میرا کام ہے تو اے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری
جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر اور میری

موت سے ان کو اور ان کی جماعت کو خوش کر دے۔ آمین مگر اے میرے کامل اور صادق خدا اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی ان کو نابود کر۔ مگر نہ انسانی ہاتھوں سے بلکہ طاعون و ہیضہ امراض مہلکہ سے بجز اس صورت کے کہ وہ کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے۔ آمین یارب العالمین۔ میں ان کے ہاتھوں سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدزبانی حد سے گذر گئی وہ مجھے ان چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی بدتر جانتے ہیں جن کا وجود دنیا کیلئے سخت نقصان رساں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی تہمتوں اور بدزبانیوں میں آیت لا تقف ما لیس لک بہ علم پر بھی عمل نہیں کیا۔ اور تمام دنیا سے مجھے بدتر سمجھ لیا اور دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص درحقیقت مفسد اور ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہائت درجہ کا بد آدمی ہے۔ سو اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بد اثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعہ سے میرے سلسلہ کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے جو تو نے میرے آقا اور میرے بھیجنے والے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے۔ اس لئے اب میں تیرے ہی تقدس اور رحمت کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد اور کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھا لے یا کسی اور سخت آفت میں جو موت کے برابر ہو مبتلا کر۔ اے میرے مالک تو ایسا ہی کر۔ آمین ثم آمین۔ ربنا افتح بيننا و بين قومنا بالحق و انت خير الفاتحين۔ آمین۔ بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ وہ میرے اس مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

الراقم عبداللہ الصمد میرزا غلام احمد مسیح موعود عافاہ اللہ و اید

مرقومہ یکم ربیع الاول ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء

(مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ) یہ تو ہے مرزا صاحب کی دعائے آخری فیصلہ کے

اشتہار کا نفس مضمون ۔ اور اب ہم بتاتے ہیں کہ اس دعا کے قبول ہونے کا کیا قرینہ ہے ۔ مرزا صاحب کہتے ہیں

’ مجھے بار بار خدا نے مخاطب کر کے فرمایا کہ جب تو دعا کرے تو میں تیری سنوں ‘

(ضمیمہ نمبر ۵ تریاق القلوب)

نیز فرمایا کہ خدا کی طرف سے مجھے الہام ہوا ہے

’ جب کہ تو نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں تیری ہر ایک دعا کو قبول کرونگا مگر شرکاء (برادری) کے بارے میں نہیں ‘ تبھی سے میری روح ہر وقت دعاؤں کی طرف دوڑتی ہے

(تریاق القلوب ضمیمہ نمبر ۵ ۔ خزائن ج ۱۵ ۔ ص ۳۸۶)

نیز مرزا صاحب کے الفاظ ہیں

’ ثناء اللہ کے متعلق جو لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے ۔ ایک دفعہ ہماری توجہ اسکی طرف ہوئی اور رات کو الہام ہوا اجیب دعوۃ الداع صوفیا کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہی ہے ۔ باقی سب اس کی شاخیں ہیں ‘ (بدر ۲۵ ۔ اپریل ۱۹۰۷ء)

پس مرزا صاحب کی اس دعا میں مرزا صاحب کی شخصیت اور مرتبے کے علاوہ ان کا الہام اجیب دعوۃ الداع ملا لیا جائے تو ذرہ بھر اس میں شک نہیں رہتا کہ مرزا صاحب کی یہ دعا اللہ کے نزدیک مقبول تھی ۔ چنانچہ وہ اس دعا کے مطابق ربیع الاول ۱۳۲۶ھ موافق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرض ہیضہ سے انتقال کر گئے

(مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ) اب یہاں بطور مثال ہم حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ پیش کرتے ہیں ۔

حضرات انبیا کرام میں حضرت نوح علیہ السلام کو ہم نے اس لئے منتخب کیا ہے کہ مرزا صاحب کا دعوی ہے کہ براہین احمدیہ میں خدا تعالی نے میرا نام نوح بھی رکھا ہے اور میری نسبت فرمایا ہے ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انہم مغرقون یعنی میری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا اور ظالموں کی شکائت کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کر کہ میں ان کو غرق کرونگا ‘ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۶)

اور ایک دوسرے مقام پر مرزا صاحب نے لکھا ہے

'مجھے بارہا خدا تعالیٰ مخاطب کر کے فرما چکا ہے کہ جب تو دعا کرے میں تیری دعا سنوں گا۔ سو میں نوح نبی کی طرح ہاتھ پھیلاتا ہوں اور کہتا ہوں رب انی مغلوب (ضمیمہ تریاق القلوب نمبر ۵ ص ۴)

حضرت نوح کی دعا کی طرف کچھ تو مرزا صاحب نے منقولہ اقتباس میں اشارہ کیا ہے اور کچھ الفاظ ہم نقل کرتے ہیں۔ حضرت ممدوح کی دعا اور اس کا انجام قرآن مجید میں مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

قال نوح رب انہم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ و ولدہ الا خساراً و مکروا مکراً کباراً۔ و قالوا لا تذرن الھتکم ولا تذرن وداً ولا سواعاً ولا یغوث و یعوق و نسراً۔ و قد اضلوا کثیراً ولا تزد الظالمین الا ضلالاً۔ مما خطیئتھم اغرقوا فادخلوا ناراً فلم یجدوا لھم من دون اللہ انصاراً۔ و قال نوح رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیاراً۔ (نوح)۔ یعنی نوح نے ہماری جناب میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میرا کہا نہ مانا۔ اور ان (نابکار لوگوں) کے کہنے پر چلے جن کو ان کے مال اور ان کی اولاد نے (فائدہ کی جگہ الٹا) اور نقصان ہی پہنچایا۔ اور انہوں نے (میرے ساتھ) بڑے بڑے فریب کئے اور ایک دوسرے کو بہکایا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ یغوث کو اور نہ نسر کو اور یہ (لوگ ایسی باتیں سمجھا کر) بہتیروں کو گمراہ کر چکے ہیں۔ اور ایسا کر کہ ان ظالموں کی گمراہی اور (روز بروز) بڑھتی ہی چلی جائے (کہ آخر کار مستوجب عذاب ہوں۔ چنانچہ) اپنی ہی شرارتوں کی وجہ سے غرق کر دیئے گئے (اور) پھر دوزخ میں ڈال دیئے گئے اور خدا کے سوا کوئی مددگار بھی ان کو ہم سے نہ پہنچے اور نوح نے (ان کے حق میں یہ بھی بد) دعا کی کہ اے میرے پروردگار (ان) کافروں میں سے (کسی متنفس کو بھی زندہ) نہ چھوڑ (کہ) روئے زمین پر بستا نظر آئے۔

ان آیات قرآنیہ میں مما خطیئتھم سے انصاراً تک دعا کا نتیجہ ہے۔ یعنی

حضرت نوح نے قوم کی نافرمانی سے رنجیدہ خاطر ہو کر ان کے حق میں بد دعا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غرق کئے گئے اور ان کی وہی حالت ہوئی جو مرزا صاحب نے قرآن کی آئت میں بتائی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا میں ان کو غرق کرونگا

اس دعا کو مرزا صاحب کی دعا کے سامنے رکھ کر پڑھیں تو دونوں دعاؤں کا مضمون ایک ہی پائیں گے کہ اہل کفر و اہل باطل کو ہلاک کر۔ نتیجہ بھی دونوں کا واحد ہوا کہ اہل باطل اہل حق کے سامنے ہلاک ہو گیا۔

مولانا ثناء اللہ صاحب ایک مقام پر جناب مرزا صاحب کے مندرجہ بالا اشتہار (۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء) کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس

' اعلان کی جتنی بھی قدر اور عزت کی جائے تھوڑی ہے کیونکہ مرزا صاحب نے اس کے شروع میں بالفاظ خداوندی حلف اٹھا کر اس مضمون کو صحیح اور قطعی قرار دیا یعنی لکھا ہے کہ یستنبئونک احق هو قل ای و ربی انه لحق مطلب اس آئت کا مرزا صاحب کے منشا میں یہ ہے کہ جو کچھ اس اعلان میں لکھا ہے خدا کی قسم بالکل سچ ہے۔ پس یہ اعلان جملہ خبریہ کی صورت میں ہو گیا۔ جملہ خبریہ بھی معمولی نہیں بلکہ موکد بقسم۔ پس سارے اعلان مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ اگر میں مفتری اور کذاب ہوں تو خدا کی قسم میں مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں مر جاؤنگا۔ یہ تو ہے مضمون اعلان مع قسم۔ اسی کے ساتھ مرزا صاحب کا یہ اقرار صادق بھی شامل کر لیں۔ و القسم یدل علی ان الخبر محمول علی الظاہر لا تاویل فیه و الا فای فائدة کانت فی ذکر القسم (حمامۃ البشری ص ۱۴) کہ قسم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ خبر کے ظاہری معنی مراد ہیں کوئی تاویل نہیں۔ ورنہ قسم ذکر کرنے میں کیا فائدہ؟۔ پس مرزا صاحب کا جملہ خبریہ (اگر میں مفتری ہوں تو ہلاک ہو جاؤنگا) اور ان کی قسم اور قسم کے نتیجے کی تصدیق یہ سب امور اس قابل لحاظ ہیں۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۵ مئی ۱۹۳۴ء ص ۵)

اسی موضوع پر ایک مرتبہ مولانا امرتسری نے یوں تبصرہ فرمایا

آج کل مرزا صاحب قادیانی کے متعلق بہت کچھ اختلافات پیدا ہو رہے ہیں۔ غور کیا جائے تو یہ نزاعات سب بیکار معلوم ہوتی ہیں کیونکہ مرزا صاحب نے ان

نزاعات کے تصفیہ کرنے کے لئے ایک ایسی چیز بتائی تھی جو بالکل صاف اور سیدھی ہے۔مگر افسوس ہے کہ مخالف تو الگ رہے موافق بلکہ فدائی بھی ایسے بے پرواہ ہیں کہ موصوف (مرزا) کی تجویز پر کان نہیں لگاتے۔حالانکہ شروع میں اس کو معقول سمجھ چکے ہیں۔آج ہم درد بھرے دل سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ پبلک کے فائدے کے لئے وہ تجویز یاد دلاتے ہیں جو مرزا صاحب قادیانی نے رفع نزاع کے لئے پیش کی ہوئی ہے۔وہ ساری کی ساری انہیں کے الفاظ میں درج ذیل ہے (اس کے بعد اشتہار آخری فیصلہ درج کر کے مولانا فرماتے ہیں) مرزا صاحب قادیانی نے پبلک کی ہدائت کے لئے یہ ایک معیار دنیا کے سامنے رکھا تھا کہ مولوی ثناءاللہ اور مرزا صاحب میں جو عرصہ دراز سے اختلافی جنگ جاری ہے اس میں پہلے مرنے والے کی موت بہترین معیار ہے۔اس اعلان کی عبارت میں آٹھ جملے خبریے ہیں جن کا وقوع ضروری ہے۔

اب ایک طرف تو یہ بڑا زوردار اشتہار ہے دوسری طرف مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ لاہور کا فرمان ملاحظہ ہو کہ وہ وفات مرزا صاحب کو کافی نہیں جانتے بلکہ فرماتے ہیں ' ہم تو اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی بد دعا اس (ثناءاللہ) کے حق میں منظور ہوئی اور وہ اس کا نتیجہ بھی انشاءاللہ دیکھ لے گا '

(محمد علی در رسالہ ریویو جون جولائی ۱۹۰۸ء ص ۲۹۸)

کوئی ان امیر جماعت سے پوچھے کہ نتیجہ تو موت وحیات تھا جو دنیا نے دیکھ لیا اس کے علاوہ کون سا نتیجہ ہے جس کے آپ ۱۹۰۸ء میں منتظر تھے اور آج عرصہ طویلہ گذرنے پر بھی وہ ظہور پذیر نہیں ہوا؟ خلیفہ قادیان (مرزا محمود) کا خدا بھلا کرے کہ انہوں نے اس معاملہ کو صاف کر دیا ہے۔وہ لکھتے ہیں

جب حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے ثناءاللہ کی بابت دعا کی اور خدا تعالی نے آپ کو اس کی ہلاکت کی خبر دی تو وہ ایک وعید کی پیشگوئی ہوگئی '

(تشحیذ الاذہان۔بابت جون جولائی ۱۹۰۸ء ص ۷۹)

جس دعا کی قبولیت کی طرف یہاں خلیفہ قادیان نے اشارہ کیا ہے وہ اخبار بدر ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں درج ہے کہ مرزا صاحب متوفی نے کہا کہ ہم نے جب ثناءاللہ کے لئے دعا کی تو یہ الہام ہوا اجیب دعوۃ الداع بس اس دعا اور اس کی قبولیت کا

اثر یہ ہوا کہ مرزا صاحب مجھ پہلے مر گئے ۔ (اہل حدیث ۴ جنوری ۱۹۳۵ء)

مولانا امرتسری ایک اور موقع پر لکھتے ہیں کہ

مرزا صاحب کے اشتہار کو بنظر غور دیکھیں تو اس میں درج ذیل پانچ امور صاف صاف ملیں گے

۱ وجہ اشاعت اشتہار ھذا میری طرف سے سخت تحریرات کا نکلنا ۔

۲ سارے اشتہار میں مرزا صاحب نے مباہلہ کا لفظ نہیں بولا بلکہ محض اپنی دعا سے فیصلہ چاہا

۳ سارے اشتہار میں میرے ذمہ کوئی کام نہیں رکھا بلکہ صرف اپنی دعا کو کافی سمجھا

۴ اس مضمون کو سچا اور ضروری الوقوع بتانے کو شروع میں بالفاظ قرآن مجید قل ای وربی انہ الحق مئوکد بہ حلف بتایا ہے ۔

۵ سب سے اخیر میں لکھا ہے کہ مولوی (ثناءاللہ) صاحب جو چاہیں لکھیں اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے ۔ یعنی میرے اقرار یا انکار کا کوئی اثر نہیں ۔

پس اس اشتہار کی اندرونی شہادت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس دعا کے متعلق میرا (یعنی ثناءاللہ کا) کچھ کام نہیں ۔ نہ میرا اقرار قبولیت کے لئے شرط ہے ۔ نہ انکار باعث رد ۔ بلکہ جو کچھ ہے وہ مرزا صاحب کی دعا ہے اور بس ۔

ان امور خمسہ کے بعد مرزا صاحب کی اس دعا کے متعلق دوسرا اعلان بھی قابل غور ہے جس میں ذکر ہے کہ میں نے ثناءاللہ کی بابت دعا کی تو الہام ہوا اجیب دعوۃ الداع (اخبار بدر قادیان ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء) ۔ یہ تو ہے مرزا صاحب کا اپنا قول جو سب جماعت احمدیہ پر حجت ہے ۔ اب مزید تائید بھی سنیئے ۔ مرزا صاحب کے بعد امت مرزا دو گروہوں میں منقسم ہوگئی ۔ پہلا گروہ قادیانی ہے جس کا سرگروہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان ہے ۔ دوسرا گروہ لاہوری ہے اس کا سرگروہ مولوی محمد علی ایم اے امیر جماعت ہے ۔ ان دونوں نے اس دعاء مرزا کی بابت جو رائے لکھی ہے وہ بہت صاف اور فیصلہ کن ہے ۔ خلیفہ (محمود) صاحب کا قول ہے کہ جب حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے ثناءاللہ کی بابت دعا کی اور خدا تعالی نے آپ کو اس کی ہلاکت کی خبر دی تو وہ ایک وعید کی پیشگوئی ہوگئی ' (تشحیذ الاذہان ۔ مولفہ میاں محمود احمد

۔بابت جون جولائی ۱۹۰۸ءص ۷۹)

اس عبارت سے مطلع بالکل صاف ہو گیا ہے کیونکہ دعا جملہ انشائیہ ہے اور پیشگوئی جملہ خبریہ ہے۔ جملہ خبریہ صادقہ کا تحقق ضروری ہے ۔مرزا صاحب نے آئت قرآنیہ کے الفاظ میں قسم کھا کر اس مضمون کو جملہ خبریہ کی صورت میں دکھایا ہے ۔اس لئے باپ بیٹا دونوں اس پر متفق ہیں کہ اشتہار جملہ خبریہ ہے جس کا وقوع ضروری ہے ۔ایک اور بات بڑی ضروری یہ ثابت ہوئی کہ مرزا صاحب کا الہام مندرجہ اخبار بدر ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء اجیب دعوۃ الداع اسی دعا کے متعلق ہے نہ کسی اور کے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے دعا کی تھی کہ جھوٹا سچے سے پہلے مرے۔خدا نے اس دعا کی منظوری کا الہام کیا۔اس کے بعد یہ دعا پیش گوئی کے رنگ میں آ گئی ۔پھر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کے روز جو کچھ لاہور میں ہوا وہ سب جانتے ہیں۔

لاہوری گروہ کے سربراہ چونکہ انگریزی میں ایم اے ہیں لہذا انگریزیت ان پر غالب ہے اس لئے وہ اشتہار کے دعا ہونے کا اور اس کی قبولیت کا اعتراف بھی کرتے ہیں ۔مگر انگریزی طریق پر جس میں بجائے صفائی کے تکدر غالب ہو۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کے الفاظ یہ ہیں

' ہم تو اس بات کے معترف ہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی بد دعا اس (ثناء اللہ) کے حق میں منظور ہوئی اور وہ اس کا نتیجہ بھی انشاء اللہ دیکھ لے گا ' (مقولہ محمد علی در رسالہ ریویو قادیان بابت جون جولائی ۱۹۰۸ءص ۲۹۸)

یعنی حق غلبہ کر کے زبان قلم سے نکلنا چاہتا ہے بلکہ بزور نکل گیا ہے مگر بے سمجھوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کو یہ پخ لگا دی گئی ہے کہ ' نتیجہ دیکھ لے گا ' ۔ نتیجہ سوائے موت کاذب اور حیات صادق کے اور کیا ہے جس کو بزمانہ مستقبل دیکھنے سے ڈرایا جاتا ہے ' ۔ (اہل حدیث ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء)

مولانا ثناء اللہ ایک جگہ فرماتے ہیں

کہ مرزا صاحب قادیانی نے اپنے آخری فیصلے میں دعا کرتے ہوئے سات جملے خبریہ لکھے ہیں۔ منجملہ ایک یوں ہے اگر میں (مرزا) ایسا ہی کذاب ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ (ثناء اللہ) اپنے ہر ایک پرچہ (اہل حدیث)میں مجھے یاد کرتے

ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤنگا۔

کئی دفعہ تحریروں اور تقریروں میں مرزائیوں کو توجہ دلائی گئی کہ جملہ خبریہ کا وقوع نہ ہو تو قائل کاذب ہوتا ہے۔آخر اہل قادیان نے تنگ آکر اس کا جواب دیا اور لکھا کہ مرزا صاحب کی عبارت کا مطلب جملہ خبریہ میں یہ ہے

اگر میں مفتری اور کذاب ہوں اور میرا سلسلہ خدا کی طرف سے نہیں تو خدا کی قسم مولوی ثناء اللہ ضرور اس سلسلہ کو نابود اور منہدم کر دے گا۔ (الفضل قادیان۔ یکم جولائی ۱۹۳۴ء ص ۷)

مطلب (قادیانی) مجیب کا یہ ہے کہ اس جملہ خبریہ میں جو جزا ہے وہ واقعہ نہیں یعنی مولوی ثناء اللہ نے سلسلہ احمدیہ کو منہدم نہیں کیا۔ہم اس جواب سے بہت خوش ہیں کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ جملہ شرطیہ کی جزا وہ ہوتی ہے جو قائل مرتب کرے۔ نہ وہ جو کوئی دوسرا لگائے۔ مثلاً زید کہے اگر میں جھوٹا ہوں تو خدا مجھ پر لعنت کریگا ۔اس جملہ خبریہ کی تفسیر اور تعبیر کوئی دوسرا یوں کرے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو خدا میرے دشمن پر لعنت کریگا۔ دانا جانتے ہیں کہ یہ اس قول کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے ۔اصل جملہ خبریہ ہمارے سامنے ہے جو بغرض مزید تفہیم ہم مکرر نقل کرتے ہیں۔

اگر میں (مرزا) مفتری ہوں تو آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤنگا۔

مسیح موعود (مرزا) کے ان حواریوں سے پوچھنا چاہیے کہ مرزا صاحب کے جملہ شرطیہ میں ان کی مرقومہ جزا کو تبدیل کرکے دوسری جزا اس کی جگہ رکھنے والے تم کون ہو؟ کیوں نہ ان کے جملہ خبریہ کو اصل صورت میں رکھا جائے '

(اہل حدیث ۱۰ اگست ۱۹۳۴ء ص ۵)

ایک مرتبہ مولانا امرتسری نے فرمایا کہ

ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ مرزا صاحب نے آخری فیصلہ شائع کرکے اپنے اتباع کی کامل رہنمائی کردی تھی کہ میرے بعد حق کی طرف رجوع کر لینا۔مگر امت مرزائیہ ایسی سخت دل واقعہ ہوئی ہے کہ ما تغنی الآیات و النذر عن قوم لا یومنون کا نظارہ معلوم ہوتا ہے۔ مئی ۱۹۰۸ء سے عرصہ تک تو ہماری توجہ آخری فیصلہ کے مضمون پر ہی رہی مگر بتاریخ ۲۶ مئی ۱۹۳۴ء جبکہ مرزا صاحب کی یادگار میں بمقام

امرتسر جلسہ ہوا تو اس موقع پر ہم نے اشتہار آخری فیصلہ کے مضمون کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کا ایک حصہ دعائیہ ہونے کی وجہ سے جملات انشائیہ بتایا اور دوسرے حصہ کو جملات خبریہ ثابت کیا۔ یہ تقسیم ایسی مفید ثابت ہوئی کہ قادیانی کیمپ میں اس نے ہل چل ڈال دی ہے کیونکہ جملہ خبریہ کا وقوع اگر نہ ہو تو کذب لازم آتا ہے۔ حالانکہ نبی اور نبی کا ملہم کذب سے پاک ہوتے ہیں۔ ہمارے پیش کردہ جملات خبریہ کا جواب جلسہ مناظرہ میں تو نہیں ملا تھا۔ البتہ اخبار الفضل میں کسی صاحب نے دیا تھا جس کا جواب اہل حدیث مورخہ ۱۰۔ اگست ۱۹۳۴ء میں دیا گیا۔ آج مولوی جلال الدین صاحب کو جواب دیا جاتا ہے۔ مولوی صاحب نے لکھا ہے۔

میں نے کہا تھا کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کا فقرہ کہ اگر میں کذاب اور مفتری ہوں تو آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ جملہ خبریہ مطلق نہیں ہے۔ بلکہ شرط سے مقید ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود (مرزا) نے اس جملہ کے ساتھ ہی ہلاک ہونے کی وجہ بھی لکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے '

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو وجہ ہلاکت بیان کی گئی ہے وہ مطلق ہے یا مقید؟ سو حضرت مسیح موعود کی ایک واضح تحریر اس کے متعلق موجود ہے جو اس اشتہار آخری فیصلہ کے بعد کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو علت ہلاکت کی اس جگہ حضور نے بیان کی ہے وہ مباہلہ کی شرط سے مقید ہے۔ چنانچہ حضور (مرزا) فرماتے ہیں

' یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو۔ وہ کون سی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ پس ہلاک ہو جانے کی جو وجہ حضور نے آخری فیصلہ میں لکھی ہے وہ مباہلہ کی صورت سے متعلق ہے۔ مطلق نہیں ہے۔ لہذا اس جملہ خبریہ کی صحت وقوع کے لئے ضروری تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب بھی بالمقابل ایسی دعا کرتے ' (الفضل ۱۹۔ اگست

۱۹۳۴ء ص ۷ ۔ ۸) (مولانا امرتسری فرماتے ہیں) ہم اس بحث پر پہلے بارہا مفصل لکھ چکے ہیں یہاں صرف مرزا صاحب کے دو جملے خبریے اعلان آخری فیصلہ سے نقل کئے دیتے ہیں۔

اگر میں (مرزا) کذاب اور مفتری ہوں تو آپ (مولوی ثناء اللہ) کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤنگا اس قضیہ شرطیہ کی شرط اگر سے شروع ہوکر ہوں پر ختم ہوتی ہے۔ جزا اس کی ہلاک ہو جاؤنگا ہے۔ شرط با جزا جملہ شرطیہ خبریہ۔ اس جملہ کی مکمل تصدیق کے لئے وہ آئت ہے جو شروع اعلان میں لکھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں یستنبئونک احق ھو قل ای و ربی انہ لحق پوچھتے ہیں آپ کو (اے مرزا) کہ آپ کا یہ مضمون آخری فیصلہ سچ ہے؟ آپ کہیے خدا کی قسم یہ بالکل سچ ہے ۔ بتایئے اس قرآنی شہادت کو اپنے اعلان پر چسپاں کر کے مرزا صاحب نے اپنے جملات خبریہ کو مضبوط کیا یا نہیں۔ لطف یہ ہے کہ مرزا صاحب نے تو اپنے جملات خبریہ مندرجہ آخری فیصلہ کی حلف اٹھا کر تصدیق کردی اور مریدین کہے جاتے ہیں نہیں نہیں ۔ احمدی ممبرو ۔ میں تم کو ایک مشورہ دیتا ہوں ۔ چونکہ ایک روز آنے والہ ہے کہ اعلان آخری فیصلہ دکھا کر تم لوگوں کو کہا جائے گا اقرء کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیباً تم اپنی نوشت پڑھ لو تم خود ہی فیصلہ کرنے کو کافی ہو۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس اعلان کو بغور دیکھ کر مباہلہ کے لفظ پر نشان لگا رکھو۔ کیونکہ وہاں پوچھا جائے گا کہ اس اشتہار میں لفظ مباہلہ کہاں ہے؟ جب سوال ہوگا تو تم فوراً اس لفظ پر انگلی رکھ دینا۔ اگر باوجود تلاش کے مباہلہ کا لفظ نہ ملے تو منہ سے نہ نکالا کرو' (اہل حدیث ۳۱ اگست ۱۹۳۴ء ص ۵ ۔ ۶)

ایک جگہ مولانا امرتسری فرماتے ہیں

' ہمارا بہت پرانا دعوی ہے کہ مرزا صاحب کا آخری فیصلہ پیش گوئی تھا۔ پیش گوئی کیا ہوتی ہے ؟ یہی نا کہ آئندہ زمانے میں فلاں کام ہوگا۔ اہل حدیث ۲ نومبر ۱۹۳۴ء میں اس کا ذکر آیا تھا۔ جس پر قادیانی اخبار فاروق کے ایک نامہ نگار نے اعتراض کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں

' اخبار اہل حدیث ۲ نومبر ۱۹۳۴ء میرے سامنے ہے اس میں مولوی ثناء اللہ

صاحب نے لکھا ہے مرزا صاحب قادیانی نے اپنی وفات سے پہلے میرے مرنے کی پیشگوئی کی تھی۔مگر بحکم خدا آج ۲۶ سال ان کو انتقال کئے ہوئے ہوگئے اور خادم آج تک باذنہ تعالی زندہ ہے (ص۳ کالم۳)۔ کیا یہ صریح غلط بیانی اور جھوٹ نہیں۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب میں دم خم ہے اور واقعی انہوں نے سچ بولا ہے اور لوگوں کو دھوکہ نہیں دیا تو وہ بتلائیں اور اپنی اخبار میں جلی حروف میں شائع کریں کہ وہ پیش گوئی کہاں ہے۔ اور کس کتاب یا کس اشتہار وغیرہ میں درج ہے۔ ورنہ یاد رکھیں کہ قرآن مجید میں ایک انعام ان کے لئے مقرر ہے جو لعنة الله على الكاذبين کے الفاظ میں درج ہے۔اور وہ یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر وہ اس (مزعومہ) پیش گوئی کو تلاش کرتے کرتے مر بھی جائیں تب بھی یہ پیش گوئی ان کو کسی جگہ سے نہیں مل سکتی و لو كان بعضهم لبعض ظهيراً ' (فاروق ۱۴۔جنوری ۱۹۳۵ء ص ۵)۔

(مولانا کہتے ہیں) سب سے پہلے اعلان مرزا کو دیکھنا چاہیے۔اس میں یہ فقرہ ہے

' اگر میں کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ (مولوی ثناء اللہ) اپنے ہر ایک پرچے میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا ' (اشتہار آخری فیصلہ)۔

بتائیے یہ جملہ شرطیہ ہے یا نہیں؟ اور جملہ شرطیہ جملہ خبریہ کی قسم ہے یا نہیں؟ یقیناً ہے۔ اور یہ ہے میری ایک دلیل۔ پھر میاں محمود خلیفہ قادیان خود لکھتے ہیں۔

' جب حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے ثناء اللہ کی نسبت دعا کی اور خدا تعالی نے آپ کو اس کی ہلاکت کی خبر دی تو یہ ایک وعید کی پیشگوئی ہوگئی ' (مقولہ محمود در رسالہ تشحیذ الاذہان جون جولائی ۱۹۰۸ء ص ۷۹)

یہ ہے میرے اس دعوے کی دوسری دلیل کہ اشتہار آخری فیصلہ ایک پیش گوئی تھی جو بالکل سچی نکلی۔ ہمارے خیال میں یہی ایک پیش گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی ورنہ دوسری پیش گوئیاں تو ایسی ہیں کہ ان پر مخالفوں کے اعتراضات کی ایسی بھر مار ہے کہ احمدیوں کو سر کھجانے کی فرصت نہیں ' (اہل حدیث یکم فروری ۱۹۳۵ء ص ۴)

ایک مرتبہ مولانا امرتسری نے لکھا کہ

آخری فیصلے والی مرزا صاحب کی دعا مرزائی قلعے کے لئے آتشیں بم کا گولہ ہے اس

لئے قادیانیوں نے اس بم کی زد سے بچنے کے لئے مکانوں پر پھوس کی چھتیں ڈالیں ۔ ایک چھت یہ بنائی کہ یہ دعا دراصل دعائے مباہلہ ہے اور اس سلسلہ مباہلہ کی کڑی ہے جو مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں مولوی ثناء اللہ اور دیگر علماء سے شروع کیا تھا ۔ اور چونکہ مولوی ثناء اللہ مقابلے میں نہیں آیا اس لئے مباہلہ منعقد نہیں ہوا ۔ مولانا کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ہمارے ساتھ مباہلہ کرنا حقیقۃ الوحی کی اشاعت تک موقوف رکھا تھا ۔ چنانچہ فرمایا تھا کہ حقیقۃ الوحی چھپ جائے گی تو مولوی صاحب کے پاس بھیج دی جائے گی ۔ اس کے پڑھنے سے اس کی تسلی نہ ہوئی تو اس سے مباہلہ کیا جائے گا ۔ حقیقۃ الوحی ۱۵ مئی ۱۹۰۷ کو شائع ہوگئی مگر میرے پاس نہیں پہنچی اس لئے میں نے قیمتاً منگوالی (یہ واقعہ بجائے خود تکذیب مرزا پر ایک مستقل دلیل ہے) اب قابل غور بات یہ ہے کہ جو واقعہ (مباہلہ) ۱۵ مئی کے بعد وقوع پذیر ہونے والہ تھا اور جو کسی معمولی آدمی کی زبان سے نہیں نکلا تھا بلکہ مامور من اللہ نبی اللہ مسیح زماں مہدی دوراں کرشن قادیانی کی زبان سے نکلا تھا وہ ایک مہینہ پہلے ۱۵ اپریل کو کیونکر واقع ہوسکتا ہے؟ ۔ اس کے جواب میں چوہدری فتح محمد سیال مرزائی نے لکھا ۔ مباہلہ کسی وقت بھی منقطع نہیں کیا گیا ۔ اس سے مولوی ثناء اللہ کا یہ عذر بھی باطل ہوجاتا ہے کہ مباہلہ کے لئے حقیقۃ الوحی کی اشاعت کی ضرورت تھی کیونکہ حضرت مسیح موعود نے انجام آتھم والے مجموعہ الہامات ہی کو کافی سمجھا ہے ۔ اور فرمایا ہے کہ اس مجموعہ الہامات کو جو میں انجام آتھم میں شائع کرتا ہوں ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤں گا کہ یہ کلام الٰہی ہے اور اگر میں اپنے اس ادعا میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور لعنت ایک سال کے اندر اندر نازل ہو ۔ اور فریق مخالف سے بھی یہی مطالبہ تھا کہ وہ یہ قسم کھائے کہ یہ اللہ کی وحی نہیں ہے اور اگر ہم اس قسم میں جھوٹے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب ایک سال کے اندر اندر نازل ہو ۔ ۔ وہ مباہلہ کا چیلنج جو انجام آتھم میں آپ (ثناء اللہ) کو دیا گیا کبھی واپس نہیں لیا گیا ۔ اس لئے یہ کہنا کہ یہ (دعائے آخری فیصلہ) مباہلہ نہیں اور (مباہلہ) کسی وقت منقطع ہوگیا تھا غلط ہے ۔ یہ کسی وقت بھی منقطع نہیں کیا گیا ۔ اس لئے یہ کہنا کہ ہم آخری فیصلہ والی دعوت کو انجام آتھم کے مباہلہ سے خواہ مخواہ ملاتے ہیں بالکل غلط ہے ۔ (الفضل ۸ مئی ۱۹۴۱ ص ۵)

(مولانا کہتے ہیں) چوہدری صاحب کی تردید کے لئے ہم یہ عبارت نقل کر دیتے ہیں
. حضرت اقدس نے پھر بھی اس (ثناء اللہ) پر رحم کر کے فرمایا کہ یہ مباہلہ چند روز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے۔ اس کتاب میں ہر قسم کے دلائل سلسلہ حقہ کے ثبوت میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب مولوی ثناء اللہ کو بھیج دی جائے گی تاکہ وہ اسے اول سے آخر تک پڑھ لے۔ اس کتاب کے ساتھ ایک اشتہار بھی ہماری طرف سے شائع ہوگا جس میں ہم یہ ظاہر کر دیں گے کہ ہم نے مولوی ثناء اللہ کے چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔ (الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء)

مرزا صاحب کے الفاظ دیکھئے اور ان کے ساتھ چوہدری صاحب کا کہنا کہ مباہلہ کسی وقت بھی منقطع نہیں ہوا کہاں تک صحیح ہے؟ سنئے ہمارا دعوی مباہلہ منقطع ہونے کا نہیں بلکہ التواء کا ہے۔ اگر مجسٹریٹ مقدمے کی تاریخ مئی کے آخری ہفتے میں ڈال دے اور فریقین گھروں کو چلے جائیں۔ پھر ۱۵ اپریل کو فیصلہ کر دے تو کیا وہ مجسٹریٹ عادل کہلائے گا یا ظالم۔ مجنوں کہ ہوش مند؟

(اہل حدیث امرتسر ۳۰ مئی ۱۹۴۱ء ص ۵۔۶)

مولانا کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے ہمارے ساتھ اپنا مباہلہ حقیقۃ الوحی کی اشاعت پر موقوف رکھا۔ اور یہ کتاب ۱۵ مئی کو شائع ہوئی۔ اگر آخری فیصلے والی دعا اسی مباہلہ کی کڑی تھی تو اس کتاب کی اشاعت کے بعد جون یا جولائی وغیرہ کے مہینے میں شائع کی جاتی۔ حالانکہ یہ دعا ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو یعنی کتاب کی اشاعت سے ایک مہینہ پہلے شائع کی جا چکی تھی۔ پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ یہ دعا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

چوہدری فتح محمد قادیانی اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں

. حقیقۃ الوحی کی اشاعت تک مباہلہ کو ملتوی کرنا مفتی صادق قادیانی (ایڈیٹر بدر قادیان) کی طرف سے ایک تجویز تھی جو اس شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب تحریری طور پر اس تجویز کو منظور کر کے بواپسی اطلاع دیں تو حقیقۃ الوحی کی اشاعت تک مباہلہ ملتوی ہو سکتا ہے ورنہ نہیں (الفضل ۱۵ جون ۱۹۴۱ء ص ۳) مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ اخبار الحکم (۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء) میں مرزا صاحب کا قول یوں نقل کیا گیا تھا

. خدا کے رسول چونکہ رحیم کریم ہوتے ہیں اس واسطے باوجود اس قدر شوخیوں اور دلآزاریوں کے جو ثناء اللہ سے ہمیشہ ظہور میں آتی ہیں حضرت اقدس نے پھر بھی اس پر رحم کر کے فرمایا ہے کہ مباہلہ چند روز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر تیار ہو جائے۔

یہ اردو عبارت بتاتی ہے کہ مرزا صاحب میرے ساتھ اپنے مباہلے کو کتاب حقیقۃ الوحی کی اشاعت پر موقوف رکھتے ہیں۔ یہ ہے مرزا صاحب کا کلام۔ اس کے مقابلے پر چودھری فتح محمد از خود ایک بات پیدا کر کے اس تصریح مرزا کی تردید کر رہے ہیں۔ یعنی مرزا صاحب تو مباہلہ کو حقیقۃ الوحی کی اشاعت پر موقوف رکھتے ہیں اور چودھری صاحب بقول مفتی صاحب اس توقف سے انکار کرتے ہیں اسی کو کہتے ہیں

من چہ میگوئم وطنبورہ من چہ می گوئد۔

یہ لوگ مرزا صاحب کو حکم عدل مانتے ہیں مگر جب مشکل آن پڑتی ہے تو ان کے کلام کو نہائت ادب کے ساتھ طاق نسیاں پر رکھ دیتے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں بات کریں تو چودھری صاحب کی منقولہ عبارت در صورت صحیح ہونے ایک موقوف روائت ہے کیونکہ وہ مفتی صادق کا قول ہے۔ اور ہماری پیش کردہ عبارت مرفوع روائت ہے کیونکہ یہ مرزا صاحب کا کلام ہے۔ پس ہمارا دعوی ثابت ہے کہ آخری فیصلے والی دعا سلسلہ مباہلہ کی کڑی نہیں بلکہ ایک مستقل دعا ہے۔

(اہل حدیث امرتسر ۱۱ جولائی ۱۹۴۱ء ص ۵)

اور مرزا صاحب کی زندگی میں اس بات کا اقرار مرزائیوں کو بھی تھا جیسا کہ

' ۲۲ اگست ۱۹۰۷ء کے بدر قادیان میں غلام محمد ہیڈ ماسٹر میانوالی کا یہ مضمون شائع ہوا

' مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت اقدس کے سامنے مباہلہ کے لئے کبھی نہیں آئے اور نہ انہیں جرائت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ کاذب صادق کا ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان کو بار بار مباہلہ کے لئے بلایا گیا لیکن وہ چالاکیوں سے جیسا کہ اس وطیرہ ہے اپنے لئے فرار کی راہ نکالتا رہا۔ آخر مشیت ایزدی نے ایک اور راستہ سے اس کو پکڑا اور حضرت اقدس مسیح موعود نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے عنوان سے ایک اشتہار دے دیا جس میں محض دعا کے طور پر خدا سے فیصلہ چاہا گیا ہے نہ کہ مباہلہ

کیا گیا ہے ۔ مولوی ثناء اللہ بچارے کو کیا جرائت کہ رب جلیل کے پہلوان کے ساتھ دعا میں مقابلہ کرے ۔ مسیح زمان کے ہاتھ میں کاری حربہ تو دعا ہی کا ہے ‘ ۔

(بدر ج ۶ شمارہ ۳۴ ۔ ۲۲ اگست ۱۹۰۷ء کالم ۱)

اگر غلام محمد صاحب نے حیات مرزا میں اتنے اہم معاملے پر ایک غلط مضمون قادیانیوں کے سرکاری اخبار میں شائع کرادیا تھا تو اس پر نوٹس کیوں نہیں لیا گیا ۔ مفتی محمد صادق ایڈیٹر بدر نے (جو مرزا صاحب کے بعض اوقات مکتوب نگار بھی ہوتے تھے) اور مرزا صاحب کے ان مریدوں نے جو بدر کے خریدار تھے کیوں اس کی تردید نہ کی؟ اسی طرح ۹ ۔ مئی ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب نے توبہ کی شرط لگائی ۔ چنانچہ مرزا فرماتے ہیں کہ ثناء اللہ کے واسطے بھی میں نے توبہ کی شرط لگا دی ہے کیونکہ رحم کا مقتضا ہوتا ہے کہ توبہ سے انسان بچ جاوے (بدر ج ۶ شمارہ ۱۹ ۔ ۹ مئی ۱۹۰۷ء ص ۵) ۔ یہ توبہ کی شرط کیوں درج کی جبکہ وہ فیصلہ ہی منسوخ و مردود ہو چکا تھا جس میں شرط توبہ مرقوم تھی کہ بجز اس صورت کے کہ وہ (ثناء اللہ) کھلے طور پر میرے روبرو اور میری جماعت کے سامنے ان تمام گالیوں اور بدزبانیوں سے توبہ کرے جن کو وہ فرض منصبی سمجھ کر ہمیشہ مجھے دکھ دیتا ہے ۔

یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو لاہور کے موچی دروازے میں مولانا امرتسری کا ملک عبدالرحمٰن بی اے گجراتی قادیانی سے مناظرہ ہوا ۔ ملک صاحب کا کہنا تھا کہ مرزا صاحب کا اعلان آخری فیصلہ دعائے مباہلہ تھی ۔ آپ (ثناء اللہ) نے چونکہ انکار کر دیا تھا اس لئے مباہلہ منعقد نہیں ہوا لہذا یہ اعلان حجت نہ ہوا ۔ مولانا نے فرمایا کہ مرزا صاحب نے اعجاز احمدی مطبوعہ ۱۹۰۲ء اور حقیقۃ الوحی میں ۱۹۰۶ء میں اعلان کیا تھا کہ میں آئندہ کسی کو مباہلہ کا چیلنج نہ دونگا ۔ پھر یہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء والہ اشتہار آخری فیصلہ چیلنج مباہلہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ اس کے جواب میں فریق ثانی کو بڑی دقت پیش آئی اور اس نے پہلو بدل کر کہا کہ یہ اعلان مرزا صاحب کا نہیں بلکہ آپ (ثناء اللہ) نے جو ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کے اخبار اہل حدیث میں مباہلہ کا چیلنج دیا تھا یہ اعلان اس کی منظوری ہے ۔ مولانا ثناء اللہ نے فرمایا میں نے جو ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کو چیلنج دیا تھا اس کا جواب مرزا صاحب کی طرف سے اخبار الحکم ۳۱ مارچ اور بدر ۴ اپریل میں چھپا تھا کہ ہم اس چیلنج کے مطابق مباہلہ اس وقت کریں گے جب ہماری کتاب حقیقۃ الوحی شائع ہو جائے گی ۔ وہ کتاب ہم آپ کو بھیج کر معلوم کریں

گے کہ آپ نے اس کو پڑھ لیا ہے۔ پھر مباہلہ کریں گے۔ کتاب ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی مگر مجھے نہ ملی تو جون ۱۹۰۷ء میں میں نے تقاضا کیا تھا۔حسب تحریر مرزا صاحب کتاب مجھے مل جاتی۔ میں اسے پڑھ لیتا۔اور مرزا صاحب میرا امتحان لے لیتے تو اس کے بعد مباہلہ ہونا چاہیے تھا۔اب انصاف سے بتاؤ کہ ۱۵ اپریل ۱۸۰۷ء کا اشتہار آخری فیصلہ اعلان مباہلہ کیسے ہوا؟۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۲ جنوری ۱۹۳۴ء)

آخری فیصلے پر ۱۲ مارچ ۱۹۳۵ء کو دارالعلوم عربیہ جامع مسجد شہر میرٹھ میں بھی ایک مباحثہ ہوا۔مولانا امرتسری کے مقابل جماعت مرزائیہ کی لاہوری شاخ سے مولوی اختر حسین مبلغ پیش ہوئے اور ان کے مشیر مولوی عمرالدین جالندھری معروف شملوی رہے۔ ان سے جو کچھ بن آیا وہ انہی کے الفاظ میں پیغام صلح لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء ص ۶ سے نقل کیا جاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں

’ ہم نے بتایا کہ دراصل مولوی ثناءاللہ صاحب کے ساتھ مدتوں سے یہ جھگڑا چلا آرہا تھا کہ وہ مباہلہ کر کے فیصلہ کرلیں۔مگر مولوی صاحب حیلہ و بہانہ سے اس تلخ پیالہ کو ٹالتے رہے.... یہاں تک کہ جب انہوں نے ۱۹۰۷ء کے شروع میں مباہلہ پر ذرا سی آمادگی ظاہر کی تو فوراً ان کو مباہلہ کے شکنجہ میں جکڑنے کے لئے ان کا چیلنج منظور کرلیا گیا۔ مگران کو کہا گیا کہ چونکہ کتاب حقیقت الوحی قریباً چھپ چکی ہے اس لئے ہم اس کتاب کے ہمراہ اپنی طرف سے مباہلہ کا اشتہار شائع کردیں گے۔ مولوی ثناءاللہ صاحب کو کتاب بھیج دیجائے گی۔پھر مولوی صاحب کتاب کو اچھی طرح پڑھ لیں اور اگر پھر بھی ان کی تسلی نہ ہو اور وہ مباہلہ کے لئے تیار ہوں تو ہمارے اشتہار مباہلہ کے بالمقابل مباہلہ کا اشتہار دیکر آخری فیصلہ کرلیں۔مگر اس اعلان کو مولوی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے فرار کے مترادف قرار دے کر شور مچایا کہ لو کرشن قادیانی وہ بھاگا وغیرہ وغیرہ۔ تب اس ظلم کو دیکھ کر حضرت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے ہمراہ اشتہار شائع کرنے کی بجائے ایک علیحدہ اشتہار مباہلہ آخری فیصلہ کی غرض سے ۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کردیا‘ (اس اقتباس کے بعد مولانا امرتسری فرماتے ہیں) اس عبارت کے سات فقرے حسب ذیل ہیں

۱۔ ۱۹۰۷ء میں میں (ثناءاللہ) نے مباہلہ پر زور دیا۔

۲۔ مرزا صاحب نے میرا چیلنج منظور کرلیا۔
۳۔ میرے چیلنج کی منظوری دیکر مباہلہ کرنا حقیقۃ الوحی کے شائع ہونے تک ملتوی رکھا۔
۴۔ حقیقۃ الوحی کے ساتھ اپنی طرف سے ایک اشتہار مباہلہ دینے کا وعدہ کیا۔
۵ حقیقۃ الوحی پڑھ لینے کے بعد میرے جوابی اشتہار کا انتظار کرنا بھی ضروری قرار دیا
۶ میں نے مرزا صاحب کی اس تحریر کو مرزا صاحب کا فرار قرار دیا۔
۷۔ مرزا صاحب نے جو اشتہار حقیقۃ الوحی کے ساتھ بغرض مباہلہ دینا تھا میرے ایسا کرنے پر وہی اشتہار بعنوان ' مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ ' ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کردیا۔

ان سب فقرات سے یہ نتیجہ نکالنا منظور ہے کہ چونکہ مولوی ثناءاللہ نے اعلان آخری فیصلہ کے مقابلے پر منظوری کا اشتہار نہیں دیا تھا لہذا یہ مباہلہ منعقد نہیں ہوا تو دلیل بھی نہ ہوا۔

مولانا کہتے ہیں کہ مولوی عمرالدین مذکور کا یہ بیان سراسر غلط ہے۔ نہ مرزا صاحب نے ایسا لکھا جو ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ نہ میں نے ایسا لکھا جو میری طرف منسوب کیا گیا۔ بلکہ آئت کریمہ انما یفتری الکذب الذین لا یومنون بآ یات اللہ کے ماتحت بہتان اور افتراء محض ہے۔مزید لطف یہ ہے کہ میرٹھ میں (عمرالدین صاحب نے) بوقت مباحثہ ایسا کہا بھی نہیں۔ تقاضا صداقت تو یہ تھا کہ شملوی صاحب اس واقعہ کے متعلق مرزا صاحب کی اصل عبارت ان کے الفاظ میں نقل کرتے۔ پھر بطور نتیجہ جو کچھ چاہتے اس سے اخذ کرتے۔مگر آپ نے ایسا نہ کیا۔ اس لئے ہم اصل الفاظ نقل کرتے ہیں۔ اخبار الحکم میں یہ سرخی دی گئی تھی کہ

' مولوی ثناءاللہ امرتسری کا چیلنج منظور کیا گیا ' اس سرخی کے نیچے اہل حدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی عبارت نقل کر کے لکھا تھا ' حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ مباہلہ چند روز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے۔اور امید ہے کہ بیس پچیس روز تک انشاءاللہ کتاب شائع ہو جائے گی۔اس کتاب میں ہر قسم کے دلائل سلسلہ حقہ کے ثبوت میں خلاصۃً بیان کئے گئے ہیں۔اور دو سو سے سوا

اس میں نشانات بھی لکھے گئے ہیں ۔ یہ کتاب مولوی ثناء اللہ کو بھیج دی جائے گی اور وہ اس کو اول سے آخر تک پڑھ لے ۔ اس کتاب کے ساتھ ایک اشتہار بھی ہماری طرف سے شائع ہوگا جس میں ہم ظاہر کر دیں گے کہ ہم نے مولوی ثناء اللہ کے چیلنج مباہلہ کو منظور کرلیا ہے اور ہم اول قسم کھاتے ہیں کہ وہ تمام الہامات جو اس کتاب میں ہم نے درج کئے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں اور اگر یہ ہمارا افترا ہے تو لعنة الله على الكاذبين ' (اخبار الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء ص ۱۹)

اس عبارت میں مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے ساتھ جو اشتہار دینا تجویز کیا ہے اس کا مضمون بھی بتا دیا ہے جو یہ ہے کہ

' ہم نے مولوی ثناء اللہ کے چیلنج مباہلہ کو منظور کرلیا اور ہم اول قسم کھاتے ہیں کہ وہ تمام الہامات جو اس کتاب (حقیقۃ الوحی) میں ہم نے درج کئے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں اور اگر یہ ہمارا افترا ہے تو لعنة الله على الكاذبين '

مولانا کہتے ہیں کہ اشتہار آخری فیصلہ اگر اس مضمون کی عکسی تصویر ہے تو اس میں مرزا صاحب کی قسم اور کتاب حقیقۃ الوحی کا نام اور الہامات کا ذکر دکھا دیں ۔

شملوی صاحب نے اس غلط بیانی سے بڑھ کر ایک اور غلط بیانی کی ہے ۔ جس کے الفاظ یہ ہیں ' مولوی (ثناء اللہ) صاحب کا ایک یہ عذر تھا کہ میں لدھیانہ میں ۳۰۰ روپئے انعام اس آخری مباحثہ میں جیت چکا ہوں ۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ سنت صدیق اکبر کے موافق ہم مال کو بڑھا کر پھر انعامی مباحثہ کرتے ہیں ۔ کیا آپ تیار ہیں ۔ دس آدمی مسلمانوں میں سے ہم چن کر ثالث بنائیں گے اور دس احمدیوں میں سے آپ چن لیں ۔ اور ۵ آدمی غیر جانبدار مسلمہ فریقین ہوں گے ۔ ان کا فیصلہ جو کثرت رائے سے ہو قبول کرلیا جائے ۔ مال جس قدر چاہو بڑھا لو ۔ نصف ہماری جماعت کا اور نصف آپ کی جماعت کی طرف سے ہوگا (ہماری جماعت سے کیوں ؟ ۔ کیا صدیق اکبر نے کفار کو ایسا کرنے کو کہا تھا ؟) ۔ مولوی (ثناء اللہ) صاحب نے اس کو ہوا قرار دے کر رد کر دیا اور کہا کہ میں تو مولانا محمد علی صاحب سے ہی یہ مباحثہ کرونگا ۔ دوسرے لفظوں میں مولوی صاحب نے بہانہ سے ہمارے ساتھ انعامی مباحثہ کرنے سے انکار کردیا ۔ لیکن ہم بذریعہ اخبار پھر مولوی صاحب کو مباحثہ کی

دعوت دیتے ہیں ۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ مولوی صاحب حسب عادت اس تلخ پیالہ کو خاموشی سے یا بہانہ سے ٹال دیں گے ' (پیغام صلح لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء) ۔

(مولانا فرماتے ہیں) ۔ واقعہ یوں ہے کہ میں نے جواب میں کہا تھا کہ اعیان جماعت احمدیہ سے پہلے بمقام لودہانہ ہمارا مباحثہ ہوکر فیصلہ ہو چکا ہے ۔ اب اگر مباحثہ ہو تو دونوں گروہوں (لاہوری اور قادیانی) کے سرداروں میں سے کسی کے ساتھ ہو ۔ کیونکہ یہ معاملہ دراصل میرا اور مرزا صاحب متوفی کا ہے ۔ میں تو بفضلہٖ تعالی بنفس نفیس موجود ہوں مرزا صاحب انتقال کر گئے ہیں ۔ اب ان کی جگہ جوگدی نشین ہے مرزا صاحب کی نیابت میں وہی میرے سامنے آنا چاہیے ۔ میری اس دلیل کو حاضرین جلسہ نے بہت معقول سمجھا تھا' (اہل حدیث ۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء ص ۴ ۔ ۶)

آخر میں ہم کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کا ایک الہام ہے ' اجیب کل دعائک الا فی شرکائک ' ۔ (تریاق القلوب ۔ طبع اول ص ۳۸) یعنی اے مرزا میں تیری ہر ایک دعا قبول کرونگا مگر وہ دعا جو تیرے شریکوں (برادری) کے حق میں ہوگی قبول نہ ہوگی ۔ ' اس الہام کی روشنی میں مرزائی حضرات بتائیں کہ

کیا مرزا صاحب کی کوئی دعا ایسی موجود ہے کہ اے خدا میری آخری اشتہار والی دعا قبول نہ کر ۔

کیا ان کا کوئی ایسا الہام موجود ہے جس میں خدا نے ان کو کہا ہو کہ اے مرزا میں تیری آخری اشتہار والی دعا قبول نہیں کرونگا ۔

کیا مرزا صاحب کی کوئی ایسی دعا یا اشتہار موجود ہے جس میں انہوں نے خدا سے کہا ہو کہ میرا آخری فیصلہ والہ اشتہار منسوخ ہے ۔

اخبار اہل حدیث

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے ہفت روزہ اہل حدیث ۲۳ شعبان مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو امرتسر سے جاری کیا اور اس اخبار نے چوالیس سال تک تحریک ختم نبوت کے ایک کارکن کی حیثیت سے عدیم المثال خدمات انجام دیں۔ ہفتہ بھر جو کچھ قادیانی حلقوں میں ہوتا تھا مولانا امرتسری اہل حدیث کے صفحات میں اس کی قلعی کھول دیتے تھے قادیانی مشن کے نام سے اس اخبار میں مولانا نے ایک مستقل سلسلہ قائم کر رکھا تھا جس میں زیادہ تر آپ کے اپنے اور بعض اوقات دیگر علماء کے مضامین ردقادیانیت میں شائع ہوتے۔ اہل حدیث کی عمر کے ابتدائی سال ایسے تھے کہ مرزا صاحب زندہ تھے اور برصغیر میں طاعون کا دور دورہ تھا جسے انہوں نے اپنا نشان قرار دے رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ جتنے زیادہ لوگ مریں گے اتنا ہی ان کے مشن کے لئے بہتر ہوگا کہ توہم پرست عوم کے دلوں میں ان کا یہ دعوی گھر کرتا جائے گا کہ یہ طاعون مرزا صاحب کی حمائت کے لئے اوران کی میسیحیت کے نشان کے طور پر آیا ہے اور اس سے بچنے کا وہی طریقہ ہے جو مرزا صاحب ہی نے بتا رکھا ہے کہ میرے گھر (جسمانی یا روحانی) میں داخل ہو جاؤ۔ مولانا ثناء اللہ نے اہل حدیث کے ذریعے مرزا صاحب کے اس دعوی کا رد کیا اور عوام کو سمجھایا کہ طاعون کسی کا نشان نہیں ہے۔ اگر یہ نشان ہوتا تو قادیان میں تباہی کیوں مچاتا اور مرزائیوں کو کیوں مارتا؟ آپ کی اس مہم نے مرزا صاحب کی زندگی میں اہل اسلام کو زبردست فائدہ پہنچایا اور اس سلسلے میں اہل حدیث میں آپ کی تحریری خدمات مرزا صاحب کی موت کے بعد بھی جاری رہیں جیسا کہ ایک مرتبہ آپ نے لکھا

'آج کل ہمارے ملک پنجاب میں خصوصاً اور ہندوستان میں عموماً طاعون بفضلہٖ تعالی معدوم ہے۔ نہ کسی اخبار میں طاعون کا ذکر ہوتا ہے نہ سرکاری رپورٹوں میں۔ (لہ الحمد)۔ اب سنئے۔ اپنے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا قول

'خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس بلائے طاعون کو ہرگز دور نہیں کریگا جب تک

لوگ ان خیالات کو دور نہ کرلیں جو ان کے دلوں میں ہیں۔یعنی جب تک وہ خدا کے مامور اور رسول (یعنی خود بدولت مرزا صاحب) کو نہ مان لیں تب تک طاعون دور نہیں ہوگا'۔ (رسالہ دافع البلاء ص ۵)۔

ہمارا سوال (قادیانیوں سے) یہ ہے کہ ہندوستان کے سب باشندوں نے کیا رسول قادیانی کو مان لیا؟ اگر نہیں مانا تو کیا قادیان کے لوگوں نے مان لیا؟...صاف صاف جواب دو اور ایمان سے بتاؤ کہ عذاب بقول تمہارے نبی اور رسول (مرزا صاحب) کے انکار کی وجہ سے آیا تھا۔ وہ اسی انکار پر اصرار کرنے سے کیسے ہٹ گیا اور اس قول مرزا کے کیا معنی ہیں جو ہم نے اوپر نقل کیا۔ واقعات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ الہام بھی غلط ہے اور صاحب الہام بھی'

(اہل حدیث امرتسر ۲۱ فروری ۱۹۳۶ء ص ۷)

غرض اخبار اہل حدیث کے ذریعے آپ قادیانیوں سے برسر پیکار رہے۔اور آپ نے مرزا غلام احمد کی اس بھرپور انداز میں اس اخبار کے ذریعے تردید کی کہ وہ چیخ اٹھا اور اپنے اشتہار آخری فیصلہ کے ذریعے اپنا مقدمہ خدا تعالی کے حضور لے جانے پر مجبور ہوگیا۔اس بات کی شہادت مرزا صاحب کے اشتہار میں بایں الفاظ موجود ہے

' آپ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ اپنے پرچہ میں مردود کذاب دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں..میں نے آپ سے بہت دکھ اٹھایا'

مرزا غلام احمد اپنی اس اشتہاری دعا کے نتیجے میں ۱۹۰۸ء میں راہی ملک عدم ہو گئے لیکن یہ اخبار اس کے بعد بھی تحریک ختم نبوت کے محاذ پر سرگرم رہا۔ اور قادیانی مشن کے عنوان سے لکھے جانے والے اس کے مضامین قارئین کی ضیافت طبع کا باعث بنتے رہے۔ اس کا آخری شمارہ ۱۳ رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا۔

۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب نے جب اپنی طرف سے یک طرفہ دعا والا اشتہار شائع کیا تو مولانا امرتسری نے ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث کے شمارے میں اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا

' چونکہ قادیانی کرشن کا فتنہ بہت بڑھتا جاتا ہے اور اخبار (اہل حدیث) میں اتنی گنجائش

نہیں کہ اس کے تمام متعلقات کو درج کیا جائے اس لئے مدت سے خیال تھا کہ اس معاملہ کا کسی احسن صورت میں فیصلہ کیا جاوے۔ خاکسار ایڈیٹر کی رائے میں ایک رسالہ ماہواری بہت اچھا ہے۔ سر دست یہ (ماہوار) رسالہ ۱۶ صفحات پر ہوگا۔ ناظرین اپنی اپنی آراء سے اطلاع بخشیں اور نام بھی تجویز کریں' (ملخص از اہل حدیث ۲۶۔ اپریل ۱۹۰۷ء ص ۸)۔ اور ۳ مئی ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث میں لکھا کہ مرزا قادیانی کا فتنہ روز بروز ترقی پر ہے اس کا تعاقب کرنا بہت ضروری ہے۔ اہل حدیث میں اس کے پورے تعاقب کے لئے جگہ نہیں ہوتی۔ نیز اہل حدیث کے بہت سے خریدار اس بحث سے دلچسپی نہیں رکھتے کیونکہ ان علاقوں میں یہ وباء نہیں۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ ایک مستقل رسالہ خاص اسی موضوع کے لئے الگ جاری کیا جائے۔ چنانچہ وہ ارادہ خیال سے عزم بالجزم تک پہنچ چکا ہے۔ اس لئے اس کا نام بھی مرقع قادیانی تجویز ہوا ہے۔ پھر ۱۰ مئی اور ۱۷ مئی کے اہل حدیث کے شماروں میں مجوزہ اخبار کے بارے میں تجاویز اور درخواستیں وصول ہونے کے اعلان شائع ہوئے۔ ۳۱ مئی ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث کے ذریعہ ناظرین کو مرقع قادیانی کے حسب وعدہ شائع ہونے کی خوش خبری سنائی گئی۔ چنانچہ یکم جون ۱۹۰۷ء کو اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ مئی ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب اس دنیا سے چل بسے تو اکتوبر ۱۹۰۸ء کے بعد اس کی اشاعت ختم کر دی گئی۔ کچھ عرصہ بعد پھر ضرورت کے پیش نظر اپریل ۱۹۳۱ء میں اس کی اشاعت کا اہتمام کیا لیکن اپریل ۱۹۳۳ء کے شمارے کے بعد پھر بند کر دیا۔ پہلے دور کے سترہ مہینوں میں تیرہ شمارے شائع کئے۔ ان میں سے چار شمارے دوگنا حجم کے تھے۔ ان تیرہ شماروں میں مولانا نے ۲۵ سے زائد عنوانات کے تحت قادیانی مذہب گفتگو کی۔ آپ کے یہ مضامین ۲۲۶ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان شماروں میں دوسرے اہل علم نے بھی مضامین لکھے ہیں جو ۸ عنوانات پر ۴۵ صفحات پر محیط ہیں۔ دوسرے دور میں مولانا نے ۲۷ عنوانات پر ۲۲۲ صفحات پر مضامین لکھے ہیں۔ اور اس دور میں آپ کے شاگردوں خصوصاً مولانا عبداللہ معمار اور مولانا حبیب اللہ کلرک کے مضامین بھی شامل ہیں۔

قادیانیوں کے علاوہ مولانا ثناء اللہ نے اہل حدیث کے صفحات میں اس دور کے دوسری فتنوں کے خلاف بھی جہاد کیا۔ آریہ سماجیوں سے آپ کے مباحثے چلتے رہتے اور پادریوں کے خلاف بھی محاذ کھلا رہتا۔ عیسائیوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ اور اپنے خیالات

ونظریات کی فوقیت ثابت کرنے کے لئے مناظروں کا بازار گرم کر رکھا تھا اور نچلی ذات کے غربت زدہ ہندو ایسے مناظروں سے متاثر ہو کر عیسائیت قبول کر لیتے تھے۔ نیز پڑھے لکھے مسلمان اور ہندو بھی عیسائیت کے حلقہ دام کا اسیر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پادری عماد الدین، پادری وارث الدین اور پادری طالب الدین (محمد بخش) کا تعلق مسلمانوں سے اور پادری رام چندر، پادری دینا ناتھ اور پادری ٹھاکر داس کا تعلق ہندوؤں کے تعلیم یافتہ طبقے سے تھا۔عیسائی ہونے والوں کو بپتسمہ دیا جاتا اور عیسائی اخبارات میں اس کی تشہیر کی جاتی۔ اس ماحول میں مولانا امرتسری نے اخبار اہل حدیث کے ذریعے گراں قدر کام کیا

۱۹۲۲ء میں مرزا سلطان احمد مصطفیٰ نے گوگانی نے ہفوات المسلمین فی تفضیح سید المرسلین و تقبیح امہات المئو منین من الکتب المئو رخین و المفسرین و المحدثین مطبع نور المطابع سے شائع کی۔ ۸۸ صفحات کی اس کتاب میں امہات المئومنین خصوصاً حضرت عائشہ کی ذات پر نہائت گھٹیا اور دل آزار نشتر چلائے گئے تھے۔مولانا امرتسری نے قلم اٹھایا اور کلمات المئو منین بجواب ہفوات المسلمین کے نام سے ایک سلسلہ مضامین کا آغاز کیا۔اس کی پہلی قسط یکم ستمبر ۱۹۲۲ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ دوسری قسط ۸ ستمبر ۱۹۲۲ء کے شمارے میں چھپی تو اس کا نام ضر بات المئو منین علی ہفوات المسلمین کر دیا۔ یہ سلسلہ وار مضمون ۳۳ قسطوں میں چلا اور آخری قسط مارچ ۱۹۲۸ء کے شمارے میں نکلی۔

ہفت روزہ آریہ گزٹ لاہور مسلمانوں کے عقائد و نظریات پر تنقید کرتا تھا۔ اس میں مہاشہ ناتھ جلال پوری کا قرآن پاک کے خلاف ایک دل آزار مضمون تنقید القرآن کے عنوان سے قسط وار نکلنے لگا۔مہاشہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن پاک غیر الہامی ہے اور یہ اللہ تعالی کا کلام نہیں۔اس نے بعض سورتوں کو خاص طور پر نشانہ بنایا ۔اس مضمون کی پہلی قسط ۱۲ جون ۱۹۲۴ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔مولانا ثناء اللہ نے تائید القرآن بجواب تنقید القرآن کے زیر عنوان اس مضمون کا تعاقب کیا۔پہلی قسط ۲۵ جولائی ۱۹۲۴ء کے اہل حدیث میں شائع ہوئی۔ یہ سلسلہ چودہ اقساط میں ۲ جنوری ۱۹۲۵ء تک چلتا رہا

عیسائیوں کی تردید کا محاذ آپ سے پہلے مولانا بٹالوی نے سنبھالا ہوا تھا اور ان

کے ماہنامہ اشاعۃ السنہ میں شائع ہونے والے تمام تر مضامین انہی کے زور قلم کا نتیجہ ہوتے تھے۔ اور زیادہ تر شمارے بھی ایسے ہیں جن میں صرف ایک ہی موضوع زیر بحث لایا گیا ہے۔ پھر اشاعت السنہ کے دور آخر میں اخبار اہل حدیث امرتسر نے یہ محاذ سنبھال لیا۔ ۱۹۱۳ء میں پادری طامس ہاول کی کتاب اثبات کفارہ نولکشور پریس لاہور سے طبع ہوکر شائع ہوئی اس کتاب میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر رکیک اور دل آزار حملے کئے گئے تھے۔ مولانا امرتسری نے اہل حدیث میں اس کتاب کے جواب میں ایک آرٹیکل شائع کیا لیکن کتاب کا نام قصداً ظاہر نہیں کیا کیونکہ وہ اس کتاب کی تشہیر کو ملت اسلامیہ کے لئے نقصان دہ تصور کرتے تھے۔ فرنگی سرکار نے اس آرٹیکل کو قابل اعتراض قرار دے کر پریس ایکٹ کی دفعہ ۸ (۲) کے تحت کاروائی کی اور ۱۰ دسمبر کو حکم نکالا کہ سات یوم کے اندر اندر دو ہزار کی ضمانت جمع کروائی جائے۔ مولانا نے اس حکم کے خلاف اپیل کی جو نامنظور ہوئی۔ پھر ضمانت کی رقم میں تخفیف کی اپیل کی وہ بھی نامنظور ہوئی ہفت روزہ کامریڈ دہلی میں مولانا محمد علی جوہر نے اس ظلم وزیادتی کے خلاف ایک زوردار اداریہ لکھا۔ دوسرے اخبارات میں بھی اس کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ جس سے متاثر ہوکر برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے یہ مسئلہ نائب وزیر ہند کے ساتھ اٹھایا لیکن حکومت نے پھر بھی اہل حدیث کی ضمانت کا حکم واپس نہیں لیا۔ البتہ اثبات کفارہ پر پابندی عائد کر کے پریس کو وارننگ جاری کردی۔ مولانا اس صورت حال کے بارے میں لکھتے ہیں

> ۱۹ دسمبر ۱۹۱۳ء کا دن بھی اہل حدیث کی تاریخ میں یادگار رہنے کے قابل ہے جس کے بعد اہل حدیث قریبا ساڑھے تین مہینوں تک حضرت یوسف کی طرح کنویں میں پڑا رہا۔

اس دوران آپ نے جنوری ۱۹۱۴ء میں مخزن ثنائی نمبر۱ اور مخزن ثنائی نمبر۲ اور پھر فروری مارچ ۱۹۱۴ء میں گلدستہ ثنائی کے نام سے یکے بعد دیگرے چار نمبر شائع کئے۔ بالآخر ۲ اپریل ۱۹۰۴ء کو ضمانت جمع کرادی گئی۔ اور دس اپریل سے اہل حدیث کی اشاعت کا سلسلہ بحال ہوگیا۔

پھر پادری عبدالحق کی کتاب اثبات التثلیث منظر عام پر آگئی۔ پادری صاحب نے مسئلہ تثلیث منطق کی رو سے ثابت کیا تھا۔ اور وہ اس کا جواب منطقی دلائل ہی سے

چاہتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ مسلمان اس فن کی گہرائی میں نہیں اترتے۔مولانا ثناءاللہ نے آٹھ اقساط میں اثبات التوحید بجواب اثبات التثلیث کے عنوان سے منطق کے فن ہی سے اس کا رد کیا۔ یہ مضمون ۱۵ فروری ۱۹۲۶ء سے ۱۶ اپریل ۱۹۲۶ء تک چلتا رہا

جنوری ۱۹۳۲ء میں لاہور سے المائدہ کے نام سے عیسائیوں نے ایک ماہنامے کا اجراء کیا۔اس کے ایڈیٹر ایم اے خان تھے۔اس کی غرض و غائت تو وہی تھی جو دیگر عیسائی رسالوں کی تھی کہ مسلمانوں میں اسلام اور قرآن کی حقانیت اور صداقت پر شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔لیکن طریقہ واردات ذرا مختلف تھا۔انہوں نے مسلمانوں کو متاثر اور گمراہ کرنے کے لئے اس میں قرآن پاک کی تفسیر نویسی کا خاص اہتمام کیا۔اس کے پہلے ہی شمارے میں پادری سلطان محمد پال کی تفسیر سلطان التفاسیر کی پہلی قسط شائع ہوئی ۔پادری پال افغان تھے اور انہوں نے ۱۹۰۳ء میں اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کی تھی۔ پادری صاحب کی یہ تفسیر ہر ماہ المائدہ کے دو جزء یعنی سولہ صفحات میں قسط وار شائع ہونے لگی تو ۶ مئی ۱۹۳۲ء کے اہل حدیث کے شمارے میں مولانا امرتسری نے اس کا نوٹس لیا اور اس رائے کا اظہار کیا کہ

. عیسائیوں نے اسلام پر آج تک جتنے حملے کئے ہیں یہ حملہ ان سب حملوں سے مضرترین ہے کیونکہ اس میں قرآن شریف کے مضامین پر مخالفانہ قبضہ کرکے اپنے ناظرین کو عدم ضرورت کا یقین دلانا چاہتے ہیں (اور یہ کہ) قرآن کوئی مستقل الہامی کتاب نہیں ہے جو کچھ خوبی ہے وہ بائیبل سے ماخوذ ہے۔ساتھ اس کے سند روائت کے لحاظ سے قرآن کوئی مستند کتاب بھی نہیں.

پھر اہل حدیث میں اس کا جواب برہان التفاسیر برائے اصلاح سلطان التفاسیر کے عنوان سے ۳۶ قسطوں میں ۲۰ جنوری ۱۹۳۳ء تک چلتا رہا۔ پادری صاحب کو ترکی بترکی جواب ملنا شروع ہوا تو وہ عاجز آکر سست پڑ گئے۔ مولانا لکھتے ہیں

. پادری صاحب سے ہمارا اتصال ہونے کو ہے۔آپ مہینہ میں صرف ایک جزو تفسیر دیتے ہیں۔اکتوبر کے المائدہ میں نصف جزء کر دیا۔اس لئے ہم اپنے اور ناظرین کی طرف سے درخواست کرتے ہیں کہ عربی گھوڑا پیچھے آرہا ہے۔افغانی گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیز کیجئے۔پادری صاحب نے اگر ہماری درخواست منظور کر کے فی رسالہ کم سے کم دو جزء نہ

کئےتو لا چار ہم بجائے دو ورق کے برہان کا ایک ورق دیں گے۔تا کہ وقفہ نہ ہو جائے.

یاد رہے کہ المائدہ ماہنامہ تھا اور اہل حدیث ہفت روزہ تھا۔المائدہ کا سائز بھی اہل حدیث سے چھوٹا تھا۔المائدہ میں سلطان التفاسیر کے سولہ صفحات شائع ہوتے تھے۔ اس دوران میں اہل حدیث کے چار شمارے نکلتے اور مولانا امرتسری نے ہر شمارے میں برہان التفاسیر کے لئے دو ورق وقف کر رکھے تھے۔اس طرح المائدہ کے ایک ماہ کا جواب اہل حدیث کے چار شماروں میں نپٹ جاتا تھا۔

مولانا نے سلطان التفاسیر کا محاکمہ شروع کیا تو اس وقت تک اس کی پانچ قسطیں آچکی تھیں۔لیکن اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی جواب سامنے نہ آیا تو عیسائیوں کو زعم ہوا کہ مسلمان تفسیر لکھنے کی اہلیت سے محروم ہیں۔ اور یہ موقف اختیار کیا کہ مولانا امرتسری کو برہان التفاسیر لکھنے کا شوق دلانا پادری پال صاحب ہی کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ المائدہ میں مولانا ثناءاللہ صاحب اور المائدہ کے زیرعنوان جے ڈی نندوانی نے مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کیا۔

. اہل حدیث کے فاضل مدیر مولوی ثناءاللہ صاحب نے جو برہان التفاسیر لکھنی شروع کی ہم خیال کرتے ہیں کہ مصنف سلطان التفاسیر نے ان کو شوق دلایا ہے مگر ہم جہاں تک دیکھتے ہیں مصنف سلطان التفاسیر جو اپنا حاشیہ چڑھاتے ہیں وہ بھی اسلامی مستند تفاسیر سے اقتباس اور ان کی آراء کو پیش کرتے ہیں۔ ہم اس لئے مولوی ثناءاللہ صاحب کے متشکر ہوں گے کہ وہ اپنی برہان قاطع سے اپنے ہی ہم مذہب علماء کی ان تفاسیر کا قلع قمع کریں اور مسلمان پکار اٹھیں کہ

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

آپ نے اسکو حملہ مضرترین کہا ہے۔جس کو سن کر ہماری حیرت بڑھ گئی کہ آپ جیسے فاضل ایسے عجیب نتیجہ پر پہنچ گئے کہ پیش از مرگ واویلا شروع کر دیا۔اگر نہائت مخلصانہ طریقہ سے گفتگو باادب کی جائے تو اس کو آپ مضرترین حملہ سمجھتے ہیں۔ہم اسلامی برادران و مسیحیان سے بمنت اپیل کرتے ہیں کہ المائدہ کو لیں اور خوب پڑھیں اور ہضم کریں۔پھر مولوی ثناءاللہ صاحب کو داد دیں . .

ادھر پادری سلطان محمد پال صاحب کی رفتار سست ہوئی تو انہوں نے جنوری

۱۹۳۳ء کے المائدہ میں ایڈیٹر المائدہ کو اپنی تفسیر میں تعطل کی وجوہات پر ایک خط لکھا جس کے مندرجات پیش خدمت ہیں۔

مکرم بندہ جناب خان صاحب۔افسوس ہے کہ چند اسباب ناگہانی کی وجہ سے تفسیر القرآن کے مابقا حصص برائے اشاعت بالفعل ارسال نہیں کرسکتا۔عدیم الفرصتی کا یہ عالم ہے کہ سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔میں نے حتی الامکان بہت کوشش کی کہ مسودات کی نظرثانی کے لئے وقت نکل آئے مگر کامیاب نہ ہوسکا۔امید واثق ہے کہ جون ۱۹۳۳ء تک تمام موانع رفع دفع ہوجائیں گے تب میں اس قابل ہوجاؤں گا کہ باقی ماندہ حصص یک مشت آپ کے حوالے کردوں تاکہ آپ دو ایک نمبروں میں ان چار مہینوں کی کسر نکال دیں۔

پادری سلطان پال صاحب نے واضح طور پر لکھا کہ جون ۱۹۳۳ء تک موانع دور ہوجائیں گے تو ساری کسر نکال دونگا لیکن وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے۔مولانا ثناء اللہ نے اس صورت حال پر یہ دلچسپ تبصرہ کیا

ہمارا مشورہ سنیں تو مسودات ہمارے پاس بھیج دیں ہم ان کو پادری صاحب کے نقطہ نظر سے دیکھ کر المائدہ کو بھیج دیں گے۔

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ ہی دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

بہرحال مارچ ۱۹۳۴ء میں پادری صاحب نے تفسیر نویسی پر از سر نو توجہ مبذول کی جس کا جواب اہل حدیث میں یکم جون ۱۹۳۴ء سے ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء تک نکلتا رہا۔ یہ تفسیر ابھی سورہ بقرہ کے سولہویں رکوع تک پہنچی تھی کہ پادری صاحب اس شغل سے دستبردار ہوگئے۔اس طرح اہل حدیث میں بھی یہ سلسلہ خودبخود رک گیا۔اہل حدیث میں مجموعی طور پر اس کی ۸۱ قسطیں شائع ہوئیں۔مولانا اختتامی قسط میں اطلاع کے عنوان سے لکھتے ہیں

. پادری سلطان محمد خان نے دو مہینوں سے تفسیر کی اشاعت بند کر رکھی ہے کیونکہ رسالہ کی اشاعت کم ہے۔خرچ پورا نہیں ہوتا۔آپ نے اعلان کیا تھا کہ مارچ اپریل دو ماہ یو پی وغیرہ کا سفر کرکے (رسالہ کی) اشاعت بڑھائیں گے۔اس لئے ہمارا بھی اعلان ہے کہ پادری صاحب نے اگر تفسیر کی (دوبارہ) اشاعت کی تو ہم بھی خدمت کو حاضر ہوجائیں گے۔

(الاعتصام لاہور ۔ ۲۱ نومبر ۲۰۰۳ء ۔ ۵ دسمبر ۲۰۰۳ء)

مولانا ثناء اللہ کہنہ مشق صحافی تھے اور پریس ایکٹ کی پابندیوں سے بچ بچا کر لکھتے تھے اس کے باوجود ان کا اخبار اہل حدیث ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۶ء تک پھر ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۱ء تک بلیک لسٹ میں رہا۔ اس کے علاوہ چار مرتبہ قابل اعتراض مواد کی اشاعت کے الزام میں ۱۹۱۰ء ۱۹۱۳ء ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۹ء میں مولانا کو وارننگ دی گئی۔ پریس ایکٹ سے مسائل پیدا ہوتے تو آپ احتجاج کرتے تھے جیسا کہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے شمارے میں آپ نے لکھا

. آج کل پریس ایکٹ جاری ہے۔ اس پریس ایکٹ کا شکار زیادہ مسلمان اخبار ہوئے ہیں۔ گذشتہ ہفتے صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور نے حکم دیا کہ مبلغ پانچ سو روپئے ضمانت داخل کرو۔ جس کی وجہ یہ پیش آئی کہ اہل حدیث پہلے مطبع رفاہ عام (لاہور) میں چھپتا تھا۔ اسی میں قادیانی مشن کا ایک اخبار پیغام صلح بھی کسی زمانہ میں چھپتا تھا۔ پریس کی ضمانت پانسو تھی۔ پیغام صلح میں کوئی مضمون آریوں کے متعلق ایسا نکلا جس کو گورنمنٹ نے پریس ایکٹ کی زد میں سمجھ کر رفاہ عام پریس کی ضمانت ضبط کرکے آئندہ کو ایک ہزار کی ضمانت لی گئی۔ اس پر مالک مطبع نے کل اخباروں کو جواب دیدیا جن میں اہل حدیث بھی شامل تھا..... اہل حدیث نے (پھر) اپنا انتظام راجپوت پریس میں کیا تو درخواست پر اہلحدیث سے پانچ سو روپئے کی ضمانت طلب ہوئی۔ جس پر صاحب ڈپٹی کمشنر سے مل کر میں نے عرض کیا کہ اہل حدیث چونکہ امرتسر سے شائع ہوتا ہے اس لئے آپ کے احاطہ اختیار سے باہر ہے لہذا آپ اس کو ضمانت کا حکم نہیں دے سکتے۔ غالبا آپ کو خیال ہوگا کہ اہل حدیث لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ یہ لاہور سے نہیں بلکہ امرتسر سے شائع ہوتا ہے اور لاہور میں چھپتا ہے۔ صاحب موصوف نے اس وجہ کو معقول سمجھ کر ضمانت کو منسوخ فرمایا۔

حقیقۃ الوحی

یہ کتاب مرزا صاحب کی امہات الکتب میں سے ہے اور تقریبا سات سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں انہوں نے اپنی زندگی کے اواخر میں اپنی تعلیمات کی وضاحت کرکے اپنی حقانیت کے دلائل پیش کیئے ہیں ۔ نیز ایک طویل عرصے میں ہونے والے اپنے اکثر الہام اس میں درج فرمائے ہیں اور اپنے مخالفین پر گرج چمک کے ساتھ بجلیاں گراتے ہوئے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں ۔ اور فرمایا ہے کہ

. ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ حقیقۃ الوحی کو اول سے آخر تک پڑھیں بلکہ اس کو یاد کرلیں، کوئی مولوی ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گا کیونکہ ہر قسم کے ضروری امور کا اس میں بیان کیا گیا ہے اور اعتراضوں کے جواب دیئے گئے ہیں (ملفوظات ص ۳۰۶ ج ۹

اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے مرزا صاحب مباہلے کے طلب گاروں کو پڑھا کر مباہلے سے پہلے ان کا امتحان لینے کی باتیں کیا کرتے تھے ۔ جیسا کہ اسی کتاب میں آپ مولانا ثناءاللہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

اگر وہ قادیان میں آنا گوارا نہ کریں تو اس طرح بھی مباہلہ ہوسکتا ہے کہ اس کتاب حقیقۃ الوحی میں جو کچھ میں نے اپنی سچائی ثابت کرنے کے دلائل لکھے ہیں ان کی نسبت مولوی ثناءاللہ صاحب کا امتحان مباہلہ سے پہلے کرلوں گا اور وہ صرف دس سوال ہوں گے کہ متفرق مقامات کتاب حقیقۃ الوحی میں سے ان سے دریافت کئے جائیں گے تا معلوم ہو کہ انہوں نے بغور تمام کتاب کو دیکھ لیا ہے پس اگر انہوں نے ان سوالوں کا جواب کتاب کے موافق دے دیا تو تحریری مباہلہ جانبین کی طرف سے شائع ہو جائیگا ۔ اگر اس طریق پر وہ راضی ہوں تو ایک نسخہ کتاب حقیقۃ الوحی کا میں ان کی طرف روانہ کرونگا ۔ اور روز کا جھگڑا اس سے فیصلہ پا جائے گا اور ان کا اختیار ہوگا کہ کتاب پہنچنے کے بعد امتحان مذکورہ بالا کی تیاری کیلئے ایک دو ہفتہ تک مجھ سے مہلت مانگ لیں ۔ (حقیقۃ الوحی، خزائن ج ۲۲، ص ۴۶۲ ـ ۴۶۳)

یہ کتاب مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہونے والی آخری بڑی تصنیف ہے ۔ ذیل کی سطور میں اسکے چند مندرجات پر ہم اپنی گذارشات پیش کرتے ہیں

☆ مرزا صاحب حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں و لقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون اور میں پہلے اس سے ایک مدت تک تم میں ہی رہتا تھا کیا تم سمجھتے نہیں؟ اور یوں مرزا صاحب اپنی قبل بعثت زندگی کو اپنی اور اپنے دعاوی کی صداقت کا ثبوت قرار دیتے ہیں۔

مرزا صاحب براہین احمدیہ کے زمانے تک یعنی ۱۸۸۴ء بلکہ ۱۸۹۰ء تک بھی حیات مسیح کے قائل تھے ۔ اور انہوں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ مسیح زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے ۔ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور زمانہ قرب قیامت وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے ۔ ۱۸۹۰ء کے آخر یا ۱۸۹۱ء کے ابتدائی مہینوں میں انہوں نے اس عقیدے کو ترک کیا اور کہنے لگے کہ مسیح فوت ہو چکے ہیں ۔ اب مسیح موعود کا وقت ہے جو میں خود ہوں ۔ اور جہاں کہیں مسیح کی آمد کا ذکر ہے وہ دراصل میرے بارے میں بات ہوئی ہے ۔ اس نئے عقیدے کو انہوں نے دیگر مسلمانوں پر مسلط کرنے کی کوشش فرمائی اور بتایا کہ جو انہیں مسیح موعود نہیں مانتا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا منکر ہے اور اس کا انجام کفار کے ساتھ ہے ۔ فرماتے ہیں

> خدا تعالی کا پاک کلام جو میری کتاب براہین احمدیہ کے بعض مقامات میں لکھا گیا ہے اس میں خدا تعالی نے بتصریح ذکر کر دیا ہے کہ اس نے مجھے عیسی بن مریم ٹھہرایا ۔ اس کتاب میں پہلے خدا نے میرا نام مریم رکھا اور بعد اس کے ظاہر کیا کہ اس مریم میں خدا کی طرف سے روح پھونکی گئی اور پھر فرمایا کہ روح پھونکنے کے بعد مریمی مرتبہ عیسوی مرتبہ کی طرف منتقل ہو گیا اور اس طرح مریم سے عیسی پیدا ہو کر ابن مریم کہلایا ۔ پھر دوسرے مقام پر اسی مرتبہ کے متعلق فرمایا فاجاءھا المخاض الی جذع النخلۃ قالت یالیتنی مت قبل ھذا و کنت نسیا منسیا اس جگہ خدا تعالی ایک استعارہ کے رنگ میں فرماتا ہے کہ جب اس مامور میں مریمی مرتبہ سے عیسوی مرتبہ کا تولد ہوا اور اس لحاظ سے یہ مامور ابن مریم بننے لگا تو تبلیغ کی ضرورت جو درد زہ سے مشابہت رکھتی ہے اس کو امت کی خشک جڑ کے پاس لائی جن میں فہم اور

تقوی کا پھل نہیں تھا اور وہ طیار تھے کہ ایسا دعوی سن کر افتراء کی تہمتیں لگا دیں اور دکھ دیں اور طرح طرح کی باتیں اس کے حق میں کریں۔تب اس نے اپنے دل میں کہا کہ کاش میں پہلے اس سے مرجاتا اور ایسا بھولا بسرا ہوتا کہ کوئی میرے نام سے واقف نہ ہوتا۔ (حقیقہ الوحی حاشیہ صفحہ ۷۵)

'جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی کہ آخری زمانہ میں میری امت میں سے ہی مسیح موعود آئے گا اور خدا نے میری سچی گواہی کیلئے تین لاکھ سے زیادہ آسمانی نشان ظاہر کئے....اب جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا۔ اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے۔اور عمداً خدا تعالی کی نشانیوں کو رد کرتا ہے تو وہ مومن کیونکر ہوسکتا ہے۔' (حقیقت الوحی ص۱۶۳)۔

. میں نے بار بار بیان کر دیا ہے کہ یہ کلام جو میں سنا تا ہوں قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن اور توریت خدا کا کلام ہے اور میں خدا کا ظلی اور بروزی طور پر نبی ہوں اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور میں میری اطاعت واجب ہے اور مسیح موعود کا ماننا واجب ہے۔ اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمانوں پر قابل مئواخذہ ہے کیونکہ جس امر کو اس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا اس کو رد کر دیا۔ (کشتی نوح ص۵۴۔ خزائن ۱۹)

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں

کنت اظن بعد هذه التسمية ان المسيح الموعود خارج وما كنت اظن انه انا حتى ظهر السر المخفى الذى اخفاه الله على كثير من عباده ابتلاءً من عنده و سمانى ربى عيسى بن مريم فى الهام من عنده و قال يا عيسى انى متوفيك و رافعك الى و مطهرك من الذين كفروا و جاعل الذين اتبعوك فوق الذين كفروا الى يوم القيامه انا جعلناك عيسى ابن مريم و انت منى بمنزلة لا يعلمها الخلق و انت منى بمنزلة توحيدى و تفريدى و انك اليوم لدينا مكين امين

۔ فھذا ھو الدعوی الذی یجادلنی قومی فیه و یحسبوننی من المرتدین ۔ (حمامۃ البشری ص ۸ خزائن ج ۷ ص ۲۰)

مرزا صاحب اس عربی عبارت کا ترجمہ بایں الفاظ فرماتے ہیں ۔

خدا نے میرا نام متوکل رکھا۔ میں بعد اس کے بھی سمجھتا رہا کہ مسیح موعود آئے گا اور میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں ہی ہوں گا ۔ یہاں تک کہ مخفی بھید کھل گیا جو بہت سے لوگوں پر نہیں کھلا ۔اور میرے پروردگار نے اپنے الہام میں میرا نام عیسی بن مریم رکھا اور فرمایا اے عیسی ہم نے تجھے عیسی بن مریم کیا۔اور تو مجھ سے ایسے مقام میں ہے کہ مخلوق اس کو نہیں جانتی اور تو (اے مرزا) میرے نزدیک میری توحید اور وحدت کے رتبے میں ہے۔اور تو آج ہمارے نزدیک بڑی عزت والہ ہے ۔پس یہی (مسیح موعود ہونے کا) دعوی ہے ۔جس میں مسلمان قوم مجھ سے جھگڑتی ہے اور مجھ کو مرتد جانتی ہے۔

ایک جگہ مرزا صاحب کہتے ہیں

. کیا ایک بچہ مثلا مبارک (سلمہ ربہ) جو آج مکتب میں بٹھا یا وہ ایم اے یا بی اے کا مقابلہ کرسکتا ہے۔اسی طرح انبیاء کی بھی حالت ہوتی ہے کہ ان کی ترقی تدریجی ہوتی ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ میں باوجودیکہ خدا تعالی نے وہ تمام آیات جو حضرت مسیح سے متعلق ہیں میرے لئے نازل کی ہیں ۔اور میرا نام مسیح رکھا اور آدم داؤد سلیمان غرض تمام انبیاء کے نام رکھے مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ میں ہی مسیح موعود ہوں جب تک کہ خود خدا تعالی نے اپنے وقت پر یہ راز کھول دیا (ملفوظات ج ۳ ص ۳۲۴)

مرزا صاحب کی یہ تحریریں ان کا دعوی بتا رہی ہیں کہ آپ اس بات کے مدعی تھے کہ احادیث میں جس عیسی موعود کی بابت خبر آئی ہے کہ وہ دنیا میں قریب قیامت کے ظاہر ہوں گے وہ میں ہوں۔ یہ بھی ان تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان مرزا صاحب سے اسی دعوی مسیحیت میں بحث و نزاع کرتے ہیں ۔یعنی وہ آپ کو عیسی موعود وغیرہ نہیں مانتے۔ اصلی نزاع یہی ہے اور باقی کوئی ہے تو فرعی ۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ

. میرے اس دعوی (مسیحیت) کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی

کی طرح ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں.

(اعجاز احمدی۔نزول المسیح ضمیمہ طبع ۱۹۰۹ء ص ۳۰ خزائن ج ۱۹ ص ۱۴۰)

یعنی ۱۸۹۰ء کے بعد مرزا صاحب کا عقیدہ بدل گیا۔ پہلے وہ حیات مسیح کے اور عیسی کی آمد ثانی کے قائل تھے ۔ بعد میں انہوں نے یہ عقیدہ اپنا لیا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اور حیات مسیح کا عقیدہ رکھنے والوں کو انہوں نے احکام شریعت کا منکر قرار دے دیا۔ مرزائی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے حیات مسیح کے عقیدے کو شرک قرار دے دیا جیسا کہ ایک مرتبہ ایڈیٹر الفضل نے لکھا

حضرت مسیح موعود (مرزا) نے شرک سے یہاں تک اجتناب سکھایا اور توحید الھی پر اتنا زور دیا کہ حیات مسیح بجسد عنصری کے عقیدہ کو بھی مفضی الی الشرک قرار دیا اور اس کے لئے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ اس قدر تلقین فرمائیں کہ اب اہل حدیث کے نام نہاد سردار (مولوی ثناء اللہ) بھی اس موضوع پر گفتگو کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اور صاف انکار کرتے ہوئے یہ مسئلہ حل شدہ قرار دیتے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں

لا ریب مسئلہ حیات مسیح اس روز سے فیصل شدہ ہے جس روز ریاست رام پور میں بموجودگی علمائے ذی شان اس خاکسار اور زبدۃ الاخوان قادیان کے مابین ۱۹۰۹ء میں نواب محمد حامد علی خان صاحب مرحوم کے روبرو مباحثہ ہو کر اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ نواب صاحب موصوف نے فیصلے کا سرٹیفیکیٹ ہمیں عنائت رقم فرمایا تھا جو ہائی کورٹ کے فیصلے کے مترادف ہے (اس مباحثے کی تفصیل آگے آئے گی)... ہاں آپ کا عقیدہ حیات مسیح کو شرک قرار دے کر دیگر فرقوں کے متعلق مرزا صاحب کے تردیدی مضامین کو اشاعت توحید قرار دینا اس مکھی کی طرح ہے جو شہد سے نکلتے ہوئے اسی میں پھنس کر مزید مشکلات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ کہ براہین احمدیہ کے زمانہ میں مرزا صاحب الہام اور مجددیت کے مدعی تھے۔ بلکہ مثیل مسیح بھی کہلاتے تھے ۔اسی براہین کے صفحہ ۴۹۹ پر مرزا صاحب کے قلم سے حیات مسیح کا ثبوت ملتا ہے۔ پھر کیا بقول الفضل مرزا صاحب اس وقت مشرک تھے؟ باوجود مجدد ملہم اور مثیل مسیح ہونے کے وفات مسیح کی دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ ان سے مخفی رہیں۔ اور عرصہ

بعید کے بعد جب انہیں خود مسیح موعود بننے کا شوق ہوا تو ازالہ اوہام میں وفات مسیح کا مسئلہ مقدم رکھا اور اس پر وہ لے دے کی کہ اللہ دے اور بندہ لے۔

امت مرزائیہ کے افراد و اعیان کہا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب اپنے دعاوی الہام سے پہلے بالکل بے گناہ تھے۔اس لئے بحکم فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ آپ کا دعوی صحیح ہونا چاہیے۔خدا ایڈیٹر الفضل کا بھلا کرے جنہوں نے مرزائیوں کی اس دلیل کو پارہ پارہ کر دیا۔کیونکہ براہین احمدیہ کا زمانہ تالیف مرزا صاحب کے دعوی مسیحیت سے پہلے کا ہے۔ آپ اس زمانہ میں (حیات مسیح کے قائل ہونے کے باعث) مشرک تھے۔شرک سے بڑھ کر اور کون سا گناہ ہوگا .

(اہل حدیث امرتسر ۴ اپریل ۱۹۴۱ء ص ۶)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب ۱۸۹۰ء تک مشرک تھے۔ یعنی ان کی زندگی کا تقریبا تین چوتھائی حصہ جو قبل بعثت ہے مشرک ہونے کی حالت میں گذرا ہے۔اور حالت شرک میں گذری ہوئی زندگی مرزا صاحب کے گنہ گار ہونے کی شہادت تو ہوسکتی ہے ان کے دعاوی کی صداقت کی شہادت نہیں ہوسکتی

☆ مرزا صاحب حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں

. اور (رسول اللہ ﷺ کی) یہ پیش گوئی کہ وہ (مسیح) دجال کو قتل کریگا اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ظہور سے دجالی فتنہ رو بزوال ہو جائے گا اور خود بخود کم ہوتا رہے گا۔اور دانش مندوں کے دل توحید کی طرف پلٹا کھا جائیں گے۔واضح ہو کہ دجال کے لفظ کی دو تعبیریں کی گئی ہیں۔ایک یہ کہ دجال اس گروہ کو کہتے ہیں جو جھوٹ کا حامی ہو اور مکر اور فریب سے کام چلاوے۔دوسری یہ کہ دجال شیطان کا نام ہے جو ہر ایک جھوٹ اور فساد کا باپ ہے۔پس قتل کرنے کے یہ معنی ہیں کہ شیطانی فتنہ کا ایسا استیصال ہوگا کہ پھر قیامت تک کبھی اس کا نشو ونما نہیں ہوگا۔گویا اس آخری لڑائی میں شیطان قتل کیا جائے گا . (حقیقۃ الوحی ۔ خزائن ج ۲۲ ۔ ص ۳۲۶)

اور مرزا صاحب حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں

. میرا آنا خدا کے کامل جلال کے ظہور کا وقت ہے۔اور میرے وقت میں فرشتوں اور شیاطین کا آخری جنگ ہے . (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۸ ۔خزائن ج ۲۲) ۔

اب مرزا صاحب تو آ کر چلے بھی گئے فرشتوں اور شیاطین یعنی نیکی اور برائی کی قوتوں یا حق و باطل کی جنگ تو ابھی جاری ہے۔ جس دور میں آخری جنگ ہو کر حق کا بول بالا ہو جائے گا مسیح کا دور بھی وہی ہو گا اور اسی دور کا مدعی مسیحیت اصل مسیح ہو گا۔

☆ مرزا صاحب خوابوں اور الہاموں کے بارے میں لکھتے ہیں

. ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو کبھی شاذ و نادر کے طور پر کوئی سچی خواب آ جائے یا سچا الہام ہو جائے مگر وہ صرف اس قدر سے مامور من اللہ نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نفسانی تاریکیوں سے پاک ہے بلکہ اس قدر رؤیا اور الہام میں قریبا تمام دنیا شریک ہے اور کچھ بھی چیز نہیں اور یہ مادہ کبھی کبھی خواب یا الہام ہونے کا محض اس لئے انسانوں میں رکھا گیا ہے تا ایک عقلمند انسان خدا کے برگزیدہ رسولوں پر بدظنی نہ کر سکے۔ اور سمجھ سکے کہ وحی اور الہام کا ہر ایک انسان کی فطرت میں تخم داخل ہے۔ پھر اس کی کامل ترقی سے انکار کرنا حماقت ہے۔ لیکن وہ لوگ جو خدا کے نزدیک ملہم اور مکلم کہلاتے ہیں اور مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف رکھتے ہیں اور دعوت خلق کے لئے مبعوث ہوتے ہیں ان کی تائید میں خدا تعالی کے نشان بارش کی طرح برستے ہیں. (حقیقۃ الوحی۔ خزائن ج ۲۲ ص ۵۳۸)۔

مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ دیکھو میری فلاں دعا منظور ہو گئی اور فلاں پیش گوئی پوری ہو گئی۔ اس لئے میں سچا مہدی مسیح اور نبی ہوں۔ اور وہ ان دعاؤں اور پیشگوئیوں کا ذکر نہیں کرتے تھے یا انہیں تو جیہات میں الجھانے کی کوشش کیا کرتے تھے جہاں ان کی پیش گوئیاں غلط ہو جاتیں اور دعائیں شرف قبولیت سے محروم رہتی تھیں۔ اوپر کی عبارت میں وہ خود بتا رہے ہیں کہ اکا دکا بات پوری ہو جانے کا مطلب روحانیت اور سچے ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ چونکہ ان کی اکثر دعائیں منظور نہیں ہوئیں اور اکثر پیش گوئیاں غلط نکلی ہیں اس لئے وہ مسیح مہدی اور نبی نہیں ہیں۔ اس موضوع پر ہم الگ سے بھی گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ

☆ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں الہامی وعدہ دیا گیا ہے کہ انی مھین من اراد اھانتک میں اس شخص کی اہانت کرونگا جو تیری اہانت کا ارادہ کریگا (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۵۷)

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے معاشرے میں مرزا صاحب کو

ذلیل کئے رکھا۔ عیسائی ہندو سکھ بدھ وغیرہ تو پہلے ہی مرزا صاحب کو کذاب سمجھتے تھے۔ مرزا صاحب اس معاشرہ میں بھی ذلیل ہو کر مرے جس میں انہوں نے جنم لیا تھا۔ لاہور میں ان کی میت کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ مقام عبرت ہے۔اس کے مقابلے میں جن لوگوں نے مرزا صاحب کے عقائد اور دعاوی کی تردید کا کام کیا انہیں مسلم معاشرے نے عزت دی اور آج بھی وہ مسلمانوں کی آنکھوں کا تارہ ہیں۔مولانا بٹالوی۔مولانا سید نذیر حسین۔ مولانا رشید احمد گنگوہی۔مولانا ثناء اللہ۔ پیر مہر علی شاہ۔ پیر جماعت علی شاہ۔مولانا عبدالجبار غزنوی۔مولانا عبدالحق غزنوی وغیرہ اپنی مرزائیت دشمن سرگرمیوں کی وجہ سے اپنی زندگی میں بھی معزز تھے اور آج بھی ان کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔

☆ مرزا صاحب حقیقۃ الوحی میں اپنا ایک الہام یوں بیان کرتے ہیں

. لا غلبن انا و رسلی۔ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ حاشیہ۔ اس وحی الٰہی میں خدا نے میرا نام رسل رکھا کیونکہ جیسا کہ براہین احمدیہ میں لکھا گیا ہے خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء کا مظہر ٹھہرایا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۷۶)۔

مرزا صاحب اس قرآنی فقرے کو اپنی وحی بنا کر پیش کرتے ہیں اور اپنا نام رسل قرار دے کر بتاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کا نام لے کر کہا ہے کہ میں (خدا) اور مرزا غلام احمد غالب رہیں گے۔اللہ تعالیٰ کے غالب رہنے میں کسی کو شک کی گنجائش ہی نہیں اس لئے اس فقرے کے انا والے حصے سے ہمیں کوئی بحث نہیں ہے۔ لیکن رسل والہ حصہ قابل غور ہے۔ کہ مرزا صاحب کب اور کہاں غالب رہے؟ اپنی زندگی میں وہ عدالتوں میں ذلیل ہوتے رہے۔ مناظروں میں ذلیل ہوتے رہے۔ وہ میدان میں نکلنے کی بجائے گھر میں چھپ کر بیٹھ جاتے تھے۔ دہلی میں اس لئے مناظرے کے لئے نہیں نکلے کہ انہیں بلوائیوں کا ڈر تھا کیونکہ وہاں نذیر حسین نے اپنے فتوی سے آگ لگا رکھی تھی جیسا کہ لکھا ہے

جب مرزا صاحب کو میاں صاحب نے مباحثہ کے لئے بلایا تو مرزا صاحب نے کہا. آپ کے شہر میں (میری) مخالفت کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں آوارہ گرد بدمعاش میرے مکان کے اردگرد شرارت کی نیت سے جمع رہتے ہیں اور ذمہ دار لوگ انہیں نہیں روکتے بلکہ اشتعال انگیز الفاظ کہہ کہہ کر الٹا جوش دلاتے ہیں۔پس جب تک میں اپنے پیچھے اپنے مکان اور اہل وعیال کی حفاظت کا انتظام نہ کرلوں میں نہیں جا سکتا

۔ علاوہ ازیں ابھی تک جائے مباحثہ اور راستہ میں بھی حفظ امن کا کوئی انتظام نہیں ہے ۔ حضرت صاحب کے اس جواب پر جو سرا سر معقول اور شریفانہ تھا دہلی والوں نے ایک طوفان بے تمیزی بر پا کر دیا اور شور کرنا شروع کیا کہ مرزا مباحثہ سے بھاگ گیا اور شہر میں ایک خطرناک شور مخالفت کا پیدا ہو گیا اور جدھر جاؤ بس یہی چرچا تھا ۔ اور ہزاروں مفسد فتنہ پرداز لوگ حضرت صاحب کی گلی میں آ آ کر شور و پکار کرتے رہتے تھے اور طرح طرح کی بدزبانی اور گالی گلوچ اور طعن وتشنع اور تمسخر واستہزا سے کام لیتے تھے اور بعض شریر حملہ کر کے مکان کے اندر گھس آتے اور اپنے شور وغوغا سے آسمان سر پر اٹھا لیتے تھے ۔ (سیرۃ المھدی حصہ دوم ص ۸۷)

اور مرزا بشیر احمد بتاتے ہیں کہ

حضرت والدہ صاحبہ (نصرت بیگم) نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت صاحب شروع دعوی میسحیت میں دہلی تشریف لے گئے اور مولوی نذیر حسین کے ساتھ مباحثہ کی تجویز ہوئی تھی ۔ اس وقت شہر میں مخالفت کا سخت شور تھا ۔ چنانچہ حضرت صاحب نے افسران پولیس کے ساتھ انتظام کر کے ایک پولیس مین کو اپنی طرف سے تنخواہ دینی کر کے مکان کی ڈیوڑھی پر پہرہ کے لئے مقرر کرا لیا تھا ۔ یہ پولیس مین پنجابی تھا ۔ اس کے علاوہ ویسے بھی مردانہ میں کافی احمدی حضرت صاحب کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے ۔ (سیرۃ المھدی حصہ دوم ص ۶۴)

جامع مسجد (دہلی) کے پروگرام میں شرکت سے پہلے

آپ (مرزا) نے بعض دوستوں کو مکان کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا اور روانہ ہو گئے ۔ اس وقت بارہ آدمی آپ کے ساتھ تھے ۔ اور آپ ان کے ساتھ گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے ۔ جب آپ مسجد پہنچے تو ہزار ہا لوگوں کا مجمع تھا اور ایک عجیب طوفان بے تمیزی کا نظارہ تھا.... لوگ عجیب غیظ وغضب کی حالت میں آپ کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا اور اگر پولیس کا انتظام نہ ہوتا تو ضرور کوئی حرکت کر گزرتے ..... لوگوں میں ایک عجیب اضطراب اور غیظ و غضب کی حالت تھی اور کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ اور کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی .....
لوگوں میں ایک شور پیدا ہو گیا اور مولویوں کے بھکانے اور اشتعال دلانے سے وہ سخت

غیظ وغضب میں بھر گئے۔ جب افسر پولیس نے یہ حالت دیکھی کہ لوگوں کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے اور وہ اپنے آپ سے باہر ہوئے جاتے ہیں تو اس نے اپنے ماتحت افسر کو حکم دیا کہ فوراً مجمع کو منتشر کر دیا جائے ....اور پولیس کے سپاہیوں نے لوگوں کو منتشر کرنا شروع کر دیا.... حضرت صاحب بھی اٹھ کر باہر تشریف لائے اور بہت سے سپاہی اور پولیس افسر آپ کے اردگرد تھے۔ جب آپ شمالی دروازہ پر آئے تو آپ کے خادموں نے اپنی گاڑیاں تلاش کیں کیونکہ ان کو آنے جانے کا کرایہ دینا کر کے ساتھ لائے تھے اور کرایہ پیشگی دے دیا تھا لیکن معلوم ہوا کہ لوگوں نے ان کے مالکوں کو بہکا کر روانہ کر دیا تھا۔ اور دوسری بھی کوئی گاڑی یکہ ٹمٹم تانگہ پاس نہ آنے دیتے تھے۔ اس طرح حضرت صاحب کو قریباً پندرہ منٹ دروازہ پر انتظار کرنا پڑا۔ اور اس اثنا میں لوگوں کے گروہ در گروہ جو مسجد کے باہر کھڑے تھے بلوہ کر کے حضرت صاحب کی طرف آنے لگے۔ افسر پولیس ہشیار تھا اس نے حضرت صاحب سے کہا کہ آپ فوراً میری گاڑی میں بیٹھ کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو جائیں کیونکہ لوگوں کا ارادہ بد ہے۔ چنانچہ حضرت صاحب اور مولوی عبدالکریم صاحب دونوں اس گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ باقی لوگ بعد میں پیدل مکان پر پہنچے. (سیرۃ المہدی حصہ دوم ص ۸۸۔۹۰)

مرزا صاحب خود کہتے ہیں کہ

.(دہلی میں) میرے ساتھ جب مباحثہ ہوا تو آٹھ نو ہزار آدمی کا مجمع تھا اور میں نے سنا ہے کہ بعض کے ہاتھ میں چاقو اور بعض کے ہاتھ میں پتھر بھی تھے۔ یہاں تک کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں غدر نہ ہو جاوے اس واسطے اس نے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر مجمع سے باہر کیا. (ملفوظات ج ۸ ص ۱۶۸)

اور دہلی مرزا صاحب کے لئے کوئی اجنبی شہر نہیں تھا۔ یہاں آپ کے سسرال تھے جن کے متعلق وہ کہا کرتے تھے کہ وہ دہلی کا بہت معزز گھرانہ ہے۔ اس معزز گھرانے کا شہر میں اثر و رسوخ بھی ہوگا۔ دوسرے شرفاء دلی اور معززین سے ان کے تعلقات اور رشتہ داریاں بھی ہوں گی۔ اور مرزا صاحب کو ان تعلقات کا فائدہ ملنا چاہیے تھا۔ لیکن کچھ بھی مرزا صاحب کے کام نہ آیا سوائے انگریز پولیس افسر کے۔

یعنی انہی لوگوں کے جنہوں نے اس پودے کو لگا رکھا تھا۔

اور لاہور بھی مرزا صاحب کے اثر و رسوخ کے حلقے میں تھا یہاں ان کا بیٹا سلطان احمد تحصیل دار تھا۔ اور مرزا صاحب لاہور جاتے تھے تو ابتداء میں زیادہ تر قیام بھی اپنے تحصیل دار بیٹے کی کوٹھی پر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی لاہور میں بااثر لوگ مرزا صاحب کے مریدین میں داخل تھے اور پھر انتظامیہ آپ کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے موجود ہی تھی لیکن اس کے باوجود آپ ۱۹۰۰ء میں تفسیری مقابلے کے لئے لاہور نہیں آئے کہ انہیں پیر مہر علی کے سرحدی مریدوں سے جان کا خوف تھا۔ حالانکہ الہامات موجود تھے و اللہ یعصمک من الناس۔ انی مہین من اراد اہا نتک۔ اور تیری اور تیرے گروہ کی میں حفاظت کرونگا اور تیرا ہی گروہ قیامت تک غالب رہے گا۔ (دیکھو کتاب البریہ)

امرتسر میں مولانا ثناء اللہ سے ۱۹۰۷ء مباہلے کیلئے نہیں اس لئے نہیں آنا چاہتے تھے کہ وہاں کے اہل حدیث حضرات سے ڈرتے تھے جنہوں نے ۱۹۰۵ء میں ان پر اس لئے پتھر برسائے تھے کہ رمضان شریف میں سردیوں کے دنوں میں صبح دس بجے کے ارد گرد عوام کے ایک مجمع میں سرعام چائے (یا دودھ) پینا شروع کر دیا تھا۔ مرزا صاحب نے یہ واقعہ اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے

. مولوی ثناء اللہ جو آج کل ٹھٹھے اور توہین میں دوسرے علماء سے بڑھے ہوئے ہیں اس گندے طریق سے باز نہیں آتے تو میں خوشی سے قبول کرونگا کہ اگر مجھ سے درخواست مباہلہ کریں۔ لیکن امرتسر میں یہ مباہلہ نہیں ہوگا۔ ابھی تک مجھے وہ وقت نہیں بھولا جب میں ایک مجمع میں اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ اس وقت اس جگہ کے اہل حدیث نے میرے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کس طرح شور کر کے اور پوری طرح سفاہت دکھلا کر میری تقریر بند کرادی۔ اور جب میں سوار ہوا تو اینٹیں اور پتھر میری طرف چلائے اور حکام کی بھی کچھ پرواہ نہیں کی۔ پس ایسی جگہ مباہلہ کے لئے موزوں نہیں۔ ہاں قادیان موزوں ہے .

(تتمہ حقیقۃ الوحی خزائن ج ۲۲ ص ۴۶۲)۔

امرتسر کے اسی واقعے کو مولوی دوست محمد نے بھی لکھا ہے فرماتے ہیں کہ

. ۸ نومبر (۱۹۰۵ء) کو لدھیانہ سے روانہ ہوئے اور امرتسر آئے جہاں حضور

نے دو روز قیام کیا۔ ۹ نومبر کی صبح کو امرتسر میں بھی حضور کی ایک تقریر ہونا قرار پائی۔ (اشتہار دیا گیا کہ) چونکہ یہ جلسہ محض تبلیغ حق کی خاطر ہوگا اور اس سے کوئی مباحثہ یا مناظرہ نہیں اس لئے اس میں کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ غرض لیکچر کے لئے رائے کنہیا لال صاحب وکیل کا لیکچر ہال لیا گیا تھا۔ ۸ بجے کے بعد حضور نے تقریر شروع فرمائی. (تاریخ احمدیت۔ ج۔۲ ص ۴۴۱)

اور مرزا محمود کے حالات میں لکھا ہے

وہ ۴ نومبر ۱۹۰۵ء کو مرزا غلام احمد کے ہمراہ لدھیانہ گئے۔ پھر امرتسر۔ امرتسر میں مرزا صاحب نے جلسہ کیا اور لیکچر کے بعد مرزا صاحب گاڑی میں جا بیٹھے تو چاروں طرف سے پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ گاڑی کی کھڑکیاں بند تھیں۔ ان پر پتھر گرتے تھے تو وہ کھل جاتی تھیں۔ آپ (مرزا محمود) انہیں پکڑ کر سنبھالتے تھے لیکن پتھروں کی بوچھاڑ سے چھوٹ چھوٹ کر رہ جاتی تھیں (تاریخ احمدیت ج ۵ ص ۶۹)

اور مرزا بشیر احمد نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے

حضور نے لدھیانہ میں ایک لیکچر دیا۔ جس میں ہندو عیسائی مسلمان اور بڑے بڑے معزز لوگ تھے۔ تین گھنٹے حضور نے تقریر فرمائی حالانکہ بوجہ سفر دہلی کچھ طبیعت بھی درست نہ تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ اس لئے حضور نے بوجہ سفر روزہ نہیں رکھا تھا۔ اب حضور نے تین گھنٹہ تقریر جو فرمائی تو طبیعت پر ضعف سا طاری ہوا۔ مولوی محمد احسن صاحب نے اپنے ہاتھ سے دودھ پلایا۔ اس پر ناواقف مسلمانوں نے اعتراضاً کہا کہ رمضان میں دودھ پیتا ہے اور شور کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ پولیس کا انتظام اچھا تھا فوراً یہ شور کرنے والے وہاں سے نکال دیئے گئے اس موقع پر یہاں تین تقاریر ہوئیں اول مولوی سید محمد احسن صاحب کی دوسرے حضرت مولوی نورالدین صاحب اور تیسرے حضور کی۔ پھر یہاں سے حضور امرتسر تشریف لے گئے۔ وہاں سنا ہے کہ مخالفوں کی طرف سے سنگباری بھی ہوئی (کیونکہ لدھیانہ کی طرح یہاں بھی مجمع عام میں رمضان میں دن کے وقت دودھ پینا شروع کر دیا تھا).

(سیرۃ المھدی حصہ سوم طبع اپریل ۱۹۳۹ء ص ۲۷۲)۔

اور مولانا امرتسری نے بتایا ہے کہ مرزا صاحب متوفی نے ایک دفعہ امرتسر

میں تقریر کرنے کا انتظام کرایا۔ اتفاق سے رمضان کے ایام تھے۔ مرزا صاحب نے اثناء تقریر میں سب کے سامنے چائے پی لی۔ مسلمانوں نے ان کا ایسا کرنا احترام رمضان کے خلاف سمجھ کر شور کیا۔ یہاں تک کہ اینٹ پتھر بھی برسائے جس کا ذکر مرزا صاحب نے کتاب حقیقۃ الوحی میں کیا ہے (اہل حدیث امرتسر ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء)

وہ حج کے لئے حجاز اس لئے نہیں جاتے تھے وہاں مسلمان عوام اور مسلمان حکام سے ڈرتے تھے کہ کہیں مار ہی نہ ڈالیں۔ مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے کہ

ڈاکٹر محمد اسماعیل نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود نے حج نہیں کیا۔ اعتکاف نہیں کیا۔ زکوۃ نہیں دی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حج نہ کرنے کی تو خاص وجوہات تھیں کہ شروع میں آپ کے لئے مالی لحاظ سے انتظام نہیں تھا۔ کیونکہ ساری جائیداد وغیرہ اوائل میں ہمارے دادا صاحب کے ہاتھ میں تھی۔ اور بعد میں تایا صاحب کا انتظام رہا۔ اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ ایک تو آپ جہاد کے کام میں منہمک رہے (کون سا جہاد؟)۔ دوسرے آپ کے لئے حج کا راستہ بھی مخدوش تھا ۔تاہم آپ کی خواہش رہتی تھی کہ حج کریں۔ چنانچہ والدہ صاحب نے آپ کے بعد آپ کی طرف سے حج بدل کروا دیا.. ..اور زکوۃ اس لئے نہیں دی کہ آپ کبھی صاحب نصاب نہیں ہوئے۔ البتہ حضرت والدہ صاحبہ زیور پر زکوۃ دیتی رہی ہیں۔

(سیرۃ المہدی حصہ سوم ص ۱۱۹)۔

یعنی مرزا صاحب چاہنے کے باوجود حج نہ کر سکے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے وہ الہامات جھوٹے ہیں جن کے مطابق وہ کان وما یکون کی طاقت رکھتے تھے۔ اور خدا کی مرضی ان کی مرضی کے مطابق ہوتی تھی۔ اور اگر وہ حج کرنا چاہتے تھے تو دعا بھی کرتے ہوں گے کہ اے خدا مجھے حج کروا دے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ ان کی ایسی دعا ئیں جن میں انہوں نے حج کی درخواست کی ہو گی منظور نہیں ہوئیں۔

اور مرزائی یہ بھی کہتے ہیں

. حضرت مرزا صاحب پر حج فرض نہ تھا۔ کیونکہ آپ کی صحت درست نہ تھی۔ ہمیشہ بیمار رہتے تھے۔ حجاز کا حاکم آپ کا مخالف تھا کیونکہ ہندوستان کے مولویوں نے مکہ معظّمہ سے حضرت مرزا صاحب کے واجب القتل ہونے کے فتاوے منگوائے تھے۔

اس لئے حجاز کی حکومت آپ کی مخالف ہو چکی تھی۔ وہاں جانے پر آپ کو جان کا خطرہ تھا۔ لہذا آپ نے قرآن شریف کے اس حکم پر عمل کیا لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کہ اپنی جان کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ پھنساؤ۔ (لیکن مرزا صاحب نے یہ حج نہ کرنے کی یہ وجہ تو نہیں بتائی۔ وہ تو خنزیروں کے ختم ہونے کا انتظار کرتے تھے۔ بہا) مختصر یہ کہ حج کی مقررہ شرائط آپ میں نہیں پائی گئیں۔ اس لئے آپ پر حج فرض نہ ہوا. (الفضل ۲۰ ستمبر ۱۹۲۹ء منقول از برنی ص ۳۶۴)

جس پر حج فرض ہی نہیں ہوا وہ اس حدیث کا مصداق کیسے ہوسکتا ہے جس میں آنے والے مسیح کے حج اور احرام کی باتیں ہیں۔ اور یہ ساری عبارتیں ہم نے اس لئے نقل کی ہیں کہ واضح ہوسکے کہ مرزا صاحب کے الہام

. میں اور میرا رسل (مرزا صاحب) غالب رہیں گے .

میں کتنی حقیقت ہے؟ وہ مخالفوں کے سامنے آنے سے ڈرتے تھے۔ جان کے خوف میں مبتلا رہتے تھے۔ ہجوم کا سامنا کرنے سے کتراتے تھے۔ اور مرنے کے بعد بھی مرزا صاحب کے لئے حالات نہیں بدلے۔ برصغیر کا مسلمان معاشرہ آج بھی ان سے نفرت کرتا ہے۔ انہیں اور ان کے مریدوں کو غیر مسلم قرار دے کر ان کا سماجی بائیکاٹ کرتا ہے۔ ان کے مردے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہوسکتے۔ اور پھر کہتے ہیں کہ میں غالب ہوں۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

. اور جیسا کہ بظاہر سمجھا گیا ہے یہ (میرا) خاندان مغلیہ خاندان کے نام سے شہرت رکھتا ہے۔ لیکن خدائے عالم الغیب نے جو دانائے حقیقت حال ہے بار بار اپنی وحی مقدس میں ظاہر فرمایا ہے جو یہ فارسی خاندان ہے اور مجھ کو ابناء فارس کر کے پکارا ہے جیسا کہ وہ میری نسبت فرماتا ہے ان الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ رد علیھم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ (حقیقۃ الوحی ص ۸۰)

یعنی جو لوگ کافر ہو کر خدا تعالی کی راہ سے روکتے ہیں ایک فارسی الاصل نے ان کا رد لکھا ہے خدا اس کی کوشش کا شکر گذار ہے۔

کیا اس ترجمہ یوں نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں نے کفر کیا (یعنی مرزا صاحب اور ان کے

مرید) اور دوسرے لوگوں کو بھی خدا کی راہ سے روکا۔ ان کے عقائد اور دعاوی کا رد ایک فارسی الاصل شخص نے کیا۔ کیونکہ مرزا صاحب پر کفر کا فتوی دینے والوں اور ان کے مباہلہ کے مدعووین میں سے کتنے ہی فارسی الاصل لوگ ہوں گے۔ نہ جانے کس کی مساعی کو بارگاہ الوہیت میں قبول حاصل ہو گیا ہو۔ مرزا صاحب نے خود ہی کسی کا وہ خواب بیان کیا ہوا ہے جس میں ان لوگوں کو رسول خدا کے دربار میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تھی جنہوں نے مرزا صاحب کے دعاوی کی تردید کا محاذ سنبھال رکھا تھا۔ نہ جانے ان میں کوئی فارسی الاصل بھی ہو۔

اس خواب کے بارے میں مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ان کے مخالفین میں سے

. ایک بزرگ اپنے ایک واجب التعظیم مرشد کی ایک خواب جس کو اس زمانہ کا قطب الاقطاب اور امام الابدال خیال کرتے ہیں یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ ایک تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور گرداگرد تمام علمائے پنجاب اور ہندوستان گویا بڑی تعظیم کے ساتھ کرسیوں پر بٹھائے گئے تھے اور تب یہ شخص جو مسیح موعود کہلاتا ہے آنحضرت ﷺ کے سامنے آ کھڑا ہوا جو نہائت کریہہ شکل اور میلے کچیلے کپڑوں میں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کون ہے؟ تب ایک عالم ربانی اٹھا (شائد محمود شاہ واعظ یا محمد علی بھوپڑی) اور اس نے عرض کی کہ یا حضرت یہی شخص مسیح موعود ہونے کا دعوی کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو دجال ہے تب آپ ﷺ کے فرمانے سے اسی وقت اس کے سر پر جوتے لگنے شروع ہوئے جن کا کچھ حساب اور اندازہ نہ رہا۔ اور آپ نے ان تمام علمائے پنجاب اور ہندوستان کی بہت تعریف کی جنہوں نے اس شخص کو کافر اور دجال ٹھہرایا تھا اور آپ بار بار پیار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ میرے علمائے ربانی ہیں جن کے وجود سے مجھے فخر ہے۔ اس جگہ کرسی نشینوں کی ترتیب کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ مگر میں گمان کرتا ہوں کہ اس کی ترتیب شائد یوں ہوگی۔ کہ وہ غیر مرئی نورانی وجود جس نے اپنے تئیں اپنی قدیم طاقت کی وجہ سے خواب میں ظاہر کیا تھا کہ میں محمد مصطفیٰ ﷺ ہوں جو ایک سونے کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اس کے اس سونے کے تخت کے قریب مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کی کرسی ہوگی۔ اور ساتھ ہی میاں عبدالحق غزنوی کی اور اس کے پہلو پر مولوی عبدالجبار صاحب

کی کرسی اور اس کرسی سے ملی ہوئی ایک اور کرسی جس پر زینت بخش مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی تھے۔ اور کچھ فاصلہ سے مولوی رسل بابا امرتسری کی کرسی تھی۔ اور ان دونوں کرسیوں کے درمیان ایک اور کرسی تھی جس کا اندر سے کچھ اور رنگ تھا اور باہر سے کچھ اور تھوڑی سی تحریک سے ہل بھی جاتی تھی اور کچھ ٹوٹی ہوئی بھی تھی۔ یہ کرسی مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری کی کرسی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی بنچ پر میاں چٹو لاہوری بیٹھے ہوئے تھے جو اسی دربار کے شریک تھے۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی کرسی کے پاس ایک اور کرسی تھی جس پر ایک بڈھا نود سالہ بیٹھا ہوا تھا جس کو لوگ نذیر حسین کہتے تھے۔ اس کی کرسی نے مولوی محمد حسین بٹالوی کو ایک بچہ کی طرح اپنی گود میں لیا ہوا تھا۔ پھر اس کے بعد مولوی محمد اور عبدالعزیز لدھیانوی کی کرسیاں تھیں۔ جن کے اندر سے بڑے زور کے ساتھ آواز آرہی تھی کہ پنجاب کے تمام مولویوں میں سے تکفیر میں بڑے بہادر ہیں اور پیغمبر صاحب اس آواز سے بڑے خوش ہو رہے تھے اور بار بار پیار سے ان کے ہاتھ اور نیز مولوی محمد حسین کے ہاتھ چوم کر کہہ رہے تھے کہ یہ ہاتھ مجھے پیارے معلوم ہوتے ہیں جنہوں نے ابھی تھوڑے دنوں میں میری امت میں سے تیس ہزار آدمی کا نام کافر اور دجال رکھا اور فرماتے تھے کہ یہ سخت غلطی تھی جو لوگوں نے ایسا سمجھا ہوا تھا کہ اگر سو میں ننانوے کفر کے آثار پائے جائیں اور ایک ایمان کا نشان پایا تو پھر اس کو مومن سمجھو اور ایک نشان کفر کا خیال کیا جائے یا ظن کیا جائے۔ یا بے تحقیق شہرت دی جائے تو اس کو بلا شبہ کافر سمجھنا چاہیے۔ یہ فرمایا اور پھر مولوی محمد حسین کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا یہ عالم ربانی ہے جس نے میرے اس منشا کو سمجھا۔ تب مولوی محمد علی بھوپڑی کھڑا ہوا اور کہا میں تو سب سے زیادہ مسجدوں اور گلیوں اور کوچوں اور لوگوں کے گھروں میں اس شخص کو جو کہتا ہے کہ میں مسیح ہوں گالیاں دیا کرتا ہوں۔ اور لعنت بھیجا کرتا ہوں۔ اور ہر ایک وقت میرا کام ہے کہ ہر مجلس میں لوگوں کو اس شخص کی توہین وتحقیر ولعن وطعن کرنے کے لئے کہتا رہتا ہوں اور ہمیشہ انہی کاموں کے لئے سفر بھی کر کے ترغیب دیتا رہتا ہوں۔ اور کوئی گالی نہیں کہ میں نے اٹھا نہیں رکھی اور کوئی توہین نہیں جو میں نے نہیں کی۔ پس میرا کیا اجر ہے۔ تب اس پیغمبر صاحب نے بہت پیار کے جوش سے اٹھ کر بھوپڑی کو اپنے گلے لگا

لیا اور کہا کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے اور تو نے میرا منشا سمجھا۔ غرض جیسا کہ حضرت خواب بین صاحب بیان فرماتے ہیں پنجاب کے تمام مولویوں کی کرسیاں اس دربار میں موجود تھیں۔ اور ہر ایک فاخرہ لباس پہنے ہوئے نوابوں کی طرح بیٹھا تھا اور وہ پیغمبر صاحب ہر وقت ان کے ہاتھ چومتے تھے کہ یہ ہیں میرے علمائے ربانی خیر الناس علی ظہر الارض۔ اور پھر آگے چل کر ایک اور کرسی تھی اس پر ایک اور مولوی صاحب کرسی پر کچھ چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے اور آواز آرہی تھی کہ یہی ہیں خلیفہ شیخ بٹالوی محمد حسن لدھیانوی۔ اور ساتھ ان کے ایک اور کرسی تھی اور لوگ کہتے تھے کہ یہ مولوی واعظ محمود شاہ کی کرسی ہے جو کسی مناسبت سے مولوی محمد حسن کے ساتھ بچھائی گئی۔ اور سب سے پیچھے ایک نابینا وزیر آبادی تھا جس کو عبد المنان کہتے تھے اور اس کی کرسی سے انا المکفر کی زور سے آواز آرہی تھی۔ غرض یہ خواب ہے جس میں ان تمام کرسی نشین مولوی صاحبوں کا ذکر ہے۔ مگر یہ کرسیوں کی ترتیب میری طرف سے ہے جو اس خواب کے مناسب حال کی گئی۔ لیکن خواب میں یہ حصہ داخل ہے کہ علمائے پنجاب اس پیغمبر صاحب کے دربار میں بڑی تعظیم کے ساتھ کرسیوں پر بٹھائے گئے اور تمام عالم امرتسری بٹالوی لاہوری لدھیانوی دہلوی وزیر آبادی بوپڑی گولڑوی وغیرہ اس دربار میں کرسیوں پر زینت بخش تھے۔ اور پیغمبر صاحب نے میری تکفیر اور ایذا اور توہین کی وجہ سے بڑا پیار ان سے ظاہر کیا تھا۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ص ۱۷۶۔ ۱۷۹۔ خزائن جلد ۱۷)

اور کفار کا رد مرزا صاحب نے کیا کیا؟۔ انہوں نے براہین احمدیہ میں دعوی کیا کہ میں اثبات حق کے لئے ۳۰۰ دلائل دوں گا۔ اس کتاب کے لئے مسلمانوں سے مالی امداد بھی حاصل کی اور اور بہت سے لوگوں سے پیشگی قیمت بھی وصول کی۔ اسلئے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کو اس کتاب کا انتظار تھا کہ دیکھیں کیا دلائل ہیں کفر کے رد میں اور حق کے اثبات۔ لیکن مرزا صاحب نے ایک دلیل بھی نہ دی۔ اور ادھر ادھر کی باتوں میں ۵ جلدوں کے اوراق سیاہ کر کے پانچ اور پچاس کے برابر ہونے کا عدیم المثال کلیہ پیش کر کے چلتے بنے کہ یہ دونوں آپس میں برابر ہوتے ہیں کہ ان میں صرف صفر ہی کا تو فرق ہے۔ انہوں نے کیا رد کیا؟ اور کس کا رد کیا؟ ہمیں تو حیرت ہے کہ ان کے کسی مرید نے اس

کلیہ کے پیش کرنے پر ان کا نام نوبل پرائز کے لئے تجویز کیوں نہیں کیا

اور مرزا صاحب نے بزعم خود جو کچھ بھی اسلام کے دفاع کے لئے کیا تھا وہ خود انہی کے بقول دراصل انگریزوں کی خدمت تھی۔ جیسا کہ تریاق القلوب مطبوعہ ضیاء الاسلام ، قادیان ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۲ء کے ضمیمہ بعنوان گورنمنٹ عالیہ میں ایک عاجزانہ درخواست میں مرزا صاحب اپنے بیس برس کی علمی اور تصنیفی کاوش کا خلاصہ مسلمانوں کے دل سے جہاد اور خونی مہدی وغیرہ معتقدات کا ازالہ اور انگریز کی وفاداری پیدا کرنے کے بعد لکھتے ہیں

. اب میں اپنی گورنمنٹ محسنہ کی خدمت میں جرئت سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہ بست سالہ میری خدمت ہے جس کی نظیر برٹش انڈیا میں ایک بھی اسلامی خاندان پیش نہیں کرسکتا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قدر لمبے زمانے تک جو بیس برس کا زمانہ ہے ایک مسلسل طور پر تعلیم مذکورہ بالا پر زور دیتے جانا کسی منافق اور خودغرض کا کام نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کا کام ہے جس کے دل میں اس گورنمنٹ کی سچی خیرخواہی ہے۔ ہاں میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ میں نیک نیتی سے دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بھی مباحث کیا کرتا ہوں کہ جبکہ بعض پادریوں اور عیسائی مشنریوں کی تحریر نہائت سخت ہوگئی اور حداعتدال سے بڑھ گئی اور بالخصوص پرچہ نورافشاں میں جو ایک عیسائی اخبار لدھیانہ سے نکلتا ہے نہائت گندی تحریریں شائع ہوئیں اور ان مبلغین نے ہمارے نبی ﷺ کی نسبت نعوذ باللہ ایسے الفاظ استعمال کئے کہ یہ شخص ...... تھا اور لوٹ مار اور خون کرنا اس کا کام تھا۔ تو مجھے ایسی کتابوں اور اخباروں کے پڑھنے سے یہ اندیشہ دل میں پیدا ہوا کہ مبادا مسلمانوں کے دلوں پر جو ایک جوش رکھنے والی قوم ہے ان کلمات کا کوئی سخت اشتعال دینے والا اثر پیدا ہو۔ تب میں نے ان جوشوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنی صحیح اور پاک نیت سے یہی مناسب سمجھا کہ اس عام جوش کو دبانے کے لئے یہی حکمت عملی ہے کہ ان تحریرات کا کسی قدر سخت جواب دیا جائے تاکہ سریع الغضب انسانوں کے جوش فرو ہوجائیں۔ اور ملک میں کوئی بدامنی پیدا نہ ہو تب میں نے بمقابل ایسی کتابوں کے جن میں کمال سختی سے بدزبانی کی گئی تھی چند ایسی کتابیں لکھیں جن میں بالمقابل سختی تھی کیونکہ میرے کانشنس نے قطعی طور سے مجھے فتوی دیا کہ اسلام میں جو بہت سے وحشیانہ جوش رکھنے والے آدمی موجود ہیں ان

کے غیض وغضب کی آگ بجھانے کے لئے یہ طریق کافی ہوگا.... سو مجھ سے پادریوں کے مقابل پر جو کچھ وقوع میں آیا یہی ہے کہ حکمت عملی سے بعض وحشی مسلمانوں کو خوش کیا گیا اور میں دعوی سے کہتا ہوں کہ میں تمام مسلمانوں سے اول درجے کا خیر خواہ گورنمنٹ انگریز کا ہوں کیونکہ مجھے تین باتوں نے خیر خواہی میں اول درجے پر بنا دیا ہے۔اول والد مرحوم کے اثر نے۔ دوسرا اس گورنمنٹ عالیہ کے احسانوں نے۔ تیسرے خدا تعالی کے الہام نے۔

(تریاق القلوب۔ص ۔۳۶۳۔ ۳۶۵ ۔خزائن ج ۱۵)

دوسری طرف عیسائیوں کے خلاف اسلام اور مسیحیت مولانا ثناء اللہ نے لکھی جو اتنی عمدہ تالیف ہے کہ نواب مانگرول نے آپ کو خط لکھا۔ پھر آپ نے حق پر کاش لکھی۔ آپ نے ترک اسلام اور تغلیب الاسلام لکھی۔ آپ نے دھرم پال کا منہ بند کیا۔آپ نے مقدس رسول ﷺ لکھی۔آپ نے آریہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے مناظرے کئے۔ مرزا صاحب نے تو مناظروں اور مباہلوں کی شرائط طے کرنے میں ہی ساری عمر گنوا دی۔ اور جب ایک عیسائی سے مناظرہ کیا تو اس طرح عاجز آ گئے کہ انہیں دلائل کی گٹھری بند کر کے الہامی پٹاری کھولنا پڑا اور مخالف کی موت کی پیش گوئی کر کے مباحثہ ختم دیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ شخص مدت معینہ میں نہ مرا تو سارے ملک میں عیسائیوں نے مرزا صاحب اور قادیانیت کی شکست پر مسرت ظاہر کرنے کے لئے جلوس نکالے۔

اور خدا تعالی کیوں کسی کا شکر گزار ہوگا؟ خدا تعالی تو اس کائنات کی سب بڑی اتھارٹی ہے۔ وہ صمد یعنی بے نیاز ہے۔اور کسی فانی انسان کی معراج یہ ہے کہ اسے اس لازوال اتھارٹی کے حضور باریابی کا شرف حاصل ہو جائے۔ اور شکر گذار تو وہ ہوگا جسے خدا تعالی اپنے دین پر حملہ آوروں سے مدافعت کی توفیق عطا فرما کر اس کے اوقات اور مساعی کو اپنے دین کی حفاظت کے لئے قبول کر لے۔

☆ مرزا صاحب نے اپنا ایک الہام یوں بیان کیا ہے

ولو کان الایمان معلقاً بالثریا لنا لہ۔ اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو وہ وہیں جا کر اس کو لے لیتا (حقیقۃ الوحی ص ۷۷)۔ اور کہتے ہیں کہ پھر وہ (خدا) ایک اور وحی میں میری نسبت فرماتا ہے لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنا لہ رجل من فارس

۔یعنی اگر ایمان ثریا کے ساتھ معلق ہوتا تو ایک فارسی الاصل انسان وہاں بھی اس کو پا لیتا۔

اس فقرے میں مرزا صاحب کی طرف اشارہ کہاں سے آ گیا۔اور ایمان کہاں گم تھا کہ مرزا صاحب اسے کہیں سے ڈھونڈ کر لے آئے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ جو وہ خود بیان کیا کرتے تھے اور جس پر ان کے بقیہ دعاوی کا مدار بھی تھا وہ وفات مسیح کا عقیدہ ہے ۔اگر اس عقیدے کا کہیں سے کھوج نکالنا ثریا سے ایمان کی بازیافت کے مترادف تھا تو یہ عقیدہ مرزا صاحب سے پہلے سر سید احمد خان صاحب کا بھی تھا۔مرزا صاحب کا کمال کیا ہوا؟

☆ مرزا صاحب کہتے کہ

پھر اپنی ایک اور وحی میں (خدا) مجھ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے خذوا التوحید خذوا التوحید یا ابناء الفارس یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ان تمام کلمات الہیہ سے ثابت ہے کہ اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ۔نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا..بہرحال جو کچھ خدا نے ظاہر فرمایا ہے وہی درست ہے انسان ایک ادنی سی لغزش سے غلطی میں پڑ سکتا ہے مگر خدا سہو اور غلطی سے پاک ہے ۔ (حاشیہ ص ۸۰ ۔۸۱ حقیقہ الوحی)۔

خذوا والی وحی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے شخص یا اشخاص سے خطاب ہے جو توحید سے دور ہو چکے ہیں اور شرک میں مبتلا ہیں ۔کیا مرزا صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ شرک میں مبتلا تھے کہ خدا نے انہیں شرک سے اجتناب اور توحید پر اثبات کا حکم دیا ہے۔ اور اگر اس وحی کے ترجمے سے مرزا صاحب کو نکال دیا جائے تو یہ ایک عام خطاب ہے ان فارسی الاصل لوگوں کو جو شرک میں مبتلا ہیں ۔اللہ تعالی انہیں تنبیہ کر کے فرماتے ہیں کہ صحیح راستے پر آ جاؤ۔اس وحی سے تو مرزا صاحب کا فارسی الاصل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اس الہام کو تسلیم کر لیا جائے تو اس الہام کے بعد سے مرزا صاحب برلاسی مغل نہیں تھے بلکہ فارسی الاصل تھے۔ پھر ان کے بیٹے نے وائسرائے کو دیئے ہوئے ایڈریس میں اپنے آپ کو برلاسی مغل کیوں کہا؟ گویا انہوں نے اللہ کے دئے ہوئے علم کے بعد اس کا خلاف کیا یعنی وہ کفر سے ملوث ہوئے اور انہوں نے مرزا صاحب کی تردید بھی کی کہ ابا جان آپ غلط کہتے ہیں کہ آپ فارسی ہیں ۔ ہم تو برلاسی مغل ہی ہیں ۔اور ہمیں اس بات پر اعتبار نہیں کہ خدا نے آپ کو اس کے برخلاف کچھ بتایا ہوا ہے ۔

☆ مرزا صاحب کے حسب نسب پر ان کی کچھ اور تحریریں بھی آپ کی ضیافت طبع کے لئے یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔ فرماتے ہیں

میں نے اپنے آباء واجداد کی سوانح کی کتابوں میں پڑھا ہے اور نیز اپنے والد صاحب سے سنا ہے کہ میرے آباء واجداد مغل نسل سے تھے۔ لیکن اللہ تعالی نے مجھ پر وحی کی ہے کہ وہ ترک نہیں تھے۔ بلکہ بنو فارس میں سے تھے اور میرے رب نے یہ بھی خبر دی ہے کہ میری دادیاں بنو فاطمہ اور ایک بنت نبوت میں سے تھیں۔ تو اللہ تعالی نے کمال حکمت مصلحہ سے اسحٰق و اسماعیل کی نسل جمع کر دی۔

(ترجمہ الاستفتا۔ ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۷۷)

. ہماری قوم مغل برلاس ہے اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔

(کتاب البریہ ص ۳۴)۔

. یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے۔ کوئی تذکرہ ہمارے خاندان کی تاریخ میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ وہ بنی فارس کا خاندان تھا۔ ہاں بعض کاغذات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ ہماری بعض دادیاں شریف اور مشہور سادات میں سے تھیں۔ اب خدا کے کلام سے معلوم ہوا کہ دراصل ہمارا خاندان فارسی خاندان ہے۔ اس لئے ہم اس پر پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ خاندانوں کی حقیقت جیسی کہ اللہ تعالی کو معلوم ہے کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں

(اربعین نمبر۲ حاشیہ ص ۱۷)۔

میرے پاس فارسی ہونے کے لئے بجز الہام الہی کے اور کچھ ثبوت نہیں .

(تحفہ گولڑویہ ص ۲۹)

. اس پیش گوئی کو شیخ محی الدین ابن عربی نے بھی اپنی کتاب خصوص میں لکھا ہے کہ وہ چینی الاصل ہوگا۔ حاشیہ۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اس کے خاندان میں ترک کا خون ملا ہوا ہوگا۔ ہمارا خاندان جو اپنی شہرت کے لحاظ سے مغلیہ خاندان کہلاتا ہے اس پیش گوئی کا مصداق ہے کیونکہ اگرچہ سچ وہی ہے جو خدا نے فرمایا ہے کہ یہ خاندان فارسی الاصل ہے مگر یہ تو یقینی اور مشہور و محسوس ہے کہ اکثر مائیں اور

دادیاں ہماری مغلیہ خاندان سے ہیں اور وہ چینی الاصل ہیں۔یعنی چین کی رہنے والی

(حقیقۃ الوحی ص ۲۰۰)

.ایک حدیث سے جو کنز العمال میں موجود ہے سمجھا جاتا ہے کہ فارس یعنی بنو فارس بنی اسحاق میں سے ہیں۔پس اس طرح پر وہ آنے والا مسیح اسرائیلی ہوا۔اور بنی فاطمہ کے ساتھ امہاتی تعلق رکھنے کی وجہ سے جیسا کہ مجھے حاصل ہے فاطمی بھی ہوا۔ پس گویا وہ نصف اسرائیلی ہوا اور نصف فاطمی ہوا۔ جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔ ہاں میرے پاس فارسی ہونے کے لئے بجز الہام الٰہی کے اور کچھ ثبوت نہیں .

(خزائن جلد ۱۷ تحفہ گولڑویہ ص ۱۱۶)

. یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک دادی ہماری شریف سادات سے اور بنی فاطمہ میں سے تھی۔اس کی تصدیق آنحضرت ﷺ نے بھی کی اور خواب میں مجھے فرمایا کہ سلمان منا اہل البیت علی مشرب الحسن ۔ (تذکرہ ص ۳۸۳)۔

مرزا صاحب نے کسی دادی کا نام نہیں بتایا اور ایک دادی کو دوسری جگہ دادیاں بنا دیا۔لیکن کہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ دادی یا دادیاں کس کس دادا اور پڑ دادا کی بیویاں تھیں ۔

. اور (میرے) بنی فاطمہ ہونے میں یہ الہام ہے الحمد للہ الذی جعل لکم الصھر و النسب اشکر نعمتی رئیت خدیجتی ۔یعنی تمام حمد اور تعریف اس خدا کے لئے جس نے تمہیں فخر دامادی سادات اور فخر علو نسب جو دونوں مماثل اور مشابہ ہیں عطا فرمایا۔یعنی تمہیں سادات کا داماد ہونے کی فضیلت عطا کی اور نیز بنی فاطمہ امہات میں سے پیدا کر کے تمہارے نسب کو عزت بخشی۔ اور میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو پایا۔ یعنی بنی اسحاق کی وجہ سے ایک تو آبائی عزت تھی اور دوسری بنی فاطمہ ہونے کی عزت اس کے ساتھ ملحق ہوئی ۔ اور سادات کی دامادی کی طرف اس عاجز کی بیوی کی طرف اشارہ ہے ۔(حاشیہ۔ اس الہام سے ایک لطیف استدلال میرے بنی فاطمہ ہونے پر پیدا ہوتا ہے کیونکہ صہر اور نسب اس الہام میں ایک ہی جعل کے نیچے رکھے گئے ہیں اور ان دونوں کو قریبا ایک ہی درجہ کا قابل حمد ٹھہرایا گیا ہے۔اور یہ صریح دلیل اس بات پر ہے کہ جس طرح صہر یعنی دامادی کو بنی فاطمہ سے تعلق ہے اسی طرح نسب میں بھی فاطمیت کی آمیزش والدات کی طرف سے ہے اور

صہر کو نسب پر مقدم رکھنا اسی فرق کو دکھلانے کے لئے ہے کہ صہر میں خالص فاطمیت ہے اور نسب میں اس کی آمیزش)۔ (تحفہ گولڑویہ خزائن ج ۱۷ص ۱۱۷)

. میں اپنے خاندان کی نسبت کئی دفعہ لکھ چکا ہوں کہ وہ ایک شاہی خاندان ہے ۔اور بنی فارس اور بنی فاطمہ کے خون سے ایک معجون مرکب ہے یا شہرت عام کے لحاظ سے یوں کہو کہ وہ خاندان مغلیہ اور خاندان سیادت سے ایک ترکیب یافتہ خاندان ہے ۔مگر میں اس پر ایمان لاتا اور اسی پر یقین رکھتا ہوں کہ ہمارے خاندان کی ترکیب بنی فارس اور بنی فاطمہ سے ہے کیونکہ اسی پر الہام الٰہی کے تواتر نے مجھے یقین دلایا ہے اور گواہی دی ہے . (تریاق القلوب۔ خزائن ج ۱۵ ص ۲۸۶۔۲۸۷)

. ان تمام کلمات الہیہ سے ثابت ہے کہ اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ۔ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا اور جیسا کہ ہمیں اطلاع دی گئی میرے خاندان کا شجرہ نسب اس طرح پر ہے کہ میرے والد کا نام میرزا غلام مرتضیٰ تھا...معلوم ہوتا ہے کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی زمانہ میں بطور خطاب کے ان کو ملا تھا جس طرح خان کا نام بطور خطاب دیا جاتا ہے۔ بہرحال جو کچھ خدا نے ظاہر فرمایا ہے وہی درست ہے انسان ایک ادنی سی لغزش سے غلطی میں پڑ سکتا ہے مگر خدا سہو اور غلطی سے پاک ہے (حاشیہ حقیقۃ الوحی ۔خزائن ج ۲۲ ص ۸۱)

اور اسی جگہ ایک اور حاشیہ میں فرماتے ہیں . میرے خاندان کی نسبت ایک اور وحی الٰہی ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا میری نسبت فرماتا ہے سلمان منا اہل البیت ترجمہ۔سلمان یعنی یہ عاجز جو دو صلح کی بنیاد ڈالتا ہے ہم میں سے ہے جو اہل بیت ہیں ۔ یہ وحی الٰہی اس مشہور واقعہ کی تصدیق کرتی ہے جو بعض دادیاں اس عاجز کی سادات میں سے تھیں اور دو صلح سے مراد یہ ہے کہ خدا نے ارادہ کیا ہے کہ ایک صلح میرے ہاتھ سے اور میرے ذریعہ سے اسلام کے اندرونی فرقوں میں ہو گی اور بہت کچھ تفرقہ اٹھ جائے گا ۔اور دوسری صلح اسلام کے بیرونی دشمنوں کے ساتھ ہو گی کہ بہتوں کو اسلام کی حقانیت کی سمجھ دی جائے گی اور وہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے تب خاتمہ ہوں۔

(حاشیہ حقیقۃ الوحی ۔ خزائن ج ۲۲ص ۸۱)

اور لکھا ہے کہ

. دوسرا سوال ان (ایک سائل) کا اس امر پر تھا کہ آپ نے مسیح موعود لکھا ہے کہ وہ قریش میں سے نہیں اور پھر بعض جگہ لکھا ہے کہ وہ قریشی ہے۔ اس کی مطابقت کیونکر ہو۔ فرمایا (مرزا صاحب نے) مسیح موعود کو جس طرز پر ہم کہتے ہیں کہ وہ قریش میں سے نہیں وہ اس اعتبار سے نہیں جیسے قریش ہیں۔ اہل فارس کو رسول اللہ نے قریش میں سے ٹھہرایا ہے اور میرا الہام بھی ہے سلمان منا اہل البیت۔ اسی نام سے مجھے اہل بیت میں داخل کیا ہے۔ داخل کرنا اور بات ہے اور ہونا اور۔ یہ آنحضرت ﷺ کا اختیار ہے۔ اہل فارس کو آنحضرت ﷺ نے اہل بیت اور قریش میں سے ٹھہرایا ہے۔ اس لئے میں رسول اللہ ﷺ کے اعلام سے قریش اور اہل بیت ہوں.

(ملفوظات ص ۱۳۵ ج ۴)

اس میں کسی نانی دادی کا ذکر نہیں۔ صرف الہامی وجہ بیان فرمائی کی رسول اللہ نے میرا نام سلمان رکھ کر اہل بیت میں داخل کیا۔ لیکن مرزا صاحب نے کبھی عام خط و کتابت یا اشتہارات یا تقاریر میں اپنے آپ کو سلمان کدعی نہیں لکھا۔ نہ ایسا کہا نہ کہلوایا۔ یعنی انہیں رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا نام پسند نہیں۔ اور مرزا کا لفظ ساری عمر انہیں مرغوب رہا جس کے متعلق خود ان کے الہام نے بتا دیا تھا کہ وہ مرزا نہیں، بلکہ بنی فاطمہ یعنی سید ہیں۔ اور اگر کسی نے انہیں یا ان کے خاندان کو مرزا بنا دیا ہے یا مشہور کر دیا ہے تو یہ غلط ہے۔ اور جب الہامی طور پر ایک غلطی کی اصلاح کر دی جائے تو پھر اس پر جمے رہنے کا مطلب یا تو یہ ہوسکتا کہ اس الہام پر اعتبار نہیں۔ یا یہ ہوسکتا ہے کہ اس الہام کی پرواہ نہیں، ہم تو مرزا ہی رہیں گے۔ دونوں صورتیں مرزا صاحب کے لئے زہر قاتل ہیں کیونکہ دونوں صورتیں ان کا اپنے الہام پر عدم ایمان کا مظہر ہیں۔

اور حدیث میں صرف سلمان کو اہل بیت میں داخل کیا گیا ہے سارے فارسیوں کو نہیں اگر سارے فارسی اہل بیت میں داخل ہیں تو سارا ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش ان فارسیوں کی اولاد سے بھرا ہوا ہے جو ہمایوں کے ساتھ اور اس سے پہلے اور اس کے بعد ایران سے آکر ہندوستان میں آباد ہوکر یہاں شادیاں کر کے مقامی اور افغانی اور ترک اور دیگر نسلوں کے مسلمانوں کی رگوں میں فارسی خون داخل کر کے انہیں بھی اسی طرح فارسی بناتے رہے جس طرح مرزا صاحب اپنے طویل شجرہ نسب میں کسی مجہول الاسم دادی کو

سادات میں شمار کر کے خود فاطمی بنے ہوئے ہیں۔

جس طریق سے مرزا صاحب خود کو بنی فاطمہ کہتے ہیں اس حساب سے تو دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں بنی فاطمہ ہوں گے۔ کیونکہ سید خواتین کی شادیاں شروع سے ہی غیر سید گھرانوں میں ہوتی آئی ہیں۔ حتی کہ حضرت فاطمہ کی بیٹی ام کلثوم کی پہلی شادی حضرت عمر سے ہوئی۔ پھر حضرت حسین کی بیٹی سکینہ کی شادی غیر سیدوں میں ہوئی۔ اور معاملہ آگے چلاتے جائیں تو شائد ہی کوئی مسلمان فیملی ہو جس میں سادات کے خون کی آمیزش نہ ہو۔ مرزا صاحب کا اختصاص کیا ہوا؟

اور یہ تو مرزائیوں کو بھی پتہ ہوگا کہ اموی دور میں سادات گھرانوں کی لڑکیوں کی شادیاں اموی گھرانوں میں ہوتی رہی ہیں۔ یوں بہت سے اموی شہزادے اور امراء ان لڑکیوں کے بطن سے پیدا ہو کر مرزا صاحب کی طرح بنی فاطمہ ہو گئے تھے۔

اور جو لوگ مسلمانوں کی تاریخ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت دراصل اموی خاندان کی سلطنت تھی۔ جب عباسیوں نے امویوں کا دمشق میں قتل عام کیا تو جو اموی شہزادے بچ نکلے انہوں نے اندلس ہی کا رخ کیا تھا۔ اور وہاں ایک مستحکم حکومت قائم کر لی جو کئی صدیاں موجود رہی۔ اس اموی خاندان کے تعلقات اسپین کے عیسائیوں سے بھی رہے۔ ان تعلقات کے نتیجے میں اموی خون (جو سادات خواتین کے خون کی آمیزش کی وجہ مرزا برانڈ بنی فاطمہ کا خون بھی ہے) یورپ کے عیسائی معاشرے میں بھی داخل ہوا۔ ان حالات میں مرزا صاحب کی کیا خصوصیت باقی رہی؟

☆ اور حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب فرماتے ہیں

آسمان سے کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۲)

سب تختوں سے اوپر مرزا صاحب کا تخت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا تخت حضرت ابراہیم سے بھی اونچا ہے۔ حضرت موسی سے بھی اونچا ہے۔ حضرت عیسی سے بھی اونچا ہے۔ حضرات داؤد اور سلیمان سے بھی اونچا ہے۔ حضرت ابوبکر سے بھی اونچا ہے۔ حضرت علی سے بھی اونچا ہے۔ حضرت حسین سے بھی اونچا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ سے بھی اونچا ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی سے بھی اونچا ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ سے

بھی اونچا ہے ۔ نعوذ باللہ ۔ یہ تو مرزا صاحب کے تخت کا حال تھا ادھران کی جیب بھی اتنی بڑی تھی کہ کہا کرتے تھے

صد حسین است در گریبانم (درثمین)

کہ حسین جیسے سینکڑوں میری جیب میں ہیں ۔ یا سینکڑوں حسین میری جیب میں ہیں ۔

☆ مرزا صاحب اپنا ایک الہام حقیقۃ الوحی میں یوں بیان کرتے ہیں

قرب اجلک المقدر ۔ ان ذا العرش یدعوک ۔ و لا نبقی لک من المخزیات شیئاً ۔ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں..... جاء وقتک ۔ و نبقی لک الآیات باہرات ۔ جاء وقتک و نبقی لک الآیات بینات ۔ ترجمہ ۔ اب تیرا وقت موت قریب آ گیا ۔ ذوالعرش تجھے بلاتا ہے اور ہم تیرے لئے کوئی رسوا کنندہ امر نہیں چھوڑیں گے ۔ تیرے رب کا وعدہ کم رہ گیا ہے اور ہم تیرے لئے کوئی امر رسوا کنندہ نہیں چھوڑیں گے ۔ زندگی کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں ۔ تیرا وقت آ گیا ہے اور ہم تیرے لئے روشن نشان چھوڑیں گے ۔ تیرا وقت آ گیا ہے اور ہم تیرے لئے کھلے نشان باقی رکھیں گے ۔ (حقیقۃ الوحی ۔ ص ۱۱۰ ۔ ۱۱۱)

اس الہام سے ملتا جلتا مرزا صاحب کا ایک الہام الوصیت میں بھی ہے اور ہم نے وہاں اس پر کچھ بحث کی ہے ۔ یہاں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ روشن اور کھلے نشان کون سے ہیں جو مرزا صاحب کے الہام کنندہ نے ان کی سچائی ثابت کرنے کے لئے آپ کی موت کے بعد عوام کے لئے چھوڑے ہیں

مرزا صاحب کہتے تھے کہ وہ پادریوں کو قتل کریں گے ۔ لیکن پادری اسی طرح موجود اور دندناتے پھرتے ہیں ۔

مرزا صاحب کہتے تھے کہ مسیح موعود کے زمانے میں جملہ اقوام ایک ہو کر وحدت قومی ظہور میں آئے گی ۔ لیکن دنیا آج بھی بے شمار اقوام اور ادیان سے بھری پڑی ہے اور قادیانی مسیح کی اپنی امت ایک حقیر اقلیت کی حیثیت رکھتی ہے ۔

اور مرزا صاحب نے کہا تھا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ریل بن رہی ہے ۔ جب بن جائے گی تو میرا نشان ہوگی ۔ مدینہ سے مکہ تک ریل بننے کی نوبت ایک سو سال گزرنے کے بعد بھی نہیں آئی ۔ لیکن دمشق سے مدینہ کے راستے میں کہیں کہیں اکھڑی ہوئی ریلوے

لائن (پٹری) اور اجڑے ہوئے ریلوے سٹیشنوں کے کھنڈرات مرزا صاحب کے کذب کے نشان بنے ہوئے ہیں۔

☆ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کا ایک الہام ہے اذا غضبت غضبت جس پر تو غضبناک ہوتا ہے میں غضبناک ہوتا ہوں۔ مرزا صاحب کے لٹریچر پر نظر رکھنے والوں پر یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ آپ عبدالحق غزنوی پر غضب ناک رہتے تھے۔ عبدالجبار غزنوی پر غضب ناک رہتے تھے۔ مولانا احمداللہ امرتسری پر غضب ناک رہتے تھے مولانا ثناء اللہ امرتسری پر غضب ناک رہتے تھے۔ قاضی سلیمان منصور پوری پر غضب ناک رہتے تھے۔ پیر مہر علی شاہ پر غضب ناک رہتے تھے۔ لیکن ہم نہیں جانتے کہ مرزا صاحب کے غضب کی ہم نوائی میں ان کے الہام کنندہ نے ان لوگوں پر کیا غضب ڈھایا۔

☆ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کا ایک الہام یوں ہے یظہرک اللہ و یثنی علیک۔ لولاک لما خلقت الافلاک خدا تجھے غالب کریگا اور تیری تعریف لوگوں میں شائع کر دیگا۔ مرزا صاحب کو مرے ہوئے ایک صدی گذرنے کو ہے۔ ابھی تک مسلمانوں میں ان کا وجود قابل نفرت گردانا جاتا ہے۔ ان کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ دن بدن ان کے کذاب ہونے کا عقیدہ پختہ تر ہوتا جاتا ہے۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ

. ملک ہند میں کرشن نام ایک نبی گذرا ہے.. اس کا نام بھی مجھے دیا گیا ہے۔ پس جیسا کہ آریہ قوم کے لوگ کرشن کے ظہور کا ان دنوں انتظار کرتے ہیں وہ کرشن میں ہی ہوں. (تتمہ حقیقۃ الوحی خزائن ج ۲۲ ۔ ص ۵۲۱)

پھر کتنے ہندوؤں نے آپ کو کرشن تسلیم کر کے مرزائیت کا دائرہ وسیع کیا؟

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

'میں نے اپنے رسالہ انجام آتھم میں بہت سے مخالف مولویوں کا نام لے کر مباہلہ کی طرف ان کو بلایا تھا۔ اور صفحہ ۶۶ رسالہ مذکور میں یہ لکھا تھا کہ اگر کوئی ان میں سے مباہلہ کرے تو میں یہ دعا کرونگا کہ ان میں سے کوئی اندھا ہو جائے اور کوئی مفلوج اور کوئی دیوانہ۔ اور کسی کی موت سانپ کے کاٹنے سے ہو اور کوئی بے وقت موت سے مر جائے اور کوئی بے عزت ہو اور کسی کو مال کا نقصان پہنچے۔ پھر اگرچہ تمام مخالف

مولوی مرد میدان بن کر مباہلہ کے لئے حاضر نہ ہوئے مگر پس پشت گالیاں دیتے رہے۔ اور تکذیب کرتے رہے۔ چنانچہ ان میں سے رشید احمد گنگوہی نے صرف لعنۃ اللہ علی الکاذبین نہیں کہا بلکہ اپنے ایک اشتہار میں مجھے شیطان کے نام سے پکارا۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام بالمقابل مولویوں میں سے جو باون (۵۲) تھے آج تک صرف بیس زندہ ہیں اور وہ بھی کسی نہ کسی بلا میں گرفتار۔ باقی سب فوت ہو گئے۔ مولوی رشید احمد اندھا ہوا۔ پھر سانپ کے کاٹنے سے مر گیا جیسا کہ مباہلہ کی دعا میں تھا۔ مولوی شاہ دین دیوانہ ہو کر مر گیا۔ مولوی غلام دستگیر خود اپنے مباہلہ سے مر گیا۔ اور جو زندہ ہیں وہ بھی آفات متذکرہ بالا سے خالی نہیں۔ حالانکہ انہوں نے مسنون طور پر مباہلہ نہیں کیا تھا'۔ (روحانی خزائن ج ۲۲ حقیقت الوحی ص ۳۱۳)

سوال یہ ہے کہ کیا حقیقۃ الوحی کی تصنیف کے وقت مولانا امرتسری بیمار تھے یا کسی بلا میں گرفتار تھے؟ مولانا ثناء اللہ سے تو ان دنوں مباہلے کی بات چل رہی تھی اور مولانا کہہ رہے تھے کہ سچے ہو تو آؤ۔ مباہلہ کرو اور بتاؤ کہ مجھ پر کس قسم کا عذاب نازل ہوگا۔ اور دوسری جانب مرزا صاحب تاویلوں کے پردے میں چھپتے پھر رہے تھے۔ کیا مولانا بٹالوی اور مولانا عبدالحق اور مولانا عبدالجبار اور مولانا احمد اللہ (سوائے ایسے عوارض کے جو ضعیف العمر لوگوں کو قدرتی طور پر ہوتے ہیں) کسی بیماری یا آفت میں مبتلا تھے؟ اور اگر مرنے والے مرزا صاحب کی سچائی کی دلیل تھے تو اشتہار مباہلہ ۱۸۹۶ء کے مخاطبین میں سے زندہ لوگ مرزا صاحب کے کذب کی دلیل ہونا چاہیں تھے۔ چلو رشید احمد گنگوہی جھوٹا۔ غلام دستگیر ھی جھوٹا کہ وہ مرزا صاحب کی زندگی میں (بغیر مباہلہ کے مر گئے تھے)، دوسری طرف مرزا صاحب بھی جھوٹے ہو گئے کہ نہ صرف حقیقۃ الوحی کی تصنیف ار بعد میں مرزا کی موت کے وقت بھی مولانا ثناء اللہ اور مولانا بٹالوی اور مولانا عبدالحق غیرہ زندہ تھے۔

☆ اور حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب، عبدالحکیم کے متعلق لکھتے ہیں

'ہر ایک کو سوچنا چاہیے کہ اس شخص کی حالت ایک مخبط الحواس انسان کی ہے کہ ایک کھلا کھلا تناقض اپنے کلام میں رکھتا ہے' (حقیقت الوحی۔ خزائن ج ۲۲ ص ۱۹۱

اب مرزا صاحب کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں

'اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کو خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضہ کمال کیلئے مہر دی جو

کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ہے۔یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی روحانی توجہ نبی تراش ہے۔اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔یعنی معنی اس حدیث کے یہ ہیں کہ 'علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل' یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہونگے۔اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے مگر ان کی نبوت حضرت موسی کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وہ نبوتیں براہ راست خدا کی ایک موہبت تھیں۔ حضرت موسی کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ دخل نہ تھا۔اس وجہ سے میری طرح ان کا یہ نام نہ ہوا کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔بلکہ وہ انبیاء مستقل نبی کہلائے۔اور براہ راست ان کو منصب نبوت ملا' (حقیقت الوحی ص ۱۰۰ خزائن ج ۲۲ حاشیہ)

اور ایک دوسری جگہ مرزا صاحب کا ایک قول یوں درج ہے

'حضرت موسی علیہ السلام کی اتباع سے ان کی امت میں ہزاروں نبی ہوئے'

(الحکم مورخہ ۲۴۔نومبر ۱۹۰۲ء ص ۵ کالم ۶)

قول اول میں حضرت موسی کے اتباع سے نبی بننے سے انکار ہے اور قول دوم میں اقرار ہے۔ کلام میں تناقض اور کسے کہتے ہیں؟ اور مخبوط الحواس کون ہوا؟

تحفہ گولڑویہ میں ص ۲۹۲ پر دانیال نبی کی پیش گوئی کو اپناتے ہوئے لکھا ہے ..

اس وقت بارہ سونوے دن ہوں گے۔مبارک ہے جو انتظار کیا جائے گا اور اپنا کام محنت سے کرے گا۔اور تیرہ سو پینتیس روز تک (حاشیہ از مرزا۔اس فقرہ میں دانیال نبی بتلاتا ہے کہ اس نبی آخرالزمان کے ظہور سے (جو محمد ﷺ ہے) جب بارہ سونوے برس گذر جائیں گے تو وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا۔اور تیرہ سو پینتیس تک اپنا کام چلائے گا۔یعنی چودھویں صدی میں سے پینتیس برس برابر کام کرتا رہے گا۔ (تحفہ گولڑویہ ص۔خزائن ج ۱۷ ص ۲۵۸) یعنی اپنے مامور ہونے کا سال ۱۲۹۰ھ بتایا ہے۔اربعین نمبر ۳ کے میں لکھتے ہیں ۔یہ دعوی من جانب اللہ ہونے اور مکالمات الہیہ کا تقریبا تیس برس سے ہے ۔اور اکیس برس سے براہین احمدیہ شائع ہے (اربعین ۳، خزائن ۱۷ ص ۵۱) اس لحاظ سے وہ ۱۸۷۰ء کے عشرے میں مامور ہوئے۔اور نشان آسمانی میں لکھا ہے ۔ اس روز سے جو وہ

امام ملہم ہوکر اپنے تئیں ظاہر کرے گا چالیس برس تک زندگی کرے گا۔اب واضح رہے کہ یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لئے بالہام خاص مامور کیا گیا اور بشارت دی گئی کہ ۸۰ برس تک یا اس کے قریب تیری عمر ہے۔سو اس الہام سے چالیس برس تک دعوت ثابت ہوتی ہے جس میں سے دس برس کامل گذر بھی گئے۔دیکھو براہین احمدیہ ص ۲۳۸ (نشان آسمانی۔خزائن۔ج ۴ ص ۲۰) چونکہ نشان آسمانی جون ۱۸۹۲ء میں پہلی بار طبع ہوئی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے دعوی کو اس سے دس برس قبل ۱۸۸۲ء میں مامور ہونا بتاتے ہیں۔ان تینوں تحریروں میں تناقض ہے اور جو مرزا صاحب کے مخبوط الحواس ہونے کا ثبوت ہے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں

’ آخرانجام یہ ہوا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو صلیب پر چڑھائے جانے کے بعد خدا نے مرنے سے بچالیا۔اور ان کی وہ دعا منظور کرلی جو انہوں نے درد دل سے باغ میں کی تھی۔جیسا کہ لکھا ہے کہ جب مسیح کو یقین ہوگیا کہ یہ خبیث یہودی میری جان کے دشمن ہیں اور مجھے نہیں چھوڑتے تب وہ ایک باغ میں رات کے وقت جا کر زار زار رویا اور دعا کی کہ یا الٰہی اگر یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے تو تجھ سے بعید نہیں۔تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔اس جگہ عربی انجیل میں سے عبارت لکھی ہے ’ نبکی بدموع جاریة و عبرات متحدرة فسمع لتقواه)(یعنی یسوع مسیح اس قدر رویا کہ دعا کرتے کرتے اس کے منہ پر آنسو رواں ہو گئے اور وہ آنسو پانی کی طرح اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔اور وہ سخت رویا اور سخت دردناک ہوا۔تب اس کے تقوے کی وجہ سے اس کی دعا سنی گئی)۔ (تذکرة الشہادتین۔خزائن ج ۲۰ ص ۲۸۔۲۹)

اس کے خلاف مرزا صاحب کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

’ حضرت مسیح علیہ السلام نے ابتلاء کی رات میں جس قدر تضرعات کئے وہ انجیل سے ظاہر ہیں۔تمام رات حضرت مسیح جاگتے رہے اور جیسے کسی کی جان ٹوٹتی ہے غم و اندوہ سے ایسی حالت ان پر طاری تھی۔وہ ساری رات رو رو کر دعا کرتے رہے کہ وہ بلاء کا پیالہ جو ان کے لئے مقدر تھا ٹل جائے۔باوجود اس گریہ وزاری کے دعا پھر بھی منظور نہ ہوئی کیونکہ ابتلاء کے وقت دعا منظور نہیں ہوا کرتی ‘

(تبلیغ رسالت ج ا ص ۱۳۲ ۔ ۱۳۳)

ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں

آیت فلما توفیتنی سے پہلے یہ آیت ہے واذ قال اللہ یا عیسی ا انت قلت للناس ... الخ اور ظاہر ہے کہ قال کا صیغہ ماضی کا ہے اور اس کے اول میں اذ موجود ہے جو خاص واسطے ماضی کے آتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ وقت نزول آیت زمانہ ماضی کا ایک قصہ تھا، نہ کہ استقبال کا ' (ازالہ اوہام ج دوم ۔خزائن ج ۳ ص ۴۲۵)

دوسری جگہ رقم طراز ہیں کہ اس تمام آیت (اذ قال اللہ) کے اول و آخر کی آیتوں کے ساتھ یہ معنی ہیں کہ خدا قیامت کے دن حضرت عیسی علیہ السلام کو کہے گا کہ تو نے ہی لوگوں کو کہا تھا کہ ...الخ (نصرۃ الحق ص ۴۰) یعنی واقعہ مستقبل کا ہے۔

انجام آتھم میں جو ۲۲ جنوری ۱۸۹۷ء کو شائع ہوئی مرزا صاحب لکھتے ہیں

. مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مباہلہ کی دعوت پر اطلاع پا کر اپنے خط میں مولوی عبدالحق غزنوی کے مباہلہ کا ذکر کیا ہے شائد اس ذکر سے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مباہلہ سے عبدالحق پر کوئی بلا نازل نہ ہوئی اور نہ اس طرف کوئی نیک اثر ہوا ۔سو میں اس کو اور اس کے رفیقوں کو اطلاع دیتا ہوں کہ اول تو یہ بات صحیح نہیں کہ اس مباہلہ کے بعد عبدالحق کو کوئی واقعی ذلت نہ پہنچی ہو یا ہمیں کوئی واقعی عزت حاصل نہ ہو ئی ہو جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کروں گا۔ ماسوا اس کے وہ مباہلہ درحقیقت میری درخواست سے نہیں تھا اور نہ میرا اس میں یہ مدعا تھا کہ عبدالحق پر بددعا کروں۔ اور نہ میں نے بعد مباہلہ کبھی اس بات کی طرف توجہ کی۔ اس بات کو اللہ تعالی خوب جانتا ہے کہ میں نے کبھی عبدالحق پر بددعا نہیں کی اور اپنے دل کے جوش کو ہرگز اس طرف توجہ نہیں دیا. (انجام آتھم خزائن ج ۱۱ حاشیہ ۔ص ۳۰۴ ۔ ۳۰۵)۔

اور اس تحریر کے ساڑھے پانچ سال بعد مرزا صاحب نے نزول المسیح میں لکھا کہ

. صدہا مخالف مولویوں کو مباہلہ کے لئے بلایا تھا جن میں سے عبدالحق غزنوی میدان میں نکلا .

یعنی ایک تحریر میں کہتے ہیں کہ عبدالحق سے مباہلہ ان کی اپنی درخواست یا دعوت پر

نہیں تھا اور دوسری تحریر میں کہتے ہیں کہ انہوں نے صدہا علماء کو مباہلے کی دعوت دی تھی لیکن صرف ایک مولوی عبدالحق ان کی دعوت قبول کر کے میدان میں نکلا ۔ مرزا صاحب کی ان تحریروں میں تناقض ہے جو انہی کے بقول ان کے مخبوط الحواس ہونے کا نشان ہے ۔

☆ مرزا صاحب حقیقۃ الوحی میں کہتے ہیں .

اور دنیا میں کوئی نبی نہیں گذرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا ۔ سو جیسا کہ براہین احمدیہ میں خدا نے فرمایا ہے میں آدم ہوں ۔ میں نوح ہوں ۔ میں ابراہیم ہوں ۔ میں اسحاق ہوں ۔ میں یعقوب ہوں ۔ میں اسماعیل ہوں ۔ میں موسی ہوں ۔ میں داؤد ہوں ۔ میں عیسی بن مریم ہوں میں محمد ﷺ ہوں یعنی بروزی طور پر .... . پھر خدا نے کسر صلیب کے لئے میرا نام مسیح قائم رکھا تا جس صلیب نے مسیح کو توڑا تھا اور اس کو زخمی کیا تھا دوسرے وقت میں مسیح اس کو توڑے مگر آسمانی نشانوں کے ساتھ نہ انسانی ہاتھوں کے ساتھ ۔ کیونکہ خدا کے نبی مغلوب نہیں رہ سکتے ۔ سو سن عیسوی کی بیسویں صدی میں پھر خدا نے ارادہ فرمایا کہ صلیب کو مسیح کے ہاتھ سے مغلوب کرے .

(تتمہ حقیقۃ الوحی خزائن ج ۲۲ ص ۵۲۱) ۔

بیسویں صدی کا آغاز ۱۹۰۱ء سے ہوتا ہے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ بیسویں صدی میں خدا نے ارادہ فرمایا کہ صلیب کو مسیح کے ہاتھ سے مغلوب کرے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا گویا ۱۹۰۰ء سے پہلے مرزا صاحب کا مشن کسر صلیب نہیں تھا ۔ پھر آتھم سے مباحثے اور براہین احمدیہ کی تصنیف کا کیا مقصد تھا ؟ ہمیں تو مرزا صاحب یہی بتاتے رہے ہیں کہ عیسائیوں کو دلائل سے مغلوب کرنا ہی کسر صلیب ہے ۔ اور یہ دونوں کام (براہین احمدیہ کی تصنیف اور آتھم سے مناظرہ) آپ نے بزعم خود عیسائیوں کو مغلوب کرنے کے لئے ہی کئے تھے ۔ عیسائی ان سے مغلوب نہ ہو سکے ۔ نہ انیسویں صدی عیسوی میں نہ بیسویں صدی میں ۔ اور اب تو اکیسویں صدی چل رہی ہے ۔ اور عیسائیت آج بھی دنیا کا سب سے بڑا مذہب شمار ہوتا ہے ۔ یعنی مرزا صاحب کا مشن ابھی تک نامکمل ہے جبکہ مرزا صاحب عرصہ ہوا واپس جا چکے ہیں ۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ جب سچا مسیح آئے گا تو کسر صلیب بھی ہو جائے گا ۔

☆ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کہتے ہیں .

(میری کتاب) تریاق القلوب کے صفحہ ۱۵۷ میں لکھا ہے۔ اس جگہ کسی کو یہ وہم نہ گذرے کہ میں نے اس تقریر میں اپنے نفس کو حضرت مسیح پر فضیلت دی ہے۔ کیونکہ یہ ایک جزئی فضیلت ہے جو کہ غیر نبی کو نبی پر ہوسکتی ہے۔ پھر ریویو جلد اول نمبر ۶ صفحہ ۲۵۷ میں مذکور ہے خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس سے پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔ پھر ریویو صفحہ ۴۷۸ میں لکھا ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر مسیح ابن مریم میرے زمانے میں ہوتا تو وہ کام جو میں کرسکتا ہوں وہ ہرگز نہ کرسکتا۔ اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہورہے ہیں وہ ہرگز نہ دکھلا سکتا۔ خلاصہ یہ کہ (بعض لوگوں کے نزدیک میری) ان دونوں عبارتوں (تریاق اور ریویو کی عبارتوں) میں تناقض ہے۔ (لیکن) یاد رہے کہ اللہ تعالی خوب جانتا ہے کہ مجھے ان باتوں سے نہ کوئی خوشی ہے نہ کچھ غرض۔ کہ میں مسیح موعود کہلاؤں یا مسیح ابن مریم سے اپنے تئیں بہتر ٹھہراؤں۔ خدا نے میرے ضمیر کی اپنی پاک وحی میں آپ ہی خبر دی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے قل اجرد نفسی من ضروب الخطاب یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا تو یہ حال ہے کہ میں کسی خطاب کو اپنے لئے نہیں چاہتا۔ یعنی میرا مقصد اور میری مراد ان خیالات سے برتر ہے اور کوئی خطاب دینا یہ خدا کا فعل ہے میرا اس میں دخل نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ ایسا کیوں لکھا گیا اور کلام میں یہ تناقض کیوں پیدا ہوگیا۔ سو اس بات کو توجہ کر کے سمجھ لو کہ یہ اسی قسم کا تناقض ہے کہ جیسے براہین احمدیہ میں میں نے یہ لکھا تھا کہ مسیح ابن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔ مگر بعد میں یہ لکھا کہ آنے والا مسیح میں ہی ہوں۔ اس تناقض کا بھی یہی سبب تھا کہ اگرچہ خدا تعالی نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسی رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسول نے دی تھی مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا اور میرا بھی یہی اعتقاد تھا کہ حضرت عیسی آسمان سے نازل ہوں گے اس لئے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اسی کو براہین احمدیہ میں شائع کیا۔ لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی الہی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنے والا تھا وہ تو ہی ہے۔ اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے۔ اور زمین و آسمان دونوں میری تصدیق کے لئے

کھڑے ہو گئے۔ اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے آئے کہ آخری زمانہ میں آنے والہ مسیح میں ہی ہوں۔ ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔ اسی طرح اوائل میں میرا یہی عقیدہ تھا کہ مجھ کو مسیح ابن مریم سے کیا نسبت ہے۔ وہ نبی ہے اور خدا کے بزرگ مقربین میں سے ہے۔ اور اگر کوئی امر میری فضیلت کی نسبت ظاہر ہوتا تو میں اس کو جزئی فضیلت قرار دیتا تھا۔ مگر بعد میں جو خدا تعالی کی وحی بارش کی طرح مجھ پر نازل ہوئی اس نے مجھے اس عقیدے پر قائم نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب دیا گیا مگر اس طرح سے کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی۔ اور جیسا کہ میں نے نمونہ کے طور پر بعض عبارتیں خدا تعالی کی وحی کی اس رسالہ میں لکھی ہیں ان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم کے مقابل پر خدا تعالی میری نسبت کیا فرماتا ہے۔ میں خدا تعالی کی تئیس برس کی متواتر وحی کو کیونکر رد کر سکتا ہوں ... اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ مسیح ابن مریم آخری خلیفہ موسی علیہ السلام کا ہے اور میں آخری خلیفہ اس نبی کا ہوں جو خیر الرسل ہے۔ اس لئے خدا نے چاہا کہ مجھے اس سے کم نہ رکھے ..... خلاصہ یہ کہ میری کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ میں تو خدا تعالی کی وحی کی پیروی کرنے والہ ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعوی نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔ میں نہیں جانتا کہ خدا نے ایسا کیوں کیا۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵۳۔۱۵۴ خزائن ج ۲۲)۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا عیسی علیہ السلام جناب موسی کے خلیفہ ہیں؟ وہ تو خود صاحب شریعت نبی ہیں۔ اور اگر عیسی خلیفہ ہو کر بھی صاحب شریعت ہو سکتے ہیں تو کیا مرزا صاحب بھی صاحب شریعت ہیں؟ اور مرزا صاحب تو خلیفہ نہیں بلکہ بقول خود بروز محمد ہیں۔ خود محمد ﷺ ہیں اور ان کا تخت تو سب سے اونچا ہے۔ اور انہوں نے اپنے کلام اور عقائد میں تناقض کو رفع کرنے کے لئے حوالہ دیا ہے اپنی ہی براہین کا۔ کوئی ان پوچھے کہ اعتراض کرنے والے اگر مرزا صاحب کے مخالفین ہیں تو مرزا صاحب ہی کی کتاب سے دلیل کی ان کے نزدیک کیا حیثیت رکھتی ہے؟ کیا براہین مسلمانوں کے مسلمات میں سے

ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔

☆ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کا ایک الہام یوں ہے

انی احافظ کل من فی الدار اور میں ہر ایک کو جو اس گھر میں ہے نگہ میں رکھوں گا۔ (حقیقۃ الوحی ص ٧٦)۔ اس الہام پر کسی اور جگہ بات ہو چکی ہے۔

☆ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کا ایک الہام یوں ہے

یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ ۔ یا مریم اسکن انت و زوجک الجنۃ ۔ یا احمد اسکن انت و زوجک الجنۃ ۔اے آدم تو اور تیرے دوست بہشت میں داخل ہو۔اے مریم تو اور تیرے دوست بہشت میں داخل ہو۔اے احمد تو اور تیرے دوست بہشت میں داخل ہو۔ (حقیقہ الوحی ص ٧٩۔٨٠)

اس الہام پر کسی اور جگہ اس کتاب میں بحث ہو چکی ہے۔

☆ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کا ایک الہام یوں ہے

ادعونی استجب لکم ۔مجھ سے مانگو میں تمہیں دونگا

مرزا صاحب کی دعاؤں کے موضوع پر اس کتاب میں الگ سے بحث کی گئی ہے

☆ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کا ایک الہام یوں ہے

اطال اللہ بقائک اسی (٨٠) یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم ۔خدا تیری عمر دراز کرے گا۔اسی (٨٠) برس یا پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم (حقیقۃ الوحی ص ١٠٠)

مرزا صاحب کی عمر پر ہم الگ سے بحث کریں گے۔ انشاء اللہ

☆ اور حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب کہتے ہیں

. عرصہ بیس یا اکیس برس کا گذر گیا ہے۔کہ میں نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں چار لڑکے دوں گا جو عمر پاویں گے

(حقیقۃ الوحی ۔ ص ٢١٨)

اگر خدا نے چار لڑکوں کے عمر پانے کا وعدہ دیا تھا تو پھر صاحبزادہ مبارک احمد صاحب آٹھ سال کی عمر میں وفات کیوں پا گئے؟.

اور شائد اسی اعتراض سے بچنے کے لئے جنوری ١٩٠٣ء میں جب بیوی حاملہ تھی تو آپ نے ایک اور بیٹے کی پیش گوئی یوں فرمادی تھی

الحمد للہ الذی و ھب لی علی الکبر اربعۃ من البنین و بشر نی بخا مس سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے بڑھاپے میں مجھے چار لڑکے دیئے اور پانچویں کی بشارت دی۔ (مواہب الرحمٰن ص ۱۳۹)

اور ۲۸ جنوری ۱۹۰۳ء کولڑکی پیدا ہوئی۔ پھر مئی ۱۹۰۴ء میں جب بیوی پھر حاملہ تھی تو الہام شائع کیا

دخت کرام۔ شوخ وشنگ لڑکا پیدا ہوگا۔

(البشری ج ۲ ص ۹۱ بحوالہ بدر ۱۸ مئی ۱۹۰۴ء)

اس الہام کے ایک ماہ بعد ۲۴ جون ۱۹۰۴ء کو لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام امۃ الحفیظ رکھا (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۸)۔ مگر وہ شوخ و شنگ لڑکا نہ اس حمل سے اور نہ بعد میں پیدا ہوا

☆ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب نے لکھا

اور آنحضرت ﷺ کے نام کا مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں.

(حاشیہ حقیقۃ الوحی ۔خزائن ج ۲۲ ص ۷۶)۔

اور اس کی تشریح بالفاظ مرزا یوں ہے

۔ میں بموجب آئت و آخرین منھم لما یلحقوا بھم بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنخضرت ﷺ کا ہی وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ﷺ ہوں پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی یعنی بہر حال محمد ﷺ ہی نبی رہے نہ کوئی اور۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعوی کیا . (ایک غلطی کا ازالہ، اشتہار نمبر ۲۴۰، مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۴۳۱ تا ۴۴۲)۔

اس عبارت کو ہم بلا تبصرہ چھوڑتے ہیں۔

بشیر اول

۱۸۸۶ء مرزا غلام احمد صاحب نے پیش گوئی کے عنوان سے ایک اشتہار شائع کیا اور اس میں لکھا

. بالہام اللہ تعالی واعلامہ عزوجل خدائے رحیم وکریم بزرگ و برتر نے جو ہر چیز پر قادر ہے (جل شانہ و عزاسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایہ قبولیت جگہ دی اور تیرے سفر کو (جو ہشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا کہ وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجے سے نجات پاویں اور جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آ جائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد ﷺ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جاوے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک ذکی غلام تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ اور

عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت اورغیوری نے اسے کملہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین اور فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری سے پر کیا جائے گا اور وہ تین کو چار کرنے والہ ہوگا (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے)۔ دوشنبہ ہے۔ مبارک دوشنبہ۔ فرزند دل بند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر۔ مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی سے عطر ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امراً مقضیاً

پھر خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا۔ تیری نسل بہت ہوگی..... ...تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید، تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں....فقط

۔خاکسار مرزا غلام احمد، ہوشیار پور طویلہ شیخ مہر علی رئیس ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء

(مجموعہ اشتہارات ج اص ۱۰۰ تا ۱۰۲)

اس اشتہار کی اشاعت کے بعد مرزا صاحب پر اعتراضات ہوئے تو لکھا

. اس جگہ آنکھیں کھول کر دیکھ لینا چاہیے کہ یہ صرف پیش گوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی کریم رؤف و رحیم مصطفیٰ ﷺ کی صداقت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے ظاہر فرمایا اور درحقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کرنے سے صدہا درجہ اعلیٰ واولیٰ واکمل وافضل واتم ہے کیونکہ مردہ کے زندہ کرنے حقیقت یہی ہے کہ جناب الٰہی میں دعا کر کے ایک روح واپس منگوایا جائے۔ اور ایسا مردہ زندہ کرنا حضرت مسیح اور بعض دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت بائیبل میں لکھا گیا جس کے ثبوت میں معترضین کو بہت سی کلام ہے اور پھر باوصف ان

سب عقلی و نقلی جرح وقدح کے یہ بھی منقول ہے کہ ایسا مردہ صرف چند منٹ کے لئے زندہ رہتا تھا اور پھر دوبارہ اپنے عزیزوں کو دوہرے ماتم میں ڈال کر اس جہان سے رخصت ہو جاتا جس کے دنیا میں آنے سے نہ دنیا کو کچھ فائدہ پہنچتا نہ خود اس کو آرام ملتا تھا اور نہ اس کے عزیزوں کو کوئی سچی خوشی حاصل ہوتی تھی ۔ سو اگر حضرت مسیح کی دعا سے بھی کوئی روح دنیا میں آئی تو درحقیقت اس کا آنا ، نہ آنا برابر تھا۔ اور بفرض محال اگر ایسی روح کئی سال جسم میں باقی بھی رہتی تب بھی ایک ناقص روح کسی رذیل یا دنیا پرست کی جو احد من الناس ہے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے ۔ مگر اس جگہ بفضلہ تعالی و احسانہ و ببرکت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ ، خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا قبول کر کے ایسی بابرکت روح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی...راقم خاکسار غلام احمد ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء (مجموعہ اشتہارات ج اول ص ۱۱۳۔ ۱۱۶

اور پھر درج ذیل اشتہار دیا

. چونکہ اس عاجز کے اشتہار مورخہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء پر جس میں ایک پیش گوئی در بارہ تولد ایک فرزند صالح ہے جو بصفات مندرجہ اشتہار پیدا ہوگا دو شخص سکنہ قادیان یعنی حافظ سلطانی کشمیری و صابر علی نے روبروئے مرزا نواب بیگ و میاں شمس الدین و مرزا غلام علی ساکنان قادیان یہ دروغ بے فروغ برپا کیا ہے کہ ہماری دانست میں عرصہ ڈیڑھ ماہ سے صاحب مشتہر کے گھر میں لڑکا پیدا ہو گیا ہے ۔ حالانکہ یہ نامبردگان کا سراسر افتراء دروغ بمقتضائے کینہ وحسد و عناد جبلی ہے جس سے نہ صرف مجھ پر بلکہ تمام مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہم ان کے قول دروغ کا رد واجب سمجھ کر عام اشتہار دیتے ہیں کہ ابھی تک جو مارچ ۱۸۸۶ء ہے ہمارے گھر میں کوئی لڑکا بجز پہلے دو لڑکوں کے جن کی ۲۰۔ ۲۲ سال سے زیادہ عمر ہے پیدا نہیں ہوا۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے ۔ بہر حال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا اور یہ اتہام کہ گویا ڈیڑھ ماہ سے پیدا ہو گیا ہے سراسر دروغ ہے ہم اس دروغ کے ظاہر کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ آج کل ہمارے گھر کے لوگ بمقام چھاؤنی انبالہ صدر بازار اپنے والدین کے پاس یعنی والد میر ناصر نواب صاحب نقشہ نویس دفتر نہر کے

پاس بودو باش رکھتے ہیں ۔ اور ان کے گھر کے متصل منشی مولا بخش صاحب ملازم ڈاک ریلوے اور بابو محمد صاحب کلرک دفتر نہر رہتے ہیں ۔معترضین یا جس شخص کو شبہ ہو اس پر واجب ہے کہ اپنا شبہ رفع کرنے کے لئے وہاں چلا جاوے اور اس جگہ اردگرد سے خوب دریافت کرلے ۔اگر کرایہ آمدورفت موجود نہ ہو تو ہم اس کو دے دیں گے ۔ لیکن اگر اب بھی جا کر دریافت نہ کرے اور نہ دروغ گوئی سے باز آوے تو بجز اس کے ہمارے اور حق پسندوں کی نظر میں لعنة الله علی الکاذبین کا لقب پاوے اور نیز زیر عتاب حضرت احکم الحاکمین کے آوے اور کیا ثمرہ اس یاوہ گوئی کا ہوگا ۔خدا تعالی ایسے شخصوں کو ہدائت دیوے جو جوش حسد میں آکر اسلام کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے اور اس دروغ گوئی کے مآل کو بھی نہیں سوچتے۔

اس جگہ اس وہم کا دور کرنا بھی قرین مصلحت ہے کہ بمقام ہوشیار پور ایک آریہ صاحب نے اس پیش گوئی پر بصورت اعتراض پیش کیا تھا کہ لڑکا لڑکی کے پیدا ہونے کی شناخت دائیوں کو بھی ہوتی ہے ۔دائیاں بھی معلوم کرسکتی ہیں کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی ۔ واضح رہے کہ ایسا اعتراض کرنا معترض صاحب کی سراسر حیلہ سازی و حق پوشی ہے کیونکہ اول تو کوئی دائی ایسا دعوی نہیں کرسکتی بلکہ ایک حاذق طبیب بھی ایسا دعوی ہرگز نہیں کرسکتا کہ اس امر میں میری رائے قطعی اور یقینی ہے جس میں تخلف کا امکان نہیں ۔صرف ایک اٹکل ہوتی ہے کہ جو بارہا خطا جاتی ہے ۔ علاوہ اس کے یہ پیش گوئی آج کی تاریخ سے دو برس پہلے کئی آریوں اور مسلمانوں و بعض مولویوں و حافظوں کو بھی بتلائی گئی تھی چنانچہ آریوں میں سے ایک شخص ملاوامل نام جو سخت مخالف اور نیز شرمپت ساکنان قصبہ قادیان ہیں ماسوا اس کے ایک نادان بھی سمجھ سکتا ہے کہ مفہوم پیش گوئی کا اگر بنظر یکجائی دیکھا جائے تو ایسا بشری طاقتوں سے بالاتر ہے جس کے نشان الہی ہونے میں کسی کو شک نہیں رہ سکتا ۔اگر شک ہو تو ایسی قسم کی پیش گوئی جو ایسے ہی نشان پر مشتمل ہو پیش کرے ۔ اس جگہ آنکھیں کھول کر دیکھ لینا چاہیے کہ یہ صرف پیش گوئی ہی نہیں بلکہ ایک عظیم الشان نشان آسمانی ہے جس کو خدائے کریم جل شانہ نے ہمارے نبی رؤف ورحیم محمد مصطفی ﷺ کی صداقت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا ہے ۔اور درحقیقت یہ نشان ایک مردہ کے زندہ کر

نے سے صد ہا درجہ اعلیٰ و اولیٰ و اکمل و افضل و اتم ہے کیونکہ مردہ کو زندہ کرنے کی حقیقت یہی ہے کہ جناب الٰہی میں دعا کر کے ایک روح واپس منگوایا جاوے اور ایسا مردہ زندہ کرنا حضرت مسیح اور بعض دیگر انبیاء علیہ السلام کی نسبت بائبل میں لکھا گیا ہے جس کے ثبوت میں معترضین کو بہت سی کلام ہے اور پھر باوصف ان سب عقلی و نقلی جرح و قدح کے یہ بھی منقول ہے کہ ایسا مردہ صرف چند منٹ زندہ رہتا تھا اور پھر دوبارہ اپنے عزیزوں کو دوہرے ماتم میں ڈال کر اس جہان فانی سے رخصت ہو جاتا جس کے دنیا میں آنے سے نہ دنیا کو فائدہ پہنچتا تھا نہ خود اس کو آرام ملتا تھا اور نہ اس کے عزیزوں کو کوئی سچی خوشی حاصل ہوتی تھی ۔ سو اگر مسیح علیہ السلام کی دعا سے بھی کوئی روح دنیا میں آئی تو درحقیقت اس کا آنا نہ آنا برابر تھا ۔ اور بفرض محال اگر ایسی روح کئی سال جسم میں باقی بھی رہتی تب بھی ایک ناقص روح کسی رذیل یا دنیا پرست کی جو احد من الناس ہے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا سکتی تھی مگر اس جگہ بفضلہ تعالیٰ و احسانہ و برکت حضرت خاتم الانبیاء ﷺ خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا قبول کر کے ایسی بابرکت روح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری و باطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی ۔ سو اگرچہ بظاہر یہ نشان احیاء موتی کے برابر معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا یہ نشان مردوں کے زندہ کرنے سے صد ہا درجہ بہتر ہے ۔ مردہ کی بھی روح ہی دعا سے واپس آتی ہے اور اس جگہ بھی دعا سے ہی ایک روح منگوائی گئی ہے مگر ان روحوں اور اس روح میں لاکھوں کوسوں کا فرق ہے ۔ جو لوگ مسلمانوں میں چھپے ہوئے مرتد ہیں آنحضرت ﷺ کے معجزات کا ظہور دیکھ کر خوش نہیں ہوتے بلکہ ان کو بڑا رنج پہنچتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟

اے لوگو، میں کیا چیز ہوں اور کیا حقیقت، جو کوئی مجھ پر حملہ کرتا ہے وہ درحقیقت میرے پاک متبوع پر جو نبی کریم ﷺ ہے حملہ کرنا چاہتا ہے، مگر اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ آفتاب پر خاک نہیں ڈال سکتا ۔ بلکہ وہی خاک اس کے سر پر اس کی آنکھوں پر اس کے منہ پر گر کر اس کو ذلیل اور رسوا کرے گی ۔ اور ہمارے نبی کریم ﷺ کی شان و شوکت اس کی عداوت اور اس کے بخل سے کم نہیں ہوگی بلکہ زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ ظاہر کرے گا ۔ کیا تم فجر کے قریب آفتاب کو نکلنے سے روک سکتے ہو ۔ ایسے ہی تم

آنحضرت ﷺ کے آفتاب صداقت کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ خدا تعالی تمہارے کینوں اور بخلوں کو دور کرے۔ والسلام علی من اتبع الہدی۔ راقم خاکسار غلام احمد مئولف براہین احمدیہ از قادیان ضلع گورداسپور ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء

(مجموعہ اشتہارات ج ا ص تا ۱۱۶)

اس پر بھی اعتراضات ہوئے تو مرزا صاحب نے ان کے جواب میں ایک اور اشتہار دیا تھا جو درج ذیل ہے

اشتہار صداقت آثار

واضح ہو کہ اس خاکسار کے اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء پر بعض صاحبوں نے جیسے منشی اندرمن صاحب مرادآبادی نے یہ نکتہ چینی کی ہے کہ نو برس کی حد جو پسر موعود کے لئے رکھی گئی ہے یہ بڑی گنجائش کی جگہ ہے۔ ایسی لمبی میعاد تک تو کوئی نہ کوئی لڑکا پیدا ہوسکتا ہے۔ سو اول تو اس کے جواب میں یہ واضح ہو کہ جن صفات خاصہ کے ساتھ لڑکے کی بشارت دی گئی ہے کسی لمبی میعاد سے گو نو برس سے بھی دو چند ہوتی اس کی عظمت اور شان میں کچھ فرق نہیں آ سکتا بلکہ صریح دلی انصاف ہر ایک انسان کا شہادت دیتا ہے کہ ایسے عالی درجہ کی خبر جو ایسے نامی اور اخص آدمی کے تولد پر مشتمل ہے انسانی طاقتوں سے بالاتر ہے۔ اور دعا کی قبولیت ہو کر ایسی خبر کا ملنا بے شک یہ بڑا بھاری آسمانی نشان ہے۔ نہ یہ کہ صرف پیش گوئی ہے۔ ماسوا اس کے اب بعد اشاعت اشتہار مندجہ بالا دوبارہ اس امر کے انکشاف کے لئے جناب الہی میں توجہ کی گئی تو آج آٹھ اپریل ۱۸۸۶ء میں اللہ تعالی جل شانہ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والہ ہے جو مدت حمل سے تجاوز نہیں کرسکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ غالباً ایک لڑکا ابھی ہونے والہ ہے یا بالضرور اس کے قریب کے حمل میں۔ لیکن یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جو اب پیدا ہوگا یہ وہی لڑکا ہے یا وہ کسی اور وقت میں نو برس کے عرصہ میں پیدا ہوگا اور پھر بعد اس کے یہ بھی الہام ہوا کہ انہوں نے کہا کہ آنے والہ یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں۔ چونکہ یہ عاجز ایک بندہ ضعیف مولی کریم جل شانہ کا ہے اس لئے اسی قدر ظاہر کرتا ہے جو منجانب اللہ ظاہر کیا گیا۔ آئندہ جو اس سے زیادہ منکشف ہوگا وہ بھی شائع کیا جاوے گا۔ والسلام

من اتبع الہدیٰ ۔ المشتھر خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ۸ ۔ اپریل ۱۸۸۶ء ۔
مطابق دوم رجب ۱۳۰۳ھ ۔ (مجموعہ اشتہارات ج اص ۱۱۶ تا ۱۱۷)

اور پھر اشتہار محک اخیار و اشرار شائع فرمایا جس میں لکھا

سو واضح ہو کہ بعض مخالف نا خدا ترس ... ہمارے اشتہار مطبوعہ ۸ ۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو یہودیوں کی طرح محرف و مدبل کر کے اور کچھ کے کچھ معنے بنا کر سادہ لوگوں کو سناتے ہیں ۔ نیز اپنی طرف سے اشتہارات شائع کرتے ہیں ۔ تا دھوکہ دے کر ان کے ذہن نشین یہ کریں کہ جو لڑکا پیدا ہونے کی پیش گوئی تھی اس کا وقت گذر گیا اور وہ غلط نکلی ....نہیں دیکھتے کہ استہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء میں ساف صاف تولد فرزند موصوف کے لئے نو برس کی میعاد لکھی گئی ہے ۔ اور اشتہار ۸ ۔ اپریل ۱۸۸۶ء میں کسی برس یا مہینے کا ذکر نہیں اور نہ اس میں یہ ذکر ہے کہ جو نو برس کی میعاد رکھی گئی تھی اب وہ منسوخ ہو گئی ہے ۔ ہاں اس اشتہار میں ایک فقرہ ذوالوجوہ درج ہے کہ مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا ۔ مگر کیا اسی فقرہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ مدت حمل سے ایام باقی ماندہ حمل موجودہ مراد ہیں ۔ کوئی اور مدت نہیں ۔ اگر اس فقرہ کے سر پر ، اس ، کا لفظ ہوتا تو بھی اعتراض کرنے کی کچھ گنجائش نکل سکتی تھی ۔ مگر جب الہامی عبارت کے سر پر ، اس ، کا لفظ وارد نہیں تو پھر خواہ مخواہ اس فقرہ سے وہ معنی نکالنا جو اس صورت میں نکالے جاتے ہیں جو ، اس ، کا لفظ فقرہ مذکور کے سر پر ہوتا ، بے ایمانی اور بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے ..سو فقرہ مذکورہ بالا یعنی یہ کہ ، مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا ، ایک ذوالوجوہ فقرہ ہے جس کی ٹھیک ٹھیک وہی تشریح ہے جو میر عباس علی شاہ صاحب لدھیانوی نے اپنے اشتہار ۸ ۔ جون ۱۸۸۶ء میں کی ہے ۔ یعنی یہ کہ مدت موعودہ حمل سے (جو نو برس ہے) یا مدت معہودہ حمل سے (جو طبیبوں کے نزدیک اڑھائی برس یا کچھ زیادہ ہے) تجاوز نہیں کر سکتا ..... خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک بڑی حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے اب کی دفعہ لڑکا عطا نہیں کیا کیونکہ اگر وہ اب کی دفعہ ہی پیدا ہوتا ۔ تو ایسے لوگوں پر کیا اثر پڑ سکتا جو پہلے ہی کہتے تھے کہ قواعد طبی کی رو سے حمل موجودہ کی علامات سے ایک حکیم آدمی بتلا سکتا ہے کہ کیا پیدا ہو گا ..... سو یہ اچھا ہوا کہ خدا تعالیٰ نے تولد فرزند مسعود موعود کو دوسرے وقت پر ڈال دیا ... اس عاجز نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں یہ پیش گوئی

خدا تعالی کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض با برکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہوگی ....
خاکسار غلام احمد (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۱۲۴۔ ۱۳۲)

اور جب ایک لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اپنے مرید منشی رستم علی کو لکھا

. آج سولھویں ذی قعد ۱۳۰۴ھ بفضلہٖ تعالی وکرمہ اس عاجز کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے ۲۲ ذی قعد مطابق ۱۳ اگست روز عقیقہ ہے اگر کچھ موجب تکلیف و حرج نہ ہو تو آپ بھی تشریف لاکر ممنون احسان فرمائیں۔

(مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳ ص ۴۹۔۵۰)

اور یہ اشتہار دیا تھا

خوش خبری۔ اے ناظرین۔ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیش گوئی کی تھی اور خدا تعالی سے اطلاع پاکر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا کہ اگر وہ حمل موجودہ میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں جو اس کے قریب ہے ضرور پیدا ہو جائے گا۔ آج ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۰۴ھ مطابق ۷ اگست ۱۸۸۷ء میں بارہ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ مولود مسعود پیدا ہوگیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کس قدر بزرگ پیش گوئی ہے جو ظہور میں آئی۔ آریہ لوگ بات بات میں یہ سوال کرتے ہیں کہ ہم وہ پیش گوئی منظور کریں گے جس کا وقت بتلایا جائے۔ سو اب یہ پیش گوئی انہیں منظور کرنی پڑی کیونکہ اس پیش گوئی کا مطلب یہ ہے کہ حمل دوم بالکل خالی نہیں جائے گا ضرور لڑکا پیدا ہوگا اور وہ حمل بھی کچھ دور نہیں۔ بلکہ قریب ہے۔ یہ مطلب اگرچہ اصل الہام میں مجمل تھا لیکن میں نے اسی اشتہار میں لڑکا پیدا ہونے سے ایک برس چار مہینہ پہلے روح القدس سے قوت پاکر مفصل مضمون مذکورہ بالا لکھ دیا یعنی یہ کہ اگر لڑکا اس حمل میں پیدا نہ ہوا تو دوسرے حمل میں ضرور ہوگا۔ آریوں نے حجت کی تھی کہ یہ فقرہ الہامی کہ جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کرے گا حمل موجودہ سے خاص تھا جس سے لڑکی ہوئی۔ میں نے ہر ایک مجلس اور ہر ایک تحریر و تقریر میں انہیں جواب دیا کہ یہ حجت تمہاری فضول ہے کیونکہ

کسی الہام کے وہ معنی ٹھیک ہوتے ہیں کہ ملہم آپ بیان کرے اور ملہم کے بیان کردہ معنوں پر کسی اور کی تشریح اور تفسیر ہرگز فوقیت نہیں رکھتی کیونکہ ملہم اپنے الہام سے اندرونی واقفیت رکھتا ہے۔ اور خدا تعالی سے خاص طاقت پاکر اس کے معنی کرتا ہے پس جس حالت میں لڑکی پیدا ہونے سے کئی دن پہلے عام طور پر کئی سو اشتہار چھپوا کر میں نے شائع کر دیئے اور بڑے بڑے آریوں کی خدمت میں بھی بھیج دیئے۔ تو الہامی عبارت کے وہ معنی قبول نہ کرنا جو خود ایک خفی الہام نے میرے پر ظاہر کئے اور پیش از ظہور مخالفین تک پہنچا دیئے گئے۔ ہٹ دھرمی ہے یا نہیں۔ کیا ملہم اپنے الہام کے معانی بیان کرنا یا مصنف کا اپنی تصنیف کے کسی عقیدہ کو ظاہر کرنا تمام دوسرے لوگوں کے بیانات سے عند العقل زیادہ معتبر نہیں ہے بلکہ خود سوچ لینا چاہیے کہ مصنف جو کچھ پیش از وقوع کوئی امر غیب بیان کرتا ہے اور صاف طور پر ایک بات کی نسبت دعوی کر لیتا ہے تو وہ اپنے اس الہام اور اس کی تشریح کا آپ ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور اس کی باتوں میں دخل بے جا دینا ایسا ہے جیسا کوئی کسی مصنف کو کہے کہ تیری تصنیف کے یہ معنی نہیں بلکہ یہ ہیں جو میں نے سوچے ہیں۔ اب ہم اصل اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء ناظرین کے ملاحظہ کے لئے ذیل میں لکھتے ہیں تا کہ ان کو اطلاع ہو کہ ہم نے پیش از وقوع اپنی پیش گوئی کی نسبت کیا دعوی کیا تھا اور پھر وہ کیسا اپنے وقت پر پورا ہوا۔ المشتہر خاکسار غلام احمد از قادیان۔ ۷ اگست ۱۸۸۷ء

(مجموعہ اشتہارات ج ۱ ص ۱۴۱۔۱۴۲)

اس اشتہار نے تمام نزاعوں کا فیصلہ کر کے مرزا صاحب کے لئے آئندہ مشکلات کا دروازہ کھول دیا تھا کیونکہ موعود لڑکے کے اوصاف تو یہ تھے کہ وہ سخت ذہین فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائیگا فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول و الآخر مظہر الحق و العلا کان اللہ نزل من السماء۔ اور اس کی تعریف میں ایک یہ الہام ہوا کہ جاءک النور و ھو افضل منک۔ یعنی کمالات استعدادیہ میں وہ تجھ سے افضل ہے۔ مکتوب ۴ دسمبر ۱۸۸۸ء (تذکرہ ص ۱۵۱)۔ لڑکے کا نام پیش گوئی میں بشیر تھا تو اسی لڑکے کا نام مرزا صاحب نے بشیر رکھ دیا جس کا مطلب ہے کہ آپ اسی لڑکے کو پیش گوئی کا مصداق سمجھتے تھے۔ اور مرزا صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور اس

حالت میں آپ نے اپنے پولیس افسر مرید کو لکھا تھا

. ایک خادم کی ضرورت ہے۔ قادیان کے لوگوں کا حال دگرگوں ہے۔ ہمارا یہ منشا ہے کہ کوئی باہر سے خادم آئے جو طفل نوزاد کی خدمت میں مشغول رہے۔ آپ اس میں نہائت درجہ سعی فرماویں کہ کوئی نیک طبیعت اور دین دار خادم کہ جو کسی قدر جوان ہو مل جائے اور جواب سے مطلع فرماویں. ۲۱ اگست ۱۸۸۷ء کا خط۔

(مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳ ص ۴۹)

پھر لکھا

. جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کوئی خادم ضرور تلاش کریں اور پھر تحریر فرمانے پر روانہ کردیں۔ ۲۲ اگست ۱۸۸۷ء کا خط۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳)

پھر لکھا

. اور خادم کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن آپ اول بخوبی معلوم کرلیں کہ وہ نیک چلن اور نیک بخت ہے اور محنتی ہے اور پھر تنخواہ بھی بکفائت ہو۔ اس کے حال سے مفصل اطلاع بخشیں۔ ۴ ستمبر ۱۸۸۷ء کا خط۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳ ص ۵۱)

اور پھر لکھا کہ اس بچے کے لئے ہمیں ایک خادمہ کی بھی ضرورت ہے جو . نیک بخت اور ہشیار اور بچہ رکھنے کے لائق ہو۔ یہ بات ضرور ہے کہ تنخواہ بہت رعائت سے ہو۔ گھر میں تین عورتیں خدمت کرنے والی تو اسی جگہ موجود ہیں جن میں سے کسی کو تنخواہ نہیں دی جاتی۔ اگر یہ عورت تنخواہ دار آئی ..... تو ان کو بھی خراب کرے گی ۔تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اس ایام قحط میں صرف روٹی کپڑا ایک شریف عورت کے لئے ازبس غنیمت ہے۔ جو تین روپئے ماہواری بیٹھ جاتا ہے۔ سو اگر ایسی عورت مل سکے تو اس کو روانہ فرماویں۔ مکتوب ۶ ستمبر ۱۸۸۷ء (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳ ص ۵۳)

پھر لکھا

. بشیر کے لئے خادمہ کی ازبس ضرورت ہے۔ خدا تعالی کرے کہ آپ کو کوئی نیک طینت خادمہ مل جاوے۔ زیادہ تنخواہ کی تو اب بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی خادمہ مل سکے کہ روٹی کپڑا پر کفائت کرے جیسا کہ اس جگہ کی عورتیں کرلیتی ہیں اور پھر شریفہ بھی ہو تو ایسی کی تلاش کرنی چاہیے۔ اور چونکہ نہائت ضرورت ہے آپ

جلدی اطلاع بخشیں ۔ مکتوب ۷ستمبر ۱۸۸۷ء ۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر۳ ص ۵۳)

پھر لکھا

. خادمہ کی تلاش ضرور چاہیے . مکتوب ۱۱ستمبر ۱۸۸۷ء (مکتوبات جلد۵ نمبر۳ ص ۵۴)

پھر لکھا

. اب ایک خادمہ محنت کش ہشیار دانا دیانت دار کی اشد ضرورت ہے اور اس کا کام یہی ہوگا کہ لڑکا اور لڑکی دونوں کی خدمت میں مشغول رہے ....آپ براہ مہربانی ایک خاص توجہ اور محنت اور کوشش سے ایسی خادمہ تلاش کر کے روانہ فرماویں ۔تنخواہ جو کچھ آپ مقرر کرینگے دی جائے گی . ۲۱ستمبر ۱۸۸۷ء کا مکتوب (مکتوبات ج ۵ نمبر۳ ص ۵۵)

پھر لکھا

. چونکہ نہائت ضرورت خادمہ امینہ اور دانا اور محنت کش کی پیش آگئی ہے اس لئے مکرر مکلّف ہوں کہ آپ جہاں تک ممکن ہو خادمہ کو بہت جلد روانہ فرماویں۔اور روغن زرد ابھی تک نہیں پہنچا۔ہم دست خادمہ ایک آنہ کے پان بھی روانہ فرمائیں ۔مکتوب ۲۲ستمبر ۱۸۸۷۔ (مکتوبات احمدیہ جلد۵ نمبر۳ ص ۵۶)

پھر لکھا

. چونکہ بلا خادمہ نہائت تکلیف ہے برائے مہربانی جس طرح ممکن ہو سکے خادمہ کو روانہ فرماویں۔سارا پتہ سمجھا دیں ۔ ۲ آنے کے پان ساتھ لیتی آوے مگر اس کے پہنچنے میں اب توقف نہ ہو....تنخواہ دو روپیہ ماہواری خادمہ کی منظور ہے مگر محنت کشی اور دیانت داری شرط ہے۔کئی عورتیں اس جگہ دن رات بلا تنخواہ کام کرتی ہیں مگر چونکہ نہ محنت کش ہیں نہ دیانت دار اس لئے ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔کام نہائت محنت اور جان کا ہی اور ہشیاری کا ہے۔ آپ اس خادمہ کو بخوبی سمجھا دیں تاکہ پیچھے سے کوئی مخفی بات ظہور میں نہ آئے. (مکتوبات احمدیہ جلد۵ نمبر۳۔ ص ۵۷۔۵۸).....

.... یہ بات مکرر لکھنے کے لائق ہے کہ خادمہ نہائت درجہ کی دیانت دار اور شریف اور نیک نیت اور نیک بخت اور متقی چاہیے۔کیونکہ لڑکا اس کے سپرد کیا جاوے گا ۔اور اس جگہ تمام مخالف ہندو اور اکثر مسلمان بھی لڑکے کی موت چاہتے ہیں اور علانیہ کہتے ہیں کہ لڑکا مرجائے تو پھر یہ جھوٹے ہو جائیں گے۔ جا بجا یہی ذکر سنتا

ہوں ۔ کہ اس جگہ کے تمام ہندو اور اکثر مسلمان شریر طبع بلکہ قریب کل کے مسلمان لڑکے کی موت چاہتے ہیں اور جا بجا علانیہ باتیں کرتے ہیں ۔ تعجب نہیں کہ زہر دینے کی تجویز میں ہوں ۔ اس لئے لڑکے کی خادمہ جس قدر نیک بخت اور خدا ترس ہونا چاہیے ۔ آپ سمجھ سکتے ہیں ۔ زیادہ کیا لکھا جاوے ۔ مکتوب ۲۶ ستمبر ۱۸۸۷ء ۔

پھر لکھا

. حال یہ ہے کہ اس عرصہ میں کئی عورتیں بچہ کی خدمت کے لئے رکھی گئی ہیں مگر سب ناکارہ نکلی ہیں ۔ یہ کام شب خیزی اور ہمدردی اور دانائی کا ہے ۔ لڑکا چند روز سے بیمار ہے ظن ہے کہ پسلی کا درد نہ ہو ۔ علاج کیا جاتا ہے ۔ واللہ شافی ۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ کوئی کمزور عورت اس خدمت شب خیزی کو اٹھا سکے ۔ چند روز سے فقط مجھے تین تین پہر رات تک اور کبھی ساری رات لڑکے کے لئے جاگنا ہوتا ہے ۔ ہرگز امید نہیں ہوسکتی کہ کوئی عورت ایسی محنت سے کام کر سکے ۔ اس سے دریافت کرلیں کہ کیا ایسا محنت کا کام کرسکتی ہے . مکتوب ۶ نومبر ۱۸۸۷ء ۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۶۶)

پھر لکھا

. خادمہ پہنچ گئی ہے ۔ اب تک کسی کام میں مصروف نہیں ہوئی ۔ سست اور کاہل الوجود بہت ہے ۔ اس کے آنے سے تکلیف اسی طرح باقی ہے جو پہلے تھی ۔ لیکن آزمائش کے طور پر ایک دو ماہ کے لئے اس کو رکھ لیا گیا ہے کہ دور سے آئی ہے . مکتوب ۱۵ نومبر ۱۸۸۷ء (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۶۷)

پھر لکھا

. میرا لڑکا بشیر احمد سخت بیمار ہے ۔ کھانسی و تپ وغیرہ خطرناک عوارض ہیں ۔ آپ جس طرح ہو سکے ۲ آنے کے پان بہت جلد بھیج دیویں ۔ کہ کھانسی کے لئے ایک دوا اس میں دی جاتی ہے ۔ مکتوب ۱۶ دسمبر ۱۸۸۷ء ۔ (ص ۶۸ ۔ ۶۹ مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳)

پھر لکھا

. میرا لڑکا شدت سے بیمار تھا ۔ بلکہ بظاہر علامات بہت ردی تھیں ۔ امید زندگی کی نہیں تھی اب بفضلہ تعالیٰ وہ سیلاب بیماری کا رو بہ کمی ہے ۔ لڑکے نے آنکھیں کھول لی ہیں اور دودھ پیتا ہے ۔ ہنوز عوارض باقی ہیں ۔ انشاء اللہ وہ بھی دفع ہو جائیں گے ۔ ۲

آنے کے پان ضرور بھیجیں۔ مکتوب ۱۸ دسمبر ۱۸۸۷ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳ ص ۶۹)

پھر لکھا

. لڑکا اب اچھا ہے۔کسی قدر کھانسی باقی ہے۔ایک نہائت ضروری کام ہے جس سے دنیا و آخرت میں برکات کی امید کی جاتی ہے۔اور وہ یہ کہ بشیر احمد کے لئے ایک ایسی دودھ پلانے والی عورت کی ضرورت ہے جس کو بچہ ہونے پر برس سے زیادہ نہ گذرا ہو اور خوب طاقتور عورت ہو۔اور بچہ مرجانے کی اس کو بیماری بھی نہ ہو۔اور اس کے بچے تازہ اور فربہ ہوتے ہوں دبلے وخشک نہ رہتے ہوں۔ایسی عورت تلاش کر کے آپ بھیج دیں یا ساتھ لاویں۔تنخواہ جو مقرر ہو دی جائے گی۔اگر کوئی ایسی بیوہ عورت ہو تو نہائت مفید ہے. مکتوب ۲۱ دسمبر ۱۸۸۷ء۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۶۹۔۷۰)

پھر لکھا

. بشیر احمد سخت بیمار ہو گیا تھا اس لئے یہ عاجز ڈاکٹر کے علاج کے لئے بٹالہ میں آ گیا ہے۔شائد رمضان بٹالہ میں بسر ہو،مکتوب ۱۱ مئی ۱۸۸۸ء (مکتوبات جلد ۵ نمبر ۳ ص ۸۱)

پھر لکھا

. یہ عاجز اب تک بٹالہ میں ہے۔کسی قدر بشیر احمد کی طبیعت رو بہ اصلاح ہے۔انشاء اللہ القدیر صحت ہو جائے گی۔چار پانچ روز تک قادیان جانے کا ارادہ ہے. مکتوب ۳ جون ۱۸۸۸ء۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۸۲)

پھر بٹالہ سے قادیان واپس آ کر لکھا

. قادیان میں آ کر بشیر احمد سخت بیمار ہو گیا۔اور کئی بیماریاں لاحق ہو گئیں۔منجملہ ان کے ایک تپ محرقہ اور زحیر یعنی مروڑ اور اسی اثنا میں ہیضہ بھی ہو گیا، حالت نہائت خطرناک ہو گئی، اب کچھ تخفیف ہے .مکتوب ۲ جولائی ۱۸۸۸ء (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۸۳)

پھر لکھا

. چونکہ بشیر احمد کی طبیعت سخت بیمار رہی ہے بلکہ نہائت نازک حالت ہو گئی تھی اس لئے جواب نہ لکھ سکا۔اب کچھ آرام ہے. مکتوب ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء۔

(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۸۳)

پھر لکھا

. بشیر احمد کی طبیعت سخت بیمار ہے۔اس غلبہ بیماری میں تین چار دفعہ ایسی حالت گذر چکی ہے کہ گویا ایک دو دم باقی معلوم ہوتے تھے۔اب بھی شدت مرض موجود ہے۔اس لئے دن رات اسی کی طرف مصروفیت رہتی ہے ۔امید ہے کہ بعد افاقہ طبیعت بشیر احمد آپ کے نسخہ کے لئے توجہ کرونگا۔مکتوب ۲ اگست ۱۸۸۸ء

(مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۸۴)

پھر لکھا

. بشیر احمد اب تک مروڑوں کی بیماری میں مبتلا ہے۔اور چونکہ نہائت لاغر اور دبلہ اور تکلیف میں ہے اس لئے ضروری کاموں کا حرج بھی کر کے اس کی طرف مصروفیت ہے ۔ چندمرتبہ اس عرصہ میں اس کی حالت نہائت نازک ہوگئی اور آخری دم سمجھا جاتا تھا ۔انشاء اللہ اس کی صحت کے بعد آپ کے لئے (نسخہ) تجویز کروں گا۔ ۸ اگست ۱۸۸۸ء۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۸۴)

پھر لکھا

. آج میرا لڑکا بشیر احمد انیس روز بیمار رہ کر بقضائے الٰہی دنیائے فانی سے قضا کر گیا۔ مکتوب ۴ نومبر ۱۸۸۸ء۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳ ص ۸۹)

یہ لڑکا ۴ نومبر ۱۸۸۸ء کو سولہ مہینے کی عمر پا کر فوت ہوگیا تو حکیم نور دین نے کہا

. اگر میرا بیٹا مرجاتا تو میں کچھ پرواہ نہ کرتا مگر بشیر اول فوت نہ ہوتا تا کہ لوگ پیشین گوئی کے جھوٹا ہونے کے ابتلاء میں نہ پڑتے ۔

(الفضل ۳۰ اگست ۱۹۲۰ء منقول از خاتم النبیین ص ۴۰۴۔۴۰۵)

مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے

. عظیم الشان بیٹے کی بشارت کا الہام اس قدر شان وشوکت کے ساتھ خدا نے دیا تھا کہ حضور (مرزا) نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں اس کا اعلان فرمایا۔جس کی وجہ سے لوگ چشم براہ ہوگئے مگر اللہ نے بھی ایمان کے راستے میں ابتلاء رکھے ہیں۔ سو قدرت خدا مئی ۱۸۸۶ء میں لڑکی پیدا ہوگئی جس سے ملک میں زلزلہ آگیا۔گو حضور نے اشتہار اور خطوط کے ذریعے اعلان فرمایا کہ وحی الٰہی نے اس حمل کی قید نہیں رکھی تھی جس سے کچھ لوگ سنبھل گئے۔ دوسرے حمل یعنی اگست ۱۸۸۷ء میں حضرت کے ہاں

لڑکا پیدا ہوا۔اس کا نام بشیر احمد رکھا۔اس کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی گئی کیونکہ لوگوں اور خود حضرت صاحب کو خیال تھا کہ یہی وہ موعود لڑکا ہے۔غرض بشیر اول کی پیدائش عام رجوع کا باعث ہوئی۔مگر قدرت اللہ کی ایک سال بعد لڑکا اچانک فوت ہوگیا۔ بس پھر کیا تھا۔ ملک میں ایک طوفان عظیم برپا ہوگیا۔حضرت صاحب نے لوگوں کو سنبھالنے کے لئے اشتہاروں اور خطوط کی بھرمار کردی اور لوگوں کو سمجھایا کہ میں نے کبھی یہ یقین ظاہر نہیں کیا تھا کہ یہی وہ موعود لڑکا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ سنبھل گئے۔لیکن اکثروں پر مایوسی کا عالم تھا اور مخالفین میں استہزاء کا جوش تھا۔

(سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۸۷۔منقول از قادیانیت سے اسلام تک۔متین خالد۔ص۲۰۴۔۲۰۵)

بیٹا بیمار رہا۔ مرزا صاحب اسے ہاتھوں میں اٹھا کر راتیں گذارتے رہے۔ دعائیں بھی کیں۔ اور کہتے رہے کہ انشاء اللہ صحت ہوجائے گی۔نہ دعائیں قبول ہوئیں۔ نہ صحت ہوجانے کی پیش گوئیاں پوری ہوئیں اور آخرکار وہ مرگیا۔پھر مرزا صاحب نے اشتہار دیا

حقانی تقریر بر واقعہ وفات بشیر

واضح ہو کہ اس عاجز کے لڑکے بشیر احمد کی وفات سے جو ۷ اگست ۱۸۸۷ء روز یک شنبہ میں پیدا ہوا تھا اور ۴ نومبر ۱۸۸۸ء اسی روز یک شنبہ میں ہی اپنی عمر کے سولہویں مہینے میں بوقت نماز صبح اپنے معبود حقیقی کی طرف واپس بلایا گیا۔عجیب طور کا شور وغوغا خام خیال لوگوں میں اٹھا اور رنگارنگ کی باتیں خویشوں وغیرہ نے کیں اور طرح طرح کی نافہمی اور کج دلی کی رائیں ظاہر کی گئیں۔مخالفین مذہب جن کا شیوہ بات بات میں خیانت و افتراء ہے انہوں نے اس بچے کی وفات پر انواع واقسام کی افتراء گھڑنی شروع کی۔سو ہرچند ابتدا میں ہمارا ارادہ نہ تھا کہ اس پسر معصوم کہ وفات پر کوئی اشتہار یا تقریر شائع کریں اور نہ شائع کرنے کی ضرورت تھی کیونکہ ایسا امر درمیان نہ تھا کہ کسی فہیم آدمی کی ٹھوکر کھانے کا موجب ہوسکے لیکن جب شوروغوغا انتہا کو پہنچ گیا اور کچے اور ابلہ مزاج مسلمانوں کے دلوں پر بھی اس کا اثر پڑتا نظر آیا تو ہم نے محض للہ یہ تقریر شائع کرنا مناسب سمجھا۔

اب ناظرین پر منکشف ہو کہ بعض مخالفین پسر متوفی کی وفات کا ذکر کرکے

اپنے اشتہارات واخبارات میں طنز سے لکھتے ہیں کہ یہ وہی بچہ ہے جس کی نسبت اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء اور ۸ اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷ اگست ۱۸۸۷ء میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی ۔بعضوں نے اپنی طرف سے افتراء کر کے یہ بھی اپنے اشتہار میں لکھا کہ اس بچہ کی نسبت یہ الہام بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ بادشاہوں کی بیٹیاں بیاہنے والا ہوگا لیکن ناظرین پر منکشف ہو کہ جن لوگوں نے نکتہ چینی کی ہے انہوں نے بڑا دھوکہ کھایا ہے یا دھوکہ دینا چاہا ہے ۔اصل حقیقت یہ ہے کہ ماہ اگست ۱۸۸۷ء تک جو پسر متوفی کی پیدائش کا مہینہ ہے جس قدر اس عاجز کی طرف سے اشتہار چھپے ہیں جن کا لیکھرام پشاوری نے وجہ ثبوت کے طور پر اپنے اشتہار میں حوالہ دیا ہے ان میں سے کوئی شخص ایک ایسا حرف بھی پیش نہیں کرسکتا جس میں یہ دعوی کیا گیا ہو کہ مصلح موعود اور عمر پانے والا یہی لڑکا تھا جو فوت ہوگیا ہے ۔ بلکہ ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کا اشتہار اور نیز ۷ اگست ۱۸۸۷ء کا اشتہار جو کہ ۸ اپریل ۱۸۸۶ کی بنا پر اور اس کے حوالہ سے بروز تولد بشیر شائع کیا گیا تھا صاف بتلا رہا ہے کہ ہنوز الہامی طو پر یہ تصفیہ نہیں ہوا کہ آیا یہ لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا کوئی اور ہے ۔ تعجب کہ لیکھرام پشاوری نے جوش تعصب میں آکر اپنے اس اشتہار میں جو اس کی جبلی خصلت بدگوئی و بدزبانی سے بھرا ہوا ہے ۔اشتہارات مذکورہ کے حوالہ سے اعتراض تو کر دیا مگر ذرا آنکھیں کھول کر ان تینوں اشتہاروں کو پڑھ نہ لیا تاکہ جلد بازی کی ندامت سے بچ جاتا ۔نہائت افسوس ہے کہ ایسے دروغ باف لوگوں کو آریوں کے وہ پنڈت کیوں دروغ گوئی سے منع نہیں کرتے جو بازاروں میں کھڑے ہوکر اپنا اصول یہ بتلاتے ہیں کہ جھوٹ کو چھوڑنا اور تیاگنا اور سچ کو ماننا اور قبول کرنا آریوں کا دھرم ہے ۔پس عجیب بات یہ ہے کہ دھرم قول کے ذریعہ سے تو ہمیشہ ظاہر کیا جاتا ہے مگر فعل کے وقت ایک مرتبہ بھی کام میں نہیں آتا ۔افسوس ہزار افسوس ۔اب خلاصہ کلام یہ کہ ہردو اشتہار ۸ اپریل ۱۸۸۶ء اور ۷ اگست ۱۸۸۷ء مذکورہ بالا اس ذکر و حکائت سے باکل خاموش ہیں کہ لڑکا پیدا ہونے والا کیسا اور کن صفات کا ہے بلکہ یہ دونوں اشتہار صاف شہادت دیتے ہیں کہ ہنوز یہ امر الہام کی رو سے غیر منفصل اور غیر مصرح ہے ۔ ہاں یہ تعریفیں جو اوپر گذر چکی

ہیں ایک آنے والے لڑکے کی نسبت عام طور پر بغیر کسی تخصیص وتعین کے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں ضرور بیان کی گئی ہیں۔ لیکن اس اشتہار میں تو کسی جگہ نہیں لکھا کہ جو ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو لڑکا پیدا ہوگا وہی مصداق ان تعریفوں کا ہے بلکہ اس اشتہار میں اس لڑکے کے پیدا ہونے کی کوئی تاریخ مندرج نہیں کہ کب اور کس وقت ہوگا۔ پس ایسا خیال کرنا کہ ان اشتہارات میں مصداق ان تعریفوں کا اسی پسر متوفی کو ٹھہرایا گیا تھا سراسر ہٹ دھرمی اور بے ایمانی ہے۔ یہ سب اشتہارات ہمارے پاس موجود ہیں۔ اور اکثر ناظرین کے پاس موجود ہوں گے مناسب ہے کہ ان کو غور سے پڑھیں اور پھر آپ ہی انصاف کریں۔ جب یہ لڑکا جو فوت ہوگیا ہے پیدا ہوا تھا تو اس کی پیدائش کے بعد صدہا خطوط اطراف مختلفہ سے بدیں استفسار پہنچے تھے کہ کیا یہ وہی مصلح موعود ہے جس کے ذریعہ سے لوگ ہدائت پائیں گے تو سب کی طرف یہی جواب لکھا گیا تھا کہ اس بارے میں صفائی سے اب تک کوئی الہام نہیں ہوا۔ ہاں اجتہادی طور پر گمان کیا جاتا تھا کہ کیا تعجب کہ مصلح موعود یہی لڑکا ہو اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پسر متوفی کی بہت سی ذاتی بزرگیاں الہامات میں بیان کی گئی تھیں جو اس کی پاکیزگی روح اور بلندی فطرت اور علو استعداد اور روشن جوہری اور سعادت جبلی کے متعلق تھیں اور اس کی کاملیت استعدادی سے علاقہ رکھتی تھیں۔ سو چونکہ وہ استعدادی بزرگیاں ایسی نہیں تھیں جس کے لئے بڑی عمر پانا ضروری ہوتا۔ اسی باعث سے یقینی طور پر کسی الہام کی بنا پر اس رائے کو ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ ضرور یہ لڑکا پختہ عمر تک پہنچے گا اور اسی خیال اور انتظار میں سراج منیر کے چھاپنے میں توقف کی گئی تھی تا جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جاوے تب اس کا مفصل ومبسوط حال لکھا جائے۔ سو تعجب اور نہائت تعجب کہ جس حالت میں ہم اب تک پسر متوفی کی نسبت الہامی طور پر کوئی رائے قطعی ظاہر کرنے سے بکلی خاموش اور ساکت رہے اور ایک ذرا سا الہام بھی اس بارے میں شائع نہ کیا تو پھر ہمارے مخالفوں کے کانوں میں کس نے پھونک مار دی کہ ایسا اشتہار ہم نے شائع کر دیا ہے۔ المبلغ غلام احمد عفی عنی یکم دسمبر ۱۸۸۸ء۔ یہ طویل اشتہار ۲۴ صفحات کا ہے۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۱۶۳۔۱۶۶)۔

اور مرزا صاحب نے لکھا

اب ہم فائدہ عام کے لئے یہ بھی لکھنا مناسب سمجھتے ہیں کہ بشیر احمد کی موت ناگہانی طور پر نہیں ہوئی تھی بلکہ اللہ جل شانہ نے اس کی وفات سے پہلے اس عاجز کو اپنے الہامات کے ذریعہ سے پوری پوری بصیرت بخش دی تھی کہ یہ لڑکا اپنا کام کر چکا ہے۔ اور اب فوت ہو جاوے گا۔ بلکہ جو الہامات اس پسر متوفی کی پیدائش کے دن میں ہوئے تھے ان سے بھی اجمالی طور پر اس کی وفات کی نسبت بو آتی تھی۔ اور مترشح ہوتا تھا کہ وہ خلق اللہ کے لئے ایک ابتلاء عظیم کا موجب ہو گا جیسا کہ یہ الہام انا ارسلناہ شاہداً و مبشراً و نذیراً کصیب من السماء فیہ ظلمات و رعد و برق کل شیء تحت قدمیہ۔ یعنی ہم نے اس بچہ کو شاہد اور مبشر اور نذیر ہونے کی حالت میں بھیجا ہے اور یہ اس بڑے مینہ کی مانند ہے جس میں طرح طرح تاریکیاں ہوں اور رعد اور برق بھی ہو۔ یہ سب چیزیں اس کے دونوں قدموں کے نیچے ہیں۔ یعنی اس کے قدم اٹھانے کے بعد جو اس کی موت سے مراد ہے ظہور میں آ جائیں گی...اسی ترتیب سے اس پیش گوئی کا پورا ہونا شروع ہوا یعنی پہلے بشیر کی موت کی وجہ سے ابتلاء کی ظلمت وارد ہوئی۔ (اور پھر اس کے حاشیہ میں آپ نے لکھا)

۔ بشیر جو فوت ہو گیا ہے وہ بے فائدہ نہیں آیا تھا بلکہ اس کی موت ان سب لوگوں کی زندگی کا موجب ہو گی جنہوں نے محض للہ اس کی موت سے غم کیا اور اس کی ابتلاء کی برداشت کر گئے کہ جو اس کی موت سے ظہور میں آیا۔ غرض بشیر ہزاروں صابرین و صادقین کے لئے ایک شفیع کی طرح پیدا ہوا تھا اور اس پاک آنے والے اور پاک جانے والے کی موت ان سب مومنوں کے گناہوں کا کفارہ ہو گی۔ اور دوسری قسم کی رحمت جو ابھی ہم نے بیان کی ہے اس کی تکمیل کے لئے خدا تعالی دوسرا بشیر بھیجے گا جیسا کہ بشیر اول کی موت سے پہلے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ کے اشتہار میں اس بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے اور خدا تعالی نے اس عاجز پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم ہو گا یخلق اللہ ما یشاء اور خدا تعالی نے مجھ پر یہ بھی ظاہر کیا کہ فروری ۱۸۸۶ء کی پیش گوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ وہ مبارک جو آسمان سے آتا ہے پہلے بشیر کی نسبت پیش گوئی کہ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد کی

عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے ۔ (حاشیہ ص ۱۷۹۔ مجموعہ اشتہارات ج ا)۔

اور تذکرے میں وارد ہے کہ

.خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے۔ وہ نوراللہ ہے۔مبارک ہے وہ جو آسمان سے آتا ہے (تذکرہ ص ۱۰۹)۔اس کے حاشیہ میں مرتب تذکرہ لکھتا ہے کہ یہ عبارت کہ خوبصورت لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے... چندروزہ زندگی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مہمان وہی ہوتا ہے جو چندروز رہ کر چلا جاوے ... بعد کا فقرہ مصلح موعود کی طرف اشارہ ہے ۔۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیش گوئی ...دو پیش گوئیوں پر مشتمل تھی جو غلطی سے ایک سمجھی گئی اور پھر بعد میں ...الہام نے اس غلطی کو رفع کر دیا (تذکرہ ص ۱۰۹) اس محشی کی بے بسی قابل دید ہے جب وہ دو صفحے آگے چل کر مرزا صاحب کی خواتین مبارکہ سے شادی کی، اوران سے مرزا کی نسل ہونے پیش گوئی لکھ کر حاشیے میں اس کی کسی بھی قسم کی توجیہہ سے قاصر رہ جاتا ہے (دیکھو تذکرہ ص ۱۱۱)

اور پھر تذکرہ میں مرزا کا ۱۸۸۶ء کا ایک خط نقل کیا ہے جس میں انہوں نے لکھا

. شائد چار ماہ کا عرصہ ہوا کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ سو اس کا نام بشیر ہوگا۔اب تک میرا قیاسی طور پر خیال تھا کہ شائد وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ (نصرت) سے ہوگا۔اب زیادہ تر الہام اس بات میں ہورہے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح کرنا پڑے گا (گویا وہ الہام جھوٹے ہوئے ۔ بہا) اور جناب الہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی ۔ وہ صاحب اولاد ہوگی ۔۔(اور وہ فرزند بھی اسی ہوسکتا ہے) ۔ ازمکتوب مورخہ ۸ جون ۱۸۸۶ء بنام حکیم نورالدین ۔مکتوبات احمدیہ پنجم نمبر۲ ص ۵۔۶ ۔تذکرہ ص ۱۱۲۔۱۱۳)

یعنی جس بشیر کا وعدہ ہے اس کی ماں ابھی مرزا صاحب کے عقد میں نہیں آئی تھی ۔ اور اس مکتوب کے بعد مرزا صاحب کی کوئی شادی نہیں ہوئی اس لئے وہ ماں ہی وجود میں نہیں آئی جس کے بطن سے بشیر نے پیدا ہونا تھا۔ اسی کو کہتے ہیں

نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔

دوسری طرف مرزا صاحب کہتے ہیں

. اس لڑکے (بشیر) کی پیدائش کے بعد اس کی طہارت باطنی اور صفائی اور استعداد کی تعریفیں الہام میں بیان کی گئیں اور پاک نور اللہ، اور ید اللہ، اور مقدس اور بشیر اور خدا با ماست اس کا نام رکھا گیا ... خدا نے پسر متوفی کے اپنے الہام میں کئی نام رکھے ان میں ایک بشیر، ایک عنموائیل اور ایک خدا با ماست و رحمت حق اور ایک ید اللہ بجلال و جمال ہے .(مکتوب ۴ دسمبر ۱۸۸۸ء بنام حکیم نور الدین۔ مکتوبات پنجم نمبر ۵ ص س ۴۱، ۰۵۔ تذکرہ ص ۱۲۰)

یعنی مرزا صاحب نے لڑکے کا نام بشیر رکھا۔ اشتہار میں اس کو فرزند موعود قرار دیا اور اسی اشتہار میں لکھا کہ الہام کے وہ معنے ٹھیک ہوتے ہیں کہ ملہم آپ بیان کرے۔ اس کے بعد بشیر بیمار ہوا اور مر گیا۔ مرزا صاحب کی پیش گوئی تو غلط ہوئی اور ساتھ ہی ہزاروں کی تعداد میں دعائیں بھی مردود ہوئیں جو پیش گوئی سے قبل بیٹے کے حصول کے لئے اور لڑکا پیدا ہونے کے بعد اس کی زندگی اور صحت کے لئے کی گئیں تھیں۔

آپ نے دیکھا کہ مرزا صاحب اس بیٹے کے لئے کتنے فکر مند تھے۔ ہر دوسرے روز اپنے ایک مرید کو خط لکھتے تھے کہ اس کے لئے نوکر کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے نوکرانی کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے دودھ پلانے والی آیہ کی ضرورت ہے۔ نوکر ایسا ہونا چاہیے۔ نوکرانی ہمہ صفت موصوف ہونی چاہیے۔ دودھ پلانے والی ایسی عورت ہونی چاہیے۔ وغیرہ وغیرہ

پھر لڑکا بیمار ہوا (تو باوجود اس کے کہ خود خاندانی حکیم تھے) اسے ڈاکٹری علاج کے لئے بٹالہ لے گئے۔ وہاں مریض کی دیکھ بھال کے سوا انہیں اور کیا کام تھا؟ اس دیکھ بھال کے دوران وہ اس کی صحت اور زندگی کے لئے دعائیں بھی کرتے ہوں گے۔

پھر وہ جانتے تھے کہ دشمن اس لڑکے کی موت چاہتے ہیں تا کہ پیش گوئی جھوٹی ہو جائے۔ لیکن اس وقت (یعنی لڑکے کی زندگی میں) مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا کہ اس کی موت و حیات کا پیش گوئی سے کیا تعلق؟ یہ تو اس پیش گوئی کا مصداق ہی نہیں ہے کیونکہ یہ تو موعود لڑکا ہی نہیں ہے۔

پھر مرزا صاحب کہتے تھے خدا نے مجھ پر یہ الہام کیا ہے انما امرک اذا اردت

شیئا ان تقول لہ کن فیکون (حقیقۃ الوحی)۔

پھر مرزا صاحب کہتے تھے کہ

. چونکہ اصل شخصیت محمدیہ علیہ التحیۃ و السلام ذات احدیت میں مستغرق ہو کر احد ہو گئی تھی۔ میں بروز اور ظل بھی اس درجے تک پہنچ گیا ہوں کہ یہ دعوی کروں کہ مجھے فنا کرنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے . (خطبہ الہامیہ ص ۲۳)۔

اب مرزائی بتائیں کہ مرزا صاحب بشیر کی زندگی چاہتے تھے یا موت؟

اگر موت چاہتے تھے تو یہ علاج معالجے، نوکر چاکر اور دعاؤں کے کیا معنی ؟ (کوئی باپ اپنے بیٹے کی موت کا خواستگار نہیں ہو سکتا)۔

اگر مرزا صاحب اس لڑکے کی زندگی اور صحت چاہتے تھے تو پھر مرزا صاحب کے دعووں اور دعاؤں کی روشنی میں لڑکے کو مرنا چاہیے تھا یا زندہ رہنا؟

منشی الہی بخش نے جن پیش گوئیوں کے جھوٹا نکلنے کا مرزا صاحب کو طعنہ دیا تھا یہ پیش گوئی بھی ان میں شامل تھی۔ اور منشی صاحب کے ذکر میں اس پیش گوئی پر کچھ گزارشات ہم پہلے بھی پیش کر چکے ہیں۔ جب بشیر مر گیا تو مرزا صاحب نے اس پیش گوئی کو مبارک احمد پر لگا دیا تھا اور خدا کا کرنا یہ ہوا کہ مبارک بھی بچپن ہی میں مر گیا اور یوں یہ پیش گوئی معلقات میں شامل ہو گئی اور ایسی منحوس ثابت ہوئی کہ مرزا صاحب نے جس پر بھی اسے چسپاں کیا اس کی جان لینے سے باز نہیں آئی۔

دعائیں جو قبول نہ ہوئیں

مرزا صاحب فرماتے ہیں

. یہ بالکل سچ ہے کہ مقبولین کی اکثر دعائیں منظور ہوتی ہیں بلکہ بڑا معجزہ ان کا استجابت دعا ہی ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔خزائن ج ۲۲ ص ۲۰)

اور فرماتے ہیں

. یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ خیال کہ مقبولین کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی ہے، سراسر غلط ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔خزائن ج ۲۲ ص ۲۱)۔

لیکن اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ انہیں الہام ہوا

'اجیب کل دعائک الا فی شرکائک'۔ (تریاق القلوب۔ طبع اول ص ۳۸) یعنی اے مرزا میں تیری ہر ایک دعا قبول کرونگا مگر وہ دعا جو تیرے شریکوں (برادری) کے حق میں ہوگی قبول نہ ہوگی۔

اور مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ

خدا تعالی نے کئی مرتبہ مجھے کہا ہے اجیب دعوۃ الداع۔ میں تیری دعائیں سنتا ہوں اور قبول کرتا ہوں۔ اور یہ کہ. خدا تعالی نے مجھے بشارت دی ہوئی ہے کہ اجیب کل دعاء الا فی شرکائک اس لئے مجھے پورا بھروسہ اور یقین ہے کہ میری دعائیں کل دنیا سے زیادہ قبول ہوئی ہیں. (ملفوظات ج ۲ ص ۳۷۵ ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء کا ملفوظ)

اور

. چونکہ میری توجہ پر مجھے ارشاد ہو چکا ہے کہ ادعونی استجب لکم اور مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ تقوی کا طریق چھوڑ کر ایسی گستاخی کریں گے اور آئت لا تقف ما لیس لک به علم کو نظر انداز کر دیں گے تو ایک سال تک اس گستاخی کا آپ پر ایسا کھلا کھلا اثر پڑے گا جو دوسروں کے لئے بطور نشان ہو جائے گا۔ (اشتہار ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء۔تذکرہ ص ۱۸۸۔ ۱۸۹۔) یہاں مولوی سید نذیر حسین

صاحب مراد ہیں۔حاشیہ ص ۱۸۸)

اور جولائی ۱۹۰۶ کے دو الہام تذکرہ میں بایں الفاظ موجود ہیں۔

ادعونی استجب لکم۔ انی مع الافواج آتیک بغتۃ۔ مجھ سے دعا مانگ میں قبول کرونگا۔ میں فوجوں سمیت تیرے پاس اچانک آؤں گا۔

(تذکرہ ص ۶۲۷)

اور ایک مرتبہ مرزا صاحب نے یہ بھی کہا کہ کسی کی اصل کرامت قبولیت دعا ہے اور جن دنوں ان کا مولانا ثناء اللہ سے مقابلہ چل رہا تھا انہوں نے فرمایا

۔ ثناء اللہ کے متعلق جو لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا تعالی ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ایک دفعہ ہماری توجہ اس طرف ہوئی اور رات کو توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا اجیب دعوۃ الداع۔ صوفیا کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہی ہے۔باقی سب اس کی شاخیں ہیں۔

(ملفوظات ج ۹ ص ۲۶۸)

اور ایک دفعہ انہوں نے لکھا

۔ یاد رہے کہ خدا تعالی کے بندوں کی مقبولیت پہچاننے کے لئے دعا کا قبول ہونا بھی ایک بڑا نشان ہوتا ہے۔ بلکہ استجابت دعا کی مانند اور کوئی نشان بھی نہیں۔کیونکہ استجابت دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بندہ کو جناب الہی میں قدر اور عزت ہے۔ اگرچہ دعا کا قبول ہونا ہر جگہ لازمی امر نہیں ہے کبھی کبھی خدائے عز وجل اپنی مرضی بھی اختیار کرتا ہے۔لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ مقبولین حضرت عزت کے لئے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ بہ نسبت دوسروں کے کثرت سے ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور کوئی استجابت دعا کے مرتبہ میں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔اور میں خدا تعالی کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ہزارہا میری دعائیں قبول ہوئی ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۳۳۴ خزائن ۲۲)۔ (مرزا صاحب کی یہ تحریر عام مقبولین بارگاہ کے بارے میں ہے جہاں تک ان کا اپنا تعلق ہے وہ تو کن فیکون کے مالک تھے اور انہیں ہر دعا (سوا شریکوں کے بارے میں) کے قبول ہونے کا وعدہ دیا گیا تھا)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ واقعہ کیا ہے اور کیا مرزا صاحب کی دعائیں شرطیہ قبول

ہوتی تھیں ؟ مرزائی عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ دیکھو مرزا صاحب کی فلاں فلاں دعا پوری ہوئی۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ خدا ہر شخص کی ہر ایک دعا سنتا ہے اور جس کی جو دعا چاہے قبول کر لیتا ہے اسی طرح پیش گوئیوں کا معاملہ ہے کہ نجومیوں رملیوں کی بھی بعض پیش گوئیاں پوری ہو جاتی ہیں۔ مرزا صاحب کی اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ ہاں اللہ کی رہنمائی میں کی جانے والی پیشگوئیوں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی جھوٹی نہیں نکلتی بلکہ سب پوری ہوتی ہیں۔ اگر کسی صاحب کی کوئی ایک آدھ بات پوری ہو جائے تو یہ اس کے مامور من اللہ اور صادق ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ مامور من اللہ اور صادق ہونے کا ثبوت یہ ہوگا کہ کوئی پیش گوئی غلط نہ نکلے اور کوئی دعا قبولیت سے محروم نہ رہے ورنہ اجیب کل دعائک الا فی شرکائک اور اجیب دعوہ الداع اور اصل کرامت قبولیت دعا ہے والی باتیں غلط اور مرزا صاحب جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کس کس موقع پر کیا دعائیں کی ہیں جو قبول نہیں ہوئیں۔

☆ سندر داس کی صحت کیلئے دعائیں

سندر داس نامی ایک ہندو مرزا صاحب کے مرید منشی رستم علی پولیس افسر کا دوست تھا۔ منشی یعقوب علی عرفانی مرتب مکتوبات احمدیہ لکھتا ہے کہ مکرمی رستم علی صاحب کو سندر داس نامی ایک شخص سے محبت تھی اور وہ اس کو عزیز سمجھتے تھے۔ اس کا ذکر بہت سے مکتوبات (مرزا بنام رستم علی) میں آیا ہے۔ پھر محبت میں چودھری (رستم علی) صاحب کو غلو تھا۔ فروری ۱۸۸۸ء میں فوت ہوا۔ مرزا صاحب نے اس کے لئے بہت دعائیں کیں۔ ذیل میں ان مواقع کی تفصیل ہے جب مرزا صاحب نے اس شخص کی صحت کے لئے دعائیں فرمائیں

رستم علی کو مرزا صاحب نے ایک خط لکھا اور بتایا کہ انہوں نے

☆ . سندر داس کے لئے بھی بہت دعا کی ہے . اس خط پر مہر کی تاریخ ۲ جنوری ۱۸۸۷ء ہے۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳ ص ۳۰)

☆ . میں نے آج خواب میں دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمارے مکان پر موجود ہیں۔ دل میں خیال آیا کہ ان کو کیا کھلائیں گے۔ آم تو خراب ہو گئے۔ تب اور آم غیب سے موجود ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ اسکی تعبیر کیا ہے۔ سندر داس کے لئے انشاء اللہ دعا کرونگا. ۱۱ جولائی ۱۸۸۷ء کا مکتوب (مکتوبات ج ۵ نمبر ۳ ص ۴۲)

☆ . سندر داس کے لئے ہم نے آپ کے کہنے سے بہت دعا کی تھی ۔مگر چونکہ ہندو آخر ہندو ہے اس لئے وفاداری سے شکر گذار ہونا مشکل ہے ۔آج کل ہندوؤں کے جو مادے ظاہر ہو رہے ہیں اس سے عقل حیران ہے ۔ ہندوؤں وہ لوگ کم ہیں جو نیک اصل ہوں ایک خطا دوئم خطا سوم مادر بخطا (مکتوبات ج ۵ نمبر۳ ص ۲۶)

☆ . سندر داس کی کامیابی سے خوشی ہوئی ۔اللہ تعالی اس کو سچی ہدائت بھی بخشے کہ بجز قوم میں سے باہر آنے کے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی ۔ و اللہ یھدی الیہ من یشاء . (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر۳ ص ۲۷)۔گویا صحت کے علاوہ اس کی ہدائت کے لئے بھی دعا کی گئی (جو انجام کار قبول نہیں ہوئی) ۔

☆ . سندر داس کے لئے بھی دعا کی ہے و اللہ فعل ما یشاء . ۔ اس خط پر مہر ۲ جنوری ۱۸۸۷ء کی ہے ۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر۳ ص ۳۰)

☆ . میں نے سندر داس کی شفا نیز ہدائت کے لئے دعا کی ہے .۱۶ جولائی ۱۸۸۷ء کا مکتوب (مکتوبات ج ۵ ۔ نمبر۳ ص ۴۱)

☆ . سندر داس کے لئے انشاء اللہ دعا کرونگا . ۱۱ جولائی ۱۸۸۷ء ۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر۳ ص ۴۳)

☆ . سندر داس کے لئے بہت دفعہ دعا کی ۔ ۵ اگست ۱۸۸۷ء کا مکتوب (مکتوبات احمدیہ نمبر۳ ج ۵ ص ۴۵)

☆ . حسب تحریر آپ کی آپ کے دوست (سندر داس) کے لئے بھی دعا کی گئی . مکتوب ۷ ستمبر ۱۸۸۷ء (مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر۳ ص ۵۳)

☆ . سندر داس کو ایک ماہ یا دو تین ہفتہ کے لئے اپنے پاس طلب کر لیں ۔ پھر اگر مجھے بھی آپ کے ہمراہ ملے تو اچھا ہے ۔ دعا اس کے لئے کرتا ہوں . (مکتوبات ج ۵ نمبر۳ ص ۵۳۔۵۴)

☆ . سندر داس صاحب کی صحت کے لئے دعا کی گئی اور کئی دفعہ دلی توجہ سے دعا کی گئی ۔میرے نزدیک بہتر ہے کہ آپ تا ایام صحت اس کو رڑکی سے منگوا لو اور اگر ممکن ہو تو مجھ سے ملاقات کراؤ کہ جس شخص کو ایک مرتبہ دیکھ لیا ہو اس کی نسبت دعا بہت اثر رکھتی ہے ۔ ایک مرتبہ اس کو ساتھ لے آنا . ۱۱ ستمبر ۱۸۸۷ء (مکتوبات ج ۵ نمبر۳ ص ۵۴)

☆ . آپ کی یاد دہانی پر برابر سندر داس کے لئے دعا کی جاتی ہے۔۱۲ دسمبر ۱۸۸۷ء (مکتوبات ج ۵ نمبر ۳ ص ۷۰)

☆ . سندر داس کی علالت طبع کی طرف مجھے بہت خیال ہے۔اللہ تعالی اس کو تندرستی بخشے۔اگر قضا مبرم نہیں تو مخلصانہ دعا کا اثر ظہور پذیر ہوگا. ۱۴ دسمبر ۱۸۸۷ء۔ (مکتوبات ج ۵ نمبر ۳ ص ۶۹)

☆ . کئی دفعہ سندر داس کیلئے دعا کی گئی۔اللہ اس پر رحم فرما دے۔۲ جنوری ۱۸۸۸ء (مکتوبات ج ۵ نمبر ۳ ص ۷۰)

☆ . سندر داس کی طبیعت کا حال پھر آپ نے کچھ نہیں لکھا۔صرف اتنا معلوم ہوا کہ اب بہ نسبت سابق کچھ آرام ہے۔اس کی طبیعت کے حال سے مفصل اطلاع بخشیں۔مکتوب ۲۵ جنوری ۱۸۸۸ء (مکتوبات ج ۵ نمبر ۳ ص ۷۰۔۷۱)

آپ نے مرزا صاحب کے خطوط منشی رستم علی کے نام ملاحظہ فرمائے۔آپ دیکھیں کہ ان خطوط میں کتنی دعائیں ریکارڈ پر ہیں جو سندر داس کی صحت کے لئے کی گئی ہیں۔اور جو دعائیں ریکارڈ پر نہیں ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔پھر کیا ہوا؟

مرزا صاحب منشی صاحب کو لکھتے ہیں. ۱۳۔۱۴ فروری ۱۸۸۸ء کی گذشتہ رات مجھے آپ کی نسبت دو ہولناک خوابیں آئی ہیں۔جن میں سے ایک سخت ہم وغم مصیبت معلوم ہوتی تھی۔ میں نہائت وحشت اور تردد میں تھا کہ یہ کیا بات ہے۔اور غنودگی میں ایک الہام بھی ہوا کہ جو مجھے بالکل یاد نہیں رہا۔چنانچہ کل سندر داس کی وفات اور انتقال کا (آپ کا) خط پہنچ گیا انا للہ و انا الیہ راجعون معلوم ہوتا ہے یہ وہی غم تھا جس کی طرف اشارہ تھا۔ (مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر سوم۔ص ۷۳۔ تذکرہ ص ۱۵۱)

☆ اپنی صحت کے لئے دعائیں

مرزا صاحب کہتے ہیں

. مجھے دو مرض دامنگیر ہیں۔ایک جسم کے اوپر کے حصہ میں کہ سر درد اور دوران سر اور دوران خون کم ہوکر ہاتھ پیر سرد ہو جانا۔نبض کم ہو جانا (کیا یہ ایک بیماری ہے؟ بہا)۔ دوسرے جسم کے نیچے کے حصہ میں کہ پیشاب کثرت سے آنا اور اکثر دست آتے رہنا (کیا کثرت بول اور دست ایک بیماری ہے؟ بہا) یہ دونوں بیماریاں قریباً

بیس برس سے ہیں۔کبھی دعا سے ایسی رخصت ہو جاتی ہیں کہ گویا دور ہو گئیں۔مگر پھر شروع ہو جاتی ہیں۔ایک دفعہ میں نے دعا کی کہ یہ بیماریاں بالکل دور کر دی جائیں تو جواب ملا کہ ایسا نہیں ہوگا. (نسیم دعوت ص ۷۰۔طبع دسمبر ۱۹۳۶ء۔خزائن ج ۱۹ ص ۴۳۵)

☆ اپنی عمر میں اضافے کیلئے دعائیں

اپریل ۱۹۰۱۔حضرت اقدس امام ہمام (مرزا) نے ایک روز اپنی اور سلسلہ عالیہ کے خاص دوستوں کی زیادتی عمر کیلئے دعا کی تو یہ مبشر الہام ہوا رب زدنی فی عمری و فی زوجی زیادة خارق العادة یعنی اے میرے رب میری عمر میں اور میرے ساتھی کی عمر میں خارق عادت زیادتی فرما۔ (الحکم ۱۷اپریل ۱۹۰۱ء ص ۱۳۔تذکرہ ص ۴۰۶)

خارق عادت اضافہ دو چار سال نہیں عشروں کے حساب سے ہونا چاہیے۔اور الہام مبشر ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب کا دعوی ہے کہ یہ دعا قبول ہوگئی ہے ۔ پھر یہ کیا ہوا کہ مولوی عبدالکریم جو مرزا صاحب کے دو فرشتوں میں سے ایک تھا (دوسرے حکیم نوردین صاحب تھے) اس دعا اور مبشر الہام کے چند ہی سال بعد چل بسا اور اس کے چند سال بعد خود مرزا صاحب چل بسے اور اس کے چند سال بعد آپ کے دوسرے فرشتے حکیم نوردین صاحب بھی چل بسے۔خارق عادت زیادتی کہاں ہوئی اور کس کی عمر میں ہوئی؟ اور کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ دعا قبول ہی نہیں ہوئی۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں

.میں ایک قبر پر بیٹھا ہوں۔صاحب قبر میرے سامنے بیٹھا ہے ... یہ دعا بھی مانگ لوں کہ میری عمر ۹۵ سال ہو جائے ... (تذکرہ ص ۴۹۷)۔ ۲۲ نومبر ۱۹۰۳ء کے اس کشف میں بتایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے ۹۵ سال عمر کے دعا کی اور ایک مستجاب الدعوات بزرگ نے اس پر آمین کہی۔

مرزا کی عمر ۹۵ سال نہیں ہوئی اور یہ بات ان کی دعا کی عدم قبولیت کا نشان ہے

☆ عبدالکریم کی صحت کیلئے دعائیں اور الہامات

مولوی عبدالکریم سیالکوٹ سے تعلق رکھتے تھے اور مرزا صاحب کے نہائت راسخ مرید اور ان کی عبادت گاہ کے پیش امام تھے۔ یہ قادیانی بزرگ ایک مرتبہ وطن مالوف سیالکوٹ گئے اور وہاں بیمار ہو گئے۔مرزا صاحب نے انہیں سیالکوٹ کے پتے پر ایک خط

لکھا جس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخصیت مرزا صاحب کے دل کے کتنا قریب تھی ۔ آپ بھی سن لیجئے مرزا صاحب لکھتے ہیں ۔

. اصل بات یہ ہے کہ میری تمام جماعت میں آپ دو ہی آدمی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی دین کی راہ میں وقف کر دی ہے ۔ ایک آپ ہیں اور ایک مولوی حکیم نور دین صاحب ۔ ابھی تیسرا آدمی پیدا نہیں ہوا ۔ خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ۲۴ اکتوبر ۱۸۹۹ء ۔ (سیرۃ مسیح موعود از مولوی عبدالکریم ۔ صفحہ ۴۴ ۔ ۴۵) ۔

مولوی عبدالکریم صاحب مرزا صاحب کے محرم راز اور مشیر بھی تھے جیسا کہ

. مرزا صاحب کہتے ہیں رؤیا دیکھا کہ گویا حضرت ملکہ معظّمہ قیصرہ ہند سلمہا اللہ تعالی ہمارے گھر میں رونق افروز ہوئی ہیں ۔ اسی اثنا میں میں نے مولوی عبدالکریم صاحب کو جو میرے پاس بیٹھے ہیں کہا کہ حضرت ملکہ معظّمہ کمال شفقت سے ہمارے ہاں قدم رنجہ ہوئی ہیں اور دو روز قیام فرمایا ہے ۔ ان کا کوئی شکریہ بھی ادا کرنا چاہیے . (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص ۳۰۳ بحوالہ مکاشفات از منظور الہی ص ۱۷)

اور مرزائی کہتے ہیں کہ مولوی صاحب کو خدا نے لیڈر بنایا تھا جیسا کہ لکھا ہے

. مولوی عبدالکریم صاحب جب گھر آئے تو انہوں نے غیرت کے جوش میں اپنی بیوی کو بہت کچھ سخت سست کہا ۔ حتی کہ ان کی یہ غصہ کی آواز حضرت مسیح موعود نے پیچھے اپنے مکان میں بھی سن لی ۔ چنانچہ اس واقعہ کے متعلق اسی شب حضرت صاحب کو الہام ہوا کہ یہ طریق اچھا نہیں ۔ اس سے روک دیا جائے مسلمانوں کے لیڈر عبدالکریم کو ۔ لطیفہ یہ ہوا کہ صبح کو مولوی صاحب تو اپنی اس بات پر شرمندہ تھے اور لوگ انہیں مبارکبادیں دے رہے تھے کہ اللہ تعالی نے انکا نام مسلمانوں کا لیڈر رکھا

(سیرۃ المہدی حصہ دوم ص ۷۸ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص ۳۱۷)

اور مرزا صاحب نے منشی رستم علی کو ایک خط میں لکھتے ہیں

. ہماری جماعت میں سے اچھے اچھے لوگ مرتے جاتے ہیں ۔ چنانچہ مولوی عبدالکریم صاحب جو ایک مخلص انسان تھے اور ایسا ہی مولوی برہان الدین صاحب جہلم میں فوت ہو گئے اور بھی بہت سے مولوی صاحبان اس جماعت میں سے فوت ہو گئے ۔ مگر افسوس ہے کہ جو مرتے ہیں ان کا جانشین ہم کو نظر نہیں آتا .

(مکتوب ۶ دسمبر ۱۹۰۵ء از مکتوبات احمدیہ ج ۵ نمبر ۳ ص ۶۳)

مولوی عبد الحق غزنوی نے ایک مرتبہ مرزا صاحب سے کہا تھا کہ آپ کن فیکون کے مالک ہیں۔ اللہ آپ کی باتیں مانتا ہے۔ دعائیں قبول کرتا ہے۔ آپ کا دعوی ہے کہ آپ جو چاہتے ہیں خدا وہی کر دیتا ہے۔ عبد الکریم آپ کا کتنا جاں نثار مرید ہے۔ اپنے فضائل وکمالات کی زکوۃ سے اپنے اس جان نثار مرید کو بھی کچھ عطا فرما دیجئے، ہم اسے آپ کی دعاؤں کی قبولیت کے دعوی کی صداقت کا نشان سمجھ لیں گے۔ مرزا صاحب مولوی عبد الحق صاحب کی یہ بات سن کر اکھڑ گئے اور کہنے لگے کہ دیکھو اس نابکار نے

مولوی عبد الکریم صاحب کا ذکر کیا ہے اور یہ نشان مانگا ہے کہ مولوی صاحب کو جو ایک ٹانگ میں کمزوری ہے اور ایک آنکھ کی بصارت میں خلل ہے یہ دونوں عارضے جاتے رہیں. (تحفہ غزنویہ خزائن ج ۱۵ ص ۵۵۷)۔ اور پھر انہوں نے اپنے اس مرید کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ دراصل انہوں نے زبان حال سے مولوی عبد الحق صاحب کو کہا تھا کہ میری اپنی بصارت درست نہیں ہے (جیسا کہ مفتی صادق قادیانی نے لکھا ہے

. حضرت مسیح موعود (مرزا) کے اندرون خانہ ایک نیم دیوانی سی عورت بطور خادمہ کے رہا کرتی تھی۔ ایک دفعہ اس نے کیا حرکت کی۔ کہ جس کمرے میں حضرت صاحب بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے وہاں ایک کونے میں ایک کھرا تھا۔ جس کے پاس پانی کے گھڑے رکھے تھے۔ وہاں اپنے کپڑے اتار کر اور ننگی بیٹھ کر نہانے لگ گئی۔ حضرت صاحب اپنے کام تحریر میں مصروف رہے۔ اور کچھ خیال نہ کیا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ جب وہ نہا چکی تو ایک اور خادمہ ادھر اتفاقاً آ نکلی۔ اس نے اس نیم دیوانی کو ملامت کی کہ حضرت صاحب کے کمرے میں اور موجودگی کے وقت تو نے یہ کیا حرکت کی۔ تو اس نے ہنس کر جواب دیا انہوں کچھ دیدا ہے یعنی اسے کیا دکھائی دیتا ہے.

(ذکر حبیب از مفتی صادق قادیان ۱۹۳۶ء ص ۳۸۔۳۹)

اور میرا اپنا دایاں ہاتھ کام نہیں کرتا (چوبارے کی کھڑکی سے گر گئے تھے دائیں ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور بقول بشیر احمد یہ ہاتھ آخر عمر تک کمزور رہا۔ اس ہاتھ سے آپ لقمہ تو منہ تک لے جاسکتے تھے مگر پانی کا برتن وغیرہ منہ تک نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اور نماز میں بھی آپ کو دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے سہارے سے سنبھالنا پڑتا تھا۔ سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۹۸)۔ اس

پس منظر میں انوں نے زبان حال سے فرمایا کہ جب میں اپنے لئے کچھ نہیں کرسکتا تو عبدلکریم کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ ویسے عبدالکریم صاحب، مرزا صاحب کے نزدیک اتنے پہنچے ہوئے (خدا رسیدہ) شخص تھے کہ خود بھی ان سے اپنے لئے دعا کراتے تھے۔ جیسا کہ ان کی موت کے بعد اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

. کل رات خواب میں مولوی عبدالکریم کو دیکھا کہ ایک بڑے کمرے میں پھر رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ آؤ مصافحہ کرلیں۔ پھر مصافحہ کیا اور میں انہیں کہتا ہوں دعا کرو۔ دشمنوں پر خدا مجھے غلبہ دے۔ اور پھر آج دیکھا کہ ایک کمرے میں پھرتے ہیں۔ بہت جوش میں اور سخت ناراض ہیں کہ وہ میرا نام لے کر کہتے ہیں کہ کیوں لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور کیوں نہیں مانتے اور بڑے جوش اور غضب سے کہہ رہے ہیں.

(۱۳ اپریل ۱۹۰۶ء کا الہام۔ تذکرہ طبع دوم ص ۶۰۰۔ بحوالہ بدر ۵ اپریل ۱۹۰۶۔ الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء)

ان مولوی عبدالکریم صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ

. ۲۱ اگست ۱۹۰۵ کو (عبدالکریم کی) گردن کے نیچے چھوٹی سی پھنسی نمودار ہوئی۔ جو مرض کی ابتداء تھی۔ ۵۱ دن بعد ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ بدھ کے روز اس دار ناپائیدار سے انتقال کرگئے۔ اس لمبی مرض کے اثنا میں کئی دفعہ صحت کا رنگ آیا پھر مرض کا عود ہوا۔ اور آخر ذات الجنب کے حملہ سے جس میں ۱۰۶ درجہ بخار ہوگیا جان سپرد خدا کی.

(الحکم ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۵ء)

اس بیماری کے دوران مرزا صاحب ان کی صحت کے لئے دعائیں کرتے رہے جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ

. مولوی عبدالکریم صاحب کی گردن کے نیچے پشت پر ایک پھوڑا ہے جس کو چیرا دیا گیا ہے۔ فرمایا (مرزا صاحب نے ۳۰ اگست ۱۹۰۵ء کے روز کہ) میں نے ان کے واسطے رات دعا کی تھی۔ رؤیا میں دیکھا کہ مولوی نوردین صاحب ایک کپڑا اوڑھے بیٹھے ہیں اور رو رہے ہیں۔ فرمایا (مرزا صاحب نے) ہمارا تجربہ ہے کہ خواب کے اندر رونا اچھا ہوتا ہے اور میری رائے میں طبیب کا رونا مولوی صاحب کی صحت کی بشارت ہے (تذکرہ ص ۵۵۹۔ بحوالہ اخبار بدر ۳۱ اگست ۱۹۰۵)۔ (نہ دعا قبول ہوئی نہ تعبیر درست ہوئی)۔

اور

. ۳۱ اگست ۱۹۰۵ کو (مرزا صاحب نے) فرمایا کہ نصف رات سے فجر تک مولوی عبدالکریم صاحب کے لئے دعا کی گئی۔صبح جب سویا تو یہ خواب آئی۔ میں نے دیکھا کہ عبداللہ سنوری میرے پاس آیا ہے اور ایک کاغذ پیش کر کے کہتا ہے کہ حاکم سے دستخط کرانا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ لوگ نہ کسی کی سفارش مانیں نہ شفاعت۔ میں تیرا کاغذ لے جاتا ہوں۔ جب گیا تو اکسٹرا اسسٹنٹ کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں نے کہا یہ ایک میرا پرانا دوست ہے اس پر دستخط کر دو۔ اس نے بلا تامل کر دیئے۔ اس وقت میں کہتا ہوں کہ مقبول کو بلاؤ۔ اس کے کاغذ پر دستخط ہو گئے (اخبار بدر ج ۱ نمبر ۲۳ ملخص)

یعنی عبدالکریم کی صحت کے پروانے پر دستخط کرائے گئے۔ اس کشف کی تشریح الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء میں مرزا صاحب نے یوں کی

. اللہ تعالی کے نشان اس طرح کے ہوتے ہیں انسان کی طاقت نہیں کہ ظاہر کر سکے۔ مولوی صاحب کی زیادہ علالت کے وقت میں بہت دعا کرتا تھا اور بعض نقشے میرے آگے ایسے آئے جن سے نا امیدی ظاہر ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت ہے۔ اس دعا میں میں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی نے بشارت نازل کی۔ اور عبداللہ سنوری والہ خواب میں نے دیکھا جس سے نہائت درجہ غمناک دل کو تسلی ہوئی جو گزشتہ اخبار میں چھپ چکا ہے۔ (الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء)

اس سے آگے الحکم کا ایڈیٹر لکھتا ہے

حضرت اقدس (مرزا) حسب معمول تشریف لائے اور ایک رؤیا بیان کی جو بڑی ہی مبارک اور مبشر ہے۔ فرماتے تھے کہ آج تک جس قدر الہامات اور مبشرات ہوئے ان میں نام نہ تھا لیکن آج تو اللہ تعالی نے خود مولوی عبدالکریم صاحب کو دکھا کر صاف طور پر بشارت دی ہے۔ اس رؤیا کو سن کر جب ڈاکٹر صاحب پٹی کھولنے لگے تو خدا کی قدرت کا عجب تماشا مشاہدہ کرتے ہیں وہ یہ کہ سارے زخم پر انگور آ گیا ہے۔

(الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ تذکرہ ص ۵۶۰ و ۵۶۵)

اور الحکم ۳۰ ستمبر ۱۹۰۵ء کے مطابق مرزا صاحب نے ۲۷ ستمبر کو جماعت کو نصیحت کی کہ کل جنگل میں جا کر دعا کریں گے مولوی صاحب کے لئے۔ اور خود بھی ۲۸ ستمبر کو صبح

ہی باغ میں گئے اور کئی گھنٹے تک تخلیہ میں دعا کی (اسلامیہ پاکٹ بک ۔کراچی ۱۹۷۶ءص ۵۲)

اور ۱۰ستمبر ۱۹۰۵ء کی ایک خواب مرزا صاحب نے یوں بیان کی ہے ۔

ایک جگہ بڑی حویلی ہے ۔اس کے آگے ایک بڑا چبوترہ ہے جس کی کرسی بہت بلند ہے ۔اس پر مولوی عبدالکریم صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے دروازہ پر بیٹھے ہیں ۔اسی جگہ میں ہوں اور چار پانچ اور دوست ہیں ۔ جو ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں ۔میں نے کہا مولوی صاحب میں آپ کو صحت کی مبارکباد دیتا ہوں ۔اور پھر میں رو پڑا ۔اور میرے ساتھ اور دوست بھی رو پڑے ۔اور مولوی صاحب بھی رو پڑے ۔ پھر میں نے کہا دعا کرو ۔اور دعا میں تین دفعہ سورۃ فاتحہ پڑھی

(تذکرہ چوتھا ایڈیشن ص ۵۶۵ ۔ ۵۶۶ بحوالہ بدر ۲۲ستمبر ۱۹۰۵ء ۔الحکم ۱۰ستمبر ۱۹۰۵ء)

یہ مولوی عبدالکریم صاحب مرزا صاحب کے گھر میں رہتے تھے لیکن بیماری کی شدت سے حواس باختہ ہو چکے تھے جیسا کہ مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے

بیان کیا مجھ سے بیوہ...مولوی عبدالکریم صاحب نے کہ جب مولوی عبدالکریم صاحب بیمار ہوئے اور ان کی تکلیف بڑھ گئی تو بعض اوقات شدت تکلیف کے وقت نیم غشی کی سی حالت میں وہ کہا کرتے تھے کہ سواری کا انتظام کرو ۔میں حضرت صاحب سے ملنے کے لئے جاؤں گا ۔گویا وہ سمجھتے تھے کہ میں کہیں باہر جا رہا ہوں اور حضرت صاحب قادیان میں ہیں ۔اور بعض اوقات کہتے اور ساتھ ہی رو پڑتے تھے کہ دیکھو میں نے اتنے عرصے سے حضرت صاحب کا چہرہ نہیں دیکھا ۔تم مجھے حضرت صاحب کے پاس کیوں نہیں لے جاتے ۔ابھی سواری منگاؤ مجھے لے چلو ۔ایک دن جب ہوش تھی کہنے لگے جاؤ حضرت صاحب سے کہو کہ میں مر چلا ہوں ۔ مجھے صرف دور کھڑے ہو کر اپنی زیارت کرائیں اور بڑے روئے اور اصرار کے ساتھ کہا کہ ابھی جاؤ ۔میں نیچے حضرت صاحب کے پاس آئی کہ مولوی صاحب اس طرح کہتے ہیں ۔حضرت صاحب فرمانے لگے کہ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا میرا دل مولوی صاحب کو ملنے کو نہیں چاہتا؟ مگر بات یہ ہے کہ میں ان کی تکلیف دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ۔ مولویانی مرحومہ کہتی تھیں کہ اس وقت تمہاری والدہ (نصرت بیگم) پاس تھیں ۔ انہوں نے حضرت صاحب سے کہا کہ جب واقعی وہ اتنی خواہش رکھتے ہیں تو آپ کھڑے کھڑے ہو آئیں

حضرت صاحب نے فرمایا کہ اچھا میں جاتا ہوں مگرتم دیکھ لینا کہ اتنی تکلیف دیکھ کر مجھے دورہ ہو جائے گا۔ (لیکن گئے پھر بھی نہیں جیسا کہ آگے آتا ہے) خاکسار (بشیر احمد) عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب کو مولوی عبدالکریم صاحب سے بہت محبت تھی اور یہ اس محبت کا تقاضا تھا کہ آپ مولوی صاحب کی تکلیف کو دیکھ نہ سکتے تھے۔ چنانچہ باہر مسجد میں کئی دفعہ فرماتے تھے کہ مولوی صاحب کی ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے مگر میں ان کی تکلیف دیکھ نہیں سکتا۔ چنانچہ آخر مولوی صاحب اسی مرض میں فوت ہوگئے مگر حضرت صاحب ان کے پاس نہیں جا سکے۔ بلکہ حضرت صاحب نے مولوی صاحب کی بیماری میں اپنی رہائش کا کمرہ بھی بدل لیا تھا کیونکہ جس کمرہ میں آپ رہتے تھے وہ چونکہ مولوی صاحب کے مکان کے بالکل نیچے تھا اس لئے وہاں مولوی صاحب کے کراہنے کی آواز پہنچ جاتی تھی۔ جو آپ کو بے تاب کر دیتی تھی۔ اور مولوی صاحب چونکہ مرض کاربنکل میں مبتلا تھے اس لئے ان کا بدن ڈاکٹروں کی چیر پھاڑ سے چھلنی ہو گیا تھا اور وہ اس کے درد میں مبتلا ہو کر کراہتے تھے۔

(سیرۃ المھدی اول ص ۲۷۱ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ از الیاس برنی ص ۶۲۹)

مرزا صاحب کی اتنی دعاؤں اور صحت کے الہامات کے باوجود جب مولوی عبدلکریم صاحب بیماری سے جان بر نہ ہو سکے اور ۱۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء اس جہان فانی سے چل دیئے تو تحریک ختم نبوت کے کارکنوں نے مرزا صاحب کو آڑے ہاتھوں لیا کہ جناب آپ تو کہا کرتے ہیں کہ آپ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور الہامات سچے ہوتے ہیں۔ اگر یہ دعاوی درست ہیں تو بتاؤ کہ اب عبدالکریم کہاں ہے۔ کیا آپ اس کی موت کے خواہاں تھے یا زندگی کے؟ آپ اس کی موت کے لئے دعائیں کر رہے تھے یا زندگی کے لئے؟ آپ کے الہامات ان کی زندگی کی بشارتیں لئے ہوئے تھے یا موت کی خبریں؟ مرزا صاحب فرمانے لگے کہ مجھے تو عبدالکریم کی موت کے الہام ہو رہے تھے۔ فرماتے ہیں

. میرے نشانوں کو سن کر مولوی ثناء اللہ صاحب کی عادت ہے کہ ابوجہلی مادہ کے جوش سے انکار کے لئے کچے حیلے پیش کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس جگہ بھی انہوں نے یہی عادت دکھلائی اور محض افترا کے طور پر اپنے پرچہ اہل حدیث ۸ فروری ۱۹۰۷ء میں میری نسبت یہ لکھ دیا ہے کہ مولوی عبدالکریم کے صحت یاب ہونے کی نسبت جو

ان کو الہام ہوا تھا کہ وہ ضرور صحت یاب ہو جائیگا مگر آخر وہ فوت ہو گیا۔ اس افتراء کا ہم (مرزا) کیا جواب دیں بجز اس کے کہ لعنت اللہ علی الکا ذبین۔ مولوی ثناء اللہ صاحب ہمیں یہ بتا دیں کہ (اگر) مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کے صحت یاب ہونے کی نسبت الہام مذکورہ بالا ہو چکا ہے تو پھر یہ الہامات مندرجہ ذیل جو پرچہ اخبار بدر اور الحکم میں شائع ہو چکے ہیں کس کی نسبت سے تھے۔ یعنی کفن میں لپیٹا گیا۔ ۴۷ سال کی عمر انا للہ و انا الیہ راجعون اس نے اچھا ہونا ہی نہیں تھا ان المنا یا لا تطیش سھا مھا یعنی موتوں کے تیر ٹل نہیں سکتے۔ واضح ہو کہ یہ سب الہام مولوی عبد الکریم صاحب کی نسبت تھے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی۔ خزائن ج ۲۲۔ ص ۴۵۸)

اس تحریر میں مرزا صاحب نے بتایا کہ ۴۷ سال کی عمر انا للہ اور ان المنا یا لا تطیش سھا مھا والے الہام مولوی عبد الکریم کی موت کے بارے میں تھے۔ کہ وہ ۴۷ سال کی عمر میں فوت ہو جائیں گے اور موتوں کے تیر روکے سے نہیں رکتے۔ اس لئے یہ کہنا کہ میں نے مولوی صاحب کی صحت کی دعائیں کر کے اس کی صحت کی بشارت دے رکھی تھی غلط بات ہے اور ایسا کہنا مولوی ثناء اللہ اور اس کے ہم نواؤں کا کذب وافتراء ہے۔ آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کے ان دونوں الہاموں کا شان نزول کیا ہے اور مولوی عبد الکریم کی موت سے پہلے انہوں نے ان الہامات کے کیا معنی بتائے تھے۔

اخبار الحکم میں مرزا صاحب کا ۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کا الہام بایں الفاظ درج ہے

. ۴۷ سال کی عمر انا للہ (پھر مرزا صاحب کہتے ہیں) اس سے دوسرے دن ایک شخص کا خط آیا جس میں اپنی بدکاریوں اور غفلتوں پر نہائت افسوس کی تحریر کر کے (مکتوب نگار مرید نے) لکھا ہے۔ اب میری عمر ۴۷ سال ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ فرمایا (مرزا صاحب نے) کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خط باہر سے آنے والہ ہوتا ہے اس کے مضمون سے پہلے اطلاع دے دی جاتی ہے ۔ اور ۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے ۹ ستمبر کو (مرزا صاحب نے) فرمایا کہ مجھے بہت ہی فکر تھا کہ بعض الہامات ان میں متوحش تھے۔ آج صبح بہت سوچنے کے بعد میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ بعض وقت ترتیب کے لحاظ سے پہلے یا پیچھے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان الہامات کی ترتیب اللہ تعالی نے میرے دل میں ڈالی کہ

ایسے الہامات جیسے اذا جاء افواج و سم من السماء اور کفن میں لپیٹا گیا اور ان المنایا لا تطیش سہا مہا اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ قضا و قدر تو ایسی ہی تھی (کہ مولوی صاحب کی موت سامنے ہے) مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحم سے رد بلا کر دیا (یعنی صحت عطا کر کے موت کو ٹال دیا ہے)

(الحکم ۱۰ ستمبر ۱۹۰۵ ص ۲۱ منقول از محمدیہ پاکٹ بک ص ۸۹-۹۰)

مرزا صاحب کی اس تحریر نے فیصلہ کر دیا کہ ۴۷ سال کی عمر والہ الہام تو کسی اور مرید کے متعلق ہے۔ اور کفن میں لپیٹا گیا اور موتوں کے تیر والہ الہام بلکہ ایک تیسرا الہام بھی جو مولوی عبدالکریم کے متعلق تھا خدا نے ان سب کو اپنے فضل و رحم سے رد کر دیا۔ اب رہا الہام اس نے اچھا ہونا ہی نہ تھا ۔ تو سنئے ان الفاظ کا مرزا صاحب کا کوئی الہام نہیں ہے۔ البتہ مولوی عبدالکریم کی بیماری (جو ۲۱ اگست ۱۹۰۵ء کو شروع ہوئی) سے دو ماہ پہلے یہ الہام ہوا تھا خدا نے اس کو اچھا کرنا ہی نہیں تھا۔ بے نیازی کے نام ہیں (البشری۔ ج ۲ ص ۹۹) اور وہیں اس الہام کی تشریح میں لکھا ہے ۔ ہماری جماعت کے ۴ آدمیوں میں سے جو سخت بیمار ہوئے تھے ان میں سے ایک کے متعلق یہ الہام ہوا۔ یعنی اس کی موت تقدیر مبرم کی طرح کی تھی گویا تقدیر مبرم تھی۔ مگر معجزہ مسیح ہے کہ خدا نے اس کو اچھا کر دیا۔ مبرم تقدیر قابل تبدیل نہیں ہوتی۔ مگر بعض تقدیریں مبرم سے سخت مشابہ ہوتی ہیں ایسی دور ہوسکتی ہیں. مولانا معمار کہتے ہیں کہ دیکھئے مرزا صاحب نے مولانا امرتسری کو جواب میں ۴ الہام پیش کئے۔ ان میں سے دو غیروں کے متعلق ہیں اور باقی دو خود مرزا صاحب اور ان کے الہام کنندہ نے رد کر دیئے اور عبدالکریم کو صحت کی بشارت دے دی۔ بتایئے اب ابوجہل، دجال اور کذاب کون ہوا؟ مولانا امرتسری کہ جنہوں نے صاف اقوال مرزا سے صحت کے الہام دکھا دیئے یا مرزا صاحب کہ جنہوں نے غیر متعلق اور مردود و منسوخ الہام پیش کر کے اپنی جھوٹی نبوت ثابت کرنی چاہی۔ (محمدیہ پاکٹ بک۔ ص ۹۰-۹۱)

☆ تیرہ ماہیہ پیش گوئی

مرزا صاحب کی ایک مشہور پیش گوئی ہے جسے تیرہ ماہیہ پیش گوئی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں مرزا صاحب نے کہا تھا کہ پیش گوئی کئے جانے سے تیرہ ماہ کے اندر اندر ان کی صداقت کا نشان اس طرح ظاہر ہوگا کہ مولوی محمد حسین بٹالوی سید ابوالحسن تبّتی اور ملا

محمد بخش جعفر زٹلی کو ذلت پہنچے گی۔ اور وہ تینوں ذلیل وخوار اور رسوا ہوں گے وغیرہ وغیرہ ۔اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں جھوٹا۔

اس پیش گوئی کو تقویت پہنچانے کیئے مرزا صاحب نے دعا بھی فرمائی کہ

اے اللہ . اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیزگار اور میں کذاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں میں ذلت کی مار سے تباہ کر۔اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزت ہے تو میرے لئے یہ نشان ظاہر فرما کہ ان تینوں کو ذلیل اور رسوا اور ضربت علیھم الذلۃ کا مصداق کر آمیں ثم آمین ۔ یہ دعا تھی جو میں نے کی ۔ اس کے جواب میں یہ الہام ہوا ۔میں ظالم کو ذلیل اور رسوا کرونگا اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا ۔ (تذکرہ ص ۳۲۴) (اس پیش گوئی کی مدت پندرہ دسمبر ۱۸۹۸ء سے پندرہ جنوری ۱۹۰۰ء تک تھی)

مدت کے اختتام پر لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی پیش گوئی کا کیا انجام ہوا اور آپ کی دعا کا کیا بنا؟ محمد حسین کو کیا ذلت پہنچی؟ ابوالحسن تبّتی کیسے ذلیل ہوا؟ اور ملا محمد بخش کیوں کر ذلیل وخوار ہوا؟ مرزا صاحب نے فرمایا کہ محمد حسین نے لائل پور (حال فیصل آباد پاکستان) کے ضلع میں زمین خرید لی ہے ۔اور اس کا زمین دار ہو جانا ہی اس کی ذلت ہے ۔ لوگوں نے پوچھا کہ ابوالحسن تبّتی اور محمد بخش جعفر زٹلی کو کیا ذلت پہنچی؟ فرمایا کہ وہ محمد حسین کے دوست اور تابع ہیں ۔محمد حسین کی ذلت ہی ان کی ذلت ہے ۔ان کی الگ سے ذلت کی ضرورت نہیں

اگر محمد حسین کا زمین دار ہو جانا اس کی ذلت کے مترادف تھا تو جناب مرزا صاحب پیدائشی ذلیل تھے کیونکہ وہ زمین دار گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور خود بھی بنیادی طور پر زمین دار تھے ۔اور جب دو ذلیلوں میں سے فیصلہ کرنا ہو کہ بڑا ذلیل کون ہے تو اس کے دو ہی پیمانے ہو سکتے ہیں ۔ ایک یہ کہ کس ذلیل میں وجہ ذلت زیادہ ہے ۔ دوسرا یہ کہ دونوں میں سے پہلے کون ذلیل ہوا؟ اور ان دونوں پیمانوں سے محمد حسین اور مرزا صاحب کو جانچیں تو مرزا صاحب کا پلہ ہی بھاری نظر آتا ہے کیونکہ محمد حسین نے تو ۱۹۰۰ء گردو پیش فیصل آباد والی زمین خریدی تھی جب کہ مرزا صاحب ۱۸۴۰ء کے عشرے سے زمین دار چلے آرہے تھے ۔ اور محمد حسین نے تو صرف چار مربع زمین حاصل کی تھی جب کہ مرزا صاحب کا دعوی تھا کہ وہ پورے گاؤں کے مالک ہیں ۔

ایک دفعہ مولانا بٹالوی پر جب مرزا صاحب نے گالی گلوچ کا حربہ استعمال کیا تو انہوں نے لکھا کہ کوئی ذی علم آدمی تمہاری گالیوں کا یوں بھی حریف نہیں ہو سکتا کہ تم مختاری اور مقدمہ بازی کرتے رہے ہو۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے لکھا

. تم لکھتے ہو کہ تم مختاری اور مقدمہ بازی کرتے رہے ہو۔ آپ ان افتراؤں سے باز آجائیں۔ والد صاحب کے زمانہ میں اکثر وکلاء کی معرفت اپنے زمین داری کے مقدمے ہوتے تھے اور کبھی ضرورتاً مجھے آپ ہی جانا پڑتا تھا۔ یہ عاجز ان پیشوں میں کبھی نہیں پڑا کہ دوسروں کے مقدمات عدالتوں میں کرتا رہے (مکتوبات احمدیہ ج ۴ ص ۳۶)۔ حالانکہ مرزا صاحب کی مقدمہ بازی کوئی مخفی چیز نہ تھی (کیونکہ مرزا صاحب نے اپنی عمر کافی حصہ مقدمہ بازی میں گزارا ہے۔ خود لکھتے ہیں. میرے والد صاحب اپنے بعض آباء واجداد کے دیہات دوبارہ حاصل کرنے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے انہی مقدمات میں مجھے بھی لگایا اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ افسوس کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بے ہودہ جھگڑوں میں ضائع ہو گیا۔ (کتاب البریہ ص ۱۵۱)

اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ۱۸۷۴ء سے پہلے میں مرزا صاحب (غلام مرتضی) کے وقت میں کسانوں کے ساتھ ایک مقدمہ پر امرتسر میں کمشنر کی عدالت میں تھا۔ ایک دن پہلے کمشنر کسانوں کی رعائت کرتا ہوا اور ان کی شرارتوں کی پرواہ نہ کرکے برسر عدالت کہنے لگا کہ یہ غریب لوگ ہیں تم ان پر ظلم کرتے ہو۔ اس رات میں نے دیکھا کہ وہ انگریز ایک چھوٹے سے بچے کی شکل میں میرے پاس کھڑا ہے۔ میں اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہوں۔ اس کے بعد جب ہم عدالت میں گئے تو اس کی حالت ایسی بدلی ہوئی تھی کہ گویا وہ پہلا انگریز ہی نہ تھا۔ اس نے کسانوں کو بہت ڈانٹا اور مقدمہ ہمارے حق میں فیصل کیا۔ اور ہمارا سارا خرچہ بھی ان سے دلایا۔ (تذکرہ ص ۱۴ بحوالہ الحکم ۱۷ جون ۱۹۰۱ء ص ۳)

(اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ابتدا ہی سے بیداد کے خوگر تھے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ غیر قوم کا کوئی حاکم جسے فریقین سے کوئی تعلق نہ تھا انہیں کہتا کہ تم ان پر ظلم کرتے ہو.. خیر اگلے دن وہی حاکم مرزا کا حامی بن گیا۔ اور اس نے مفلوک الحال کسانوں کو ڈانٹا)۔

اور ایک اور مقام پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے اپنے ایک زمین داری مقدمہ کے متعلق جو تحصیل بٹالہ میں دائر تھا خواب آئی کہ جھنڈا سنگھ نامی ایک دخیل کار

پر ہماری ڈگری ہوگئی ہے۔اس دخیل کار پر بوجہ ایک درخت کیکر جس کو اس نے اپنے کھیت سے ہماری اجازت کے بغیر کاٹ لیا تھا چودہ روپئے کی نالش کی گئی تھی۔سوخواب دکھائی دیا کہ دعوی مسموع ہوکر ڈگری ہوگئی ہے (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص ۳۶)۔اور مولانا بٹالوی نے آپ کو یہ طعنہ نہیں دیا تھا کہ تم دوسروں کے مقدمات کرتے رہے ہو۔ بلکہ ان کا بھی مرزا صاحب کے اپنے مقدمات کی طرف اشارہ تھا۔پس ان کا یہ کہنا کہ افتراؤں سے باز آجاؤ، خود افترا پردازی ہے ۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب مختاری کے امتحان میں کامیاب ہوجاتے تو دوسروں کے مقدمات کی پیروی میں کچہریوں کی خاک بھی چھانا کرتے۔ اور ہاں۔ جب مرزا صاحب نے مختاری کا امتحان دیا تو وہ کیا چاہتے تھے۔پاس ہونا یا فیل ہونا؟ یقیناً پاس ہونا چاہتے تھے ۔اورمرزا صاحب کا کہنا ہے کہ خدا وہی کرتا تھا جو وہ چاہتے تھے۔پھرمرزا صاحب پاس کیوں نہ ہوئے؟

تاہم مرزا صاحب نے مقدمہ بازی کو اپنے حق میں استعمال کرتے ہوئے فرمایا

. ان زمین داری تعلقات سے جو ابتدائی زندگی سے میرے ساتھ رہے کوئی تعجب نہ کرے کیونکہ احادیث نبویہ پر غور کرنے سے بصراحت معلوم ہوگا کہ وہ مسیح موعود حارث کہلائے گا۔ (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص ۳۷)

مولانا دلاوری کہتے ہیں کہ

یہ کہیں نہیں لکھا کہ حضرت مسیح موعود انگریزی عدالتوں میں مقدمے لڑیں گے۔ اور نہ یہ کسی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ حارث یعنی کاشت کار ہوں گے۔مرزا صاحب نے ایک جنبش قلم سے رائی کو پہاڑ بنا دیا۔ وہ حدیث ملاحظہ ہو جس کی طرف مرزا صاحب کا اشارہ ہے اور جس میں حارث کے ماوراءالنہر سے برآمد ہونے کا تذکرہ ہے

عن علی قال قال رسول اللہ ﷺ یخرج رجل من وراء النھر یقال لہ الحارث حراث علی مقدمۃ رجل یقال لہ منصور یوطن او یمکن لآل محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ ﷺ وجب علی کل مسلم نصرہ او اجابہ (رواہ ابو دائود)۔حضرت علی سے روائت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص جس کو حارث حراث کہیں گے ملک ماوراء النہر سے نکلے گا۔اس کے لشکر کی ہراول فوج کے سردار کا نام منصور ہوگا۔ وہ آل محمد کو

اسی طرح اپنے ہاں جگہ دے گا جس طرح قریش رسول اللہ کی نصرت وتمکین کا باعث ہوئے تھے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس کی مدد کرے یا اجابت کرے

اس حدیث میں حارث اور حراث دو لفظ آئے ہیں ۔مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ کاشت کار ہوگا حالانکہ فی الحقیقت وہ مزارع نہیں ہوگا بلکہ حارث حراث کے نام سے پکارا جائے گا۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ حارث اس کا نام ہو اور حراث اس کی صفت ہو۔حراث لغت عرب میں جمع کرنے والے کو کہتے ہیں ۔پس یہاں مقدمہ لشکر کے قرینہ سے الفاظ احادیث کے یہ معنی ہوئے کہ حارث نامی ایک شخص ماوراء النہر سے برآمد ہوگا جو عساکر کا اجتماع کرے گا اوراس کے مقدمہ لشکر کے سردار کا نام منصور ہوگا ۔اب قادیانی بتائیں کہ مرزا صاحب کا نام حارث تھا یا غلام احمد؟ اگر حارث کے معنی کاشت کار لئے جائیں تو مرزا صاحب کا پیشہ زراعت تھا یا مقدمہ بازی؟ ۔اگر زراعت کہوتو بتاؤ کہ مرزا صاحب نے کبھی ہل چلایا ہو۔مرزا صاحب کون سا لشکر لے کر ماوراءالنہر سے نکلے تھے؟ ان کے ماوراءالنہر سے نکلنے کا کیا ثبوت ہے ۔ ہراول کے سردار کا نام منصور ہونا چاہیے ۔مرزا صاحب کا کون سا لشکر تھا جس کے سردار کا نام منصور ہو۔ مرزا حارث کی ہراول فوج کہاں غارت ہوگئی ۔ مرزا حارث نے کس سید کو پناہ دی؟ مسیح موعود کے کاشت کار ہونے کا جو ڈھکوسلا بنایا ہے اس کا حدیث میں کہاں ذکر ہے ۔یعنی وہ لفظ پیش کرو جس کا ترجمہ مسیح موعود ہو۔

اگر بفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ زمین دار ہو جانا واقعتاً محمد حسین کی ذلت تھی تو پھر بھی مرزا کی پیش گوئی غلط ہی نکلتی ہے کیونکہ پیش گوئی کا نشانہ تین افراد تھے ۔ جن میں سے دو افراد کو خود مرزا صاحب کے اقرار کے مطابق کوئی ذلت ان تیرہ مہینوں میں نہیں پہنچی ۔ اور جب تین میں سے دو آدمیوں کو کچھ نہیں نہ ہوا اور صرف ایک ہی ذلیل ہوا ہو تو پیش گوئی کو بحیثیت مجموعی دیکھا جائے گا اوراس کی تقدیر کا فیصلہ اکثریت کے مطابق ہوگا۔

زمین داری کی یہ بحث تو شائد خواہ مخواہ ہی چل پڑی جب کہ ہماری گزارشات کا اصل مقصد یہ ہے کہ پیش گوئی کے تیرہ مہینوں میں محمد حسین بٹالوی اور ابوالحسن تبتی اور محمد بخش جعفر زٹلی کو کوئی ذلت نہیں پہنچی اور مرزا صاحب کی الہامی پیش گوئی غلط نکلی اوراس پیش گوئی کو تقویت دینے کے لئے مرزا صاحب نے جو دعا فرمائی تھی وہ بھی شرف قبولیت

سے محروم رہی۔

مزید سنئے۔مرزا صاحب فرماتے ہیں

اور جو کچھ مولوی محمد حسین اور ان کے رفقا کی نسبت پیش گوئی خدا کے الہام سے کی لکھی گئی تھی اس کی نسبت کوئی تاریخ مقرر نہ تھی۔صرف میری دعا میں اپنے الفاظ تھے۔الہامی الفاظ نہ تھے۔اورصرف میری دعا تھی کہ اتنی مدت میں ایسا ہو۔ سو خدا تعالی اپنی وحی کا پابند ہوتا ہے۔اس پر فرض نہیں کہ جو اپنی طرف سے التجا کی جائے بعینہ اس کو ملحوظ رکھے۔اس لئے پیش گوئی میں جو عربی میں شائع ہو چکی ہے کوئی مدت مقرر نہیں کہ فلاں مہینہ یا برس میں رسوا کیا جائے گا'

(روحانی خزائن ج ۲۲ (حقیقت الوحی) ص ۱۹۵)

حقیقۃ الوحی مئی ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ ۱۹۰۷ء تک بھی کچھ نہیں ہوا تھا۔ یعنی پیش گوئی کے تیرہ ماہ مولوی محمد حسین اور اس کے ساتھیوں کے لئے بخیریت گذر گئے تھے اور پیش گوئی پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اس سے پہلے مرزا صاحب جن باتوں کو اپنی پیشگوئی کے پورے ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے تھے وہ باتیں دراصل مولانا کی ذلت نہیں تھیں۔مثلاً انہوں نے یہ کہا کہ مولانا بٹالوی کو زمین مل گئی ہے۔یا ان کے مریدوں نے کہا کہ ہم نے لاہور میں مولانا کو بطرف ریلوے سٹیشن جاتے ہوئے دیکھا کہ اپنے سامان کا تھیلہ انہوں نے خود اٹھایا ہوا تھا۔یا مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ کچھ علماء نے ان کیخلاف فتوی دے دیا تھا۔وغیرہ

اور مولانا امرتسری نے جب مباحثہ مد میں کہا تھا کہ یہ ذلت والی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی تو جواب میں مرزا صاحب نے کہا کہ نہیں تم غلط کہتے ہو اس لئے کہ محمد حسین زمین دار ہوگیا جو اس کی اور اس کے دونوں ساتھیوں کی ذلت تھی۔ اور حقیقۃ الوحی کی اس تحریر میں مرزا صاحب یہ اقرار کر رہے ہیں کہ ان کا یہ جواب درست نہیں تھا کیونکہ جب ڈاکٹر عبدالحکیم نے کہا کہ یہ تیرہ ماہیہ پیش گوئی پوری نہیں ہوئی تو مرزا صاحب نے کہا کہ جب کوئی مدت ہی مقرر نہیں تھی تو اس کے پورے ہونے یا نہ ہونے کا کیا سوال؟ جب کبھی مولانا بٹالوی کو نزلہ ہو جائیگا ہم کہہ دیں گے کہ دیکھو وہ بیمار ہو گیا ہے اور یہی اس کی ذلت ہے اور ہماری پیش گوئی کے پورا ہونے کا نشان۔

اور اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ مرزا صاحب نے یہ کہہ دیا ہے کہ میں نے مدت مقرر کرنے کی دعا کی تھی اور یہ دعا اللہ تعالی نے منظور نہیں کی۔

☆ مبارک احمد کی صحت کیلئے دعائیں

مرزا غلام احمد کا ایک بیٹا ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوا جس کا نام مبارک رکھا گیا۔ یہ بیٹا ان کا مولود منتظر تھا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں. ایک اور الہام ہے جو ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔اور وہ یہ ہے کہ خدا تین کو چار کریگا۔اس وقت ان تین لڑکوں کا جو اب موجود ہیں (محمود احمد۔بشیر احمد۔شریف احمد) نام و نشان نہ تھا۔ اور اس الہام کے معنی یہ تھے کہ تین لڑکے ہوں گے۔اور پھر ایک اور ہوگا جو تین کو چار کردے گا۔سو ایک بڑا حصہ اس کا پورا ہوگیا۔یعنی خدا نے تین لڑکے مجھ کو اس نکاح (جو نصرت بیگم سے ہوا) سے عطا کئے جو تینوں موجود ہیں۔صرف ایک کی انتظار ہے جو تین کو چار کرنے والہ ہوگا. (ضمیمہ انجام آتھم ص ۱۵)

اور جب یہ مولود منتظر پیدا ہوا تو مرزا صاحب نے تحریک ختم نبوت کے کارکنوں کو للکارتے ہوئے فرمایا۔

. میرا چوتھا لڑکا جس کا نام مبارک احمد ہے اس کی نسبت پیش گوئی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں کی گئی تھی.... سو خدا نے میری تصدیق کے لئے اور تمام مخالفین کی تکذیب کے لئے اسی پسر چہارم کی پیش گوئی کو ۱۴ جون ۱۸۹۹ء .... کو پورا کردیا.

(تریاق القلوب ص ۴۳ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص ۳۳۷)

اور اپنے مباہل مولوی عبد الحق غزنوی کو خاص طور پر مخاطب کر کے لکھا

. وہ پیش گوئی جو چوتھا لڑکا ہونے کے بارے میں ضمیمہ انجام آتھم کے صفحہ ۵۸ میں کی گئی تھی جس کے ساتھ شرط تھی کہ عبد الحق غزنوی جو امرتسر میں مولوی عبد الجبار غزنوی کی جماعت میں رہتا ہے نہیں مرے گا جب تک یہ چوتھا لڑکا پیدا نہ ہولے۔ وہ پیش گوئی اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ کی میعاد کے اندر پوری ہوگئی اور وہ لڑکا بفضلہ تعالی پیدا ہوگیا جس کا نام بفضلہ تعالی مبارک احمد رکھا گیا اور جیسا کہ پیش گوئی میں شرط تھی کہ عبد الحق غزنوی اس وقت تک زندہ ہوگا کہ چوتھا لڑکا پیدا ہوجائے گا۔ ایسا ہی ظہور میں آیا۔اور اب اس وقت ۵ دسمبر ۱۸۹۹ء ہے۔ ہر شخص امرتسر جا کر تحقیق کرلے کہ عبد الحق اب تک زندہ ہے۔ (تریاق القلوب۔خزائن۔ج ۱۵ ص ۴۴۴)

اور یہ لڑکا اتنا عالی مرتبت تھا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں

. اور یہ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح نے تو صرف مہد میں ہی باتیں کیں ۔مگر اس لڑکے نے پیٹ میں ہی دو مرتبہ باتیں کیں ۔ (تریاق القلوب ص ۴۱) ۔ اور اس لڑکے کا نکاح بچپن میں ڈاکٹر عبدالستار کی لڑکی مریم سے کر دیا گیا (ملاحظہ ہو بدر قادیان ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء)

اور . ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء کو .حضرت (مرزا) نے ایک خواب میں دیکھا کہ ہمارے مکان میں ایک بکرا ذبح کیا گیا ہے۔ان ایام میں حضرت مولوی نورالدین صاحب علیل تھے۔ چنانچہ اسی واسطے مولوی صاحب کو دوسرے مکان پر رکھا گیا . بدر ۱۹ ستمبر ۱۹۰۷ء (تذکرہ ص ۷۲۴) ء۔ (یعنی اپنے گھر سے نکال دیا کیونکہ) مرزائی کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اس الہام کا نشانہ نور دین صاحب کو سمجھ لیا تھا حالانکہ یہ مبارک احمد کے لئے تھا جیسا کہ مرتب تذکرہ نے حاشیہ میں لکھا ہے۔ . کہ دراصل اس سے صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات مراد تھی جو ۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کو وقوع میں آئی .

کیا مرزائی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مسیح کے الہاموں کے خود مسیح موعود سے زیادہ جانتے ہیں؟ ۔ اور اگر یہ مبارک احمد کی موت کی خبر تھی اور مرزا صاحب کو معلوم بھی تھا تو انہوں نے عین انہی دنوں مبارک احمد کی شادی مریم سے کیوں کر دی؟ کیا مرزا صاحب جان بوجھ کر ایک لڑکی پر اس کی جوانی بلکہ بچپن ہی میں بیوگی کا داغ لگانا چاہتے تھے۔

بہر حال مبارک احمد کی موت سے پہلے جو کچھ ہوتا رہا وہ سن لیجئے ۔ لکھا ہے کہ

. ۲۱ جولائی ۱۹۰۱ء صاحبزادہ مبارک احمد یکا یک سخت بیمار ہو گئے ۔اور چند بار غش آیا۔آخری مرتبہ ایسی غشی طاری ہوگئی کہ بدن بے حس اور سرد ہو گیا۔سب عورتوں نے انا للہ و انا الیہ را جعون پڑھ دیا۔ حضرت مسیح موعود اس وقت دعا میں مصروف تھے۔آپ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ آپ تکلیف نہ اٹھائیں لڑکا فوت ہو چکا ہے۔آپ نے فرمایا میں نے انا للہ و انا الیہ را جعون پڑھ دیا ہے ۔ بایں ہمہ آپ نے عرق گلاب لا کر صاحب زادے کے منہ پر چھینٹے مارے۔جس کے بعد انہیں کچھ حرکت ہوئی اور پھر تھوڑے عرصے کے بعد وہ ہوش میں آگئے ۔حضرت مسیح موعود نے باہر آکر بیان فرمایا کہ لڑکے کی نبض مفقود ہو چکی تھی ۔اور علامات موت بالکل ظاہر ہو چکی تھیں ۔ آنکھیں پتھرا گئی تھیں ۔میں نے عرق گلاب چھڑکا اور دعا کی الٰہی زیادہ خوف شماتت اعداء

کا ہے۔ اس سے بچ جائیں پھر اللہ تعالی نے لڑکے کو مردہ حالت سے زندہ کیا۔
(الحکم ج ۵ نمبر ۳۰ منقول از منظور الہی ص ۶۷ مصنفہ منظور قادیانی۔ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص ۳۵۳)

اور ۔ ۲۷ اگست ۱۹۰۷ء صاحب زادہ میاں مبارک صاحب جو تپ سے سخت بیمار ہیں اور بعض دفعہ بے ہوشی تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور ابھی تک بیمار ہیں۔ ان کی نسبت آج الہام ہوا اور قبول ہوگئی۔ نو دن کا بخار ٹوٹ گیا۔ یعنی یہ دعا قبول ہوگئی کہ اللہ تعالی میاں صاحب موصوف کو شفا دے۔ یہ پختہ طور پر یاد نہیں کہ کس دن بخار شروع ہوا تھا لیکن خدا تعالی نے اپنے فضل وکرم سے میاں صاحب کی صحت کی بشارت دی۔
(بدر ۲۹ اگست ۱۹۰۷ء منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ ص ۳۳۸۔ ۳۳۹)

مرزا بشیر صاحب کہتے ہیں ۔ ۱۹۰۷ء میں ہمارا چھوٹا بھائی.... مبارک احمد بیمار ہوگیا اور اسی بیماری میں بے چارہ اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔ مبارک احمد کی بیماری میں حضرت مسیح موعود (مرزا) کو اس کی تیمارداری اور علاج معالجہ میں اس قدر شغف تھا کہ گویا آپ نے اپنی ساری توجہ اسی میں جما رکھی تھی۔ اور ان ایام میں تصنیف وغیرہ کا سلسلہ بھی عملاً بند ہوگیا تھا۔ (مرزا بشیر کا بیان در الفضل ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ ص ۳۳۹)

اور ۔ خاکسار (بشیر احمد) عرض کرتا ہے کہ جب ہمارا چھوٹا بھائی مبارک احمد بیمار ہوا تو حضرت مسیح موعود دن رات اس کی تیمارداری میں مصروف تھے۔ اور بڑے فکر اور توجہ کے ساتھ اس کے علاج معالجے میں مشغول رہتے تھے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۵۸ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ ص ۳۴۰)

لیکن یہ بیٹا اسی بیماری میں مرگیا۔ مرزا صاحب نے اس کی شفا کے لئے دعا فرمائی تھی اور دعا کی قبولیت کا الہامی دعوی بھی کیا گیا تھا۔ لیکن دعا بھی رد ہوئی اور قبولیت کا الہام بھی جھوٹا نکلا۔

مرزا صاحب بہت چالاک شخص تھے ۔ پیش گوئی کردی تھی کہ عبد الحق کی زندگی میں میرے ہاں بیٹا ہوگا۔ دوسری طرف عبدالحق سے مباہلہ بھی کر کے کہہ رکھا تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے۔ گویا مرزا صاحب نے عبدالحق صاحب کو دو دھاری تلوار کی زد پر رکھ لیا تھا۔ اگر عبد الحق مبارک کی ولادت تک زندہ رہتا ہے تو مرزا صاحب

کی وہ پیش گوئی درست ٹھہرتی کہ تمہاری زندگی میں میرے ہاں لڑکا ہوگا۔اور اگر عبد الحق صاحب مبارک کے پیدا ہونے سے پہلے مرجاتے تو مرزا صاحب کہتے کہ دیکھو اس نے مجھ سے مباہلہ کیا ہوا تھا۔اب دیکھ لو کہ میں تو زندہ ہوں اور عبدالحق امرتسر میں مرا پڑا ہے ۔ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرگیا ہے۔

پھر کیا ہوا ؟ جس لڑکے کو مرزا صاحب نے اپنی صداقت اور عبدالحق کے جھوٹا ہونے کے نشان کے طور پر پیش کیا تھا اس بے چارے نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ مرزا صاحب نے اس کی صحت کے لئے جو دعائیں کی تھیں رائیگاں گئیں اور ہاتھیوں کی لڑائی میں گھاس خواہ مخواہ روندا گیا۔

اور پھر مرزا صاحب نے کہا

. مبارک فوت ہوگیا۔ مجھے بعض الہاموں میں بھی بتایا گیا تھا کہ یہ لڑکا بہت خدا رسیدہ ہوگا یا بچپن میں فوت ہوجائے گا۔سو ہم کو اس لحاظ سے خوش ہونا چاہیے کہ خدا کا کلام پورا ہوا .   (سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۱۵۸)

یہ بھی عجیب بات ہے کہ خدا کو بھی معلوم نہیں کہ یہ بچہ عمر پائے گا یا کم عمری میں فوت ہوجائے گا؟

پھر مرزا صاحب کہتے ہیں

. بعض کوتاہ اندیش لوگوں نے میرے فرزند مبارک احمد کی وفات پر بڑی خوشی ظاہر کی ہے ... میرا لڑکا مبارک احمد نابالغ تھا اور ابھی نو برس کی عمر کو نہیں پہنچا تھا جب وہ فوت ہوگیا۔اور خدا نے اس کی وفات سے کئی برس پہلے دو مرتبہ اس کی نسبت خبر دی تھی کہ ابھی وہ بالغ نہیں ہوگا جو فوت ہوجائے گا ......اور یہ بھی ان کی نسبت الہام تھا کہ انما یرید اللہ لیذ ھب عنکم الر جس اہل البیت و یطہر کم تطہیرا۔یعنی اے اہل بیت خدا تمہیں ایک امتحان کے ذریعہ سے پاک کرنا چاہتا ہے جیسا کہ حق ہے پاک کرنے کا۔اس الہام میں بھی اسی مصیبت کی طرف اشارہ ہے۔اور علاوہ اس کے اور کئی الہام تھے جن میں بصراحت اس لڑکے کے مرنے کی خبر دی گئی تھی۔اور صرف یہی نہیں تھا کہ زبانی اپنی جماعت کو یہ پیش گوئیاں بتلائی گئی تھیں بلکہ یہ پیش گوئیاں اس واقعہ سے کئی سال پہلے اخبار بدر اور الحکم میں شائع کردی گئی تھیں جس کا خلاصہ مضمون

یہی تھا کہ مبارک احمد قبل اس کے کہ جو بلوغ کی عمر کو پہنچے فوت ہو جائے گا اور باوجود اس کے کہ میرے کئی اور لڑکے تھے جو اس کے حقیقی بھائی تھے مگر میں نے خدا سے الہام پا کر صریح طور پر پیش گوئی میں شائع کیا تھا کہ قبل از بلوغت وفات پانے والہ مبارک احمد ہے۔ اور صاف اور کھلے لفظوں میں لکھا تھا کہ مبارک احمد نابالغ ہونے کی حالت میں ہی فوت ہو جائے گا... اب کوئی ایمان دار سوچے کہ کیا یہ کسی اعتراض کی جگہ تھی بلکہ یہ موت تو پہلے ہی سے مقرر ہو چکی تھی اور اخباروں میں شائع ہو چکی تھی۔ اس لئے یہ بڑا بھاری نشان تھا کیونکہ ایسے عمیق غیب پر انسان کا علم محیط نہیں ہو سکتا۔.... لیکن خدا کی قدرتوں پر قربان جاؤں کہ جب مبارک احمد فوت ہوا۔ ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے یہ الہام کیا انا نبشرک بغلام حلیم۔ ینزل منزل المبارک یعنی ایک حلیم لڑکے کی ہم تجھے خوش خبری دیتے ہیں جو بمنزلہ مبارک احمد کے ہوگا اور اس کا قائم مقام ہوگا اور اس کا شبیہہ ہوگا۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ دشمن خوش ہو۔ اس لئے بمجرد وفات مبارک احمد کے ایک دوسرے لڑکے کی بشارت دے دی تا یہ سمجھا جائے کہ مبارک احمد فوت نہیں ہوا۔ بلکہ زندہ ہے... پھر آخر میں (اللہ نے) اردو میں فرمایا کہ میں تیری عمر کو بھی بڑھا دوں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا۔ تا معلوم ہو کہ میں خدا ہوں اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے۔ یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے جس میں میری فتح اور دشمن کی شکست اور میری عزت اور میرا اقبال اور دشمن کا ادبار بیان فرمایا ہے۔... اور دشمن جو میری موت چاہتا ہے وہ خود میری آنکھوں کے روبرو اصحاب الفیل کی طرح نابود اور تباہ ہوگا۔ ص ۵۹۱ ...... (مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص ۵۸۵ تا ۵۹۲۔ اشتہار ۵ نومبر ۱۹۰۷ء اشتہار نمبر ۲۷۹۔ اس اشتہار کے متعلق کہا ہے کہ میرے مرید اسے اپنی نظر گاہ میں رکھیں۔ اس کا عنوان ہے۔ تبصرہ۔)

اور اس مبارک کو مرزا صاحب نے اپنی دعاؤں کی قبولیت اور پیش گوئیوں کی سچائی کے اشتہار کے طور پر پیش کیا تھا۔ حقیقۃ الوحی میں فرمایا

. اکتالیسواں نشان یہ ہے کہ عرصہ بیس یا اکیس برس کا گذرا کہ میں نے ایک اشتہار

شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں چار لڑکے دوں گا جو عمر پاویں گے ۔اسی پیش گوئی کی طرف مواہب الرحمٰن ص ۱۳۹ میں اشارہ ہے یعنی اس عبارت میں الحمد لله الذی و هب لی علی الکبر اربعة من البنین و انجز وعده من الا حسا ن یعنی اللہ تعالی کو حمد وثنا ہے جس نے پیرانہ سالی میں چار لڑکے مجھے دیئے اور اپنا وعدہ پورا کیا (جو میں چار لڑکے دوں گا) چنانچہ وہ چار لڑکے یہ ہیں محمود احمد، بشیر احمد، شریف احمد ، مبارک احمد جو زندہ موجود ہیں . (حقیقة الوحی ۔خزائن ج ۲۲ ص ۲۲۸)۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد نابالغی کی حالت میں مبارک مر گیا ۔ ایک طرف مرزا کہتے ہیں کہ کہ مبارک ان میں سے ہے جن کو عمر دی جائے گی ۔اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ مبارک کے متعلق بتایا گیا تھا کہ یہ کم عمری نابالغی میں مرجائے گا۔

☆ کان پوری رئیس کے دعائیں

. ۱۹۰۸ء کا واقعہ ہے کہ ضلع کان پور کے ایک رئیس ولی محمد نام جو ایک عرصہ سے احمدی ہو چکے تھے اور اپنے بیمار بیٹے کی صحت کے واسطے حضرت مسیح موعود کی خدمت میں خطوط لکھا کرتے تھے ۔انہوں نے حضور کو لکھا کہ میں مدت سے دعا کرا رہا ہوں مگر اب تک بیٹے کے حق میں دعا قبول نہیں ہوئی ۔ حالانکہ آپ کو اللہ تعالی کی طرف سے ہر دعا کی قبولیت کا وعدہ ہے۔ ولی محمد صاحب کے خط کے ساتھ ہی اسی جگہ کے ایک احمدی یوسف علی صاحب اٹاوی کا خط بھی اسی مضمون کا آیا ہے۔اس رئیس کے بیٹے کو اب تک صحت نہیں ہوئی ۔اور مخالف طعن کرتے ہیں .

(الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔ بروائت مفتی صادق ۔ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ص ۴۲۶)

☆ حج ادا کرنے کی توفیق کیلئے دعائیں

مرزا صاحب کو معلوم تھا کہ آنخضرت ﷺ نے بتا رکھا ہے کہ مسیح موعود حج کرے گا ۔اور مرزا صاحب نے ایسی حدیث سے استدلال کیا ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ان احادیث میں نہیں ہے جسے وہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنا پسند کرتے تھے بلکہ ان میں سے ہے جسے وہ صحیح سمجھتے تھے۔اس لئے ان کا عقیدہ تھا کہ مسیح موعود نے لازماً حج کرنا ہے ۔اور اگر وہ مرتے دم تک حج نہ کر سکے تو لوگ کیا کہیں گے اور ان کی امت اس کا کیا

جواب دے گی کہ چونکہ مرزا صاحب حج نہیں کر سکے اس لئے اس حدیث کا مصداق آپ نہیں ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ مسیح حج کریں گے۔ اس لئے ساری عمر آپ دعا کرتے رہے ہوں گے (بشیر احمد نے لکھا بھی ہے کہ آپ حج کرنا چاہتے تھے) کہ اللہ وہ سب موانع دور فرما دے جن کی وجہ سے حج کرنا مشکل دکھائی دے رہا ہے۔

اب دیکھنا یہ کہ آپ کی زندگی بھر کی بسلسلہ حج دعاؤں کا جواب قبولیت سے ملا ہے یا رد سے؟ ہم کسی جگہ وہ حوالہ نقل کر چکے ہیں جس میں خود مرزئیوں کو اقرار ہے کہ مرزا صاحب نے زندگی بھر حج نہیں کیا اور زکوۃ نہیں دی۔

☆ محمدی بیگم سے شادی کیلئے دعائیں

محمدی بیگم سے شادی کا الہام آپ کو ۱۸۸۶ء میں ہوا۔ اور جب آپ نے یہ رشتہ اپنے لئے طلب کیا اس وقت لڑکی کی عمر گیارہ سال تھی اور آپ خود چالیس سال سے اوپر تھے اس کے بعد کئی مرتبہ اس الہام کی توثیق کے الہامات ہوئے۔ لیکن جوں جوں وقت گذرتا جا رہا تھا لوگوں کے اعتراضات بڑھتے جا رہے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ ایک کم عمر لڑکی کا بڑی عمر کے آدمی سے نکاح نہیں ہو گا۔ اور مرزا صاحب کی عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس نکاح کے امکانات مزید کم ہوتے جا رہے تھے۔ دوسری طرف مرزا صاحب نے اپنے الہامات اور دعاوی کی صداقت کو اس شادی سے وابستہ کر رکھا تھا۔ اس ماحول میں جب لوگوں کا طعن و تمسخر مرزا صاحب کے لئے ناقابل برداشت ہوتا ہو گا تو کیا وہ اللہ سے دعا نہیں کرتے ہوں گے کہ اے اللہ تو نے اس شادی کا الہام کر کے مجھے جس مصیبت میں ڈال دیا ہے اس سے نکالنے کا بھی انتظام فرما۔ اور اس شادی کے موانع دور فرما دے۔

اور اس سلسلے میں مرزا صاحب کی درج ذیل دعاء ملاحظہ بھی فرمائیے

> . اگر ہم سچے ہیں تو خدا تعالی ان پیش گوئیوں کو پورا کر دے گا۔ اور اگر یہ باتیں خدا تعالی کی طرف سے نہیں ہیں تو ہمارا انجام نہائت بد ہو گا۔ اور ہر گز یہ پیش گوئیاں پوری نہیں ہوں گی۔ ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین۔ اور میں بالآخر دعا کرتا ہوں کہ اے خدا قادر و علیم اگر آتھم کا عذاب مہلک میں گرفتار ہونا اور احمد بیگ کی دختر کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے ہیں تو ان کو ایسے طور پر ظاہر فرما جو خلق اللہ پر حجت ہو اور کور باطن حاسدوں کا منہ بند ہو جائے۔ اور اگر

اے خداوند یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے نہیں ہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر اگر میں تیری نظر میں مردود اور ملعون اور دجال ہی ہوں جیسا کہ مخالفوں نے سمجھا ہے اور تیری وہ رحمت میرے ساتھ نہیں جو تیرے بندہ ابراہیم کے ساتھ اور اسحاق کے ساتھ اور اسماعیل کے ساتھ اور یعقوب کے ساتھ اور موسیٰ کے ساتھ اور داؤد کے ساتھ اور مسیح ابن مریم کے ساتھ اور خیر الانبیاء محمد ﷺ کے ساتھ اور اس امت کے اولیاء کرام کے ساتھ تھی تو مجھے فنا کر ڈال اور ذلتوں کے ساتھ مجھے ہلاک کر اور ہمیشہ کی لعنتوں کا نشانہ بنا اور تمام دشمنوں کو خوش کر اور ان کی دعائیں قبول فرما لیکن اگر تیری رحمت میرے ساتھ ہے اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا انت وجیہ فی حضرتی اخترتک لنفسی اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا یحمدک اللہ من عرشہ اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا یا عیسی الذی لا یضاع وقتہ اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا الیس اللہ بکاف عبدہ اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا قل انی امرت و انا اول المؤمنین اور تو ہی ہے جو غالباً مجھے ہر روز کہتا رہتا ہے انت معی و انا معک تو میری مدد کر اور میری حمائت کے لئے کھڑا ہو جا۔ و انی مغلوب فانتصر۔ راقم خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء۔

(خزائن ج ۹ ص ۱۲۴۔۱۲۵۔ انوار الاسلام)۔

یہ بڑی جامع دعا ہے۔ مرزائی بتائیں کہ یہ دعا قبول ہوئی کہ نہیں؟ اس میں بتایا گیا ہے کہ اگر محمدی بیگم سے میری (مرزا) شادی نہ ہو تو میں مردود ملعون دجال جھوٹا ہوں اور پیش گوئی تیری طرف سے نہیں ہے اور درج بالا الہامات بھی تیری طرف سے نہیں ہیں ۔ گویا میں مفتری علی اللہ ہوں

ایک جگہ مرزا صاحب فرماتے ہیں

. اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۷ء کی پیش گوئی کا انتظار کریں جس کے ساتھ یہ بھی الہام ہے و یسئلونک احق ھو۔ قل ای و ربی انہ لحق و ما انتم بمعجزین۔ زوجنا کھا لا مبدل لکلمات اللہ۔ و ان یروا آیۃ یعرضوا و یقولوا سحر مستمر۔ اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے۔ کہہ ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ

ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے نہیں روک سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔ (تذکرہ ص ۱۲۸)

اب سوال یہ ہے کہ کیا ۱۸۸۶ء سے ۱۹۰۸ء تک ۲۲ سال کے طویل عرصہ میں کی جانے والی مسلسل دعائیں قبول ہوئیں؟ اس سوال کا ایک ہی جواب ہوسکتا ہے کہ قبول نہیں ہوئیں کیونکہ ۱۹۴۹ء میں جب سلطان محمد لاہور میں فوت ہوا اس وقت محمدی بیگم اسی کے نکاح میں تھی۔

اس کے علاوہ شروع میں مرزا صاحب یہ دعائیں بھی کرتے رہے ہوں گے کہ اللہ اس عورت محمدی بیگم کی کہیں اور شادی نہ ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی دعائیں قبول ہوئیں؟ ظاہر ہے کہ قبول نہیں ہوئیں کیونکہ اس عورت کی شادی ۱۸۹۰ء کے عشرے میں میں مرزا سلطان محمد سے ہوگئی تھی۔

اس کے بعد محمدی بیگم سے مرزا صاحب کی شادی میں سب سے بڑی رکاوٹ مرزا سلطان احمد صاحب کا وجود تھا۔ وہ مرتا تو محمدی بیگم بیوہ ہوتی۔ تب مرزا صاحب سے شادی کے امکانات ذرا روشن ہوتے۔ اسی لئے مرزا صاحب نے یہ پیش گوئی بھی فرما رکھی تھی کہ سلطان محمد میری زندگی میں ہی مرے گا۔ اس پیش گوئی کی موجودگی میں کیا مرزا صاحب ۱۸۹۲ء سے ۱۹۰۸ء تک مسلسل سلطان محمد کی موت کے لئے دعائیں نہیں کرتے رہے ہوں گے؟ یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا۔ پھر کیا حیات مرزا میں سلطان محمد کی موت کی دعائیں قبول ہوئیں؟ نہیں کیونکہ مرزا صاحب تو ۱۹۰۸ء میں چل بسے تھے جب کہ سلطان محمد قیام پاکستان کے بعد تک زندہ رہا۔

اور یہ امر بھی دریافت طلب ہے کہ مرزا صاحب کا آسمانی نکاح محمدی بیگم کے نکاح ہمراہ سلطان محمد سے پہلے ہوا تھا یا بعد میں؟ اگر پہلے ہوا تھا تو مرزا صاحب کی وہ بیوی جس کے ساتھ مرزا صاحب کے نکاح کا اہتمام خود رب العزت نے کیا اور الہام میں صاف فرما دیا کذبوا بآیاتی وکانوا بھا یستھزء ون فسیکفیکھم اللہ و یردھا الیک امر من لدنا انا کنا فاعلین زوجنا کھا۔ (انجام آتھم)۔ یعنی ہم نے نکاح کر کے محمدی بیگم کو تیری بیوی بنا دیا۔

پھر وہ بیوی مرزا صاحب کے گھر ایک دن بھی نہیں آئی۔ تمام عمر دوسرا شخص مرزا

صاحب کی چھاتی پر مونگ دلتا رہا۔ یہ مرزا صاحب اور ان کی امت کے لئے بڑی شرم اور غیرت کا مقام ہے۔

اور اگر محمدی بیگم کے نکاح (ہمراہ سلطان محمد) کے بعد مرزا صاحب کا آسمانی نکاح محمدی بیگم سے پڑھایا گیا تھا تو کوئی بتائے کہ کس شریعت اور قانون کی رو سے کسی کی منکوحہ بیوی سے کسی دوسرے کا نکاح جائز ہوسکتا ہے؟ اور آسمانی نکاح مرزا صاحب کے الہام کنندہ کا ایسا فعل بن جاتا ہے جس کے نتیجے سے وہ خود بے خبر تھا۔

☆ اگست ۱۹۰۷ء کی دعا

یکم اگست ۱۹۰۷ء کو مرزا صاحب نے دعا کی

رب اجعلنی غالبا علی غیری ۔ میری فتح ۔ انی مع الافواج آتیک بغتۃ ۔

اور مرزا صاحب کو مولانا امرتسری کے خلاف بھی شکست ہوئی ۔عبدالحکیم کے خلاف بھی شکست ہوئی۔ عبدالحق کے خلاف بھی شکست ہوئی ۔ یعنی دعا بھی قبول نہیں ہوئی اور الہام بھی جھوٹا نکلا۔

☆ لاہور میں نہ مرنے کی دعائیں

مرزا صاحب مئی ۱۹۰۸ء میں جب لاہور میں بیمار ہوئے تو اس وقت انہوں نے یہ دعائیں کی ہوں گی کہ اللہ مجھے لاہور میں موت سے ہم کنار نہ کرنا کیوں کہ لاہور میں مرنے کی صورت میں میری وہ پیش گوئی جھوٹ ثابت ہوجائے گی جس میں میں نے کہہ رکھا ہے کہ ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں۔

لاہور میں جب ان پر وقت آخر آیا تو انہیں محسوس ہوگیا ہوگا کہ اگر میں یہاں لاہور میں مرگیا تو میری امت کے لئے مشکل پیدا ہوجائے گی۔لوگ مجھے جھوٹا قرار دیں گے اور امت کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ان حالات میں جب کہ انہیں کوئی اور مصروفیت بھی نہیں تھی (زبان سے بولنے اور ہاتھوں سے لکھنے کی سکت چھن چکی تھی) اور لاہور کی تباہی اور مکہ یا مدینہ میں مرنے والی پیش گوئیاں ان کے سامنے آرہی ہوں گی تو اس وقت وہ کیا کررہے ہوں گے؟

شائد یہی کہ دل سے دعا کررہے ہوں کہ اے اللہ مجھے لاہور میں موت سے

بچالے۔اورکسی طرح مکہ یا مدینہ پہنچادے۔

پھرکیا ہوا؟ کیا یہ دعا قبول ہوئی ؟

اگر کہیں کہ قبول ہوئی تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ لاہور ہی مرزائیوں کا مکہ یا مدینہ ہے؟ اور چونکہ آپ نے لاہور کی تباہی کی پیش گوئی بھی کررکھی تھی تو کیا اس کا یہ بھی مطلب ہوا کہ انہوں نے قادیانیوں کے مکہ یا مدینہ کی تباہی کی پیش گوئی کی ہوئی تھی۔اور پھر کیا یہ مکہ یا مدینہ طاعون سے تباہ ہوا؟

اگرکہیں کہ لاہور میں موت سے بچاؤ کی دعا قبول نہیں ہوئی۔تو اس کا مطلب ہے کہ اجیب کل دعا ئک والہ الہام جھوٹا دعوی تھا۔اور مکہ یا مدینہ میں مرنے کا الہامی دعوی بھی جھوٹا تھا۔

اور مرزا صاحب نے اپنے استدلال میں پیش کر کے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہوا جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسیح مدینہ میں دفن ہوں گے۔اپنے آپ کو اس حدیث کا مصداق ثابت کرنے کے لئے بھی مرزا صاحب نے یقیناً دعائیں کی ہوں گی کہ کوئی ایسا سبب بن جائے کہ اگر ان کی موت مدینہ میں نہ ہو سکے تو کم ازکم ان کی میت دفن کے لئے ہی مدینہ پہنچ جائے۔پھرکیا ایسی دعائیں قبول ہوئیں؟ ظاہر ہے کہ انہیں ہوئیں۔

اگرکہا جائے کہ مدینہ شریف میت لے جانے اور دفن کرنے میں موانع تھے مثلاً دور دراز کا سفر۔ ذرائع آمدورفت کی عدم دستیابی اور حجاز میں مخالف حکومت اور مخالف عوام کا وجود وغیرہ۔ تو ہم کہیں گے کہ اگر مرزا صاحب مسیح موعود ہوتے اور اللہ نے آپ کو اس حدیث کا مصداق ثابت کرنا ہوتا تو موانع بھی لازماً دور کر دیتا۔اور پھر مرزا صاحب کو تو اس معاملے کو اللہ تعالی تک پہنچانے ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ تو خود مالک ومختار تھے ۔کن فیکون کی طاقت ان کے پاس تھی۔انہیں صرف ارادے کی دیر تھی باقی کام تو پلک جھپکتے میں خودبخود ہو جاتے

☆ آتھم کی موت کی دعائیں

مرزا صاحب نے آتھم کی موت کی پیش گوئی کی تھی۔ پیش گوئی کی مدت کے آخری مراحل میں مرزا صاحب اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں

. اب تو صرف چندروز پیش گوئی میں رہ گئے ہیں۔ دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالی

اپنے بندوں کو امتحان سے بچاوے۔شخص معلوم (آتھم) فیروز پور میں ہے اور تندرست اور فربہ ہے۔خدا تعالی اپنے ضعیف بندوں کو ابتلاء سے بچاوے۔آمین ثم آمین۔ باقی خیریت ہے۔مولوی صاحب کو بھی لکھیں کہ اس دعا میں شریک رہیں مکتوب ۲۲ اگست ۱۸۹۴ء۔ (مکتوبات احمدیہ۔ج ۵۔ نمبر۳۔ص ۱۲۸)۔

یعنی امت قادیانیہ کو ابتلاء سے بچانے کے لئے آتھم کی موت کی دعائیں کی جارہی تھیں اور دوسروں سے کروائی جارہی تھیں۔ادھر آتھم تندرست اور فربہ تھا۔کسی کی قسم کی مصیبت وغیرہ کا شکار بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

مرزا محمود صاحب کہتے ہیں

. آتھم کے متعلق پیشگوئی کے وقت جماعت کی جو حالت تھی وہ ہم سے مخفی نہیں۔ میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا اور میری عمر کوئی ساڑھے پانچ سال کی تھی۔مگر مجھے وہ نظارہ خوب یاد ہے کہ جب آتھم کی پیش گوئی کا آخری دن آیا تو کتنے کرب و اضطراب سے دعائیں کی گئیں۔ میں نے محرم کا ماتم بھی کبھی اتنا سخت نہیں دیکھا۔حضرت مسیح موعود (مرزا) ایک طرف دعا میں مشغول تھے اور دوسری طرف بعض نوجوان جہاں حضرت خلیفہ اول مطب کیا کرتے تھے اور آج کل مولوی قطب الدین صاحب بیٹھتے ہیں وہاں اکٹھے ہو گئے اور جس طرح عورتیں بین ڈالتی ہیں اسی طرح انہوں نے بین ڈالنے شروع کر دیئے۔ان کی چیخیں سو سو گز تک سنی جاتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہ دعا جاری تھی کہ یا اللہ آتھم مرجائے۔ یا اللہ آتھم مرجائے۔مگر اس کہرام اور آہ و زاری کے نتیجے میں آتھم تو نہ مرا.

(خطبہ مرزا محمود۔الفضل قادیان ۲۰ جولائی ۱۹۴۰ء۔منقول از ملت اسلامیہ کا موقف ص ۸۰)

مرزا بشیر بتاتے ہیں

. بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ سنوری نے کہ جب آتھم کی میعاد میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تو حضرت مسیح موعود نے مجھ سے اور میاں حامد علی سے فرمایا کہ اتنے چنے (مجھے تعداد یاد نہیں) لے لو اور ان پر فلاں سورت کا وظیفہ اتنی تعداد میں پڑھو۔ میاں عبد اللہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے وہ سورت یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی سورت تھی جیسے الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل ... اور ہم نے یہ

وظیفہ قریب ساری رات صرف کر کے ختم کیا تھا۔ وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر یہ دانے میرے پاس لے آنا۔ اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے باہر غالباً شمال کی طرف لے گئے اور فرمایا کہ دانے کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہیے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ چانچہ حضرت صاحب نے ایک غیر آباد کنوئیں میں ان دانوں کو ڈال دیا۔ (سیرۃ المہدی ج اول ص ۱۷۸۔ منقول از ملت اسلامیہ کا موقف۔ ص ۸۰۔ ۸۱) مگر دشمن نہیں مرا۔

پیش گوئی کی مدت گذر گئی۔ لوگوں نے مرزا صاحب کا جلوس نکال دیا۔ یعنی آتھم کی موت کی دعائیں بھی قبول نہ ہوئیں اور پیش گوئی بھی جھوٹی نکلی۔

☆ سہ سالہ میعادی پیش گوئی

مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کا رخ پھیرنے کو ایک اشتہار دیا جس میں لکھا کہ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۲ء کی سہ سالہ میعاد میں میرے لئے فیصلہ کن نشان ظاہر نہ ہوا تو میں جھوٹا سمجھا جاؤں گا۔ اس اشتہار کا عنوان یہ ہے

اس عاجز غلام احمد قادیانی کی آسمانی گواہی طلب کرنے کیلئے ایک دعا اور حضرت عزت سے اپنی نسبت آسمانی فیصلہ کی درخواست

(اور اشتہار میں مرزا صاحب لکھتے ہیں)۔

میں عاجزی سے اور حضرت ربوبیت کے ادب سے یہ التماس کرتا ہوں کہ اگر میں اس عالی جناب کا منظور نظر ہوں تو تین سال کے اندر کسی وقت میری اس دعا کے موافق میری تائید میں کوئی ایسا آسمانی نشان ظاہر ہو جس کو انسانی ہاتھوں اور انسانی تدبیروں کے ساتھ کچھ بھی تعلق نہ ہو .... مجھے تیری عزت اور جلال کی قسم ہے۔ کہ مجھے تیرا فیصلہ منظور ہے۔ پس اگر تو تین برس کے اندر جو جنوری ۱۹۰۰ء سے شروع ہوکر دسمبر ۱۹۰۲ء تک پورے ہو جاویں گے میری تائید میں اور میری تصدیق میں کوئی آسمانی نشان نہ دکھلاوے اور اس بندہ کو ان لوگوں کی طرح رد کر دے جو تیری نظر میں شریر اور بے دین اور پلید اور کذاب اور دجال اور خائن اور مفسد ہیں تو میں تجھے گواہ کرتا ہوں۔ کہ میں

اپنے تئیں صادق نہیں سمجھونگا۔ اور ان تمام تہمتوں اور بہتانوں کا اپنے تئیں مصداق سمجھ لوں گا۔ جو میرے پر لگائے جاتے ہیں .....تو نے مجھے وہ چوتھا لڑکا عطا فرمایا جس کی نسبت میں نے پیش گوئی کی تھی کہ عبدالحق غزنوی حال امرت سری نہیں مرے گا جب تک وہ لڑکا پیدا نہ ہولے۔ سو وہ لڑکا اس کی زندگی میں ہی پیدا ہو گیا۔ میں ان نشانوں کے شمار نہیں کر سکتا جو مجھے معلوم ہیں۔ میں تجھے پہچانتا ہوں کہ کہ تو ہی میرا خدا ہے۔ اس لئے میری روح تیرے نام سے ایسی اچھلتی ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ ماں کے دیکھنے سے۔ لیکن اکثر لوگوں نے مجھے نہیں پہچانا اور نہ قبول کیا۔ اس لئے نہ میں نے بلکہ میری روح نے زور دیا کہ میں یہ دعا کروں کہ اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں اور اگر تیرا غضب میرے پر نہیں ہے اور اگر میں تیری جناب میں مستجاب الدعوات ہوں تو ایسا کر کہ جنوری ۱۹۰۰ء سے اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک میرے لئے کوئی نشان دکھلا اور اپنے بندے کے لئے گواہی دے جس کو زبان سے کچلا گیا ہے۔ دیکھ میں تیری جناب میں عاجزانہ ہاتھ اٹھاتا ہوں کہ تو ایسا ہی کر۔ اگر میں تیرے حضور میں سچا ہوں اور جیسا کہ خیال کیا گیا ہے کافر اور کاذب نہیں ہوں تو ان تین سالوں میں جو دسمبر ۱۹۰۲ء تک ختم ہو جاویں گے کوئی ایسا نشان دکھلا جو انسانی ہاتھوں سے بالاتر ہو ... میں نے اپنے لئے یہ قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر میری یہ دعا قبول نہ ہو تو میں ایسا ہی مردود اور ملعون اور کافر اور بے دین اور خائن ہوں جیسا کہ مجھ کو سمجھا گیا ہے۔ اگر میں تیرا مقبول ہوں تو میرے لئے آسمان سے ان تین برسوں کے اندر گواہی دے تا ملک میں امن اور صلح کاری پھیلے تا لوگ یقین کریں کہ تو موجود ہے اور دعاؤں کو سنتا اور ان کی طرف جو تیری طرف جھکتے ہیں جھکتا ہے۔ اب تیری طرف اور تیرے فیصلہ کی طرف ہر روز میری نظر رہے گی جب تک آسمان سے تیری نصرت نازل ہو اور میں کسی مخالف کو اپنے اشتہار میں مخاطب نہیں کرتا اور نہ ان کو کسی مقابلے کے لئے بلاتا ہوں۔ یہ میری دعا تیری ہی جناب میں ہے کیونکہ تیری نظر سے کوئی صادق یا کاذب غائب نہیں ہے۔ میری روح گواہی دیتی ہے کہ تو صادق کو ضائع نہیں کرتا اور کاذب تیری جناب میں کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ کاذب بھی نبیوں کی طرح تحدی کرتے ہیں اور انکی تائید اور نصرت بھی ایسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ راست باز نبیوں کی وہ جھوٹے ہیں اور

چاہتے ہیں کہ نبوت کے سلسلہ کو مشتبہ کر دیں بلکہ تیرا قہر تلوار کی طرح مفتری پر پڑتا ہے اور تیرے غضب کی بجلی کذاب کو بھسم کر دیتی ہے مگر صادق تیرے حضور میں زندگی اور عزت پاتے ہیں تیری نصرت اور تائید اور تیرا فضل اور رحمت ہمیشہ ہمارے شامل رہے۔آمین ثم آمین۔المشتہر مرزا غلام احمد از قادیان ۵ نومبر ۱۸۹۹ء۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص ۱۷۴ تا ۱۷۹)

اس دعا کا نتیجہ بھی وہی ہوا جو اس شعر میں ہے

جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال اب ہے یہ آرزو کہ کبھی آرزو نہ ہو

☆ سید امیر شاہ کیلئے

سید امیر شاہ رسالدار میجر سے پانچ صد روپیہ پیشگی لے کر ان کے بیٹا ہونے کی دعا کی جس کی میعاد ۱۵ اگست ۱۸۸۹ء کو ختم ہوئی۔مگر یہ قیمتی دعا بھی مردود اور نامقبول ہوئی۔ (مرزا صاحب کا خط ۱۵ اگست ۱۸۸۹ء۔ مندرجہ عصائے موسی۔ ص ۴۲)

☆ ملکہ وکٹوریہ کیلئے دعا

۲۰ جون ۱۸۹۷ء کو بدرگاہ رب العزت اردو فارسی عربی پشتو پنجابی اور انگریزی زبانوں میں نہائت خشوع و خضوع سے گورنمنٹ کے اقبال و دولت کی ترقی کی دعائیں مانگی گئیں اور آخیر میں ملکہ معظّمہ کے اسلام لانے کیلئے ان الفاظ میں دعا کی گئی

. اے قادر توانا ہم تیری بے انتہا قدرت پر نظر کر کے ایک اور دعا کے لئے تیری جناب میں جرئت کرتے ہیں کہ ہماری محسنہ قیصرہ ہند کو مخلوق پرستی کی تاریکی سے چھڑا کر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر اس کا خاتمہ کر۔

اے عجیب قدرتوں والے۔اے عمیق تصرفوں والے۔ایسا ہی کر۔یا الٰہی یہ تمام دعا قبول فرما۔تمام جماعت کہے کہ آمین۔

اے ملکہ معظّمہ قیصرہ ہند ہم عاجزانہ آداب کے ساتھ تیری حضور میں کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں کہ تو اس خوشی کے وقت میں جو شست سالہ جوبلی کا وقت ہے یسوع کو چھوڑنے کے لئے کوشش کر۔ (تحفہ قیصریہ۔ ص ۲۵)

نتیجہ کیا ہوا؟ وکٹوریہ مسلمان ہوگئی تھی یا عیسائیت پر اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا؟

کذبات مرزا

☆ مرزا صاحب لکھتے ہیں

. مولوی ثناء اللہ کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں اس طور کے فیصلے کے لئے بدل خواہش مند ہوں کہ فریقین (یعنی میں اور وہ) دعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے

(اعجاز احمدی ص ۱۴)

مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ بس آپ یہ رقعہ جس پر ہمارے دستخط ثبت ہیں ہم کو دکھا دیں. (اہل حدیث ۲۱ فروری ۱۹۴۱ء) ۔آج تک ایسا رقعہ پیش نہیں کیا جا سکا۔

☆ مرزا صاحب لکھتے ہیں

. دوسرا امر جو اسی رسالہ میں محمد حسین نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ گویا میں نے کوئی الہام اس مضمون کا شائع کیا ہے کہ گورنمنٹ عالیہ کی سلطنت آٹھ سال کے عرصہ میں تباہ ہو جائے گی ۔ میں اس بہتان کا جواب بجز اس کے کیا لکھوں کہ خدا جھوٹے کو تباہ کرے ۔ میں نے ایسا الہام ہرگز شائع نہیں کیا . (کشف الغطاص ۱۲۶ خزائن ۱۴)

اور پھر مرزا صاحب کے بیٹے مرزا بشیر نے گواہی دی کہ میرے باپ نے جھوٹ بولا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ

. حضرت مسیح موعود کو (شہزادہ عبدالمجید کی روائت کے مطابق) قیام لدھیانہ (۱۸۹۱ء) میں انگریزی حکومت کے زوال کے متعلق بھی خبر دی گئی اور الہام ہوا سلطنت برطانیہ تا ہشت سال بعد ازاں ایام ضعف واختلال . (تاریخ احمدیت ص ۲۲۷ ج دوم)

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

. چودھویں صدی کے سر پر مسیح موعود کا آنا جس قدر حدیثوں سے قرآن سے اولیاء کے مکاشفات سے پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے حاجت بیان نہیں

(شہادۃ القرآن ص ۶۹) ۔

ایسا ہی احادیث صیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ (براہین احمدیہ ج ۵ ص ۱۸۸)۔

مرزا صاحب کے مرید بتائیں کہ کن احادیث صیحہ میں آیا ہے کہ مسیح چودھویں صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

. پھر بخاری میں یہ بھی حدیث ہے حسبنا کتاب الله ما کان من شرط لیس فی کتاب الله فھو باطل قضاء الله احق ۔

(خزائن ج ۳ ص ۶۱۰ ۔ ازالہ اوہام)

یہ بخاری تو کجا، کہیں بھی نہیں ہے۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

. ایک اور حدیث بھی مسیح ابن مریم کے فوت ہو جانے پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کب آئے گی ؟ تو آپ نے فرمایا کہ آج کی تاریخ سے سو برس تک تمام بنی آدم پر قیامت آجائے گی۔

(ازالہ اوہام ۔ روحانی خزائن ج ۳ ص ۲۲۷)

کسی معتبر تو کجا ضعیف حدیث میں بھی ایسے الفاظ نہیں ہیں جن سے مرزا صاحب نے وفات مسیح پر استدلال کیا ہے

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں۔

اور احادیث میں آیا ہے کہ اس واقعہ صلیب کے بعد عیسیٰ بن مریم نے ۱۲۰ سال عمر پائی اور پھر فوت ہو کر اپنے خدا سے جا ملا (تذکرۃ الشہادتین ص ۲۷)۔

کوئی ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں کہ مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ اور کوئی ایسی حدیث موجود نہیں جس میں ذکر ہو کہ انہوں نے واقعہ صلیب کے بعد ۱۲۰ سال عمر پائی

☆ اپنی وفات سے چند روز قبل مرزا صاحب نے فرمایا۔

جب میں مامور ہوا تھا تو سب سے اول اس امر کو گروہ علماء کے پیش کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ علماء اس امر کو سب سے پہلے قبول کریں گے ۔۔ کیونکہ میرا دعوی قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ اور تحریر اور تقریر اور اپنے وعظوں اور لیکچروں میں کہا کرتے

تھے کہ چودھویں صدی میں مسیح موعود کا آجانا یقینی اور قطعی ہے۔مگر ہماری وہ امید بالکل غلط نکلی۔علماء کی طرف سے ہمیں اس دعوت کا جو جواب ملا وہ ایک فتوی تھا جس میں ہمیں کافر اکفر ضال مضل دائرہ اسلام سے خارج یہود اور نصاری سے بدتر قرار دیا ..پھران لوگوں سے جواب پاکر ہمیں خیال آیا کہ تعلیم یافتہ لوگ عموماً بے تعصب اور عناد سے پاک ہوتے ہیں۔لہذا اسی خیال سے ہم نے پھر اپنی دعوت نئے تعلیم یافتہ گروہ کے پیش کی مگران میں سے اکثر کو بے قید پایا اور اکثر کو دیکھا کہ وہ خود اسلام میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں ..غرض اس قوم سے بھی محرومی ہی ہوئی الا ما شاء اللہ پھر رؤساء کے گروہ کی طرف دعوت بھیجی کہ ان کو دنیا کا حصہ دیا جاتا ہےاور یہ سیدھے سادھے مسلمان ہوتے ہیں۔چنانچہ ان میں سے ایک شخص صدیق حسن خان نے ہماری کتاب کو چاک کر کے واپس بھیج دیا اوراس طرح اپنی قساوت قلبی کا اظہار کیا۔اس کے بعد ہم نے سمجھا کہ یہ سعادت ضعفاء ہی کا حصہ ہوتی ہے چنانچہ ہمارا یہ خیال بالکل صحیح نکلا۔ چنانچہ اسی گروہ میں سے کئی لاکھ انسان اب ہمارے ساتھ ہیں

(مئی ۱۹۰۸ء کا ملفوظ۔ ملفوظات ج ۱۰ص ۳۰۴۔۳۰۵)

یعنی مرزا کہتے ہیں کہ انہوں نے پہلے علماء کو دعوت دی تو انہوں نے فتوی تکفیر جاری کر دیا۔اورسب جانتے ہیں کہ فتوی تکفیر مرزا ۱۸۹۲ء میں جاری ہوا۔ پھر انہوں نے تعلیمیافتہ لوگوں کو دعوت دی ۔اور امراء کو اس سے بھی بعد دعوت دی گئی۔ اور نواب صدیق حسن تو ۱۸۹۰ء میں یعنی فتوی کے اجرا سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے۔

☆ اور مرزا صاحب نے کہا۔

. مولوی غلام دستگیر قصوری نے اپنی کتاب میں اورمولوی اسماعیل علی گڑھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مریگا۔اور ضرور ہم سے پہلے مریگا کیونکہ وہ کاذب ہے ۔مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے .۔ (اربعین نمبر۳ ص ۱۱) ۔

یہ سب مرزا صاحب کا تراشا ہوا جھوٹ ہے ۔ان دونوں بزرگوں کی ایسی کوئی کتاب روئے زمین پر موجودنہیں ہے اورکبھی شائع نہیں ہوئی جس میں انہوں نے یہ بات لکھی ہو۔ مرزا صاحب کی زندگی میں بھی ان سے مطالبہ کیا گیا تھا اور بعد میں بھی

مرزائیوں سے مطالبہ ہوتا رہا کہ ان بزرگوں کی شائع شدہ کتابیں دکھاؤ جن میں یہ مضمون موجود ہو۔ لیکن آج تک کوئی نہیں دکھا سکا۔ اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ جب مرزا صاحب کو لوگوں نے بتا دیا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں تب بھی انہوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کر کے اصلاح احوال نہیں کی (یہ مولانا قصوری وہی ہیں جن کے ساتھ مناظرے کا وعدہ کر کے مرزا صاحب فرار ہو گئے تھے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ مولوی غلام دستگیر قصوری سے ایک دفعہ فیروز پور میں مناظرے سے مرزا صاحب نے پہلو تہی کی۔ اور جب اصرار ہوا تو مجبوراً مان گئے۔ مقام و تاریخ طے ہو کر اشتہارات شائع ہو گئے۔ مولوی غلام دستگیر صاحب ایک روز پہلے ہی فیروز پور پہنچ گئے دوسرے روز مقام مناظرہ پر پہونچے لیکن مرزا صاحب میدان میں نہ آئے۔ پھر کہا کہ میں لاہور میں مناظرہ کرونگا۔ پھر تاریخ اور مقام کا تعین ہوا اشتہارات شائع ہوئے۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۹۲ء کو لاہور کے موچی دروازے کی ایک مسجد میں مناظرہ کرنا طے ہوا۔ اعلانات ہو گئے۔ لاہور اور گردونواح کے ہزاروں لوگ آئے۔ قصوری صاحب آ گئے۔ مرزا صاحب نہ آئے۔۔ پھر مرزا صاحب نے ۱۵ جون ۱۸۹۳ء کو لاہور میں قصوری صاحب سے مناظرہ کرنا منظور کیا۔ مگر بعد میں خود حاضر ہونے کی بجائے اپنے نمائندگان کو بھجنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ مولانا عبدالحق غزنوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔ میں پندرہ جون ۱۸۹۳ء کے مباحثہ میں لاہور نہیں جاؤں گا۔ بلکہ میری طرف سے حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب یا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب بحث کے لئے جاویں گے۔ (تاریخ مرزا ص ۴۶)۔ لیکن وقت مقررہ پر نہ خود آئے نہ حکیم صاحب آئے اور نہ ہی مولوی محمد احسن صاحب تشریف لائے)

☆ مرزا صاحب اپنی شہادۃ القرآن میں فرماتے ہیں کہ

صحیح بخاری میں کہ امام مہدی کے لئے آسمان سے آواز آئے گی ہذا خلیفۃ اللہ المہدی

یہ مرزا صاحب نے بخاری پر جھوٹ باندھا ہے۔ بخاری شریف میں ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔ جواب میں قادیانی اور لاہوری کہتے ہیں کہ کہ واقعتاً یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے لیکن مستدرک حاکم میں ہے اور وہاں لکھا ہوا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط پر ہے۔

کہیں بھی ہو ہمیں اس سے کیا؟ بات تو بخاری کی ہے کہ مرزا صاحب نے کہا

کہ یہ حدیث وہاں ہے۔ مرزا صاحب اس تحریر کے بعد ۱۶ سال تک زندہ رہے۔لیکن انہوں نے ساری عمر اس جھوٹ کی اصلاح نہیں کی۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ

. صحیح مسلم میں جو یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا. (ازالہ اوہام)۔

مسلم شریف میں ایسا نہیں ہے کہ وہاں یہ لفظ موجود ہوں جن کا معنی ہو کہ مسیح جب . آسمان . سے اتریں گے۔ یہ مرزا صاحب کا جھوٹ ہے۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

. احادیث صحیحہ میں فرمایا گیا ہے کہ امام مہدی کو کافر ٹھہرایا جائے گا.

کسی قادیانی میں جرئت ہو تو احادیث صحیحہ سے یہ مضمون ثابت کرے۔جب مرزائیوں کو احادیث صحیحہ میں یہ مضمون نہ ملا تو انہوں نے نواب صدیق حسن کی کتاب حجج الکرامہ سے ایک عبارت نکال لی جس میں نواب صاحب کہتے ہیں کہ مقلد اور لکیر کے فقیر علماء امام مہدی کو کافر اور گمراہ کہیں گے۔ اور یہ عبارت پیش کر کے مرزائی کہتے ہیں کہ نواب صاحب نے یہ عبارت کہیں سے لی ہی ہوگی۔ انہیں الہام تو نہیں ہوا ہوگا۔

لیکن صورت حال یہ ہے کہ نواب صاحب نے اسے حدیث نہیں کہا۔ پھر ہمیں نواب صاحب سے کیا؟ بات تو مرزا صاحب کی ہے کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔

☆ مرزا صاحب نے اپنی کتاب کشتی نوح میں کہا کہ

آتھم والی . پیش گوئی میں یہ بیان تھا کہ فریقین (مرزا اور آتھم) میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے گا. یہ بات مرزا صاحب کا جھوٹ ہے۔ کوئی احمدی مرزا صاحب کے اصل الہام سے یہ الفاظ دکھائے۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

. عرصہ بیس یا اکیس برس گذر گیا کہ میں نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں چار لڑکے دوں گا جو عمر پاویں گے۔(حقیقۃ الوحی ص ۲۱۸)۔

حقیقۃ الوحی مئی ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔اس کی اشاعت سے بیس اکیس سال قبل

کا مطلب ۱۸۸۶ء یا ۱۸۸۷ء ہوسکتا ہے ۔ اور مرزا صاحب کا کوئی اشتہار ۱۸۸۶ء ۔ ۱۸۸۷ء کا ایسا نہیں ہے جس میں چار لڑکوں کا وعدہ ہو۔ اگر ایسا وعدہ تھا بھی تو مبارک احمد بچپن میں کیوں مر گیا؟ کیا مرزا صاحب کا خدا ان سے جھوٹے وعدے کرتا تھا؟

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ

. تاریخ دان لوگ جانتے ہیں کہ آپ (یعنی آنحضرت ﷺ کے) گھر میں گیارہ لڑکے پیدا ہوئے تھے اور سب کے سب فوت ہو گئے ۔

(چشمہ معرفت از مرزا صاحب ص ۲۸۶)۔

جب لوگ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب غلط کہہ رہے تو اس بات کو تسلیم کرنے کے بجائے اعتراض کرنے والوں کو جلی کٹی سنائی جاتی ہیں جیسا کہ مرزائیوں نے ایک مرتبہ لکھا

. مولوی محمد علی مونگیری اور ان کے اعوان و انصار جن کی غرض صوبہ بہار میں بالخصوص یہ ہے کہ جس طرح ہو احمدیوں کے خلاف عوام کو بہکایا جائے اپنے صحیفوں ٹریکٹوں اور نیز اپنے بیانات میں ہمیشہ عوام کو یہ دکھلاتے ہیں کہ حضرت مسیح وعود نے اخبار بدر میں معاذ اللہ یہ جھوٹ لکھا ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے ۔ ہر چند ان کو سمجھایا گیا کہ یہ جھوٹ نہیں ہوسکتا اور کسی طرح اس پر جھوٹ کی تعریف صادق نہیں آتی ۔ اور نیز کہنے والے کی غرض ہرگز جھوٹ بیان کرنے کی نہیں ۔ مگر عناد و تعصب نے انہیں سمجھنے کا موقعہ کبھی نہیں دیا۔

(الفضل قادیان ۔ ۲۹ مئی ۱۹۲۲ء)

یوم الرحیل

☆ ۷ جولائی ۱۹۰۷ء کو مرزا غلام احمد کو الہام ہوا۔

ہیضہ کی آمدن ہونے والی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہی لفظ ہیں و اللہ اعلم

(تذکرہ ص ۷۲۵)

☆ ۲۷ اپریل ۱۹۰۸ء کی صبح لاہور جانے کے لئے مرزا صاحب قادیان سے بٹالہ آئے۔ اس سفر میں ۱۱ لوگ ہمراہ تھے۔ بٹالہ میں خلاف توقع ریزرو گاڑی نہ مل سکی تو رات وہیں رہے اور ۲۹ اپریل کو براستہ امرتسر لاہور پہنچے (تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۵۳۱-۵۳۲)

☆ مرزا بشیر احمد کہتے ہیں کہ

. دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت (مرزا) صاحب اس سفر پر تشریف لے جاتے ہوئے بہت متامل تھے کیونکہ حضور کو احساس ہو چکا تھا کہ اسی سفر میں آپ کو سفر آخرت پیش آنے والا ہے. (سیرۃ المھدی حصہ سوم ص ۳۷)

(اگر کسی وقت محبوب سے ملاقات کا امکان ہو تو لوگ سارے کام چھوڑ کر وقت سے پہلے کوچہ محبوب کی جانب چل پڑتے ہیں۔ رخت سفر باندھنے میں تامل تو وہ لوگ کیا کرتے ہیں جنہیں خیال ہو کہ محبوب نہیں بلکہ دشمن یا معاند سے سامنا ہونے والا ہے)

☆ کہتے ہیں کہ جب

. جناب مسیح موعود نے آخری سفر میں لاہور جانے کا ارادہ فرمایا اور سامان اور سواری وغیرہ کا انتظام ہو چکا تو رات کو میاں شریف احمد صاحب کو بخار ہو گیا۔ حضور کو رات کے وقت الہام ہوا مباش ایمن از بازی روزگار جو آپ نے صبح کو سنایا۔ آپ نے حکم دیا کہ آج جانا ملتوی کر دو کل دیکھا جائیگا (سفر ملتوی کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے) اور حضور نے پہلے ہی لکھ دیا ہوا تھا کہ مجھ کو اللہ تعالی سے مطلع کیا جا چکا ہے کہ اب میری عمر قریب الاختتام ہے۔ دوسرے روز حضور تشریف لے گئے اور وہاں لاہور ہی میں حضور کا انتقال ہوا. (سیرۃ المھدی حصہ سوم ص ۳۸)

☆ خاکسار (بشیر احمد) عرض کرتا ہے کہ اس فارسی الہام کے یہ معنی ہیں کہ زندگی کی چال سے امن میں نہ رہ کہ یہ دھوکہ دینے والی چیز ہے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ لاہور جا کر حضرت صاحب کو اپنی وفات کے متعلق اس سے بھی زیادہ واضح الہام ہوئے تھے۔ مثلا ایک الہام یہ تھا مکن تکیہ برعمر ناپائدار یعنی اس ناپائدار عمر پر بھروسہ نہ کر کہ یہ اب ختم ہو رہی ہے۔ اور ایک الہام جو غالباً آخری تھا یہ تھا الرحیل ثم الرحیل یعنی اب کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ اس الہام کے چار پانچ روز بعد آپ انتقال فرما گئے۔ (سیرۃ المہدی حصہ سوم ص ۳۸)

☆ مرزا صاحب کا آخری سفر جانب لاہور تھا یعنی اس شہر کی طرف جس کی تباہی کی پیش گوئی آپ فرما چکے تھے۔ لاہور میں آپ نے کم وبیش ایک ماہ قیام فرمایا۔

خواجہ کمال دین نے چوہدری ظفر اللہ سے کہا

. جب حضرت صاحب آخری بار لاہور تشریف لائے تھے اور ہمارے مکانات واقع احمدیہ بلڈنگس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اور مولوی محمد علی صاحب اور تین چار اور افراد گرفتار کر لئے گئے ہیں اور ہم سے کہا گیا کہ تم نے بغاوت کی ہے تمہیں بادشاہ کے حضور پیش کیا جائے گا۔ چنانچہ ہمیں پیش کیا گیا۔ کمرہ ایسا تھا جیسا لاہور چیف کورٹ میں فرسٹ بنچ کے اجلاس کا کمرہ ہے۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چوکور چھتری کے نیچے جہاں جج بیٹھتے ہیں تخت بچھا ہوا تھا اور اس پر مولوی نور دین صاحب تشریف فرما ہیں.... انہوں نے ہمیں مخاطب کر کے کہا کہ تم نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے بتاؤ تمہیں کیا سزا دی جائے۔ میں نے کہا اب آپ کا راج ہے آپ جو چاہیں حکم دیں۔ مولوی صاحب نے کہا ہم تمہیں ملک بدر کرتے ہیں۔ میں نے خواب حضرت (مرزا) صاحب کو سنایا۔ آپ نے کہا مبارک ہو ۔شاہی قیدی ہونا کوئی بری بات نہیں۔ اس کے بعد میں مولوی (نور دین) صاحب کے پاس گیا اور انہیں وہ خواب سنایا۔ انہوں نے سن کر کچھ دیر تو سر جھکائے رکھا اور پھر سر اٹھا کر کہا. کسی سے کہنا نہیں. اس کے دو چار روز بعد حضرت صاحب کی وفات ہو گئی۔ میں مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہا حضرت میرا خواب پورا ہو گیا اور اپنے ہاتھ کو بڑھا کر کہا بیعت لیجئے۔ مولوی صاحب نے کہا نہیں نہیں انتظار

کرو۔ قادیان چلو۔ (تحدیث نعمت ص ۴۸۔۴۹)

☆ اور ملفوظات کے مرتب نے مرزا صاحب کی زندگی کی آخری شام کو پیش آنے والہ ان کی زندگی کا آخری واقعہ یوں بیان کیا ہے۔

. ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء قبل نماز عصر مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے حضرت اقدس کی خدمت میں بذریعہ اپنے کسی خاص قاصد کے ایک خط بھیجا جس میں بعض مسائل پر زبانی گفتگو کرنے کی اجازت چاہی اور وعدہ کیا کہ میں بہت نرمی اور پاس ادب سے گفتگو کرونگا۔ حضرت اقدس (مرزا) نے قبل عصر مولوی سید محمد احسن صاحب سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ وہ اخلاق کے کیسے ہیں۔ مغلوب الغضب اور فوراً جوش میں آ جانے والے تو نہیں؟ اس کے جواب میں بعض اصحاب نے عرض کیا کہ حضور (وہ) ایسے تو نہیں۔ ان کی طبیعت میں نرمی پائی جاتی ہے۔ حضرت اقدس خود چونکہ پیغام صلح لکھنے میں مصروف تھے اور فرصت نہ تھی اس لئے حضرت اقدس نے مولانا مولوی محمد احسن صاحب سے فرمایا کہ آپ ان کے خط کا جواب لکھ دیں۔ اصل خط ان کا ہم بھیج دیں گے اور بے شک نرمی اور آہستگی سے ان سے مسائل پر گفتگو کریں۔ البتہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ان کے ہمراہ سوائے دو چار معزز آدمیوں کے اور زیادہ ہجوم نہ ہو اور آپ علیحدگی میں بیٹھ کر گفتگو کریں۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ اسی دوران میں کسی دوست نے ان کا یہ عقیدہ پیش کر دیا کہ وہ حضرت عیسی کے سولی پر لٹکائے جانے کے ہی قائل نہیں اور یہ کہ وہ اپنے اس دعوی کی دلیل میں آئت کریمہ اذ کففت بنی اسرائیل عنک پیش کرتے ہیں' (ملفوظات ج ۱۰ ص ۴۔۴۵۳)

اور مرزا بشیر احمد نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے

' خاکسار عرض کرتا ہے کہ ۲۵ مئی کو عصر کی نماز کے بعد یعنی اپنی وفات سے صرف چند گھنٹے پیشتر حضور نے لاہور میں خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر جہاں نماز ہوا کرتی تھی ایک بڑی پر جوش تقریر فرمائی جس کی وجہ یہ تھی مولوی ابراہیم سیالکوٹی کی طرف سے ایک شخص مباحثہ کا چیلنج لے کر آپ کے پاس آیا تھا۔ آپ نے مباحثہ کی شرائط کے لئے مولوی محمد احسن صاحب کو مقرر فرمایا۔ پھر اس شخص کی موجودگی میں ایک نہائت زبردست تقریر فرمائی اور جس طرح جوش کے وقت آپ کا چہرہ سرخ

ہو جایا کرتا تھا اسی طرح اس وقت بھی یہی حال تھا۔ اس تقریر کے بعض فقرے اب تک میرے کانوں میں گونجتے ہیں۔ فرمایا تم عیسی کو مرنے دو کہ اسی میں اسلام کی زندگی ہے۔ نیز فرمایا اب ہم تو اپنا کام ختم کر چکے ہیں'

(سیرۃ المھدی ج ا ص ۴۷ مطبوعہ قادیان ۱۹۳۵ء)

اور مولوی دوست محمد قادیانی نے یہ واقعہ یوں بیان فرمایا ہے۔

اہل حدیث عالم مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے حضور کی خدمت میں رقعہ بھجوایا کہ وہ مسائل متنازعہ فیہ میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت اقدس پیغام صلح لکھنے میں مصروف تھے اس لئے حضور نے ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو مولوی محمد احسن صاحب کو تبادلہ خیالات کرنے کا ارشاد فرمایا۔ رقعہ ملنے کے وقت چونکہ حضور اپنے خدام میں تشریف فرماتھے اس لئے حضور نے اس وقت حیات مسیح کے رد میں ایک مفصل تقریر بھی کی جس کے آخر میں فرمایا عیسی کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسی موسوی کی بجائے عیسی محمدی کو آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔ یہ حضور کی آخری تقریر تھی۔ اس کے بعد حضور نے کوئی تقریر نہیں فرمائی

(تاریخ احمدیت ج ۲ ص ۵۴۰)۔

مرزا صاحب کے بیٹے مرزا بشیر احمد نے جو موقع کے گواہ ہیں اپنے بیان میں صرف اتنا بتایا ہے کہ مرزا صاحب نے کہا کہ تم عیسی کو مرنے دو کہ اسی میں اسلام کی زندگی ہے ہم تو اپنا کام ختم کر چکے ہیں۔ اس کے بالمقابل مولوی دوست محمد نے جو موقع پر موجود نہیں تھے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے فرمایا عیسی کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی حیات ہے۔ ایسا ہی عیسی موسوی کی بجائے عیسی محمدی کو آنے دو کہ اس میں اسلام کی عظمت ہے۔ دونوں روائیتوں میں سے زیادہ وزنی بات اس بیٹے کی ہے جو موقع پر موجود تھا اور جس نے اپنے باپ کی سیرت لکھی ہے جو مرزائیوں کے دوسرے لٹریچر کے لئے ایک حوالے کی کتاب ہے۔ بیٹے کے روائت کردہ الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے سامعین اور ان کی وساطت سے سارے مرزائیوں کو بتا رہے ہیں کہ مجھ سے جو کچھ ہوسکتا تھا میں نے کرلیا اب اسلام کی زندگی اسی میں ہے کہ عیسی تشریف لے آئیں اس لئے ان کو اب آنے دو۔ ہم تو جارہے ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی محمد احسن نے

نہ تو مولانا ابراہیم سے کوئی مباحثہ ۲۵ مئی کو کیا اور نہ اس کے بعد۔

مولانا میر نے دعوت مباحثہ تو مرزا صاحب کو دی تھی لیکن مرزا صاحب شائد جانتے تھے کہ یہ وہی شخص ہیں جن کی شہادۃ القرآن کئی برسوں سے تشنہ جواب پڑی ہے اور اگر انہوں نے دوران مباحثہ برسبیل تذکرہ ہی پوچھ لیا کی حضرت شہادۃ القرآن چار پانچ سال سے آپ کے ہاں جواب طلب پڑی ہے آپ کو اس کے جواب کے لئے مزید کتنی مہلت درکار ہے؟ تو میں کیا جواب دے سکوں گا۔ اس لئے مرزا صاحب مولانا ابراہیم کی دعوت مباحثہ کے جواب میں طرح دے گئے اور اپنے مرید خاص مولوی محمد احسن کو یہ کہہ کر سامنے کردیا کہ چڑھ جا بیٹا سولی رام بھلی کریگا۔

جہاں تک مرزا صاحب کے پاس وقت نہ ہونے کے مرزائیوں کے اس بہانے کا تعلق ہے کہ پیغام صلح لکھی جارہی تھی تو اس سلسلے میں صورت حال یہ ہے کہ مرزا صاحب یا کسی اور نے کسی مدت کا تعین بھی نہیں کر رکھا تھا کہ اسے کسی خاص تاریخ تک مکمل کرنا ضروری ہو۔اس رسالے کا مسودہ مرزا صاحب کی موت کے بعد منتشر نوٹوں کی صورت میں پایا گیا تھا۔اور کوئی مرزائی یہ بھی نہیں بتاتا کہ مولانا ابراہیم کی دعوت مباحثہ ملنے اور مرزا کی موت کے درمیانی عرصہ میں مرزا صاحب نے کون سا پیراگراف یا کون سا صفحہ اس رسالے کے لئے لکھا جس میں انہوں نے وہ وقت صرف کیا ہو جو مولانا ابراہیم نے مباحثے کے لئے ان سے مانگا تھا۔

مزید یہ کہ مولانا ابراہیم نے مرزا صاحب سے گفتگو کے لئے دن یا پہر نہیں مانگے تھے۔ پندرہ بیس منٹ نصف گھنٹہ یا ایک گھنٹہ بھی کافی ہوسکتے تھے۔ اور نہ ہی مولانا نے مرزا صاحب کو سیالکوٹ یا امرتسر جیسے کسی شہر میں بلا کر مناظرے کی دعوت دی تھی جس کے لئے اہتمام سفر اور پروگرام بنانے اور حفاظتی انتظامات کی ضرورت ہو۔اس کے برعکس مولانا ابراہیم لاہور کی اس بلڈنگ کے جوار میں کسی عمارت میں بیٹھے خود مرزا صاحب کی قیام گاہ پر ان کے مریدوں کے اپنے جھرمٹ میں بیٹھ کر چند منٹ بات کرنے کی اجازت طلب کر رہے تھے۔لیکن مرزا صاحب نے اس پیغام کے بعد اپنے مریدوں کے سامنے گرج برس کر ایک مفصل اور جوشیلی تقریر کرنے کے لئے تو وقت نکال لیا لیکن تحریک ختم نبوت کے ایک کارکن مولانا سیالکوٹی کا سامنا کرنے کے لئے وقت اور حوصلہ

فراہم نہ کر سکے۔

یہ تقریری نشست مرزا صاحب کی آخری تقریر یا پبلک تقریب تھی ہے۔ اس کے بعد چراغوں سے روشنی اور زبان سے بولنے کی سکت چھن گئی تھی۔ اور حقیقی معنوں میں یہ مرزا صاحب کی الوداعی تقریر تھی جس میں مریدوں کو آخری فرمان جاری کیا گیا کہ (ہمارے ہاں تو اب ہیضے کی آمد آمد ہے اس لئے) مجھے مرنے دو اور اصلی عیسی کو آنے دو جو صاحب شوکت اور اقبال مند ہوگا کہ اسی میں اسلام کی حیات ہے۔ (جیسا کہ وہ پہلے بھی ایک موقع پر کہہ چکے تھے کہ

. اس عاجز کی طرف سے بھی یہ دعوی نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پر ہی خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ میں تو مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آ سکتا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال اور اقبال کے ساتھ آوے اور ممکن ہے کہ اول دمشق میں ہی نازل ہو. (ازالہ اوہام حصہ اول ص ۵۲۱ خزائن ج ۳)

☆ اس نشست کے بعد مرزا صاحب نے کچھ وقت کھانے پینے اور دوسرے کاموں کو گزارا اور اچانک بیمار پڑ گئے۔ اس موقع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آپ کے سسر میر ناصر کہتے ہیں۔

☆ حضرت جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا۔ جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا۔ جب میں حضرت صاحب کے پاس پہنچا اور آپ کا حال دیکھا تو مجھے مخاطب کر کے فرمایا میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہوگیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے روز دس بجے آپ کا انتقال ہوگیا. (حیات ناصر مرتبہ یعقوب علی عرفانی ص ۱۴ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ از الیاس برنی ص ۱۳۷)

☆ اور مرزا بشیر نے اس بیماری کی تفصیل اپنی والدہ کی روائت سے یوں بیان کی ہے

. والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود کو پہلا دست کھانا کھانے کے وقت آیا تھا۔ مگر اس کے بعد تھوڑی دیر تک ہم لوگ آپ کے پاؤں دباتے رہے اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے اور میں بھی سو گئی۔ لیکن کچھ دیر بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور غالباً ایک دو دفعہ حاجت کے لئے آپ پاخانہ تشریف لے گئے۔ اس کے

بعد آپ نے زیادہ ضعف محسوس کیا تو آپ نے ہاتھ سے مجھے جگایا۔ میں اٹھی تو آپ کو اتنا ضعف تھا کہ آپ میری چارپائی پر ہی لیٹ گئے اور میں آپ کے پاؤں دبانے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت نے فرمایا تم اب سو جاؤ۔ میں نے کہا نہیں میں دباتی ہوں۔ اتنے میں آپ کو ایک اور دست آیا۔ مگر اب اس قدر ضعف تھا کہ آپ پاخانہ نہ جا سکتے تھے۔ اس لئے چارپائی کے پاس ہی بیٹھ کر آپ فارغ ہوئے اور پھر لیٹ گئے اور میں آپ کے پاؤں دباتی رہی۔ مگر ضعف بہت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور دست آیا اور پھر آپ کو ایک قے آئی۔ جب آپ قے سے فارغ ہو کر لیٹنے لگے تو اتنا ضعف تھا کہ آپ پشت کے بل چارپائی پر گر گئے اور آپ کا سر چارپائی کی لکڑی سے ٹکرا گیا۔ اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس پر میں نے گھبرا کر کہا اللہ یہ کیا ہونے والہ ہے۔ تو آپ نے کہا کہ وہی ہے جو میں کہا کرتا ہوں۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ کیا آپ سمجھ گئی تھیں کہ حضرت کا منشا کیا ہے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ہاں۔ (سیرۃ المہدی ص ۱۰۵ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ص ۱۳۷)

☆ آخر میں آپ کے گلے سے آواز نہیں نکل رہی تھی اور بتایا جاتا ہے کہ موت سے دو گھنٹہ قبل حضور بات نہ کر سکتے تھے..... کاغذ قلم دوات منگا کر حضور نے لکھا خشکی بہت ہے، بات نہیں کی جاتی۔ اور ایسے ہی کچھ اور الفاظ لکھے جو پڑھے نہ گئے

(محمد صادق کا مضمون در الفضل ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص ۱۳۸)۔

یعنی زبان سے قوت گویائی چھن گئی اور ہاتھوں سے لکھنے کی صلاحیت۔ کپکپاتے ہاتھوں سے کاغذ پر جو آڑی ترچھی لکیریں انہوں نے ڈالیں مرزا صاحب کے عزیز اور راسخ مرید آج تک ان سے کوئی مطلب اخذ کرنے سے عاجز ہیں۔

☆ چوہدری ظفر اللہ نے (جو اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتے تھے) لکھا ہے۔

۲۶ مئی کو میں حسب معمول دوپہر کا کھانا اول وقت میں ہی کھا کر لیٹ گیا تھا۔

.... شیخ تیمور صاحب نے میرا پاؤں ہلایا..... انہوں نے بتایا کہ حضرت مسیح موعود فوت ہو گئے ہیں.. ہم سب جلدی میں ہراساں اور پریشان احمدیہ بلڈنگز پہنچے۔ وہاں مکان کے اندر تو وہی سماں تھا جس کی توقع کی جا سکتی تھی..... لیکن مکان کے باہر سڑک پر مخالفین سلسلہ جس قسم کے مظاہروں سے اپنے اخلاقی فقدان کا اعلان کر رہے تھے وہ نہائت

اندوہناک اور قابل افسوس تھا۔ نماز جنازہ کے بعد ہم میں سے اکثر قادیان جانے کے لئے ریلوے سٹیشن پر پہونچے۔اور جو گاڑی عصر کے وقت لاہور سے بٹالہ جاتی تھی اور جس کے ساتھ ایک خاص ڈبے میں حضور (مرزا) کی نعش مبارک کو لے جانے کا انتظام کیا گیا تھا اس میں سوار ہو گئے....امرتسر پہونچنے تک مغرب کا وقت ہو گیا تھا.... کچھ رات گئے گاڑی بٹالہ پہونچی ....آدھی رات کے کچھ دیر بعد یہ محزون قافلہ پاپیادہ قادیان روانہ ہو گیا..... طلوع آفتاب کے وقت قافلہ قادیان پہنچا.... پھر (خلیفہ کا انتخاب ہوا اور نئے خلیفہ نے بیعت لی۔ اور پھر) مولوی نور دین نے باغ کے اس حصہ میں جو آموں والہ باغ کہلاتا تھا حضور کا جنازہ پڑھایا اور حضور کی تدفین مقبرہ بہشتی میں عمل میں آئی۔ (تحدیث نعمت۔ص ۹۔۱۰)۔

یعنی مولوی نور دین نے جنازہ پڑھایا اور ۲۷ مئی کو مرزا کی تدفین عمل میں آئی۔ اب سوال یہ ہے کہ نبی کا جنازہ کس طرح پڑھا جاتا ہے؟ اور کون پڑھاتا ہے۔

☆ ملا محمد بخش جعفر زٹلی سکرٹری انجمن حامی اسلام لاہور کے اہتمام سے مرزا صاحب کے قیام لاہور کے دوران ان کی رہائشگاہ کے قریب رد قادیانیت کے موضوع مسلمانوں کے جلسے ہوتے رہے۔ اور جس روز مرزا صاحب راہی ملک عدم ہوئے اسی شام وہاں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں بہت سے علماء نے رد قادیانیت پر تقاریر کیں۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے بھی خطاب کیا اور رد قادیانیت کے محاذ پر خدمات کے اعتراف کے طور پر محمد بخش جعفر صاحب کو نقد انعام بمعہ خلعت اور ایک تمغہ نقری عطا فرمایا۔ نیز حضرات علماء نے محمد بخش صاحب کو خادم الاسلام کا خطاب عطا فرمایا۔ (تاریخ احمدیت ج چہارم۔ص ۲۱۶ بحوالہ المجدد لاہور جون ۱۹۰۸ء)

☆ اور مرزا صاحب کی وفات کے بعد

. سب سے پہلی اطلاع جو اخبار الحکم ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء کے ضمیمے کی صورت میں شائع ہوئی تھی اس میں ایک فقرہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ مرزا صاحب ہیضے سے مرے ہیں۔لکھا ہے

. مرزا صاحب کو دو اور تین بجے کے درمیان ایک بڑا دست آیا۔جس سے نبض بالکل بند ہوگئی .

ایک ہی دست سے نبض کا بند ہو جانا بتا رہا ہے کہ یہ دست ہیضے کا تھا۔ حکیم نور دین صاحب نے ذرا پیچ دار طریق سے اس امر کو تسلیم کر لیا تھا کہ آپ کی موت ہیضے سے ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں

. دشمن جو کہتا ہے کہ ہیضے سے مرے ہیں۔ اچھا مان لیا کہ دشمن سچ کہتا ہے پھر ہیضے سے مرنا شہادت ہے۔ (خطبات نور حصہ دوم ص ۲۶۸)۔

مولانا امرتسری مرزائیوں کے خلیفہ اول کی اس تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں اس جگہ شہادت غیر شہادت سے بحث نہیں۔ شہادت تو طاعونی موت کے لئے بھی حدیثوں میں آئی ہے۔ مگر مرزا صاحب اپنی جماعت کے سوا دوسرے مسلمانوں کی (طاعون سے) موت کو موت الکلاب کہتے رہے۔ یہ ایک اصطلاحی بات ہے۔ ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔ صرف واقعہ دیکھنا ہے کہ کس مرض سے مرے؟ چونکہ مرزا صاحب (بقول خود) مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کے الہام میں یہ خدائی الفاظ موجود ہیں اجیب کل دعائک میں (خدا) تیری (مرزا کی) ہر دعا قبول کرتا ہوں۔ اور مرزا صاحب نے اپنے آخری فیصلے والے اشتہار میں یہ دعا کی تھی کہ ہم دونوں (مرزا صاحب اور ثناء اللہ) میں سے جھوٹا طاعون یا ہیضے سے مرے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس دعا کا اثر ہوتا۔

(اہل حدیث امرتسر ۳۔۱۰ دسمبر ۱۹۳۷ء ص ۵۔۶)

☆ مرزا صاحب نے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو انتقال کیا۔ مولوی محمد علی ان دنوں مرزائی آرگن ریویو آف ریلجنز کے ایڈیٹر تھے۔ مرزا صاحب کے انتقال کے بعد جو سب سے پہلا رسالہ نکلا جس میں مرزا صاحب کے انتقال ہی کے مضامین درج تھے اس رسالہ میں مولوی محمد علی نے لکھا

. ثناء اللہ اور عبد الحکیم۔ ان دونوں کا کچھ الگ ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) کی زندگی ہی میں ان دونوں کا ہلاک ہونا ضروری تھا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مثال سے صدق اور کذب نہیں پرکھا جاتا۔ بلکہ ہمیشہ کثرت کو دیکھنا چاہیے۔ جنہوں نے حضرت مسیح موعود (مرزا) کے خلاف مباہلے کئے۔ یا بددعا کی۔ ان میں سے کتنے اب (۱۹۰۸ء

میں) نظر آتے ہیں۔ جہاں بیسیوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ معاندین خدا کے برگزیدہ کا مقابلہ کر کے ہلاک ہوئے وہاں ایک یا دو مثالیں بچ رہنے والوں کی النادر کالمعدوم کے حکم میں سمجھنی چاہییں (ریویو۔ بابت جون جولائی ۱۹۰۸ء ص ۲۹۵)

لاہور میں یکم جنوری ۱۹۳۴ء کے مناظرے میں مولانا امرتسری نے فرمایا تھا کہ مولوی محمد علی صاحب کے اس بیان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بموجب اعلان مرزا صاحب ان سے پہلے مجھے مرنا چاہیے تھا۔ اور میرے حق میں اتنا بیان کافی ہے کہ مولوی محمد علی صاحب نے تسلیم کرلیا کہ حسب اعلان مرزا صاحب ثناء اللہ کو ان سے پہلے مرنا چاہیے تھا۔ باقی رہا یہ کہ یہ واقعہ شاذ و نادر ہے اور دشمنان مرزا کثرت سے پہلے مر رہے ہیں ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے دعوی کے ثبوت میں ایک تمسک پیش کرے جس میں اصل رقم کا لفظ مشکوک ہو تو کیا وہ مدعی حاکم کو کہہ سکتا ہے کہ حضور میرے تمسک میں بیس سطریں ہیں اور ہر سطر میں بیس لفظ ہیں جو سب کے سب صحیح ہیں اگر رقم کا ایک ہندسہ صحیح نہیں تو کیا ہوا ۔ باقی سب کچھ تو صحیح ہے۔ کیا ایسا مدعی بریلی کے پاگل خانے میں نہ بھیجا جائے گا؟ .

(اہل حدیث امرتسر ۱۲ جنوری ۱۹۳۴ء ص ۵۔۶)

☆ مولانا امرتسری کہتے ہیں

. مرزا صاحب نے تریاق القلوب میں بروز اور ظل محمدی ہونے کا دعوی کیا ہے۔ اور چونکہ ان کا منشا تھا کہ اپنی ذات میں درجہ احدیت کا ثبوت دیں اس لئے بطور تمہید آنحضرت ﷺ کی شان میں یہ صفت بتا کر اپنے لئے اعلان کر دیا کہ خدا نے مجھ پر یہ الہام کیا ہے انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون (حقیقۃ الوحی) یعنی خدا کہتا ہے کہ اے مرزا تجھے اختیار ہے کہ جب تو کسی چیز کو چاہے اسے کن کہہ دے وہ فورا ہو جائے گی،، . چونکہ اصل شخصیت محمدیہ علیہ التحیۃ والسلام ذات احدیت میں مستغرق ہو کر احد ہو گئی تھی۔ میں بروز اور ظل بھی اس درجے تک پہنچ گیا ہوں کہ یہ دعوی کروں کہ مجھے فنا کرنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے . (خطبہ الہامیہ ص ۲۳)۔

اور مولانا امرتسری قادیانیوں سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ مرزا صاحب اشتہار

آخری فیصلہ میں میری موت چاہتے تھے یا اپنی ؟ یقیناً میری۔ پھر ہوا کیا ؟
(اہل حدیث ۲۷ دسمبر ۱۹۳۵ء ص ۷)

☆ مرزا صاحب نے کہہ رکھا تھا

. پھر عبدالحق (غزنوی) نے لکھا ہے کہ آتھم کی پیش گوئی نہ پوری ہونے کے وقت کس قدر عیسائیوں اور مسلمانوں نے تم پر لعنتیں کیں ۔ یہی سزا دجال کی تھی ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حکم خواتیم پر ہے (حجۃ اللہ خزائن ج ۱۲ ص ۱۵۵) ۔ یعنی مباہلہ کرنے والوں میں سے جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجا تا ہے۔ اس لئے سچے اور جھوٹے کا تعین کرنے کے لئے انتظار کرو کہ ہم دونوں میں سے پہلے کون مرتا ہے ۔ اور یہ تعین ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو یوں ہو گیا کہ مولانا عبدالحق غزنوی زندہ تھے کہ مرزا صاحب اپنی ان باتوں کی تصویر بن گئے جو انہوں نے اکتوبر ۱۹۰۷ء میں ایک روز بوقت سیر فرمائی تھیں ۔ جیسا کہ مرتب ملفوظات نے لکھا کہ

ہماری جماعت کے ایک شخص نے کسی غیر احمدی کا سوال پیش کیا کہ آپ (مرزا) نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ مسیلمہ کذاب آنحضرت ﷺ کے بعد فوت ہوا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے ۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو وہ کون سی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے ۔ صرف جھوٹا نہیں بلکہ جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے ۔ ہم نے تو یہ لکھا ہوا ہے کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے ..... یہ بات کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے بالکل غلط ہے ..... ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوا کرتا ہے ..... ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں وہ سچے کی زندگی میں ہی ہلاک ہوتے ہیں. (۱۱۲ اکتوبر ۱۹۰۷ کا ملفوظہ ۔ ملفوظات ج ۹ ص ۴۴۰ ۔ ۴۴۱) ۔

اور مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ انہوں نے عبدالحق سے مباہلہ کیا تھا۔ جیسا کہ آپ نے ایک مرید منشی رستم علی کو لکھا تھا۔ دیکھئے مکتوبات احمدیہ جلد ۵ نمبر ۳ ص ۱۲۱ ۔ ۱۲۲ ۔

(ویسے مرزا صاحب نے اوپر ا اکتوبر ۱۹۰۷ء والے ملفوظ میں بھی جھوٹ بولا ہے

کیونکہ اس سے پہلے وہ بعبارت النص لکھ چکے تھے کہ مولوی ثناء اللہ کے پرچہ اہل حدیث میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے .. اگر میں ایسا ہی کذاب ہوں تو میں (ان کی) زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاتا ہے)

☆ اور چونکہ مرزائی لوگ آئت کریمہ کتب الله لاغلبن انا و رسلی لکھ کر مرزا صاحب کو غالب علی المخالفین بتاتے ہوئے رسالت مرزا کا ثبوت دیا کرتے ہیں (دیکھو الفضل ۸ ستمبر ۱۹۳۶ء)۔ اور دوسری طرف مرزا صاحب نے لکھ رکھا تھا کہ

. مولوی ثناء اللہ صاحب ٹھٹھے اور توہین میں دوسرے علماء سے بڑھے ہوئے ہیں ۔اس گندے طریق سے باز نہیں آتے (تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۳۰)

یعنی مرزا صاحب مولانا ثناء اللہ کو اپنا سخت ترین مخالف اور توہین کنندہ دشمن قرار دے چکے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ چکے تھے کہ

. میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے (اشتہار آخری فیصلہ

اس لئے اب ضروری تھا کہ جو مفسد اور کذاب تھا اپنے دشمن کی زندگی میں مرتا ۔ اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو یہی ہوا کہ مرزا صاحب، مولانا کی زندگی میں سوئے عدم روانہ ہو گئے

☆ اور چونکہ مرزا صاحب کہتے تھے کہ خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے انی مہین من اراد اہانتک و معین من اراد اعانتک کہ جو کوئی تیری اہانت کا ارادہ کریگا میں اس کو ذلیل کرونگا اور جو تیری مدد کا ارادہ کریگا میں اس کی مدد کرونگا۔ دوسری طرف مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ مولانا امرتسری نے ان کی اہانت کا ارادہ کیا تھا جیسا کہ لکھا۔

مدت سے آپ کے پرچہ.... میں میری تکذیب اور تفسیق کا سلسلہ جاری ہے۔ ہمیشہ مجھے آپ مردود کذاب دجال مفسد کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور دنیا میں میری نسبت شہرت دیتے ہیں کہ یہ شخص مفتری اور کذاب اور دجال ہے۔ آپ نے مجھے مفسد ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہائت درجہ کا بد آدمی سمجھ رکھا ہے (اعلان ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء)۔ اور مولانا ثناء اللہ کو ابوجہل کا خطاب دے کر اپنے حق میں بدترین دشمن لکھا ہوا ہے۔ اس لئے یہ واضح ہونا ضروری تھا کہ یہ الہام سچا تھا کہ نہیں اور

اگر سچا تھا تو کس کے حق سچا تھا۔ مرزا صاحب کے حق میں سچا تھا یا ان کے دشمنوں کے حق میں۔ اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو اس بات کا فیصلہ ہو گیا کہ یا تو الہام ہی سچا نہیں ہے اور اگر سچا ہے تو ان لوگوں کے حق میں سچا ہے جن کے سامنے ان کا دشمن مرا پڑا تھا۔

☆ اور مرزا صاحب کہتے ہیں

ومن کان مفریا یضاع بسرعة ویهلک کذاب بسم التخلق

اور مفتری جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور کاذب جھوٹ کے زہر سے مرجاتا ہے (حجۃ اللہ خزائن ج ۱۲ ص ۲۳۰)

ونخضع للاعداء قبل خضوعهم ونرحل بعد الخصم من کل مازق

کہ ہم دشمنوں کے لئے جھکتے ہیں قبل اس کے جو وہ جھکیں۔ اور ہم میدان سے جب تک دشمن کوچ نہ کرے کوچ نہیں کرتے (حجۃ اللہ۔ خزائن ج ۱۲ ص ۲۳۴)۔

اب قدرت نے چونکہ اس بات کا ثبوت دینا تھا ہے کہ جھوٹا کون ہے؟ اس لئے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب جھوٹ کا زہر پی کر اپنے شدید دشمنوں یعنی تحریک ختم نبوت کے مشہور کارکنوں مثل عبدالحق غزنوی محمد حسین بٹالوی ثناء اللہ امرتسری سید ابوالحسن تبتّی۔ محمد بخش جعفر زٹلی۔ عبدالجبار غزنوی عبدالواحد غزنوی کی زندگی میں ہمیشہ کی نیند سو گئے۔

مرزا صاحب اپنی موت سے چند روز پہلے مئی ۱۹۰۸ء میں کہتے ہیں

کہاں ہے مولوی غلام دستگیر جس نے اپنی کتاب فیض رحمانی میں میری ہلاکت کے لئے بددعا کی تھی اور مجھے مقابل رکھ کر جھوٹے کی موت چاہی تھی؟ ... کہاں ہے سعد اللہ لدھیانوی؟ جس نے مجھ سے مباہلہ کیا تھا اور میری موت کی خبر دی تھی آخر میری زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہو گیا۔ کہاں ہے مولوی محی الدین لکھوکے والہ جس نے مجھے فرعون قرار دے کر اپنی زندگی میں ہی میری موت کی خبر دی تھی اور میری تباہی کی نسبت کئی اور الہام شائع کئے تھے۔ آخر وہ بھی میری زندگی میں ہی دنیا سے گذر گیا۔ کہاں ہے؟ بابو الٰہی بخش صاحب مئولف عصائے موسیٰ اکونٹنٹ لاہور۔ جس نے اپنے تئیں موسیٰ قرار دے کر مجھے فرعون قرار دیا تھا۔ اور میری نسبت اپنی زندگی میں ہی طاعون سے ہلاک ہونے کی پیش گوئی کی تھی اور میری تباہی کی نسبت اور بھی بہت سی پیش گوئیاں کی تھیں آخر وہ بھی میری زندگی میں ہی اپنی کتاب عصائے موسیٰ پر جھوٹ اور افتراء کا داغ لگا کر طاعون کی موت سے بصد حسرت مرا۔ (چشمہ معرفت۔ روحانی

خزائن ج ۲۳ص ۳)

یہ کتاب ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کو قادیان سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی ۔اور شائد اسے مطبوعہ صورت میں مرزا صاحب نے دیکھا بھی نہ ہو کیونکہ وہ خود ان دنوں لاہور میں تھے ۔اسی کتاب چشمہ معرفت کے ص ۳ ۱۰ء میں مرزا صاحب کہتے ہیں

اگر خدا نے چاہا اور زندگی نے وفا کی تو میرا ارادہ ہے کہ قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھ کر اس جسمانی اور روحانی تطابق کو دکھلاؤں ۔

یہ تحریر بتاتی ہے کہ ابھی مرزا صاحب کے لمبے پروگرام تھے ۔ ان کا ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔اور وہ الہامات جو بتائے جاتے ہیں کہ مرزا صاحب مرنے کے لئے تیار ہو کر لاہور آئے تھے بعد کی ایجادات ہیں ۔کیونکہ مرزا صاحب کو تو ابھی ۲۰ ۔۳۰ برس زندہ رہنے کی امید تھی۔

اسی کتاب میں لکھتے ہیں

. ایسا ہی مسلمانوں میں سے ایک شخص جو قصور ضلع لاہور کا رہنے والہ تھا اور اس کا نام غلام دستگیر تھا اور مولوی کہلاتا تھا اس نے مجھے کاذب ٹھہرا کر دعا کے ذریعہ سے میری ہلاکت چاہی اور جھوٹے پر خدا کا عذاب مانگا اور اس بارہ میں ایک رسالہ بھی لکھا مگر اس رسالہ کو ابھی شائع کرنا نہ پایا تھا کہ وہ اپنی اسی بددعا کے اثر سے ہلاک ہوگیا۔

(چشمہ معرفت ص ۳۳۵ ۔۳۲۶ ۔روحانی خزائن ج ۲۳)

اور اسی طرح ایک نہائت کینہ ور اور گندہ زبان شخص سعد اللہ نام لدھیانہ کا رہنے والہ میری ایذاء کے لئے کمربستہ ہوا اور کئی کتابیں نثر اور نظم میں گالیوں سے بھری ہوئی تالیف کر کے چھپوا کر میری توہین اور تکذیب کی غرض سے شائع کیں اور پھر اسی پر اکتفا نہ کر کے آخر کار مباہلہ کیا اور ہم دونوں فریق کو یعنی مجھے اور اپنے تیئں خدا کے سامنے پیش کر کے جھوٹے کی موت خدا سے چاہی آخر تھوڑے دن بعد ہی طاعون سے ہلاک ہوا ۔ایسا ہی کئی اور دشمن مسلمانوں میں سے میرے مقابل پر کھڑے ہو کر ہلاک ہوئے اور ان کا نام ونشان نہ رہا۔ ہاں آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے جس کا نام عبدالحکیم خان ہے وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والہ ہے جس کا دعوی ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی ۴ ۔اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جاؤں گا۔اور یہ اس کی سچائی

کے لئے ایک نشان ہو گا.... اس نے یہ پیش گوئی کی کہ میں اس کی زندگی میں ہی ۴۔ اگست ۱۹۰۸ء تک اس کے سامنے ہلاک ہو جاؤں گا۔ مگر خدا نے اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی کہ وہ خود عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔ سو یہ وہ مقدمہ ہے جس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا تعالی کی نظر میں صادق ہے خدا اس کی مدد کرے گا

(چشمہ معرفت ص ۳۳۶۔۳۳۷ خزائن ج ۲۳)

۔ یہ کتاب مرزا صاحب کی موت سے ۱۱ دن پہلے شائع ہوئی۔ گویا ان کی زندگی شائع ہونے والی ان آخری کتاب ہے اور اس میں انہوں نے اپنا اور عبدالحکیم کا مقدمہ اللہ کے حضور پیش کیا کر کے فرمایا ہے کہ اللہ صادق کی مدد کرے گا۔ اور صادق کو کاذب کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ صادق زندہ رہے گا اور کاذب اس کے سامنے مر جائے گا۔

اور کتاب کی اشاعت کے ۱۱ دن بعد مرزا صاحب چل بسے جب کہ عبدالحکیم زندہ تھا۔

عمر مرزا

مرزا صاحب ایک متنازعہ شخصیت تھے اور تنازعات انہوں نے خود جنم دیئے ہوئے تھے۔ ان کے حسب نسب میں تنازعہ تھا کہ وہ چینی ہیں یا فارسی ہیں یا ترک ہیں یا مغل ہیں یا عرب اور بنو فاطمہ ہیں۔ اسی طرح ان کے عہدہ و منصب میں تنازعہ تھا کہ آیا وہ ایک عام نبی ہیں یا مسیح ہیں یا مہدی ہیں یا مجدد ہیں یا کرشن ہیں یا دجال ہیں۔ اور اسی طرح ان کی عمر کے بارے میں بھی تنازعہ ہے کہ وہ ۱۱ سال کی عمر میں فوت ہوئے یا پچیس سال کی عمر میں۔ یا ۶۲ سال کی عمر میں یا ۶۸ سال کی عمر میں یا ۷۳ سال کی عمر میں یا ۸۷ سال کی عمر میں؟

پہلی دو باتوں کے بارے میں بحث تو اس وقت سے چلی آرہی ہے جب وہ زندہ موجود تھے لیکن آخری بات یعنی ان کی عمر کے بارے میں بحث ان کی موت کے بعد شروع ہوئی کہ وہ کتنی عمر پا کر فوت ہوئے ہیں۔ یہ بحث بڑی گرما گرم بحث تھی اور آج تک یوں ہی چلی آرہی ہے حالانکہ یہ کوئی بہت زیادہ اہم بات نہیں ہوتی کہ کوئی شخص کتنی عمر میں فوت ہوا۔ لیکن مرزا صاحب کی عمر کا معاملہ اس لئے بہت اہم ہے کہ دیگر بہت سی چیزوں کی طرح اس کے ساتھ بھی ان کا صدق و کذب وابستہ ہے۔ انہوں نے بہت سی پیش گوئیاں کر رکھی تھیں کہ میری عمر اتنی اور اتنی ہوگی۔ اور اگر ان کی عمر ان کی پیش گوئیوں سے بڑھ جائے تو پیش بندی کے طور پر انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ انہوں نے عمر میں اضافے کے لئے بھی دعا کی ہوئی ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ متعین عمر کی پیش گوئیوں کے مطابق مر گئے تو ان کے مرید کہہ سکیں گے کہ دیکھو ہمارے مرزا صاحب اپنی پیش گوئی کے مطابق عمر پا کر رخصت ہوئے ہیں اس لئے وہ سچے نبی مہدی مسیح موعود اور کرشن ہیں (حالانکہ جس عمر کو وہ متعین عمر کہتے تھے وہ بھی کوئی خاص متعین نہ تھی بلکہ ۷۴ سے ۸۶ تک بارہ سالوں کے دوران کسی بھی وقت مر جانے کو پیش گوئی قرار دے رکھا تھا)۔ اور اگر ان کی عمر ۸۶ سال سے بڑھ جائے (اور کتنی بھی ہو جائے) تو یہ بات ان کی (عمر میں اضافہ کی) دعا کی

قبولیت کا اشتہار بن جاتی ۔ اور مرزائی کہہ سکتے کہ ان کے مرزا صاحب مستجاب الدعوات تھے اس لئے وہ مہدی مسیح نبی اور کرشن ہونے کے دعاوی میں سچے تھے ۔

اس پس منظر میں ان کے مخالفین کو انتظار تھا کہ دیکھیں اللہ تعالی عمر کے بارے میں مرزا صاحب کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے؟ اور جب وہ ۱۹۰۸ء میں مر گئے تو لوگوں نے ان کے سن ولادت کی تلاش شروع کر دی کہ وہاں سے ان کی تاریخ وفات تک حساب لگا کر دیکھیں کہ ان کی کل عمر کیا ہوئی اور وہ ان کس پیش گوئی پر پورا اترتی ہے۔

مرزا صاحب کو شائد پہلے سے پتہ تھا کہ ان کی موت پر ان کی عمر کے بارے میں کیا ہنگامہ ہونے والہ ہے اس لئے پیش بندی کے طور پر وہ اپنے سن ولادت کو بھی متنازعہ بنانے کی اپنی سی کوشش کر گئے تھے ۔ لیکن چونکہ عمر کے ساتھ ان کا صدق و کذب وابستہ ہے اس لئے ان کے حامی اور مخالفین بھی ان کے سن ولادت کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں ۔ ذیل میں اسی موضوع پر چند گذارشات پیش کی جارہی ہیں ۔

مرزا صاحب اور ان کے بیٹوں اور مریدوں کے بیانات حسب ذیل ہیں ۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ چودھویں صدی کے شروع ہوتے وقت میری عمر چالیس سال تھی ' (تریاق القلوب ص ۶۴ یا ۶۸ منقول از تاریخ مرزا ص ۸) یعنی ان کی ولادت ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۵ء ہوئی ۔ چونکہ ان کی وفات ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں ہوئی ۔ اس لئے ان کی ۶۶ سال قمری سال بنتی ہے ۔ جو تقریباً ۶۳ عیسوی سال ہوتے ہیں ۔

☆ مرزا صاحب نے ایک موقع پر فرمایا

' لیکھرام کی عمر اس وقت شائد زیادہ سے زیادہ تیس برس کی ہوگی ...اور اس عاجز کی عمر اس وقت پچاس برس سے کچھ زیادہ ہے '

(روحانی خزائن ج ۱۵ تریاق القلوب ص ۳۹۰) ۔

یہ تحریر پہلی مرتبہ مرزا صاحب کی کتاب برکات الدعا کے ٹائیٹل صفحہ پر شائع ہوئی جو ۱۸۹۳ء کی بات ہے اور تحریر بذات خود ۲۵ مارچ ۱۸۹۳ء سے ۲ اپریل ۱۸۹۳ء تک کے عرصہ کی ہے ۔ دیکھئے (تریاق القلوب روحانی خزائن ج ۱۵ ص ۳۹۰ اور ۳۹۴) ۔ یعنی اپریل ۱۸۹۳ء میں مرزا صاحب بقول خود ۵۰ برس سے کچھ زائد عمر کے تھے ۔ یعنی سوا پچاس یا ساڑھے پچاس یا اکاون کے لگ بھگ ۔ ۱۵ سال بعد ۱۹۰۸ء میں بوقت وفات ہوئی ان کی

عمر ۶۵ یا ۶۶ سال بنتی ہے اور ان کا سال ولادت ۱۸۴۳ء متعین ہوتا ہے۔

☆ ایک دفعہ مرزا صاحب نے فرمایا

. جب پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتابیں شائع کیں تو ۱۸۵۹ء یا ۱۸۶۰ء کا ذکر ہے کہ مولوی گل علی شاہ صاحب کے پاس جو ہمارے والد صاحب نے خاص ہمارے لئے استاد رکھے ہوئے تھے پڑھا کرتا تھا۔ اور اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال کی ہوگی (ملفوظات ج ۲ ص ۳۷۶)۔

اس بیان کی رو سے بوقت موت مرزا صاحب کی کل عمر تقریباً ۶۵ سال ہوتی ہے اور سال ولادت ۱۸۴۲ء یا ۱۸۴۳ء

☆ ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں

. چنانچہ چھٹے ہزار کے آخر میں میری پیدائش ہے اور قمری حساب کی رو سے اب ساتواں ہزار جاتا ہے. (براہین ۵ (خزائن ۲۱) ص ۱۱۳) اور

. دنیا کی عمر کے چھٹے ہزار میں سے گیارہ سال رہتے تھے جب میری پیدائش ہوئی (تحفہ گولڑویہ)

اور آپ نے ایک کتاب یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو شائع کی تھی۔ اس میں لکھتے ہیں

. اب چھٹا ہزار آدم کی پیدائش سے آخر پر ہے۔ جس میں خدا کے سلسلہ کو فتح ہو گی اور روشنی اور تاریکی میں یہ آخری جنگ ہے (مقدمہ چشمہ مسیحی صفحہ ب)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۶ء تک ہزار ششم بالکل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ قریب الختم تھا کہ اسی اثنا میں (ماہ مئی ۱۹۰۸ء) میں مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ فرض کیجئے کہ یکم مارچ ۱۹۰۶ء کو ہزار ششم کی جو تھوڑی سی مدت باقی تھی وہ مئی ۱۹۰۸ء میں پوری ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر گیارہ سال تھی۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

. یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ۔ اس آئت میں سمجھایا گیا ہے کہ مسیح موعود چودھویں صدی میں پیدا ہوگا۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ص ۲۳)۔

اگر ہم الفاظ چودھویں صدی میں سے شروع چودھویں صدی بھی مراد لیں تو سن پیدائش مرزا صاحب ۱۳۰۱ھ بنتا ہے۔ اور آپ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۴ ربیع الثانی

۱۳۲۶ھ کو فوت ہوئے۔ گویا مرزا صاحب کی عمر بوقت وفات حسب قول خود تقریباً ۶۵ سال تھی۔ حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ساٹھ سال سے متجاوز ہو کر مرے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ انہوں نے خواہ مخواہ کھینچ تان کر آئت یریدون لیطفئوا سے بحساب جمل عدد بنا کر اپنی صداقت پر تمسک کیا تھا۔ اس لئے اللہ نے بوجہ اس کے کہ

. وہ بعض اوقات بے حیا اور سخت دل مجرموں کی سزا ان کے ہاتھ سے دلواتا ہے سو وہ لوگ اپنی جہالت اور تباہی کے سامان اپنے ہاتھ سے جمع کر لیتے ہیں

(قول مرزا مندرجہ رسالہ استفتا۔ ص ۸)

مرزا صاحب کی تکذیب انہی کے ہاتھ سے کروا کر ایک قسم کی سزا دی ہے۔

☆ ایک جگہ مرزا صاحب فرماتے ہیں

'اب دائم المریض اور پیرانہ سالی کے کنارے پر پہنچ چکا ہوں اور ساٹھ سال کے قریب ہوں' (روحانی خزائن ج ۱۴ کشف الغطاء ص ۱۸۶)۔

کشف الغطاء کے ٹائٹل صفحہ پر لکھا ہوا ہے کہ 'یہ رسالہ تالیف ہو کر ۲۷ دسمبر ۱۸۹۹ء کو مطبوع ہوا' اور تالیف ۲۹ مئی ۱۸۹۸ء کے بعد کی ہے جیسا کہ مرزا صاحب اگلے صفحہ پر لکھتے ہیں۔ اس موقع پر اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ دسمبر ۱۸۹۸ء میں ان کی عمر ۶۰ سال کے قریب تھی۔ یوں مئی ۱۹۰۸ء میں ان کی عمر ۶۹ سال سے کچھ زائد ہوتی ہے۔ اور ان کا سال ولادت ۱۸۳۸ء نکلتا ہے۔

☆ کشف الغطا میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

'میں اپنی تعلیم کو قریباً انیس برس سے شائع کر رہا ہوں اور پھر خلاصہ کے طور پر اشتہار ۲۹ مئی ۱۸۹۸ء اور نیز ۲۷ فروری ۱۸۹۵ء کے اشتہار میں ان تعلیموں کو شائع کیا'

(روحانی خزائن ج ۱۴ ص ۱۸۷)۔

اس تحریر کے مطابق مرزا صاحب بقول خود ۱۸۹۸ء میں ۶۰ برس کے قریب تھے۔ ساڑھے نو سال بعد ۱۹۰۸ء میں جب ان کی موت ہوئی تو اس وقت ۶۹ سال سے چند مہینے زائد عمر بنتی ہے اور ان کا سن ولادت ۱۸۳۸ء نکلتا ہے۔

☆ ایک جگہ مرزا صاحب فرماتے ہیں

'عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالی کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس وقت

جو سنہ ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ستر برس کے قریب ہے'

(روحانی خزائن ج ۲۱ ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ص ۳۶۵)۔

اور مرزا صاحب کی وفات ۱۳۲۵ھ میں ہوئی یعنی دو سال بعد وفات کے موقع پر ان کی عمر ۷۲ برس کے قریب ہوگی۔ پورے ۷۲ بھی نہیں۔

☆ مرزا صاحب نے ایک انگریز حاکم کو دی جانے والی درخواست میں لکھا تھا کہ

'میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں تا کہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہم دردی کی طرف پھیر دوں'۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم)۔

یہ درخواست ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء کو لکھی گئی تھی اور اس کے مطابق اس وقت مرزا صاحب کی عمر قریباً ساٹھ سال تھی۔ مرزا صاحب اس کے دس سال بعد فوت ہوئے تو موت کے وقت ان کی عمر ۷۰ سال کے قریب بنتی ہے۔ اور ان کا سن ولادت ۱۸۳۸ء متعین ہوتا ہے

☆ لدھیانہ والے لیکچر میں مرزا صاحب واضح طور پر فرماتے ہیں

. یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خدا تعالی ایک مفتری اور کذاب انسان کو اتنی لمبی مہلت نہیں دیتا کہ وہ آنخضرت ﷺ سے بھی بڑھ جاوے۔ میری عمر ۶۷ سال کی ہے اور میری بعثت کا زمانہ ۲۳ سال سے بڑھ گیا ہے۔

(لیکچر لدھیانہ۔ روحانی خزائن ج ۲۰ ص ۲۹۳)

یہ لیکچر ۴ نومبر ۱۹۰۵ء کو دیا گیا تھا۔ اس کے ٹھیک اڑھائی سال بعد مرزا صاحب کی وفات ہوئی۔ یوں ان کی عمر وفات کے وقت پورے ستر (۷۰) برس بھی نہیں ہوتی۔

☆ ایک جگہ مرزا صاحب فرماتے ہیں

'میں سچ کہتا ہوں کہ جب سلسلہ الہامات کا شروع ہوا تو اس زمانہ میں جوان تھا اور اب بوڑھا ہوا اور ستر سال کے قریب عمر پہنچ گئی'

(خزائن ج ۲۲ حقیقت الوحی ص ۴۶۱)۔

یہ تحریر ۸ فروری ۱۹۰۷ء کے بعد کی ہے جیسا کہ اس کتاب کے صفحہ ۴۵۸ سے ظاہر ہوتا۔ اور تتمہ حقیقت الوحی پر تاریخ تصنیف ۷ اپریل ۱۹۰۷ء درج ہے۔ (دیکھئے روحانی خزائن ج ۲۲ ص

۵۱۶)۔ اور اس تحریر کے مطابق ۱۹۰۷ء میں مرزا صاحب کی عمر بقول خود ستر برس کے قریب تھی۔ایک سال بعد ان کی وفات ہوئی تو وہ ستر برس کے یا ساڑھے ستر یا اکہتر برس کے ہوں گے اور اس روائت سے ان کا سن ولادت ۱۸۳۷ء بنتا ہے۔

☆ مرزا صاحب نے لکھا ہے

'ہزار ششم میں زمین پر ایک انقلاب عظیم آیا ہے۔ بالخصوص اس ساٹھ برس کی مدت میں جو تخمیناً میری عمر کا اندازہ ہے اس قدر صریح تغیر صفحہ ہستی پر ظہور پذیر ہے کہ گویا وہ دنیا ہی نہیں رہی۔' (روحانی خزائن تحفہ گولڑویہ ص ۲۰۰ ج ۱۷ ص ۲۸۶)

اور تحفہ گولڑویہ کے بارے میں (جہاں سے یہ عبارت منقول ہے) مولوی جلال الدین شمس قادیانی لکھتے ہیں 'میرے نزدیک تحفہ گولڑویہ ۱۹۰۰ء میں تالیف ہوا۔گو اس کی طباعت و اشاعت میں تاخیر ہوگئی... اور ۱۹۰۲ء میں شائع کی گئی' (دیباچہ روحانی خزائن ج ۱۷ ص ۲۳۔۲۴ از جلال الدین شمس) یعنی اس تحریر کے مطابق مرزا صاحب ۱۹۰۰ء میں تخمیناً ساٹھ برس کے تھے۔آٹھ سال بعد اپنی وفات کے وقت ان کی عمر اس روائت کے مطابق تخمیناً ۶۸ سال بنتی ہے اور سن ولادت ۱۸۴۰ء۔

☆ ایک جگہ مرزا صاحب نے لکھا ہے

'اس روز سے جو وہ امام ملہم ہوکر اپنے تئیں ظاہر کرے گا چالیس برس تک زندگی کرے گا۔اب واضح رہے کہ یہ عاجز اپنی عمر کے چالیسویں برس میں دعوت حق کے لئے بالہام خاص مامور کیا گیا اور بشارت دی گئی کہ اسی (۸۰) یا اس کے قریب تیری عمر ہے۔سو اس الہام سے چالیس برس تک دعوت ثابت ہوتی ہے جن میں سے دس برس کامل گزر بھی گئے' (شہادۃ الملہمین المعرف نشان آسمانی۔خزائن ج ۴ ص ۲۰)

یہ تحریر ماہ جون ۱۸۹۲ء کی ہے جیسا کہ اس رسالہ شہادۃ الملہمین کے سرورق کے صفحہ اندرونی پر تحریر ثبت ہے۔یعنی ۱۸۹۲ء میں ان کی عمر ۵۰ سال تھی۔اوراس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں ان کی عمر ۶۶ سال ہوتی ہے اور ان کا سال ولادت ۱۸۴۲ء تھا۔اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بعثت ۱۸۸۲ء کی ہے۔اوراس بعثت کے بعد انہیں چالیس سال زندہ رہنا تھا۔یعنی ان کی زندگی ۱۹۲۲ء تک دراز ہونا تھی۔ لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔سب کچھ غلط ہوگیا۔

☆ مرزا صاحب فرماتے ہیں

'میرے ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ یا سترہ برس کا تھا اور ابھی ریش و برودت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ (روحانی خزائن ج ۱۳ کتاب البریۃ۔ حاشیہ ص ۱۱۷)۔

اس حساب سے موت کے وقت ان کی کل عمر ۶۸ یا ۶۹ سال بنتی ہے اور ان کا سال ولادت ۱۸۴۲ء یا ۱۸۴۳ء ہوتا ہے۔

☆ مرزا صاحب ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں

'میری عمر قریباً چونتیس یا پینتیس برس کی ہوگی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا۔ مجھے خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب ہے۔ میں اس وقت لاہور میں تھا جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب میں جلدی سے قادیان پہنچا اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرض کی شدت کم ہوگئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اس وقت تم ذرہ آرام کرلو کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلا گیا۔ تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا والسماء والطارق یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا مبداء ہے اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا۔ اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزاپرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔ سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اس کی وفات کو عزاپرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے'

(روحانی خزائن۔ ج ۱۳۔ ص ۱۹۲)

اسی سلسلے میں مرزا صاحب فرماتے ہیں

'میرے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کی وفات کا وقت جب قریب آیا اور صرف چند پہر باقی رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کی وفات سے بدیں الفاظ خبر دی و

السماء و الطارق یعنی قسم ہے آسمان کی اور اس حادثہ کی جو آفتاب کے غروب کے بعد ظہور میں آوے گا۔ سو یہ پیش گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ بعد غروب آفتاب میرے والد صاحب مرحوم نے وفات پائی

(روحانی خزائن ج ۱۸ (نزول المسیح ص ۲۱۹) ص ۵۸۵).

اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی ۲۰ اگست ۱۸۷۵ء کو پوری ہوئی۔ اس روائت کو اوپر والی روائت کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ والد کی وفات کے وقت یعنی ۱۸۷۵ء میں مرزا صاحب کی عمر ۳۴ یا ۳۵ برس تھی۔ اس کے بعد مرزا صاحب ۳۳ سال زندہ رہے اور اس طرح ان کی کل عمر ۶۷ یا ۶۸ سال بنتی ہے اور ان کا سال ولادت ۱۸۴۰ء یا ۱۸۴۱ء بنتا ہے۔

☆ حکیم نورالدین نے مرزا صاحب کی پیدائش سے اکسٹھ سالوں تک کا نقشہ یوں دیا ہے کہ پیدائش ۱۸۴۰ء بتا کر ۱۹۰۸ء میں آپ کی عمر ۶۹ سال بنائی ہے۔

(رسالہ نورالدین ص ۱۷۱۔۱۷۰)

☆ مرزا بشیر احمد نے اپنے دادے کی تاریخ وفات ۱۸۷۶ء لکھی ہے۔ (دیکھو سیرۃ المھدی ج ۲ ص ۱۵۰) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۸۷۶ء میں مرزا غلام احمد کی عمر ۳۴ یا ۳۵ سال تھی۔ اس حساب سے اس کا سال ولادت ۱۸۴۱ء یا ۱۸۴۲ء بنتا ہے اور بوقت وفات ان کی عمر ۶۶ یا ۶۷ سال ہوتی ہے

☆ مرزا بشیر کہتے ہیں ’ مرزا سلطان احمد سے دریافت کیا تھا کہ آپ کی پیدائش کس سال کی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ مجھے اچھی طرح معلوم نہیں۔ بعض کاغذوں میں تو ۱۸۶۴ء لکھا ہوا ہے.... اور میں نے سنا ہے کہ والد (مرزا غلام احمد) کی عمر میری ولادت کے وقت کم وبیش اٹھاراں سال کی تھی ‘ اور خاکسار (مرزا بشیر) عرض کرتا ہے .... کہ مرزا سلطان احمد صاحب کی پیدائش ۱۸۵۶ء کے قریب بنتی ہے۔ اور اگر اس وقت حضرت صاحب کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال سمجھی جاوے تو آپ کا سال ولادت وہی ۱۸۳۶ء ‘ ۱۸۳۷ کے قریب بنتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ۱۸۳۶ء والی روائت صحیح ہے ‘

(سیرۃ المھدی حصہ اول ص ۲۱۵۔ حصہ دوم ص ۱۵۰)

مرزا بشیر کی اس کھینچ تان کو تسلیم کر لیا جائے تو ۱۸۳۶ء سے ۱۹۰۸ تک مرزا

صاحب کی عمر بوقت موت ۷۲ سال ہوتی ہے۔ اور مرزا صاحب کے سب سے بڑے لڑکے مرزا سلطان احمد کی بات مانیں کہ اس کی ولادت ۱۸۶۴ء میں ہوئی تھی اور اس کی ولادت کے وقت اس کے باپ کی عمر ۱۸ سال تھی تو موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر ۶۲ سال ہوتی ہے۔

مرزا بشیر، اپنے والد سال ولادت اس روائت سے ۱۸۳۶ء قرار دے رہے ہیں حالانکہ ۱۸۵۶ء میں مرزا غلام احمد کی عمر ۱۹ سال سمجھ لی جائے تو ان کا سال ولادت ۱۸۳۷ء بنتا ہے اور اگر ۱۸ سال ہو تو سال ولادت ۱۸۳۸ء ہوتا ہے۔

☆ مرزا بشیر احمد ہی لکھتے ہیں کہ کتاب پنجاب چیفس یعنی تذکرہ رؤساء پنجاب میں جسے اولاً گریفن نے زیر ہدائت پنجاب گورنمنٹ تالیف کرنا شروع کیا اس میں ہمارے خاندان کے متعلق درج ذیل نوٹ ہے۔ ' اس جگہ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ مرزا غلام احمد جو مرزا غلام مرتضی کا چھوٹا بیٹا تھا ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ (سیرۃ المھدی حصہ اول)۔ اس حساب سے موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر ۶۹ سال ہوتی ہے۔

☆ مرزا بشیر احمد ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ ان کے والد کی

' تاریخ پیدائش اور عمر بوقت وفات کا سوال ایک عرصہ سے زیر غور چلا آتا ہے... بعض اندازوں کے لحاظ سے آپ کا سال پیدائش ۱۸۴۰ء بنتا ہے اور بعض کے لحاظ سے ۱۸۳۱ء تک پہنچتا ہے اور اسی لئے یہ سوال ابھی تک زیر بحث چلا آیا ہے کہ صحیح تاریخ پیدائش کیا ہے۔ میں نے اس معاملہ میں کئی جہت سے غور کیا ہے... اب بعض حوالے اور بعض روایات ایسی ملی ہیں جن سے معین تاریخ کا پتہ لگ گیا ہے جو بروز جمعہ ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء ہے ' (سیرۃ المھدی ج ۳ ص ۷۴) یعنی مرزا بشیر احمد کی تحقیق کے مطابق ان کے والد کی عمر بوقت وفات ۷۳ سال دو ماہ اور تیرہ دن بنتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اسی تحقیق کو اختیار کر کے مولوی دوست محمد شاہد نے لکھا ہے ' وفات کے وقت حضور (مرزا) کی عمر سوا تہتر سال تھی دن منگل کا تھا اور شمسی تاریخ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء تھی '۔ (تاریخ احمدیت۔ج ۳۔ص ۵۴۹)

مذکورہ حوالوں کی رو سے مرزا صاحب کی حقیقی عمر بوقت موت ۶۱ سے سوا تہتر سال بنتی ہے۔ دوسری طرف مرزا صاحب نے الہامی پیش گوئیاں کر رکھی تھیں کہ ان کی عمر

۸۰ سال کے گرد و پیش ہوگی ۔ اورانہوں نے ۹۵ سال عمر کے لئے دعا کی تھی اور خدا نے ان کی دعائیں قبول کرنے وعدہ کر رکھا ہے ۔ اور پھر مردان علی نامی ایک شخص نے اپنی عمر کے پانچ سال انہیں دے دیئے ۔ پھر انہیں ۱۹۰۷ء میں اللہ نے بتایا کہ وہ ان کی عمر بڑھا دے گا اور ۱۹۰۷ میں حقیقۃ الوحی میں انہوں نے بتایا کہ ان کی وفات ۱۳۳۵ھ میں ہوگی ۔ اس ضمن میں مرزا صاحب کو ہونے والے الہامات ۔ ان کی خوابیں ۔ ان کے کشف اور ان کی دعائیں اس لئے ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ۱۹۰۸ء میں بقول مرزا بشیر احمد کم وبیش ۷۳ سال کی عمر میں مرجانے کی وجہ سے ان کے کتنے الہام اور کشف اور دعوے جھوٹے ثابت ہو جاتے ہیں اور ان کی کتنی خوابیں جھوٹ نکلتی ہیں اور ان کی کتنی دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا ثبوت مل جاتا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے ۔

☆ ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب کو ان کے ایک مرید نے اپنی عمر میں سے پانچ سال دے دئے تھے جیسا کہ ازالہ اوہام طبع دوم ص ۳۸۹ پر لکھا ہے

'اخویم مولوی مردان علی بھی ذکر کے لائق ہیں ۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے سچے دل سے ۵ برس اپنی عمر سے آپ کے نام لگا دیئے ۔ خدا اس ایثار کی جزا ان کو بخشے اور ان کی عمر دراز کرے'

☆ اور مرزا صاحب فرماتے ہیں

. خدا نے مجھے وعدہ دیا کہ میں اسی (۸۰) برس یا دو تین برس کم یا زیادہ تیری عمر کرونگا تا لوگ کمی عمر سے کاذب ہونے کا نتیجہ نہ نکال سکیں .

(خزائن ج ۱۷ ۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص ۴۴)

☆ مرزا صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں

. میری ۸۰ برس کی عمر ہوگی . (روحانی خزائن ج ۱۷ (اربعین نمبر ۴) ص ۴۷۱)

یہ تحریر ۱۹۰۰ء کی ہے ۔

☆ ایک دوسرے مقام پر مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں

'چونکہ خدا تعالی جانتا تھا کہ دشمن میری موت کی تمنا کریں گے تا یہ نتیجہ نکالیں کہ جھوٹا تھا تبھی جلد مر گیا ۔ اس لئے پہلے ہی سے اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ثمانین حولاً او قریباً من ذالک و تزید علیه سنیناً و تری نسلاً بعیداً یعنی

تیری عمر اسی (۸۰) برس کی ہوگی یا دو چار کم یا چند سال زیادہ اور تو اس قدر عمر پائے گا کہ ایک دور کی نسل دیکھ لے گا۔ اور یہ الہام قریباً ۳۵ برس سے ہو چکا ہے
(تذکرہ ص ۷ بحوالہ اربعین نمبر ۳ مطبوعہ ۱۹۰۰ء وضمیمہ تحفہ گولڑویہ)۔

۸۰ سال عمر والہ یہ الہام ۱۸۶۵ء کا بتایا جاتا ہے جس کے مطابق طویل عمر کا ہونا مرزا کے معاملے میں سچائی کا ثبوت ہونا چاہیے اور عمر کا کم ہونا ان کے جھوٹ کا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا صاحب کی عمر ۸۰ سال نہیں ہوئی۔ ۷۵ سال بھی نہیں ہوئی۔ جب کہ بانی تکفیر سید نذیر حسین کو اللہ نے تقریبا ۱۰۰ سال کی عمر عطا فرمائی اور ان کے شدید دشمنوں یعنی محمد حسین بٹالوی اور ثناء اللہ امرتسری کو ۸۰ برس سے زائد عمر عطا فرمائی۔

☆ ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں

'چھتیسویں پیش گوئی یہ ہے جیسا کہ میں ازالہ اوہام میں لکھ چکا ہوں۔ خدا تعالی نے مجھے خبر دی کہ تیری عمر ۸۰ برس یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ ہوگی اور یہ الہام تقریباً بیس یا بائیس برس کے عرصہ کا ہے جس سے بہت سے لوگوں کو اطلاع دی گئی اور ازالہ اوہام میں درج ہو کر شائع ہو گیا' روحانی خزائن ج ۱۲۔ سراج منیر ص ۷۹۔ ص ۸۱)۔

چونکہ سراج منیر ۱۸۹۷ء کی تصنیف ہے اس لئے الہام ۱۸۷۷ء کا ہونا چاہیے۔

مرزائیوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اپریل ۱۹۰۱ میں

. حضرت اقدس امام ہمام (مرزا) نے ایک روز اپنی اور سلسلہ عالیہ کے خاص دوستوں کی زیادتی عمر کے لئے دعا کی تو یہ مبشر الہام ہوا رب زدنی فی عمری و فی زوجی زیادة خارق العادة یعنی اے میرے رب میری عمر میں اور میرے ساتھی کی عمر میں خارق عادت زیادتی فرما۔ (الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء ص ۱۳۔ تذکرہ ص ۴۰۶)۔

۸۰ سال عمر کا الہام ۱۸۷۰ء یا ۱۸۶۰ء کے عشرے میں ہو کر براہین احمدیہ میں درج ہو چکا تھا۔ اس کے بعد عمر میں اضافے کی درج بالا دعا ۱۹۰۱ء میں کی گئی اور الہام مبشر ہے جس کا مطلب قبولیت کی اطلاع ہے۔ بایں صورت موعودہ اضافہ ۸۶ سال سے اوپر ہونا چاہیے (کیونکہ ۷۴ سے ۸۶ کی عمر کا پہلے سے وعدہ ہے) اور دو چار سال کے اضافے کے لئے خارق عادت کے الفاظ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ تو معمولی سا اضافہ ہوگا۔ خارق عادت تبھی کہلا سکتا ہے جو عشروں کے پیمانے سے ناپا جا سکے۔ اور اسی طرح

قریبی ساتھیوں کی عمر میں بھی خوارق عادت اضافے کی دعا کی گئی۔ اور اس دور میں مرزا صاحب کے سب سے قریبی ساتھی دو ہی تھے ایک مولوی عبدالکریم دوسرے حکیم نورالدین ۔ پھر یہ کیا ہوا کہ مولوی عبدالکریم اس دعا اور مبشر الہام کے چند ہی سال بعد ۴۷ سال کی عمر میں ۱۹۰۵ء میں چل بسے اور اس کے چند سال بعد خود مرزا صاحب ۶۰ سے ۷۰ سال کے درمیان عمر پا کر چل بسے اور اس کے چند سال بعد آپ کے دوسرے فرشتے حکیم نوردین صاحب بھی چل بسے۔ خارق عادت اضافہ کہاں ہوا اور کس کی عمر ہوا ؟ مرزا صاحب کی عمر میں تو محسوس ہوتا ہے کہ خارق عادت کمی واقع کر دی گئی ہے۔

☆ مواہب الرحمان میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ خدا نے مجھے ۸۰ برس سے بھی زیادہ عمر کی بشارت دی ہے ' ارادوا موتنا و اشاعوا فیه خبرا فبشرنا بثمانین سنة من العمر و هو اکثر عددا ۔ (مواہب ۔ ۲۱۔) وموت ما خواستند و درآں پیش گوئی کردند پس خدائے ما مارا بشارت ہشتاد سال داد بلکہ شائد ازیں زیادہ ' اس قول کے بموجب مرزا صاحب کو ۸۰ برس کی عمر تو ضرور ملنا چاہیے تھی۔

☆ ' خدا تعالی نے ارادہ فرمایا کہ میری پیش گوئی سے صرف اس زمانہ کے لوگ ہی فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ بعض پیش گوئیاں ایسی ہوں کہ آئندہ زمانہ کے لوگوں کے لئے عظیم الشان نشان ہوں۔ جیسا کہ براہین احمدیہ وغیرہ میں یہ پیش گوئیاں کہ میں اسی (۸۰) برس یا چند سال زیادہ یا اس سے کچھ کم عمر دونگا ۔اور مخالفوں کے ہر ایک الزام سے تجھے بری کرونگا۔ ' (تریاق القلوب ص ۱۳ حاشیہ)

☆ ' میرے لئے بھی ۸۰ برس کی زندگی کی پیش گوئی ہے'

(تحفہ ندوہ مشمولہ روحانی خزائن ج ۱۹ بر صفحہ ۹۳۔ یہ تحریر ۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء کی ہے ۔(دیکھئے تحفہ ندوہ۔ صفحہ ۱)

☆ اور ۱۹۰۳ء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں

' میں ایک قبر پر بیٹھا ہوں۔ صاحب قبر میرے سامنے بیٹھا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ آج بہت سی دعائیں امور ضروری کے متعلق مانگ لوں اور یہ شخص آمین کہتا جاوے۔ آخر میں نے دعائیں مانگنی شروع کیں جن میں سے بعض دعائیں یاد ہیں اور بعض بھول گئیں۔ ہر ایک دعا پر وہ شخص بڑی شرح صدر سے آمین کہتا تھا..... اتنے میں خیال آیا کہ یہ دعا بھی مانگ لوں کہ میری عمر ۹۵ سال ہو جاوے۔ میں نے دعا کی۔

اس نے آمین نہ کہی ۔ میں نے وجہ پوچھی وہ خاموش رہا۔ پھر میں نے اس سے سخت تکرار اور اصرار شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہاتھا پائی کرتا تھا بہت عرصہ کے بعد اس نے کہا اچھا دعا کرو۔ میں آمین کہوں گا۔ چنانچہ میں نے دعا کی کہ الٰہی میری عمر ۹۵ برس کی ہو جائے۔ اس نے آمین کہی۔ میں نے اس سے کہا کہ ہر ایک دعا پر تو شرح صدر سے آمین کہتا تھا۔ اس دعا پر کیا ہو گیا....اس نے ایک دفتر عذروں کا بیان کیا۔ مفہوم بعض کا یہ تھا کہ جب ہم کسی امر کی نسبت آمین کہتے ہیں تو ہماری ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے '۔ (تذکرہ ص ۴۹۷)۔

یہ واقعہ ۲۲ نومبر ۱۹۰۳ء کا بیان ہوا ہے ۔مرزا صاحب کا اپنے متعلق دعوی تھا کہ خدا نے ان کی تمام دعائیں قبول کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے سوائے ان دعاؤں کے جو شریکوں کے بارے میں ہوں ۔ اجیب کل دعائک الا فی شرکائک۔ (روحانی خزائن ج ۲۲ ص ۲۵۴) ۔اس رؤیا میں مرزا صاحب دعا فرما رہے ہیں اور ایک ایسا شخص آمین کہہ رہا ہے جو آمین کہہ دینے کے بعد اس کی قبولیت کا ذمہ بھی اٹھاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مستجاب الدعوات دعا کر رہا ہے دوسرا مستجاب الدعوات اس پر آمین کہہ کر سونے پر سوہاگے کی عملی مثال قائم کر رہا ہے۔ اب اس دعا کے قبول ہونے میں کون شک کر سکتا ہے؟

پھر کیا ہوا؟ یہ ہم آخر میں بتائیں گے۔ پہلے یہ الہام بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔

☆ ۲ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو مرزا صاحب کو الہام ہوا ۔ انا نرینک بعض الذی نعدھم و نزید عمرک (تذکرہ ص ۶۷۹) ترجمہ از مرتب تذکرہ ۔ (اے مرزا) ہم تجھے بعض وہ امور دکھلا دیں گے جو مخالفوں کی نسبت ہمارا وعدہ ہے اور تیری عمر زیادہ کریں گے

یعنی ۹۵ سال کی گارنٹی تو ۱۹۰۳ء میں مل گئی تھی ۔ یہ الہام اس ۹۵ سال والی بات میں اضافہ نہ ہو تو اس کی کوئی حیثیت رہتی ۔ کیونکہ ۹۵ سال تک محدود رہنے کی صورت میں یہ ایک بے کار الہام ہے اور ۹۵ سال سے عمر کم رہ جانے کی صورت میں یہ ایک ایسا الہام ہے جو اس مرموز تحریر کی طرح ہے جو الٹا پڑھنے سے درست معنی بتاتی ہے۔

☆ ۱۹۰۷ء میں آپ نے لکھا

. اطال اللہ بقائک۔ اسی ۸۰ یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم۔ خدا تیری عمر دراز کریگا۔ اسی (۸۰) برس یا پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم ۔ (حقیقۃ الوحی)

 اور ۱۹۰۷ء میں ایک عربی الہام کے آخر میں مرزا صاحب کہتے ہیں

. اور پھر اردو میں (اللہ) نے فرمایا کہ ہر حال میں تمہارے موافق ہوں اور تیرے منشا کے مطابق . اور پھر آخر میں اردو میں فرمایا کہ میں تیری عمر کو بھی بڑھا دونگا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں ان سب کو میں جھوٹا کرونگا اور تیری عمر کو بڑھا دونگا تا معلوم ہو کہ میں خدا ہوں اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے .

(مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۹۰ ۔ ۵۹۱)۔

یعنی اس الہام کی رو سے مرزا صاحب کو یقین دلایا گیا کہ وہ اگست ۱۹۰۸ء تک ضرور زندہ رہیں گے۔ اگر قضا و قدر نے اس عرصہ میں ان کی موت لکھی ہوئی تھی تو تقدیر بدل دی گئی ہے اور نئی تاریخ وفات مقرر کر دی گئی ہے جو اگست ۱۹۰۸ء کے بعد ہے۔ مرزا صاحب نے اس پیش گوئی کے متعلق لکھا

. یہ عظیم الشان پیش گوئی ہے جس میں میری فتح دشمن کی شکست اور میری عزت اور دشمن کی ذلت اور میرا اقبال اور دشمن کا ادبار بیان ہوا۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۳ ص ۵۹۱)

☆ براہین احمدیہ جلد ۵ مرزا صاحب کی موت کے بعد شائع ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ مرزا صاحب اس میں کہہ رہے تھے کہ

' جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدے کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں ' (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ ۵ صفحہ ۹۷)

کہ ان کی عمر ۷۴ اور ۸۶ کے درمیان ہوگی۔ یعنی وہ ۷۰ سال کے لگ بھگ عمر میں موت کا پیالہ پی کر اپنے جھوٹا ہونے کا ثبوت دے چکے۔ اور ایک ضمنی پیش گوئی یہ بھی فرمائی ہوئی تھی ' کہ مخالفوں کے ہر الزام سے تجھے بری کرونگا '۔ یعنی دوسرے الزام تو رہے ایک طرف ، یہ عمر کا الزام بھی ان کے نامہ اعمال کے ساتھ نتھی ہو چکا تھا۔

آپ نے مرزا صاحب کی تحریریں ملاحظہ فرمائیں جو عمر کے بارے میں ان کے دعاوی دعاؤں الہاموں اور خوابوں پر مشتمل ہیں اور اس بات کی شہادتیں مہیا کرتی ہیں کہ کس سن میں خود ان کے نزدیک ان کی عمر کتنی تھی اور اس حساب سے ۱۹۰۸ء میں بوقت وفات کتنی عمر ہو سکتی تھی۔ دوسری جانب واقعات بتاتے ہیں کہ ان کی عمر خود ان کی

تحریروں کے مطابق فلاں سال میں اتنی اور فلاں سال میں اتنی تھی۔ اور سادہ جمع تفریق کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ موت کے وقت ان کی عمر کیا ہو سکتی ہے۔ اور آپ نے دیکھا کہ ان کی حقیقی عمر ۶۰ سے ۷۰ سال کے درمیان ہی گھومتی نظر آتی ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی عمر کے بارے میں جتنی بھی پیش گوئیاں کی ہیں وہ غلط نکلی ہیں اور جتنی بھی دعائیں کی ہیں وہ شرف قبولیت سے محروم رہیں۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مستجاب الدعوات نہیں تھے اور یہ کہ انکا الہام اجیب کل دعائک الا فی شر کائک محض افترا علی اللہ تھا اور یہ کہ ان کی پیش گوئیاں الہامات کی بنا پر نہ تھیں محض ظن و تخمین پر مبنی تھیں۔

کسی کے سال ولادت میں اختلاف ہونا زندگی موت کا مسئلہ نہیں ہے۔ بہت سی اہم تاریخی شخصیات کیساتھ یہ معاملہ ہے اور اسے محض ایک علمی بحث سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ مرزا صاحب کا سال ولات تاہم چیزے دیگر ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ان کا صدق و کذب وابستہ ہے۔ انہوں نے بقول خود وحی الٰہی کی رہنمائی کے تحت اپنی عمر کے متعلق پیش گوئیاں کی تھیں۔ اگر ان کی عمر ان پیش گوئیوں کے مطابق نہ ہو تو وہ پیش گوئیاں جھوٹی اور وہ خود کاذب ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب کے سال ولادت کے بارے میں مرزا صاحب اور ان کے مرید باہم دست بگریباں ہیں۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۷ء تک ابھی ریش و برودت کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اور موت کے وقت وہ اس حساب سے ۶۸ یا ۶۹ کے سال تھے مرزائی کہتے ہیں کہ مرزا صاحب غلطی پر ہیں کیونکہ وہ تو ۱۸۳۵ء میں بلکہ اس سے بھی پہلے پیدا ہو چکے تھے اور ۱۸۵۷ء میں ان کی عمر کم از کم ۲۲ سال تھی۔ سال ولادت کے اس تنازعے میں دونوں فریق درست نہیں ہو سکتے کہ یہ ممکن نہیں مرزا صاحب ایک مرتبہ ۱۸۳۵ء یا اس سے بھی پہلے پیدا ہوئے ہوں اور ایک مرتبہ ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء یا اس کے بھی بعد پیدا ہوئے ہوں۔ اگر اس تنازعے میں مرزائی سچے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرزا غلام احمد جھوٹے ہیں اور اگر کسی غلط فہمی کے باعث انہوں نے اپنا سال ولادت غلط لکھ دیا تھا تو یہ اس بات کی شہادت ہے کہ انہیں وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل نہ تھی ورنہ اس غلطی کی اصلاح کروا دی جاتی کیونکہ ان کی عمر پر ان کی بہت سی پیش گوئیوں کی صداقت کا دار و مدار تھا۔ اور پیشگوئیوں

کی صداقت پر ان کے دعاوی کی صداقت منحصر تھی۔

ہوا یہ کہ ان کی اس دعا کی قبولیت اور کشف کی صحت کا معاملہ بھی جھوٹ ثابت ہو گیا جس میں انہوں نے ۹۵ سال عمر کی دعا کر کے ایک مستجاب الدعوات بزرگ سے آمین کہلوائی تھی۔ نیز وہ کشف اور الہام بھی جھوٹے ہو گئے جن میں انہیں بتایا گیا تھا کہ انہیں اس لئے زیادہ عمر دی جائے گی کہ لوگ کمی عمر سے کاذب ہونے کا نتیجہ نہ نکالیں۔ اور ان الہاموں کا غلط ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے جن میں انہیں بتایا گیا تھا کہ ان کی عمر ان کے دشمنوں (خاص طور پر ڈاکٹر عبدالحکیم) سے زیادہ کر دی گئی ہے۔

مرزائیوں کو اقرار ہے کہ مرزا صاحب کی عمر ۹۵ سال نہیں ہوئی۔ لیکن ان کے دلوں پر ایسی مہر لگ چکی ہے کہ وہ نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا ۹۵ سال والہ کشف غلط نکلا جو انہیں ۱۹۰۳ء میں ہوا اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی وہ دعا بھی قبول نہیں ہوئی جس پر انہوں نے ایک مستجاب الدعوات بزرگ سے آمین کہلوائی تھی۔ اس کے برعکس وہ کہتے ہیں کہ

'حضرت مسیح موعود کی عمر اگرچہ ظاہری رنگ میں ۹۵ سال کی نہ ہوئی مگر حضور کا یہ کشف ایک دوسرے رنگ میں اس طرح پورا ہوا کہ حضرت مصلح موعود جو حسن و احسان میں آپ کے نظیر تھے۔ انہوں (مرزا محمود) نے ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت مسیح موعود کا زمانہ میرے زمانہ تک ممتد ہے۔ حضرت مسیح موعود کی بعثت ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں 'ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ پا چکا تھا (حقیقت الوحی ص ۱۹۹۔۲۰۰) اور حضرت مصلح موعود (محمود) کی وفات ۱۳۸۵ھ میں ہوئی۔ اس طرح پورے ۹۵ سال حضرت مسیح موعود کے ظہور سے مصلح موعود کی وفات تک ہوتے ہیں۔ یہ وہی عمر ہے جس کے لئے اتنے اصرار کے بعد بزرگ مذکور سے آمین کہلوائی گئی۔ (تذکرہ ص ۴۹۷ حاشیہ)

یعنی قادیانی حضرات کو یہ تسلیم کئے بغیر تو چارہ نہیں رہا کہ مرزا صاحب کی عمر ۹۵ سال نہیں ہو سکی۔ لیکن مرزا صاحب کو کذاب کہنا مرزائیوں کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ایسی تاویلات کی جاتی ہیں جن کی کمزوری ان کے اندر ہی موجود ہے کیونکہ ۱۲۹۰ھ سے ۱۳۸۵ھ تک ۹۵ قمری سال بنتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب قمری نہیں شمسی

حساب کیا کرتے تھے۔ اور شمسی حساب سے یہ ۹۲ سال بنتے ہیں اور ۹۲ سال کسی کی عمر نہیں ہے نہ مرزا غلام احمد کی نہ ان کے بیٹے مرزا محمود کی اور نہ ان دونوں کی مشترکہ۔ اور اگر اس دعا کو مرزا صاحب کے زمانہ مسیحیت پر لاگو کرنا ہے تو ان کا زمانہ مسیحیت ۱۳۲۶ھ میں ان کی موت پر ختم ہوگیا تھا اور ۱۲۹۰ھ سے ۱۳۲۶ھ تک ۳۶ سال قمری بنتے ہیں۔ اگر مرزائیوں کا یہ خیال ہے کہ مرزا صاحب کا زمانہ مسیحیت ان کے بعد بھی چل رہا ہے تو اب یعنی ۱۴۲۵ھ تک ۱۳۵ قمری سال ہو چکے ہیں اور ابھی کاروان چل رہا ہے جس کی گرد راہ میں ۹۵ سال والہ کشف کب کا غائب ہو چکا ہے۔ اگر کھینچ تان کر ۹۵ سال کے کشف کو زمانہ مسیحیت قرار دے کر مرزا محمود کی موت تک محدود رکھنا ضروری ہے تو یہ بھی بتا دیا جائے کہ بعد کے قادیانی سربراہوں میں کیا خرابی ہے؟ مرزا ناصر سے مرزا غلام احمد کو کیا ناراضگی ہے اور مرزا طاہر سے انہیں کیا دشمنی ہے؟ اور پانچویں خلیفہ سے انہیں کس چیز کا بیر ہے؟ کیا ان کے ادوار مرزا صاحب کے زمانہ مسیحیت میں داخل نہیں کئے جاسکتے؟ دوسری جانب حقیقت یہ ہے کہ یہ دعا اور کشف زمانہ مسیحیت کے بارے میں نہیں عمر کے بارے میں ہے۔ اور عمر بھی دوسروں کی نہیں بلکہ خود مرزا غلام احمد کی اپنی۔ جو ظاہر ہے کہ نہ تو شمسی حساب سے ۹۵ سال ہوئی اور نہ قمری حساب سے۔

اس وضاحت میں مرزائیوں نے کہا ہے کہ مرزا صاحب کی بعثت ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔ اس بعثت سے ان کی مراد اگر مرزا صاحب کا دعوی مسیحیت ہے تو یہ دعوی تو انہوں نے ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۱ء) میں اپنے رسالے فتح الاسلام میں کیا تھا اور ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۸۵ھ یعنی مرزا محمود کی وفات تک ۷۷ سال قمری اور ۷۵ سال شمسی بنتے ہیں نہ کہ ۹۵ سال۔ اگر بعثت مرزا سے مرزائیوں کی مراد مرزا صاحب پر (بقول ان کے) الہام کی ابتدا ہونا ہے تو بقول مرزا صاحب ان پر الہام کی ابتداء ۱۸۶۵ء میں ہو چکی تھی۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں

'چونکہ خدا تعالی جانتا تھا کہ دشمن میری موت کی تمنا کریں گے تا یہ نتیجہ نکالیں کہ جھوٹا تھا تبھی جلد مر گیا۔ اس لئے پہلے ہی سے اس نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ثمانین حولاً او قریباً من ذالک و تزید علیه سنیناً و تری نسلاً بعیداً یعنی تیری عمر اسی (۸۰) برس کی ہوگی یا دو چار کم یا چند سال زیادہ اور تو اس قدر عمر پائے گا کہ ایک دور کی نسل دیکھ لے گا اور یہ الہام قریباً ۳۵ برس سے ہو چکا ہے

(تذکرہ ص ۷ بحوالہ اربعین نمبر ۳ مطبوعہ ۱۹۰۰ء وضمیمہ تحفہ گولڑویہ)

جس اربعین سے مرتب تذکرہ نے یہ عبارت نقل کی ہے وہ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی اس سے ۳۵ سال پہلے ۱۸۶۵ء ہے جو ۱۲۸۳ھ بنتا ہے۔ اور مرزا اس روائت کے مطابق ۱۲۸۳ھ میں صاحب الہام ہو چکے تھے تو ۱۲۸۳ھ سے ۱۳۸۵ھ (محمود کی موت) تک ۱۰۲ قمری سال بنتے ہیں اور شمسی حساب سے ۹۹ سال۔ یعنی ۹۵ سال کسی بھی حساب سے نہیں بنتے۔

۱۹۰۳ء کے اس کشف کو یہیں چھوڑ کر اب ہم آگے چلتے ہیں۔ ۱۹۰۵ء کے آخر میں مرزا صاحب نے فرمایا کہ انہیں الہام ہوا ہے

قرب اجلک المقدر ۔ ان ذا لعرش یدعوک ۔ ولا نبقی من المخزیات ذکرا ۔ قل میعادک ۔ ولا نبقی لک من المخزیات شیئا

بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ ترجمہ مرزا ۔ اب تیرا وقت موت آ گیا۔ ذوالعرش تجھے بلاتا ہے۔ اور ہم تیرے لئے کوئی رسوا کنندہ امر نہیں چھوڑیں گے۔ تیرے رب کا وعدہ کم رہ گیا ہے اور ہم تیرے لئے کوئی امر رسوا کنندہ باقی نہیں چھوڑیں گے۔

کتاب الوصیت جس میں یہ الہام درج ہو کر بعد میں حقیقۃ الوحی میں منتقل ہوا ۱۹۰۵ء میں لکھی گئی اور ۱۹۰۶ء میں منظر عام پر آئی ۔ اس میں موت قریب ہونے کی اطلاع ہے۔ حقیقۃ الوحی ۱۹۰۷ء کی تصنیف ہے جس میں ۸۰ سال عمر کا وعدہ ہے اور عبدالحکیم پٹیالوی کی موت کے بعد تک مرزا صاحب کو زندگی کی نوید دی گئی ہے ۔ ان حالات میں مرزائیوں کا کہنا کہ مرزا صاحب کو الہامات ہو رہے تھے کہ اب جانے کا وقت قریب ہے کے کیا معنی ہیں؟ کیونکہ ابھی تو ان کی عمر ۷۰ برس بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور خدا انہیں بتا چکا تھا کہ ان کی عمر ۸۰ سال ہو گی۔ انہیں دعاؤں کے قبول ہونے کا دعوی بھی تھا اور وہ ۹۵ سال عمر کے لئے دعا کر چکے تھے۔ اور عبدالحکیم والے معاملے میں خدا نے انہیں ۱۹۰۷ء میں بتایا تھا کہ ان کی عمر میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ ان حالات میں اگر مرزا صاحب موت کو قریب محسوس کر رہے تھے تو کیا مرزائی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو اپنی عمر میں زیادتی اور طویل عمر والے الہامات اور خدائی وعدوں پر اعتبار نہیں تھا؟ کیوں کہ اگر انہیں اپنے الہام کنندہ اور الہاموں پر اعتماد ہوتا تو وہ موت کو قریب محسوس نہ کرتے؟ اپنی موت کو ۱۹۰۶ء میں کم از کم ۲۵ سال دور یقین کرتے ۔ یہ کیا کہ ایک ہی سانس میں اپنی عمر ۶۷

تا ۸۵ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ بتا رہے ہیں اور ساتھ ہی کہہ رہے ہیں کہ خدا نے میری عمر میں عبدالحکیم کی چیلنج بازی کی وجہ سے اور اضافہ کر دیا ہے اور دوسرے سانس میں کہہ رہے کہ موت قریب آ گئی ہے؟

ان معنوں میں تو موت قریب ہی ہے کہ نہ معلوم کب آ جائے۔ اور موت ہر لمحہ ہر انسان کے قریب تر ہو جا رہی ہے۔ اس لئے اگر ۶۵ سال کی عمر میں کوئی شخص یہ کہنا شروع کر دے کہ اس کی موت اب قریب ہے تو اس میں الہامی پیش گوئی کی کیا بات ہے؟ اور مرزا صاحب کی کیا خصوصیت ہے؟ ہاں اگر کوئی یہ کہے کہ دیکھو کچھ لوگ ۷۰ سال کی عمر تک پہنچ جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو ۸۰ سال کی عمر بھی نصیب ہو جاتی ہے لیکن میرے ساتھ یہ معاملہ ہے اگر میری عمر کم رہ گئی تو ہوسکتا لوگ مجھے جھوٹا قرار دینے لگیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس خدشے کے سد باب کے لئے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ مجھے ۹۰ سال یا سو سال عمر عطا کرے گا۔ تو ایسی پیش گوئی قابل لحاظ ہوسکتی ہے۔ اور مرزا صاحب نے اپنی حیات مستعار میں عمومی طور پر جس طرح کی باتیں کی ہیں ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے الہام کنندہ نے ان کے دل میں یہ خیال ڈال رکھا تھا کہ وہ ۹۰ اور سو سال کے درمیان عمر پائیں گے۔

حضرت یوسف کی بریت کے لئے اللہ نے مدعیہ کے گھر سے حضرت یوسف کی بے گناہی ثابت کرنے والہ گواہ پیدا کر دیا تھا۔ ادھر مرزا صاحب کی تکذیب کے لئے اللہ نے خود ان کے بیٹے مرزا بشیر احمد کو کھڑا کر دیا جس نے اپنی سی جستجو کر کے اپنے باپ کا سن پیدائش متعین کیا اور کہا کہ ابا حضور آپ کی عمر ۹۵ سال نہیں ہوئی۔ ۹۰ سال نہیں ہوئی۔ ۸۹ سال نہیں ہوئی۔ ۸۸ سال نہیں ہوئی ۸۷ سال نہیں ہوئی۔ ۸۶ سال نہیں ہوئی۔ ۸۵ سال نہیں ہوئی۔ ۸۴ سال نہیں ہوئی۔ ۸۳ سال نہیں ہوئی۔ ۸۲ سال نہیں ہوئی۔ ۸۱ سال نہیں ہوئی۔ ۸۰ سال نہیں ہوئی۔ ۷۹ سال نہیں ہوئی۔ ۷۸ سال نہیں ہوئی۔ ۷۷ سال نہیں ہوئی۔ ۷۶ سال نہیں ہوئی۔ ۷۵ سال نہیں ہوئی۔ ۷۴ سال نہیں ہوئی۔ ساڑھے تہتر سال بھی نہیں ہوئی کہ کوئی مرزائی نصف سال کو راؤنڈ فگر بنا کر ۷۴ نہ بنا لے اور کہہ دے کہ ایک پیش گوئی میں ۷۴ کا ہندسہ موجود ہے اور چونکہ ساڑھے تہتر اور ۷۴ میں میں کوئی خا ص فرق نہیں ہے اس لئے مان لیتے ہیں کہ ۹۵ سال والی دعا تو منظور نہیں ہوئی لیکن اس

پیش گوئی کی سب سے نچلی حد کو آپ نے چھو لیا ہے کہ جس میں انہوں نے کہا تھا ۸۰ یا اس سے پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم ، کے الفاظ آئے ہیں ۔ اللہ نے ایسا انتظام فرما دیا کہ بیٹے سے ایسی تحقیقات کروادی جس کے مطابق سوا تہتر سال بھی پورے نہیں ہونے دیئے اور اس شخص کو آناً فاناً اٹھا لیا جو موت سے چند گھنٹے قبل اچھا بھلا تھا۔ شام کو سیر کے لئے گیا ۔ مریدوں کے سامنے تقریر کی ۔ بستر پر دراز ہوا۔ ہیضہ کی آمد ہوئی ۔ زبان چلنا بند ہوئی اور تھوڑی دیر بعد خود بھی چل بسا۔ اور اپنی موت سے اپنی عمر کے بارے میں اپنے تمام الہامات اور کشوف غلط ثابت کر گیا اور یہ بھی واضح کر گیا کہ مستجاب الدعوات ہونے والہ اس کا دعوی بھی مجذوب کی بڑ کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اسمہ احمد

قرآن مجید میں مذکور حضرت عیسی کی بشارت و مبشراْ برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد' (اور میں ایک رسول کی خوش خبری دینے کے لئے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا) کو سب مسلمان آنحضرت ﷺ کے حق میں سمجھتے آئے ہیں لیکن مرزا صاحب کہتے ہیں۔

' میں وہ احمد ہوں یعنی حضرت عیسی نے میرے حق میں بشارت دی تھی۔ '

(ازالہ اوہام صفحہ ۶۷۳۔طبع اول وطبع دوم ص ۱۷۵ امطبوعہ کاشی رام پریس لاہور)۔

اور مرزا محمود نے ۲۷ دسمبر کو 1915ء ایک تقریر فرمائی جو انوار خلافت میں ان کی نظر ثانی کے بعد شائع ہوئی۔اس کے آغاز میں وہ کہتے ہیں

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا حضرت مسیح موعود کا نام احمد تھا یا آنحضرت ﷺ کا۔ اور کیا سورت صف کی آئت جس میں ایک رسول کی جس کا نام احمد ہوگا بشارت دی گئی ہے آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے یا حضرت مسیح موعود کے متعلق۔میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ آئت مسیح موعود کے متعلق ہے اور احمد آپ ہی ہیں...اور میں یقین رکھتا ہوں کہ احمد کا جو لفظ قرآن کریم میں آیا ہے وہ حضرت مسیح موعود (مرزا) کے متعلق ہے۔

(انوار خلافت مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۶ء صفحہ ۱۸۔منقول از ملت اسلامیہ کا موقف ص ۶۶۔۶۷)

قیام پاکستان سے پہلے جماعت احمدیہ نے ایک رسالہ اسمہ احمد کے عنوان سے شائع کیا جس کے آخر میں چیلنج دیا گیا تھا کہ کوئی ہے جو ان کے دعوی کو غلط ثابت کرے کہ مرزا غلام احمد حضرت عیسی کی بشارت احمد کے مصداق ہیں۔ اس رسالے میں مسلمانوں کی کتابوں کے حوالے درج کرنے میں خیانت اور بددیانتی اور تاویلات فاسدہ کا انبار تھا۔اور اس رسالہ میں ایک فقرہ بھی اصول تفسیر کے مدنظر قرآن کی تفسیر اپنے اندر نہیں رکھتا تھا۔ اسی دور میں ضلع گجرات پنجاب کے ایک بزرگ چوہدری سرفراز خان نے مرزا محمود خلیفہ قادیان سے اس موضوع پر خط وکتابت فرمائی جسے بعد میں انہوں نے

شائع کر دیا اور اس کا نام مصداق بشارت احمد رکھا (طبع استقلال پریس لاہور) ۔ ذیل کی گذارشات کا بڑا حصہ اسی رسالے سے ماخوذ ہیں ۔

چوہدری صاحب اپنے ایک خط (۱۲ جولائی ۱۹۳۸ء) میں مرزا محمود صاحب کو لکھتے ہیں کہ درج ذیل آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول یکے بعد دیگرے مبعوث ہوئے ہیں اور ان کی انتہاء آنحضرت ﷺ ہیں

☆ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح و النبیین من بعدہ و اوحینا الی ابراہیم و اسماعیل و اسحق و یعقوب و الاسباط و عیسی و ایوب و یونس و ھارون و سلیمان و آتینا دائود زبورا ۔

بے شک ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی جیسے نوح کے پاس بھیجی تھی اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس ۔ اور ہم نے ابراہیم اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسی اور ایوب اور یونس اور ہارون کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی ۔

☆ لقد آتینا موسی الکتاب و قفینا من بعدہ بالرسل و آتینا عیسی ابن مریم البینات و ایدناہ بروح القدس ۔

اور ہم نے موسی کو کتاب دی اور پھر ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھجتے رہے اور پھر ہم نے عیسی بن مریم کو (نبوت کے واضح) دلائل عطا فرمائے اور پھر ہم نے ان کی روح القدس سے تائید کی ۔

☆ و اذ قال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقاً لما بین یدی من التورات و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ۔ فلما جاءھم بالبینات قالوا ھذا سحر مبین ۔

اور جب عیسی بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں ۔ مجھ سے پہلے جو تورات آئی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والہ ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول احمد نامی آنے والہ ہے اس کی بشارت دینے والہ ہوں ۔ پھر جب وہ لوگوں کے پاس دلائل لائے تو وہ لوگ انہیں صریح جادو کہنے لگے ۔

پہلی آئت میں نوح اور ان کے بعد انبیاء کی بعثت کا ذکر ہے کہ ان کی طرف وحی کی گئی ۔ دوسری آئت میں حضرت موسی کے بعد پے در پے حضرت عیسی تک بے شمار

انبیاء کی آمد کا تذکرہ ہے۔مگر تیسری آئت میں حضرت عیسی اپنے بعد صرف ایک ہی نبی کی تشریف آوری کی بشارت دیتے ہیں جن کا نام احمد ہے ۔اور جس آئت میں حضرت موسیٰ کے بعد انبیاء کی آمد مذکور ہے اس کے الفاظ ملاحظہ ہوں و قفینا من بعدہ بالرسل ۔ اور ہم ان کے بعد پے در پے رسول بھیجتے رہے ۔ رسل یہاں صیغہ جمع استعمال ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعد بہت سے نبی آئے مگر عیسی کی بشارت کے الفاظ قابل غور ہیں ۔ و مبشرا برسول یاتی کہ میں صرف ایک ہی رسول کی بشارت دینے والہ ہوں ۔ پھر اس رسول کی بھی تخصیص کر کے فرمایا یاتی من بعدی اسمہ احمد میرے بعد آنے والے کا اسم گرامی احمد ہے ۔جس پر اللہ نے فلما جاء ھم بالبینات قالوا ہذا سحر مبین فرما کر اپنی شہادت کی مہر ثبت فرمادی کہ جب آپ ایک نبوت کے واضح دلائل کے ساتھ تشریف لائے تو لوگ پکار اٹھے کہ یہ صریح جادو ہے

جب اس آئت کا نزول بلا اختلاف محمد ﷺ پر مسلم ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس آئت کے نزول سے پیشتر ہی احمد تشریف لا چکے تھے۔لہذا حضرت عیسی کے بعد صرف ایک ہی نبی کی بشارت تھی تو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پوری ہو چکی ۔ تو پھر یقیناً حضور ﷺ کے بعد کسی دوسرے کا دعوی نبوت باطل ہے

فلما جاء ھم بالبینات قالوا ہذا سحر مبین یعنی جب وہ نبی جس کی بشارت تھی آ گیا اور ظاہر معجزات دکھائے تو لوگ کہہ اٹھے کہ یہ تو کھلا جادو ہے ۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ہی لوگ جادوگر کہتے تھے جس کا قرآن بھی شاہد ہے قال الذین کفروا للحق لما جاء ھم ان ہذا الا سحر مبین ۔ جب حق ان کے پاس آ گیا تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے ۔ مگر مرزا کو تو کسی نے جادوگر نہیں کہا اور نہ ان کی تعلیم کو جادو سے تعبیر کیا گیا پھر مرزا پر اس آئت کو کیوں کر چسپاں کیا جا سکتا ہے

مرزائی کہتے ہیں کہ ساتھ ہی یہ بھی مذکور ہے کہ و ھو یدعی الی الاسلام ۔ کہ لوگ اس احمد کو کہیں گے کہ تو اسلام میں داخل ہو جا ۔ گویا لوگ اسے خارج از اسلام قرار دیں گے اور کہیں گے کہ تو اسلام میں داخل ہو جا اور کفر کو چھوڑ دے ۔اب محمد ﷺ تو خود لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے نہ کہ آپ ﷺ کو لوگ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیتے تھے ۔اس لئے مرزائیوں کا کہنا ہے کہ یہ بشارت حضرت محمد ﷺ کے لئے نہیں بلکہ مرزا

کیلئے ہے۔لیکن مرزائی اس آئت کے پہلے حصے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ساری آئت یوں ہے

و من اظلم ممن افتری علی اللہ الکذب و ھو ید عی الی ا لاسلام

۔اور واقعی اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے ۔حالانکہ وہ (کافر) اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے۔

اس آئت کو پہلی آئت سے ملا کر پڑھنے سے معاملہ روشن اور واضح ہو جاتا ہے ۔اور ترجمہ یہ ہوگا کہ

جیسا وہ رسول (جس کی عیسی نے بشارت دی تھی) روشن دلائل اور معجزات لے کر آ گیا تو (کافر) کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔(ایسی صورت میں) اس (کافر) سے (جو اس حق کی طرف بلائے جانے والے رسول سے انکار کرتا ہے) کون زیادہ ظالم ہوگا جو (ایسا کہنے سے) اللہ تعالی پر جھوٹ باندھتا ہے۔ حالانکہ وہ(کافر) اسلام (ساتھ ہی سلامتی) کی طرف بلایا جاتا ہے(مگر وہ سمجھتا نہیں) ۔

یعنی اس آئت میں احمد تو بلانے والہ ہے اور جسے بلایا جارہا ہے وہ فی الحقیقت کافر ہے۔

اگر ھو ید عی الی الاسلام میں ضمیر ھو سے مرزا صاحب مراد لئے جائیں تو مرزائیوں کو مصیبت کا سامنا ہوگا کیونکہ ھو یعنی مرزا صاحب کو اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور ھو یعنی مرزا صاحب اسلام سے خارج ہے۔کیونکہ اللہ تو جھوٹ نہیں بولتا فرماتا ہے کہ وہ (کافر) اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے۔اور بلانے والے چونکہ اسلام کی طرف بلا رہے ہیں اس لئے ان میں ضرور اسلام ہے۔

پھر مرزائی کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے یریدون لیطفئوا نور اللہ بافوا ھھم ۔کہ اس احمد رسول کا صرف مونہوں سے تقاریر وغیرہ سے ہی مقابلہ کیا جائے گا۔مگر حضرت محمد ﷺ کا تو تلوار سے مقابلہ کیا گیا۔اس لئے یہ بشارت مرزا صاحب کے بارے میں ہے۔ لیکن یہاں مرزائیوں نے آئت کا دوسرا حصہ چھوڑ دیا جو یہ ہے و اللہ متم نورہ و لو کرہ الکا فرون۔کہ مونہوں کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والہ ہے۔ اگرچہ کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔ یعنی حضور ﷺ کو جادوگر وغیرہ کہنے اور اس قسم کا اپنے مونہوں سے بکواس کرنے سے ان کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ اسی حرکت سے اللہ کے نور (اسلام) کو مٹانا چاہتے ہیں..اب چونکہ منہ سے بکواس کرنے والے آئت میں کافر مذکور ہیں۔اگر اس سے مسلمان مراد لئے جائیں جیسا کہ مرزائیوں کا

خیال ہے تو روئے زمین کے مسلمان کافر ٹھہرتے ہیں ۔ حالانکہ مرزا صاحب کو آج تک کسی مسلمان نے جادوگر کہہ کر ایسا بکواس نہیں کیا جس کی طرف آئت میں اشارہ ہے ۔ اور پہلی آئت سے اس کا یہی ربط ہے ۔ ساحر تو حضور ﷺ کو کفار کہا کرتے تھے ۔ مرزا صاحب کو تو کسی مسلمان نے ساحر نہیں کہا ۔

پھر مرزائی کہتے ہیں کہ ہمارے خیال میں عیسی کی یہ پیش گوئی اس لئے بھی حضرت محمد ﷺ کے متعلق نہیں بلکہ احمد رسول کے متعلق ہے کیونکہ آنخضرت ﷺ کا نام تو احمد نہیں تھا بلکہ محمد تھا ۔ جیسا کہ خود آنخضرت ﷺ نے فرمایا ان اہلی سما نی محمد

ہم کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کا نام احمد نہیں تھا ۔ سنئے

. عن جبیر بن مطعم قال سمعت النبی ﷺ یقول ان لی اسماء انا محمد و انا احمد و انا ماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر و انا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی و انا العاقب (بخاری جلد ا ص ۵۰۱) ۔ و العاقب الذی لیس بعدہ نبی (مسند احمد ج ۴) ۔ حضرت جبیر بن مطعم سے روائت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے بے شک میرے نام ہیں ۔ میں محمد ہوں میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ جس سے اللہ کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر ہوں کہ جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جائیں گے ۔ یعنی لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا ۔ اور میں عاقب ہوں (جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا) ۔

اور خود مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ آنخضرت ﷺ کا نام احمد بھی ہے ۔ انہوں نے لکھا ہے

☆ . جب ہم انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوت میں سے اعلی درجہ کا جوان مرد نبی اور زندہ نبی اور خدا کا اعلی درجہ کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں ۔ وہی نبیوں کا سردار اور رسولوں کا فخر تمام مرسلوں کا سرتاج جس کا نام محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبی ﷺ ہے . (سراج منیر ص ۸۰)

☆ مرزا صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں

. تم سن چکے ہو کہ کہ ہمارے نبی کے دو نام ہیں ۔ ایک محمد ﷺ اور یہ نام توریت میں لکھا ہے جو ایک آتشی شریعت ہے .... دوسرا نام احمد ﷺ اور یہ نام انجیل میں لکھا ہے

جو ایک جمالی رنگ میں تعلیم الٰہی ہے ۔ جیسا کہ اس آئت سے ظاہر ہوتا ہے و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد اور ہمارے نبی ﷺ جلالی اور جمالی دونوں رنگ کے جامع تھے مکہ کی زندگی جمالی رنگ میں تھی اور مدینہ کی جلالی رنگ میں

(اربعین نمبر۴ طبع سوم بک ڈپو ۱۹۳۶ء ۔ص ۹۰)۔

جب مرزا صاحب، آنحضرت ﷺ کا نام احمد مانتے ہیں تو کسی مرزائی کو اس کا خلاف کرنا خود مرزا صاحب کی تکذیب ہے ۔ یہ کیسی امت ہے جو خود اپنے نبی کو جھوٹا کہتی ہے ۔

اور مرزا صاحب اپنا نام یوں بتاتے ہیں

☆ . میں جس کا نام غلام احمد اور باپ کا نام مرزا غلام مرتضی قادیان ضلع گورداسپور کا رہنے والہ ایک مشہور فرقہ کا پیشوا ہوں ۔ (کشف الغطا ۔ص ۲)۔

☆ . میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضی اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور پردادا کا نام گل محمد تھا۔ (کتاب البریہ ۔صفحہ ۱۳۴ کا حاشیہ)

☆ اس کے علاوہ مرزا صاحب نے چھوٹی بڑی ۸۰ کے قریب تصانیف چھوڑی ہیں اور ہر ایک پر بحثیت مصنف اپنا نام غلام احمد لکھا ہے ۔ اور یوں یہ ۸۰ شہادتیں اس امر پر ہیں کہ آپ کا نام غلام احمد ہے ۔ احمد نہیں ۔

مرزا بشیر احمد نے لکھا ہے

. حقیقت یہ ہے جسے ساری دنیا جانتی ہے کہ مسیح موعود کا نام مرزا غلام احمد تھا ۔ چنانچہ

☆ یہی نام آپ کے والدین نے رکھا۔

☆ اسی نام سے آپ کے والد صاحب آپ کو پکارتے تھے

☆ اسی نام سے سب دوست و دشمن آپ کو یاد کرتے تھے ۔

☆ میں نے حضرت مسیح موعو کی سیالکوٹ ملازمت (۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء) کے بعض سرکاری کاغذات دیکھے ہیں جو اب تک محفوظ ہیں ان میں بھی یہی نام درج ہے ۔

☆ اسی بنا پر دادا صاحب نے اپنے ایک آباد کردہ گاؤں کا نام احمد آباد رکھا

☆ دادا صاحب کی وفات کے بعد جو حضرت صاحب کے دعوی میسیحت سے چودہ سال پہلے ۱۸۷۶ء میں ہوئی جب کاغذات مال میں ہمارے تایا صاحب اور حضرت صاحب کے نام جائداد کا انتقال درج ہوا تو اس میں بھی غلام احمد نام ہی درج ہوا۔

☆ کتاب پنجاب چیفس میں بھی جو حکومت کی طرف سے شائع شدہ ہے یہی نام لکھا ہے۔

☆ دوسرے سرکاری کاغذات اور دستاویزات میں یہی نام درج ہوتا رہا ہے

☆ مسیح موعود نے ہمیشہ اپنے خطوط اور تصانیف میں یہی نام استعمال کیا۔

☆ حضرت مسیح موعود پر عدالت ہائے انگریزی میں جتنے مقدمات ہوئے ان سب میں حکام اور مخالفین کی طرف سے یہی نام استعمال ہوتا رہا۔

☆ حضرت مسیح موعود کے دعوی سے پہلے جب اول المکفرین مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے براہین احمدیہ پر ریو یو لکھا تو اس میں یہی نام لکھا۔

☆ اشد المعاندین مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنی جملہ مخالفانہ تصنیفات میں ہمیشہ یہی نام استعمال کیا۔

☆ حضرت مسیح موعود کی وفات پر جن بیسیوں ہندو سکھ عیسائی اور مسلمان اخباروں نے آپ کے متعلق نوٹ لکھے انہوں نے بھی اسی نام سے آپ کا ذکر کیا۔

اگر باوجود اس عظیم الشان شہادت کے کسی معاند کے نزدیک حضرت مسیح موعود کا نام غلام احمد نہیں تھا بلکہ سندھی یا کچھ اور تھا تو ہمارے پاس اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ (سیرۃ المھدی ص ۴۷۔۴۸ حصہ اول)

اور مرزائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسی بنی اسرائیل میں سب سے آخر میں نبی ہوئے اور انہوں نے صرف ایک ہی نبی احمد کی پیش گوئی کی ہے اس لئے اب دوسرا نبی نہیں آ سکتا۔ مرزائی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بفرض محال اس بات کو بھی مان لیا جائے کہ مبشرا برسول سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں (حالانکہ آپ کا نام نامی و اسم گرامی محمد ہے و الذین آمنوا بما نزل علی محمد) تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا کیونکہ عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ ورنہ حضرت ابراہیم کے بعد جس قدر نبی آئے نعوذ باللہ سب غیر صادق ثابت ہوں گے کیونکہ حضرت ابراہیم کی دعا صرف ایک نبی کے لئے تھی۔ وابعث فیھم رسولا۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ حضرت ابراہیم والی دعا اس وقت ہوئی جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل خانہ کعبہ کی دیواریں تعمیر کر رہے تھے ربنا و بعث

فیهم رسولا منهم یتلوا علیهم آیاتک و یعلمهم الکتاب و الحکمۃ۔ اے ہمارے رب ان (ہماری اولاد اہل مکہ) میں ایک رسول بھیج جو ان کے سامنے تیرے احکام پڑھے اور ان کو کتاب وحکمت سکھائے اور ان کی اصلاح کرے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا انا دعوۃ ابی ابراہیم۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔ اور سورت جمعہ میں اللہ تعالی آنحضرت ﷺ کی بعثت سے اس دعا کا مقبول ہونا یوں ظاہر فرماتا ہے هو الذی بعث فی الامین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب و الحکمۃ۔ (وہی ذات پاک ہے جس نے انہی امیوں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ اور انہیں برائیوں سے پاک صاف کرتا ہے)۔ یعنی ان کی اصلاح کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ اور یہ تو مرزائیوں کو بھی تسلیم ہے کہ جس نبی کی آمد کے لئے حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی وہ ذات اقدس آنحضرت ﷺ ہی کی ہے۔

اور قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو دعا کی تھی وہ محض اپنی اولاد پھر خصوصا مکہ میں بسنے والوں کے حق میں تھی۔ مزید براں حضرت اسماعیل بھی اس دعا میں شریک تھے اور اس بات پر تمام محققین مفسرین اور مورخین متفق ہیں کہ حضرت اسماعیل کے بعد ان کی اولاد میں حضور ﷺ ہی نبی ہوئے ہیں اور کوئی نبی نہیں ہوا۔ یوں مرزائیوں کا کہنا کہ . اس لحاظ سے حضرت ابراہیم کے بعد جس قدر نبی آئے نعوذ باللہ غیر صادق ہوں گے . کیسے صحیح ہوسکتا ہے اور وہ نبی کیسے غیر صادق ہوں گے جبکہ دعا ہی خاص بنی اسماعیل کے لئے تھی اور وہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی۔

پھر مرزائیوں نے کہا ہے کہ حضرت موسی نے بھی اپنے بعد صرف ایک رسول کی پیش گوئی کی تھی جیسا کہ شهد شاهد من بنی اسرائیل علی مثلہ سے ظاہر ہے مگر آنحضرت ﷺ کی آمد سے قبل تو بہت نبی ہوئے۔ تو کیا وہ نعوذ باللہ وہ جھوٹے تھے کیونکہ حضرت موسی نے صرف ایک ہی نبی کی جو آپ کا مثیل ہوگا آمد کی اطلاع دی تھی۔

ہم کب کہتے ہیں کہ مثل موسی بہت ہوئے ہیں۔ ہاں حضرت موسی کے بعد نبی تو بہت ہوئے جن کی کوئی بندش نہ تھی۔ مثل موسی ہونا صرف ایک کے لئے پیش گوئی تھی۔ اور وہ آنحضرت ﷺ تھے جس کی تصدیق قرآن کی اس آئت نے کردی ہے۔ انا ارسلنا الیکم رسولا شاهدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ ہم نے تمہاری طرف

ایک رسول بھیجا ہے جو تمہارے اوپر گواہ ہے جیسے کہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا

مرزائیوں نے یہ بھی کہا کہ آنحضرت ﷺ کی بشارت تو حضرت موسی دے چکے تھے۔ پس اگر یہی پیش گوئی حضرت عیسی بھی کریں تو یہ تو وہ بشارت ہے جو کوئی نئی بشارت نہیں بلکہ حضرت موسی سے بنی اسرائیل پہلے ہی سن چکے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مبشراً برسول والی حضرت عیسی کی پیش گوئی کسی ایسے نبی کے متعلق نہیں جس کی بشارت پہلے سے موجود تھی بلکہ جس طرح حضرت موسی نے اپنے بعد ایک مثیل کی پیش گوئی کی ہے اسی طرح یہ بھی ان (عیسی) کے ایک مثیل کے آنے کی پیش گوئی ہے جو بنی اسرائیل کے لئے بالکل نئی ہے۔ ورنہ ایک پرانی پیش گوئی کو کہنا کہ اے بنی اسرائیل یہ ایک ایسی بشارت ہے جسے تم نے کبھی نہیں سنا بالکل غلط ہے۔ پس یہ پیش گوئی مثیل عیسی کے لئے تو بشارت ہوگی مگر مثیل موسی کے لئے نہیں ہوسکتی۔

مرزائیوں کی یہ بات درست نہیں کہ اگر حضور کی پیش گوئی موسی نے کی تھی تو عیسی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مرزائی خود تسلیم کرتے ہیں کہ حضور ﷺ حضرت ابراہیم کی دعا ہیں۔ جب بنی اسرائیل حضرت ابراہیم کی دعا سے مطلع تھے تو پھر موسی نے کیوں اسی رسول کے لئے پیش گوئی کی ہے؟

اور حضور ﷺ کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے یجدو نہ مکتو باً عند ھم فی التورارۃ و الانجیل یعنی بنی اسرائیل محمد رسول اللہ ﷺ کو تورات اور انجیل دونوں لکھا پاتے ہیں۔ یہ آئت صاف بتا رہی کہ حضرت عیسی کی پیش گوئی حضرت موسی کی پیش گوئی کی تائید میں تھی۔ اس کا ذکر تورات میں تھا اور انجیل میں تصدیق کردی گئی۔

اور یہ کہنا کہ حضرت عیسی نے کہا

. اے بنی اسرائیل یہ ایک بشارت ہے جسے تم نے پہلے کبھی نہیں سنا .

یہ مرزائیوں کا افتراء ہے کیونکہ یہ بات نہ قرآن میں ہے نہ انجیل میں

اگر مرزائیوں کے کہنے کے مطابق مان لیا جائے کہ بشارت احمد کا مصداق مرزا صاحب ہیں تو پھر انہیں محمد ﷺ کی نبوت و رسالت سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں کیونکہ حضرت عیسی فرماتے ہیں یا تی من بعدی اسمہ احمد یعنی میرے بعد آنے والا احمد ہے۔ یعنی میرے اور احمد کے درمیان اور کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس بات کو مرزا صاحب نے بھی تسلیم

کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے

. حضرت رسول کریم کا نام احمد وہ ہے جس کا ذکر حضرت مسیح نے کیا یا تی من بعدی اسمه احمد . من بعدی کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وہ نبی میرے (یعنی عیسی کے) بعد بلا فصل آئے گا۔ یعنی میرے اور اس کے درمیان اور کوئی نبی نہ ہوگا

(ملفوظات احمدیہ یعنی ڈائری ۱۹۰۱ء ص ۴۔۵)

مرزائی رسالہ اسمہ احمد کے مصنف نے کہا ہے

. بعض لوگ من بعدی پر بڑا زور دیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح نے اپنے بعد آنے والے رسول کا نام احمد بتایا ہے اور چونکہ حضرت مسیح کے بعد آنے والے رسول آنحضرت ﷺ ہیں اس لئے ان ہی کا نام احمد ہے۔ اول تو آپ ﷺ کا نام احمد نہیں محمد ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت مسیح نے جن دو بعثوں کے متعلق بشارت دی ہے وہ دونوں حضرت مسیح کے بعد ہی ہیں۔ محمد رسول اللہ کی بعثت بھی اور خود ان کی آمد ثانی کی بعثت بھی۔ اور جملہ من بعدی ایک ممتد (دراز) زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ نہ بلا فصل بعد پر۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم دیکھیں کہ سورہ صف کے نفس موضوع اور آیات کے سیاق وسباق کے اعتبار سے ان دو بعثوں میں کون سی بعثت یہاں مراد ہے۔ کیا وہ بعثت جس کا ظہور یہودیوں اور عیسائیوں کے بگڑنے کے وقت مقدر تھا یا وہ بعثت جو کہ مسلمانوں کیلئے مقصود بالذات تھی۔

یہاں مصنف رسالہ اسمہ احمد دو بعثوں کا ذکر کرتے ہیں اور جملہ من بعدی کو ایک ممتد (دراز) زمانہ کے لئے تجویز کرتے ہیں جو کہ مرزا محمود کی ترجمانی ہے جو وہ انوار خلافت میں فرماتے ہیں کہ من بعدی سے یہ مراد تھی کہ قیامت تک کبھی آجائے

پیش گوئی کا تو مطلب ہی بعد میں آنے والی چیز کے لئے ہوتا ہے۔ یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میرے بعد آئے گا۔ مبشراً برسول اسمه احمد ہی کافی تھا اور اس جملے سے یہی سمجھا جاتا کہ آنے والہ رسول مسیح کے بعد ہی آئے گا۔ کیونکہ جو پہلے آچکا ہو یا اس وقت موجود ہو اس کی خبر تو مسیح دے نہیں رہے تھے۔ پس اگر یا تی من بعدی نے کوئی تعین نہیں کی تو یہ جملہ بے معنی ہے اور اللہ تعالی کے کلام میں ایسی بات نہیں ہوتی۔ پس یہ یقینی امر ہے کہ اس میں کوئی تعین ضرور کی گئی ہے اور وہ تعین اسی صورت میں ممکن ہوسکتی

ہے کہ آنے والہ بلافصل مسیح کے بعد آئے۔ یعنی مسیح کے بعد اور اس آنے والے رسول سے پہلے کوئی اور رسول نہ آیا ہو۔

حضرت موسیٰ نے بھی اپنے مثیل کی پیش گوئی کی تھی لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد وہ نبی آئے گا۔ کیونکہ وہ خود اور سب سننے والے جانتے تھے کہ پیش گوئی کا مطلب ہی آنے والے زمانے کی بات ہے۔ جو کسی بھی مختصر یا دراز زمانے میں وقوع میں آسکتی ہے۔ لیکن جب من بعدی کا ذکر آجائے تو پھر زمانے کی تخصیص ہو جاتی ہے

اور مصنف رسالہ اسمہ احمد نے مسیح کی بعثت ثانی کو مرزا صاحب پر چسپاں کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اس لئے ہم انجیل کی طرف دیکھتے ہیں کہ مسیح کی بعثت ثانی کی جو پیش گوئی وہاں ہے اس کے الفاظ کیا ہیں۔ لکھا ہے کہ فرمایا مسیح نے

. اس وقت ایسی مصیبت ہوگی کہ دنیا کے شروع سے اب تک نہ ہوئی ہے نہ کبھی ہوگی۔ اور اگر وہ دن نہ گھٹائے جاتے تو کوئی بشر نہ بچتا۔ مگر برگزیدوں کی خاطر وہ دن گھٹائے جائیں گے۔ اس وقت اگر کوئی تم کو کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں ہے تو یقین نہ کرنا۔ کیونکہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھلائیں گے کہ اگر ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر دیں ۔ دیکھو میں نے پہلے ہی سے کہہ دیا ہے پس اگر وہ تم سے کہیں کہ دیکھو وہ (مدعی مسیحیت) بیابان میں ہے تو باہر نہ جانا۔ دیکھو وہ (مدعی مسیحیت) کوٹھریوں میں ہے تو یقین نہ کرنا۔ کیونکہ جیسے بجلی کوند کر پورب سے پچھّم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم (مسیح موعود) کا آنا ہوگا۔ جہاں مردار ہے وہاں گدھ جمع ہو جائیں گے۔ اور فوراً ان دنوں کی مصیبت کے بعد سورج تاریک ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا۔ اور ستارے آسمان سے گریں گے۔ اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔ اور اس وقت ابن آدم (مسیح موعود) کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔ اور اس وقت کی ساری قوتیں چھاتی پیٹیں گی۔ اور ابن آدم (مسیح موعود) کو بڑے جلال اور قوت کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھیں گی۔ اور وہ نرسنگھے کی بڑی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس سرے سے اس سرے تک جمع کریں گے. (متی باب ۲۴۔ آئت ۲۲۔ ۳۱)

مرزا صاحب ریل گاڑی (جسے انہوں نے دجال کا گدھا قرار دے رکھا تھا اور اس پر سواری بھی کرتے تھے) کے دور سے آگے نہ بڑھ سکے کیونکہ موت نے جلد ہی انہیں آلیا تھا ورنہ وہ ہوائی جہاز میں سفر کر کے کسی شہر میں اتر کر فرماتے کہ دیکھو میں آسمان کے بادلوں سے آیا ہوں اس لئے میں ہی وہ مسیح موعود ہوں جس کا ذکر مسیح کی زبان سے انجیل متی ہوا ہے۔

بحالت موجودہ تو انجیل میں مسیح کی بعثت ثانی والی یہ پیش گوئی مرزا صاحب کو جھوٹے مدعیان نبوت اور جھوٹے مدعیان مسیحیت میں کھڑا کر دیتی ہے کیونکہ آپ کو تو کسی نے جلال اور قوت کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر سے آتے نہیں دیکھا۔

مباحثہ رام پور

حامدعلی خان نواب رام پور کے ملازمین میں سے منشی ذوالفقارعلی قادیانیت سے وابستہ تھے۔ اوائل ۱۹۰۸ء کا واقعہ ہے کہ وہ قادیان آئے اور مرزا صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ نواب صاحب رام پور نے جو شیعہ ہیں حضور کے بارے میں چند سوالات کئے ہیں جن میں سے ایک یہ تھا کہ آیا حضور (مرزا) رسالت کے مدعی ہیں۔ جس کے جواب میں میں نے آپ کا یہ شعر پڑھا تھا۔

من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب ہاں ملہم ہستم وز خداوند منذرم

اس پر مرزا صاحب نے فرمایا کہ اس کی تشریح کر دینا تھا کہ ایسا رسول ہونے سے انکار کیا گیا ہے جو صاحب کتاب ہو۔ دیکھو جو امور سماوی ہوتے ہیں انکے بیان کرنے میں ڈرنا نہ چاہیے اور کسی قسم کا خوف کرنا اہل حق کا قاعدہ نہیں۔

(الفضل یکم ستمبر ۱۹۴۵ء منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔ الیاس برنی ص ۱۶۲)۔

یہ ذوالفقار علی صاحب اس کے بعد کوشش کرتے رہتے تھے کہ نواب صاحب قادیانی ہو جائیں۔ ادھر آپ کے ایک چچا زاد بھائی حافظ احمد علی بھی نواب صاحب کی ملازمت تھے اور وہ سچے مسلمان تھے۔ وہ قادیانیوں کے خلاف دلائل دیتے۔ یوں دونوں بھائیوں میں خوب بحث ہوتی جس میں بعض اوقات نواب صاحب بھی دلچسپی لیتے۔ ایک دن نواب صاحب نے کہا کہ تم دونوں بھائی اپنے اپنے جید علماء کو یہاں بلاؤ اور ہمارے سامنے مناظرہ کروا کر فیصلہ کرلو۔ مناظرے کا سارا خرچہ ہم دیں گے۔ یوں اس مباحثے کی بنیاد پڑی جو مرزا غلام احمد کی وفات کے بعد جون ۱۹۰۹ء میں ریاست رام پور میں نواب محمد حامد علی خان نے مرزائیوں اور مسلمانوں کے درمیان حیات و وفاۃ مسیح پر کروایا تھا۔ اور اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مسلمانوں کے تمام مکاتیب فکر کے علماء اور مشائخ شریک ہوئے تھے۔ جیسا کہ لکھا ہے

مولانا اشرف علی تھانوی بھی ریاست رام پور تشریف لے گئے تھے جہاں .

قادیانیوں سے علماء حق کا مناظرہ تھا۔ وہ اپنے حضرات کے اصرار اور اپنے مجمع کی رعائت سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور دیگر اکابر علماء کی معیت میں تھے'

(اشرف السوانح مرتبہ عزیز الحسن۔ طبع ملتان۔ جلد ا ص ۹۱۔۹۴۔۹۵)۔

دوسری طرف قادیانیوں کے سربراہ حکیم نوردین صاحب نے مباحثے کے لئے مولوی محمد احسن (جو ان دنوں مرزائیوں میں حکیم نوردین صاحب کے بعد نمبر دو تھے) مولوی محمد علی ایم اے (جو بعد میں لاہوری گروپ کے امیر ہوئے) مولوی سرور شاہ۔ مولوی مبارک علی۔ حافظ روشن علی صاحب۔ خواجہ کمال الدین۔ میر قاسم علی اور شیخ یعقوب علی عرفانی و غیرہ کو بھیجا۔

مباحثہ ۱۵۔ ۱۶ اور ۱۹ جون کو ہوا۔ پہلے روز مولوی محمد احسن مرزائیوں کی طرف سے سٹیج پر آئے۔ دوسرے روز انہیں سامنے آنے کی ہمت نہیں ہوئی اور میر قاسم علی صاحب سامنے آئے۔ ۱۷ اور ۱۸ کو مناظرہ نہ ہوسکا کہ نواب صاحب کی طبیعت ناساز تھی ۔ اور چونکہ ۱۵ اور ۱۶ جون کو حیاۃ و وفاۃ مسیح پر کافی بحث ہو چکی تھی اس لئے ۱۹ جون کو نواب صاحب نے صدق و کذب مرزا پر مباحثہ کرانا چاہا لیکن قادیانی گروہ اس پر تیار نہ ہوا۔ ۲۰ جون کو قادیانی حضرات میدان مناظرہ میں تشریف ہی نہ لائے اور نواب صاحب کی اجازت کے بغیر رام پور سے چلے آئے۔

مولوی دوست محمد نے تاریخ احمدیت میں اس مباحثے کے متعلق لکھا ہے

. ذوالفقار علی خان صاحب نے جو ریاست رام پور میں ایک معزز عہدے پر فائز تھے حضرت خلیفۃ المسیح اول کی خدمت میں خط لکھا کہ نواب صاحب رام پور احمدی اور غیر احمدی علماء کا مباحثہ کرا کر حقانیت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ مباحثہ کی خواہش والی ریاست کی طرف سے تھی اور یہ خیال تھا کہ عوام الناس کا اس میں کچھ دخل نہ ہوگا اور گفتگو متانت اور شائستگی سے ہوگی لہذا حضرت خلیفۃ المسیح نے اس کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ مباحثہ ۱۵ جون سے ۱۹ جون تک جاری رہا۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب۔ حضرت مولوی سرور شاہ صاحب۔ مولوی مبارک علی صاحب۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ خوا جہ کمال الدین صاحب۔ حضرت میر قاسم علی صاحب۔ اور حضرت شیخ یعقوب علی

عرفانی صاحب شامل ہوئے۔اہم شرائط یہ قرار پائیں۔

مباحثہ نواب صاحب کی موجودگی میں ہوگا۔

مباحثہ تحریری ہوگا

پرچے فریقین کے میر مجلسوں کے دستخطوں سے مصدق ہوکر فریقین کو دیئے جائیں گے

استدلال صرف قرآن کریم اور سنت صحیحہ مثبتہ سے علی منہاج النبوۃ ہوگا۔

مولوی ثناء اللہ صاحب فریق مخالف کے نمائندہ تھے۔ اور احمدیوں کی طرف سے میر قاسم علی اور حضرت سید محمد احسن صاحب بطور مناظر پیش ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح کی وفات کے دلائل دیئے نیز ثابت کیا کہ خاتم النبیین کا لفظ محل مدح میں آیا ہے۔جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا جو کوئی ایسا حکم لائے جو کتاب اللہ اور سنت صحیحہ میں نہ ہو یا نعوذ باللہ کسی حکم منصوص کو منسوخ کر دے کیونکہ آنحضرت ﷺ کمالات نبوت کے انتہائی نقطہ پر ہیں جہاں تمام کمالات نبوت آپ ﷺ پر ختم ہیں۔اسی طرح انہوں نے اپنی بحث میں بتایا کہ حضرت مسیح موعود کا دعوی برحق ہے اور آپ کے الہامات من جانب اللہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر ملہم سے بعض اوقات اجتہادی غلطی واقع ہوسکتی ہے۔ اور آپ بھی اس سے مستثنی نہیں ہیں۔افسوس نواب صاحب رام پور جو اس مباحثہ کے داعی ومحرک تھے پہلے دن ہی غیر جانبدار نہ رہے۔اور دوسرے دن تو کھلم کھلا مولوی ثناء اللہ صاحب کی پشت پناہی کرنے لگے۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب نے ۲۰ جون ۱۹۰۹ء کو حضرت خلیفہ اول کی خدمت میں لکھا کہ ہماری بحث کی طرف قطعا توجہ نہیں کرتے اور نہ اسے سنتے ہیں۔ پہلے دن بھی اور کل بھی جب ہماری تحریر ہوتی ہے تو لوگوں سے باتوں میں مشغول رہتے ہیں اور جب ہمیں یا ہمارے امام کو برا کہا جاتا ہے تو اس سے نواب صاحب کو رنج نہیں پہنچتا۔ بلکہ جس طرح فریق مخالف استہزا کر کے خوش ہوتا ہے اسی طرح نواب صاحب بھی خوش ہوتے ہیں۔اور اپنی خوشی کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔پھر مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریر شروع ہوتی ہے تو بجلی کے پنکھے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے شور سے آواز اچھی طرح سنائی نہیں دیتی۔اب گویا یہ حالت ہے

کہ ہماری باتوں کو نواب صاحب سننے کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور نہ اس کی طرف کچھ توجہ فرماتے ہیں۔اور ان کی ساری ہمدردی فریق مخالف کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ فریق مخالف کے وکیل ہو گئے تو ہمیں یہ مصیبت پیش آئی ہے کہ ہم اپنی باتوں کو کس طرح پیش کر سکتے ہیں۔اور امن کی حالت گویا خطرہ کی حالت میں بدل گئی ہے اور تحریر مصدقہ نہیں ہوتی جس سے پبلک کو بھی کچھ فائدہ ہو سکے

(تاریخ احمدیت۔ج ۴۔ ص ۳۱۵۔۳۱۶)

مورخ احمدیت کی اس تحریر سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس مباحثہ میں مرزائیوں کو کس قدر شرمندگی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔مباحثہ کے اختتام پر نواب صاحب والی ریاست نے مولانا ثناءاللہ کو درج ذیل سرٹیفیکیٹ بھی عطا فرمایا

رام پور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفا ثناءاللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی ۔مولوی صاحب نہائت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید باندھی اسے بدلائل ثابت کیا۔ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوئے۔

محمد حامد علی خاں ۱۸ جولائی ۱۹۰۹ء

دوران مباحثہ ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا تھا جسے سمجھنے کے لئے پہلے مرزا صاحب کا یہ فرمان ملاحظہ کر لیجئے۔ فرماتے ہیں

. و آخرین منھم لما یلحقوا بھم یعنی آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے ایک اور فرقہ ہے جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔یہ تو ظاہر ہے کہ اصحاب وہی کہلاتے ہیں جو نبی کے وقت میں ہوں اور ایمان کی حالت میں اس کی صحبت سے مشرف ہوں اور اس سے تعلیم وتربیت پاویں۔پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنے والی قوم میں ایک نبی ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کا بروز ہوگا۔اس لئے اس کے اصحاب آنحضرت ﷺ کے اصحاب کہلائیں گے.

(حقیقۃ الوحی تتمہ طبع ۱۹۰۷ء ص ۶۷۔ خزائن ج ۲۲ص ۵۰۲)۔

اس کے علاوہ مرزا صاحب اپنے خطبہ الہامیہ میں فرماتے ہیں

فمن دخل فی جماعتی دخل فی صحابۃ سیدی خیر

المرسلین ۔ و ھذا ھو معنی و آ خرین منھم میری جماعت میں جو داخل ہوا وہ اصحاب رسول میں داخل ہو گیا۔

(خطبہ الہامیہ طبع قادیان ۱۳۱۹ھ ص ۱۷۱۔خزائن ج ۱۶ ص ۲۵۸ ۔۲۵۹)

مولانا ثناء اللہ نے مباحثے کے دوران نواب صاحب رام پور کے سامنے علماء فضلا اور مشائخ کرام کو مرزا صاحب کا یہ دعوی سنایا اور قادیانی جماعت کے علماء کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ یہ حضرات اصحاب محمد ﷺ بیٹھے ہیں۔ آپ میں سے جو تابعی بننا چاہے ان کو دیکھ لے۔

اس بات کا جو اثر ہوا وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۰ دسمبر ۱۹۴۶ء ص ۳ ۔ ۴)

اوپر بروز والی بات کا ذکر ہوا۔ اس موضوع مرزا صاحب کی یہ تحریر بھی ملاحظہ فرمائیے۔ لکھا ہے۔

. آئت ما کان محمد ابا احد من رجا لکم و لکن رسول اللہ و خا تم النبیین کے معنی یہ ہیں کہ لیس محمد ابا احد من رجال الدنیا و لکن ھو اب لرجال الآخرۃ لا نہ خا تم النبیین و لا سبیل الی فیو ض اللہ من غیر تو سطہ۔ غرض میری نبوت اور رسالت باعتبار محمد اور احمد ہونے کے ہے نہ میرے نفس کے رو سے اور یہ نام بحیثیت فنا فی الرسول مجھے ملا ہے لہذا خاتم النبیین کے مفہوم میں فرق نہ آیا ...ہمارے نبی ﷺ کے بعد قیامت تک ایسا نبی کوئی نہیں جس پر جدید شریعت نازل ہو یا جس کو بغیر توسط آنجناب ﷺ اور ایسی فنا فی الرسول کی حالت کے جو آسمان پر اس کا نام محمد اور احمد رکھا جائے، یونہی نبوت کا لقب عنائت کیا جائے۔ و من ادعی فقد کفر .....اگر کوئی شخص خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہائت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پا لیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا اس میں انعکاس ہو گیا ہو تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا کیونکہ وہ محمد ہے، گو ظلی طور پر۔ پس باوجود اس شخص کے دعوی نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمد اور احمد رکھا گیا۔ پھر بھی سیدنا محمد ﷺ خاتم النبیین ہی رہا کیونکہ یہ محمد ثانی اسی محمد ﷺ کی تصویر اور اسی کا نام ہے .... میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جو درحقیقت خاتم النبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے

پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر خاتمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آئت و آخرین منهم لما یلحقوا بهم بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں ۔ اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے ۔ پس اس طور سے آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں کیونکہ ظل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا ۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں ﷺ پس اس طور سے خاتم النبیین کی مہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمد تک ہی محدود رہی ۔ یعنی بہرحال محمد ﷺ ہی نبی ہیں نہ اور کوئی ۔ یعنی جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعوی کیا..... مطلب میرا یہ ہے کہ جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعوی کرتا ہے ۔ مجھے ایسا کوئی دعوی نہیں ۔ میں اس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں نہ نبی ہوں نہ رسول ۔ ہاں میں اس طور سے نبی اور رسول ہوں جس طور سے ابھی میں نے بیان کیا ہے ۔ پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعوی نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں وہ جھوٹا اور ناپاک ہے ۔ مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اسی بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا ۔ مگر بروزی صورت میں ۔ میرا نفس درمیان میں نہیں ہے ۔ بلکہ محمد ﷺ ہے ۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمد اور احمد ہوا ۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی ۔ محمد کی چیز محمد کے پاس ہی رہی ۔ علیہ الصلوۃ و السلام ۔ خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ۵ ۔ نومبر ۱۹۰۱ء

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم ۔ اشتہار نمبر ۲۴۰ ۔ عنوان ایک غلطی کا ازالہ ۔ ص ۴۳۱ سے ۴۴۲)

مباحثہ لدھیانہ

مرزا غلام احمد کے اشتہار دعائے آخری فیصلہ کے بعد اللہ نے ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو سچے کی زندگی میں جھوٹے کو موت عطا کر کے حق و باطل کے درمیان جو فیصلہ فرمایا، قادیانی حضرات اسے مکدر اور مشکوک کرنے کے لئے بہت کچھ کہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ نے ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے اخبار اہل حدیث میں مرزا صاحب کی دعائے آخری فیصلہ کو غیر معقول کہہ کر ٹھکرا دیا تھا۔ جس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ

☆ اشتہار مذکور مرزا صاحب نے خدا کے حضور فریاد اور دعا کے طور پر پیش کیا تھا۔ اور خود کو مظلوم اور مولوی صاحب کو ظالم کہتے ہوئے خدا تعالی سے صادق کی زندگی اور کاذب کی موت مانگی تھی۔ اس میں مولوی صاحب کی منظوری یا نامنظوری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا

☆ اگر بفرض محال منظوری ضروری تھی تو اللہ تعالی نے مولوی صاحب کی منظوری سے پہلے ہی قبولیت کا وعدہ کیوں کر لیا۔

☆ مرزا صاحب نے ۲۶ اپریل کے ۱۹۰۷ء کا اخبار اہل حدیث دیکھنے کے بعد بعد اپنی دعا کو منسوخ کیوں نہ کر دیا تا کہ جھگڑے کی صورت باقی نہ رہے۔ اور کسی کی اتفاقی موت سے دوسرا فریق ناجائز فائدہ نہ اٹھالے۔

☆ ۱۳ جون کو جب مولانا ثناء اللہ نے حقیقۃ الوحی طلب کی تا کہ وہ اسے پڑھ کر امتحان کی تیاری کر سکیں جو مرزا صاحب نے مباہلے کی پیشگی شرط کے طور پر ضروری قرار دے رکھا تھا مرزا صاحب نے اس دعا کو بحال رکھتے ہوئے مباہلہ کو غیر ضروری کیوں قرار دیا۔

☆ ۹ مئی کے پرچہ میں اس دعا کو بحال رکھتے ہوئے توبہ کی شرط کیوں لگائی۔

☆ نومبر ۱۹۰۷ء میں مبارک احمد کی وفات پر مولوی صاحب کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے یہ کیوں نہ کہا کہ تم نے یہ دعا منظور ہی نہیں کی۔ اب اعتراض کیوں کرتے ہو؟

ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا جی کی دعا فیصلہ کن تھی اور مولوی صاحب

کے انکار یا اقرار کو اس میں دخل نہ تھا. اور یہ کہ مرزا جی کی وفات تک اس کو مرزا صاحب اور مرزائی معتبر جانتے رہے ۔ اور جب مرزا صاحب چل بسے تو اس دعا میں تجویز کیئے گئے ان کے فیصلے (کہ پہلے مرنے والہ جھوٹا ہوگا) کو تسلیم کرنے کی بجائے معاملے کو الجھانے کی ناکام کوششیں کرتے رہے ہیں ۔

ایسی ہی ایک کوشش لدھیانہ میں ۱۹۱۲ء میں ہونے والہ وہ مباحثہ ہے جو قادیانیوں کے میر قاسم علی اور مسلمانوں کی طرف سے مولانا ثناء اللہ کے درمیان ہوا۔ ہوا یہ کہ میر قاسم علی قادیانی نے اپنے اخبار الحق میں ۱۶ فروری ۱۹۱۲ء کو مرزا صاحب کے آخری فیصلہ والے اشتہار اور اس معاملے پر مناظرہ کرنے کا چیلنج دیا جس کو مولانا ثناء اللہ مرحوم نے یکم مارچ ۱۹۱۲ ء کو قبول کرکے اہل حدیث امرتسر میں اس کا اعلان کردیا۔ مرزائیوں کو اس مناظرے میں اپنی فتح کا اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ اگر مولانا امرتسری فتح یاب ہوئے تو ہم انہیں تین صد روپے انعام دیں گے جبکہ ہم فتحیاب ہوئے تو ہم ان سے کچھ نہیں لیں گے ۔ پھر ۱۵ ۔اپریل ۱۹۱۲ء کو دونوں فریق لودھیانہ میں جمع ہوئے ۔ اور طے پایا کہ دونوں فریق مباحثہ کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنی طرف سے ایک ایک منصف نامزد کریں اور اتفاق رائے سے ایک سرپنچ منتخب کریں جو اختلاف رائے کی صورت میں اپنا فیصلہ دے سکے اور اس کا فیصلہ ناطق سمجھا جائے ۔ یہ شرط بھی طے ہوئی کہ مسلمان اور قادیانی منصف اپنا فیصلہ حلفیہ لکھیں گے ۔ غیر حلفی فیصلہ معتبر نہ ہوگا ۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کو اور قادیانیوں نے منشی فرزند علی فیروز پوری کو اپنا اپنا منصف مقرر کیا اور ایک سکھ سردار بچن سنگھ بی اے ایل ایل بی کو سرپنچ تسلیم کیا گیا اور مجوزہ انعامی رقم مولانا محمد حسن رئیس لدھیانہ کے پاس بطور امانت جمع کرادی گئی ۔ ان انتظامات کے بعد ۱۷ ۔اپریل ۱۹۱۲ء کو تین بجے سہ پہر مناظرے کا آغاز ہوا جس میں مولانا ثناء اللہ مدعی تھے اور ان کی طرف سے پہلا تحریری پرچہ یوں تھا

☆ صاحبان آج مباحثہ مندرجہ ذیل مضامین پر ہے

۱ ۔ ۱۵ ۔اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار بحکم خداوندی مرزا صاحب نے دیا تھا ۔

۲ ۔ خدا نے دعاء مندرجہ اشتہار مذکورہ کی قبولیت کا الہام کردیا تھا ۔

صاحبان مرزا صاحب نے ۱۵ ۔اپریل ۱۹۰۷ء کو اشتہار دیا جس کی پیشانی پر لکھا

مولوی ثناءاللہ کے ساتھ آخری فیصلہ۔اس کے اندر یہ دعا کی ' اے میرے مالک بصیر وقدیر جوعلیم وخبیر ہے جومیرے دل کے حالات سے واقف ہے اگر یہ دعوی مسیح موعود ہونے کا میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری نظر میں مفسداور کذاب ہوں اوردن رات افتراء کرنا میرا کام ہے تواے میرے پیارے مالک میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ مولوی ثناءاللہ صاحب کی زندگی میں مجھے ہلاک کر۔ میں تیرے تقدس اور رحمت کا دامن پکڑکر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں اور ثناءاللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسداورکذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے '

اس دعا کے بعد جناب ممدوح (مرزا) نے یہ لکھا کہ ' اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے ' اس اشتہار میں مرزا صاحب نے دو دفعہ فیصلہ کا لفظ لکھا ہے۔ فیصلہ بھی کسی ذاتی معاملہ کا نہیں بلکہ اس معاملہ کا جس کے لئے بقول ان کے خدا نے ان کو مامور کیا تھا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں ' چونکہ میں حق کے پھیلانے کے لئے مامور ہوں ' اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا سلسلہ رسالت ونبوت میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے؟ کہ کسی نبی یا مامور نے کسی معاملہ الہیہ میں ازخود ایسی تحدی اور فیصلہ کی صورت شائع کی ہو جس کی تحریک خدا کی جانب سے نہ ہو۔ ہرگز اس کی نظیر نہیں ملتی۔اس لئے کہ اس قسم کے فیصلہ کا اثر اس مشن پر ہونا ہوتا ہے جس کی تبلیغ کے لئے نبی کو خدا مامور کرکے بھیجتا ہے۔ چنانچہ جناب ممدوح اسی اشتہار میں لکھتے ہیں ' اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ آپ اکثر اوقات آپ اپنے ہرایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤنگا ' (مہربانی سے منصف صاحبان سارا اشتہار ایک دفعہ پڑھنے کی تکلیف فرمائیں) ۔کوئی ایسا معاہدہ یا اعلان کوئی نبی خدا کی تحریک کے بغیر نہیں کرسکتا جس کا اثر اس کے اس مشن پر پڑے جس کے لئے وہ مامور ہوکر آیا ہو۔ قرآن مجید میں اس دعوی کے ثبوت کے لئے بہت سی آیات ہیں۔ من جملہ ان کے یہ ہیں۔ ما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ (کسی رسول کی طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشان لاوے) لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذناہ منہ بالیمین (نبی اگر خدا کے ذمہ کوئی بات ازخود

کہہ دے تو خدا اسکو ہلاک کر دے)۔ لیس لک من الامر شیء (اے نبی تجھے اختیار نہیں) ان الحکم الا للہ (حکم اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے) ان اتبع الا ما یوحی الی (میں اسی کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف وحی ہوتی ہے) وما ینطق عن الھوی (نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ جو کچھ وحی ہوتی ہے وہی کہتا ہے)۔ ان آیات میں جو پچھلی آئت ہے صرف قرآن مجید ہی کی آئت نہیں بلکہ جناب مرزا صاحب کا الہام بھی ہے۔ ملاحظہ ہو اربعین نمبر۲ ص ۳۶ سطرا ۔ اربعین نمبر۳ ص ۶۳ سطر۳ میں اس آئت کا مطلب یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دینی معاملہ میں کوئی بات خدا کی وحی کے بغیر نہیں کہتے ۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ خدا کی وحی ہوتی ہے۔ یہی معنے اس فقرے کے بصورت الہام مرزا صاحب کے ہوں گے کہ مرزا صاحب کسی دینی معاملہ میں خدا کی تحریک کے بغیر نہیں بولتے ۔مختصر یہ ہے کہ مامور بحیثیت مامور مجبور ہے کہ کوئی بات دینی معاملہ میں ایسی نہ کہے۔خصوصاً کسی امر کو کفر اور اسلام میں فیصلہ کن قرار نہ دے جب تک خدا کی اجازت نہ ہو۔ (مولانا لکھتے ہیں) یہاں تک تو میں نے عمومات قرآنیہ اور الہامات مرزائیہ سے استدلال کیا ہے۔ اب میں خصوصاً اس امر کے متعلق عرض کرتا ہوں جس میں نزاع ہے ۔ جناب مرزا صاحب نے ۱۵۔ اپریل کو اشتہار مذکور شائع کیا ۔ ۲۵۔ اپریل کے مرزائی اخبار بدر میں ان کے یہ الفاظ شائع ہوئے ’ ثناء اللہ۔ (مرزا صاحب نے) فرمایا زمانہ کے عجائبات ہیں ۔ رات کو ہم سوتے ہیں تو کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اچانک الہام ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے کوئی ہفتہ عشرہ نشان سے خالی نہیں جاتا ۔ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دراصل ہماری طرف سے نہیں ۔ بلکہ خدا ہی کی طرف سے اسکی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ایک طرف ہماری توجہ اس طرف ہوئی اور رات کو ہماری توجہ اس کی طرف تھی اور رات کو الہام ہوا ۔ اجیب دعوۃ الداع ۔صوفیاء کے نزدیک بڑی کرامت استجابت دعا ہی ہے باقی اس کی شاخیں ‘ ان الفاظ سے میرے دونوں دعوے ثابت ہوتے ہیں کہ (ا) اس دعا کی بنیاد خدا کی طرف سے تھی جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہنا زیبا ہے کہ خدا کے مخفی حکم اور منشا سے تھی ۔اور (ب) اس دعا کی قبولیت کا وعدہ تھا اگرچہ اثبات مدعا کے لئے اتنا ہی کافی ہے مگر میں اس کو ذرا اور تفصیل سے

بتلانا چاہتا ہوں ۔ مرزا صاحب کا عام طور پر الہام ہے کہ مجھے خدا نے فرمایا ہے اجیب کل دعائک الا فی شرکائک ۔ میں تیری ہر دعا قبول کرونگا سوا تیرے شریکوں کے حق میں (تریاق القلوب ص ۳۸) ۔ یہ بھی دعوی ہے کہ میرا بڑا معجزہ قبولیت دعا ہی ہے چنانچہ ان کے آرگن رسالہ ریویو بابت مئی ۱۹۰۷ء سے نقل کرتا ہوں ' حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) دعا کی قبولیت کا ایک ایسا قطعی ثبوت پیش کرتے ہیں جو دنیا بھر میں کسی مذہب کا ماننے والہ پیش نہیں کرسکتا۔ اور وہ ثبوت یہ ہے کہ وہ خدا تعالی کے حضور دعا کرتے ہیں اور اس دعا کا جواب پاتے ہیں اور جو کچھ جواب میں ان کو بتایا جاتا ہے اس کو قبل از وقت شائع کردیتے ہیں پھر ان شائع شدہ امور کی بعد کے واقعات تائید کرتے ہیں اور یہ تائید ایسی ہوتی ہے کہ جس پر کوئی انسانی کوشش اور منصوبہ نہیں پہنچ سکتا اور ایسے ہی اعجازی اور فوق الطاقت طور پر وہ امر ظہور پذیر ہوتا ۔ وہ مدت سے اس بات کو شائع کررہے ہیں کہ ان کے من جانب اللہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان دعائیں قبول ہوتی ہیں ۔ (ص ۱۹۲)

ہاں اس میں شک نہیں کہ مرزا صاحب کے اشتہار ۱۵ اپریل میں یہ فقرہ بھی ہے کہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیش گوئی نہیں ۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت مرزا صاحب کو اس تحریک الہی کا علم نہ تھا جس نے مخفی طور پر ان کے قلب پر یہ اثر کیا تھا جس وقت انہوں نے یہ اشتہار دیا۔ لیکن بعد میں جب ان کو خدا کی طرف سے بتلایا گیا تو انہوں نے اعلان کیا تو اس کی بنیاد خدا کی طرف سے ہے ۔ میری اس تطبیق کی قطعی دلیل مرزا صاحب کی وہ تحریر ہے جو میرے خط کے جواب میں بذریعہ ڈاک میرے پاس پہنچنے کے علاوہ اخبار بدر ۱۳ جون ۱۹۰۷ء میں بھی چھپی تھی ۔ جس میں یہ الفاظ ہیں ۔ ' مشیت ایزدی نے حضرت حجۃ اللہ (مرزا) کے قلب میں ایک دعا کی تحریک کر کے فیصلہ کا اور طریق اختیار کیا ' (اخبار مذکور ص ۲ کالم اول) اس تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ اس دعا کی تحریک ان کے دل میں خدا نے کی تھی ۔ یہی معنے ہیں خدا کے حکم سے ہونے کے ۔ ممکن ہے اس وقت جناب ممدوح کو اس کا علم نہ ہوا ہو۔ عدم علم سے عدم شئے لازم نہیں آتا ۔ (براہین احمدیہ ملاحظہ ہو) ۔ اس لئے ممدوح نے تحریر اول میں نفی فرمائی لیکن بعد کے الہامات سے ان کو معلوم ہوا کہ اس کی تحریک خدا

کی طرف سے تھی۔ اور اس کی قبولیت کا الہام بھی شائع کیا۔ اجیب دعوة الداع اس کا مطلب یہ ہے قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں ۔ مرزا صاحب کی توجہ پر یہ الہام ہونا اس بات کی صاف دلیل ہے کہ جناب موصوف کو اس دعا کی قبولیت کا الہام قطعی ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے اعتقاد میں الہام بالفاظ قرآنی ہو تو بہت زیادہ قوت رکھتا ہے۔ بہ نسبت دیگر الفاظ کے۔ الہام مذکور چونکہ الفاظ قرآنی میں ہے اس لئے قطعی قبولیت کو ثابت کرتا ہے۔ فریق ثانی کو میری یہ تطبیق پسند نہ ہو تو اثبات ونفی میں تطبیق دینا اس کا فرض اول ہے کیونکہ وہ مرزا صاحب کے مصدق ہیں ۔ اور قرآن مجید میں غلط الہامات کی علامت یہی مذکور ہے کہ ان میں نفی اثبات کا اختلاف ہوتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قائل ایک کلام میں کاذب ثابت ہوتا ہے۔ پس فریق ثانی کا بحیثیت مصدق فرض ہے کہ اس اختلاف میں بپابندی قواعد علمیہ واصول مسلمہ محدثین ومبصرین تطبیق دے ۔'

(ابوالوفا ثناء اللہ بقلم خود)

☆ میر قاسم علی قادیانی کا جوابی پرچہ یوں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ رب یسر و تمم بالخیر جناب مولوی فاضل (ثناء اللہ) صاحب نے اپنے مضمون کو جس تمہید سے شروع کیا ہے اس سے نفس دعوی مولوی صاحب کو کوئی تعلق نہیں ۔ یہ تمام وعظ ولیکچر اس دعوی کو کہ ۱۵ اپریل والہ اشتہار مرزا صاحب نے بحکم خداوندی دیا تھا اور دعا مندرجہ اشتہار مذکور کی قبولیت کا خدا نے وعدہ فرما لیا تھا۔ کسی طرح بھی ثابت نہیں کرتے ۔ مولوی (ثناء اللہ) صاحب یعنی مدعی کا فرض تھا کہ وہ اپنا دعوی دو طرح سے ثابت فرماتے ۔ اول ایسا حکم منجانب اللہ وہ اشتہار کے متعلق پیش فرماتے جس میں مرزا صاحب کو خدا نے یہ حکم دیا ہوتا کہ تم ایسی درخواست ہمارے حضور پیش کرو۔ یا مرزا صاحب نے کہیں فرمایا ہوتا کہ اشتہار مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں نے حسب الحکم خداوند کریم شائع کیا ہے۔ جبکہ یہ دونوں صورتیں مولوی صاحب نے پیش نہیں فرمائیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ دعوی کس طرح ثابت ہو گیا کہ ۱۵ اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی تھا۔ نہ کوئی حکم خداوندی اس کے متعلق موجود ہے نہ مولوی صاحب نے ایسا حکم پیش فرمایا ہے۔ ہاں مولوی صاحب

نے خصوصیت کے ساتھ اس امر کے متعلق دو دلیلیں پیش کی ہیں جو ایک تو بدر مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء کی ہے دوسری بدر ۱۳ جون ۱۹۰۷ء کی جس سے آپ نے بخیال خود یہ ثابت فرما دیا کہ ۱۵ اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی تھا اور وہ دلیلیں یہ ہیں

۱۔ ۲۵ اپریل کے بدر میں مرزا صاحب کی کلام شائع ہوئی ہے جس میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

۲۔ ۱۳ جون کے بدر میں جو خط ایڈیٹر صاحب نے بجواب مولوی صاحب شائع کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ مشیت ایزدی نے حضرت مرزا صاحب کے قلب میں ایک دعا کی تحریک کر کے فیصلہ کا ایک اور طریق اختیار کیا۔

ان دونوں دلیلوں سے اپنا دعوی (مولوی صاحب) اس طرح ثابت فرماتے ہیں کہ چونکہ اشتہار ۱۵ اپریل والے کے بعد ۲۵ اپریل کے بدر میں مرزا صاحب نے ایسا فرمایا ہے کہ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے ہے۔ پس بعد شائع کر دینے اشتہار کے مرزا صاحب کو خدا نے بتا دیا کہ یہ اشتہار میرے حکم سے ہے۔ سو اس کا جواب تو یہ ہے کہ دعوی مولوی صاحب نے فرمایا کہ ۱۵ اپریل والہ اشتہار بحکم خداوندی دیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشتہار دینے سے پہلے وہ حکم ملا ہوگا جس کی بنا پر اشتہار دیا گیا اور عقل بھی اسی کی متقاضی ہے کہ حکم پہلے ہو تعمیل اس کی بعد میں ہونی چاہیے۔ مگر مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں تعمیل تو پہلے ہی مرزا صاحب نے کر دی تھی گو حکم بخیال مولوی صاحب ۱۵۔ اپریل والی تعمیل کا ۲۵ کو بعد میں صادر ہوا تھا۔ حیرت ہے کہ ایسی نظیر غالباً کسی جگہ نہ ملے گی کہ حکمسے پہلے ہی تعمیل ہو جائے اور حکم تعمیل کو دیکھنے کے بعد حاکم کی طرف سے صادر ہو۔

بہرحال مولوی صاحب یہ خود فرماتے ہیں کہ اشتہار ۱۵ اپریل والے میں تو بے شک یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ اشتہار کسی حکم کی بنا پر نہیں بلکہ میری طرف سے بصورت در خواست یا عرضی کے ہے اور یہ بھی مولوی صاحب تسلیم فرماتے ہیں کہ جس وقت اشتہار دیا گیا اس وقت ان کو یہ علم نہیں تھا کہ میں خدا کے کسی حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ بعد تعمیل حکم حاکم نے ان کو بتایا کہ یہ ہمارے حکم سے تم نے اعلان کیا ہے۔ پھر مرزا صاحب

نے بھی فوراً شائع فرما دیا کہ یہ درخواست میری خدا کے حکم کے مطابق ہے جس کا پتہ آج لگا ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب استدلال ہے کہ حکم دس روز بعد دیا جاوے یا دس روز بعد اس کا پتہ لگے مگر ملازم یا خادم قبل صدور حکم ہی تعمیل کر کے رکھدے۔ لہذا یہ استدلال دعوی مولوی صاحب کو کسی طرح بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ اس میں کہیں یہ بھی تو نہیں لکھا کہ ۱۵ اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی دیا گیا ہے۔ ۲۵ اپریل کے بدر میں تو صرف اتنا لکھا ہے کہ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے۔ ۱۵ اپریل والے اشتہار کا لکھا جانا اس میں کہاں درج ہے۔ دعوی تو ۱۵ اپریل والے اشتہار کے متعلق ہے جو خاص ہے اور دلیل ایک عام پیش کرتے ہیں جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق یوم تقریر سے پہلے جو لکھا گیا ہے اس کا منجانب اللہ بنیاد رکھا جانا بتایا ہے۔

دوئم۔ ۱۳ جون والے بدر میں جو لفظ مشیت ایزدی ہے اس سے مولوی صاحب اس اشتہار کا بحکم خداوندی دیا جانا ثابت کرتے ہیں۔ یہ بھی درست نہیں۔ مشیت ایزدی کو تو رضائے الٰہی بھی مستلزم نہیں چہ جائیکہ وہ بحکم خداوندی ہو۔ مولوی صاحب نے (اپنی کتاب) ترک اسلام کے ص ۳۵ پر مشیت اللہ کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ مشیت اللہ خدا کے قانون مجریہ کا نام ہے جو خدا کی رضا کو مستلزم نہیں (ص ۳۴) اور ہم بلند آواز سے کہتے ہیں کہ زانی زنا کرتا ہے تو اس کی مشیت سے کرتا ہے۔ چور چوری کرتا ہے تو اس کے قانون سے کرتا ہے ' پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ مشیت ایزدی کو رضائے الٰہی کا لازم نہ ہونا مان کر بھی صرف مشیت ایزدی سے اپنا دعوی ثابت کر دیا جائے کہ یہ اشتہار بحکم خداوندی تھا۔ مشیت ایزدی سے تو زنا اور چوری بھی منسوب ہو سکتی ہے۔ اگر مرزا صاحب کے اشتہار کا مشیت ایزدی سے دیا جانا لکھا ہو تو اس کو رضائے الٰہی کیوں سمجھ لیا گیا۔ والسلام

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ڈائری مورخہ ۲۵ اپریل مرزا صاحب کے اشتہار ۱۵ اپریل والے سے متعلق ہے تو بے شک مولوی صاحب سچے ہونگے اور میں جھوٹا ہونگا۔ کیونکہ جب خدا نے ہی اشتہار اپنے حکم سے دلوایا اور پھر اس کے متعلق منظوری کا الہام بھی کر دیا تو ایسی صورت میں مرزا صاحب کا ہی معاذ اللہ جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔ فقط

(عاجز قاسم علی بقلم خود ۔ ۱۷ اپریل ۱۹۱۲ء)

پس نہ تو (اخبار) بدر مورخہ ۲۵ اپریل سے یہ ثابت ہوا کہ ۱۵ اپریل والہ اشتہار بحکم خداوندی تھا ۔ نہ ۱۳ جون کے لفظ مشیت سے ہی یہ مدعا نکلا کیونکہ مشیت میں رضائے الہی تک کی ضرورت نہیں تو حکم کیسا ۔ دوسرا دعوی کہ اس کی قبولیت کا الہام ہو چکا تھا ۔ نہ ہی مرزا صاحب کی اسی ڈائری مورخہ ۲۵ اپریل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اس میں لکھا ہے کہ اجیب دعوۃ الداع ۔ پس خدا نے دعا قبول فرمالی ۔ گویا اب مکمل تعمیل ہوگئی ۔ پہلے تو خدا کے حکم سے اشتہار دیا پھر خدا نے دعا مندرجہ اشتہار کی قبولیت کا الہام بھی کر دیا ۔ فیصلہ شد ۔ مگر میں اس کو سراسر واقعات کے خلاف ثابت کرتا ہوں

ا) یہ تمام مغالطہ مولوی صاحب کو اس ڈائری کے ۲۵ اپریل والے بدر میں شائع ہونے سے پیدا ہوا ہے ۔ جو کہ دراصل ۲۵ اپریل کی نہیں ۔ اس لئے ۲۵ اپریل کے بدر میں جو تقریر مرزا صاحب کی ڈائری سے مولوی صاحب نے اپنے استدلال میں پیش کی ہے وہ دراصل ۲۵ اپریل نہیں بلکہ ۱۴ اپریل کی ہے جو اشتہار سے ایک روز پیشتر کی ہے ۔ جس حالت میں اشتہار اس تقریر سے پہلے لکھا ہی نہیں گیا تھا تو اس کی نسبت جو ایک روز پہلے کی ہے کیونکر ہوسکتی ہے ۔ اشتہار ۱۵ اپریل کو لکھا اور ۱۸ اپریل کو شائع کیا ۔ ڈائری مذکور ۱۴ اپریل کی اور الہام مذکور ۱۳ اور ۱۴ کی درمیانی شب کا ہے ۔ گویا نہ الہام کے وقت نہ اس تقریر کے وقت جو ۱۴ اپریل بعد عصر کے ہے یہ اشتہار لکھا گیا تو پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس تقریر کا تعلق اس تحریر سے ہے جو تقریر سے ایک روز اور الہام سے سے قریباً دو روز بعد لکھی گئی ۔ باقی میں دوسرے پرچے میں لکھونگا ۔ مولوی صاحب نے جو دلائل علاوہ ازیں لکھنے ہوں وہ بھی لکھ دیں کیونکہ مجھے پھر بجز دوسرے پرچہ کے جواب کا موقع ان کے متعلق نہیں ہوسکتا ۔

(قاسم علی ۱۷ اپریل ۱۹۱۲ء)

☆ مولانا ثناءاللہ کا جواب یوں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی ۔ جناب منصف صاحبان و منشی قاسم علی صاحب ۔ میری تمہید کو آپ نے بے تعلق بتلایا ۔ حالانکہ وہ ایک عام قانون کی صورت میں تھی ۔ جس کے نیچے تمام جزئیات شامل ہوا کرتی ہیں ۔ یہ

طریقہ قانون اور شریعت دونوں میں مروج ہے۔ بہر حال جو کچھ آپ سے بن پڑا۔ کہا ۔آپ نے زور دیا کہ ۲۵ اپریل کے بدر میں ۱۴ تاریخ کی ڈائری ہے مگر میرے مخاطب نے یہ نہیں بتایا کہ اس کا کیا مطلب ہے کہ ثناء اللہ کی بابت جو لکھا گیا ہے جس کی قبولیت کا جناب باری نے مرزا صاحب سے وعدہ فرمایا تھا اس کا نشان نہیں دیا۔ میرے مخاطب کا فرض تھا کہ ۱۴ تاریخ کی ڈائری والہ مضمون بتلاتے۔ ان ڈائری نویسوں کا تو یہ حال ہے کہ ۱۴ تاریخ کی ڈائری لکھ کر ص ۸ پر ۱۱ تاریخ لکھ دی۔ اگر دنیا میں کوئی ایسا مقام ہے کہ ۱۵ اور ۱۴ کے بعد ۱۱ آتی ہو تو یہ بھی علی الترتیب ہو سکتی ہے۔ میں بتا تا ہوں کہ اشتہاروں کے لکھنے کا اور اشاعت کا طریق کار کیا ہوتا ہے۔ ۱۵ تاریخ کا اشتہار ہے اور ۱۷ تاریخ کے (اخبار) الحکم میں شائع ہوتا ہے۔ اخباروں کے مطالعہ کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ ہندوستان و وطن کی تاریخ اشاعت جمعہ ہے مگر عموماً جمعرات کو پہنچ جاتے ہیں۔ لہذا ۱۷ تاریخ کے الحکم کو ایک روز آنے میں دیر ہوئی ہوگی۔ یہ سب دیری ملا کر ۱۴ کی ڈائری اسی اخبار الحکم میں لکھی گئی ہوگی اور وہ مرزا صاحب کی لکھی ہوئی ہے۔ بھلا غور فرمایئے کہ پندرہ کا اشتہار کتابت کب ہوا۔ پریس میں کب گیا اور پھر کب چھپ کر تقسیم ہوا۔ ۱۸ تاریخ والہ اخبار کم سے کم ۱۲ کو لکھا جاتا ہے۔ خصوصاً جناب مرزا صاحب کی طرز تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ جناب ممدوح اپنے مسودوں کو دو دو چار چار مہینے پہلے لکھا کرتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ پیغام صلح جو لاہور میں ان کے انتقال کے بعد پڑھا گیا تھا خواجہ کمال الدین کو چند متفرق یادداشتوں کی صورت میں نوٹ ملے تھے۔ علاوہ اس کے جناب موصوف کی یہ بھی عادت تھی کہ مضمون میں بہت کچھ رد و بدل کیا کرتے تھے حتی کہ پتھر پر بھی کانٹ چھانٹ کرتے تھے۔ پریس کا تجربہ رکھنے والے اس کی شہادت دے سکتے ہیں کہ مصنف کی عبارت کی نوعیت اس وقت تک نہیں بدلتی جب تک کہ کانٹا چھانٹا نہ جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مشیت اللہ سے تمام کاروبار ہوتے ہیں۔ چوری زنا وغیرہ سب ہوتا ہے۔ تم کس طرح استدلال کر سکتے ہو۔ میرے دوست۔ خط کے الفاظ سامنے ہیں۔ میں اپنے خط کا مختصر مضمون پہلے سناتا ہوں۔ مرزا صاحب نے اشتہار دیا تھا کہ میں نے کتاب حقیقت الوحی لکھی ہے۔ اس میں مباہلہ کے لئے

تمام عالموں کو دعوت دی ہے۔شرائط مفصل لکھی ہیں۔جس کو وہ کتاب نہ ملی ہو وہ منگا لے۔چونکہ اس میں میرا ذکر تھا اس لئے میں نے عریضہ لکھا کہ کتاب مذکور بھیجئے تا کہ حسب منشا آپ کے مباہلہ کی تیاری کروں۔اس خط کا جواب یہ آیا کہ آپ کا رجسٹری شدہ کارڈ ۳ جون ۱۹۰۷ء کو حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پہنچا۔ یہ لفظ مفتی محمد صادق صاحب کے بحیثیت سررشتہ دار مرزا صاحب ہیں۔گو میرے دوست نے یہ کھلے لفظوں میں نہیں کہا کہ یہ خط مفتی صاحب کا ہے مرزا صاحب کا نہیں لیکن میں بطور پیش بندی کہتا ہوں کہ خط مذکور بطور سررشتہ داری ہے۔ ورنہ میرے مخاطب تو مرزا صاحب تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ' آپ کا خط حضرت مسیح موعود کی خدمت میں پہنچا جس کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ آپ کی طرف حقیقت الوحی بھیجنے کا ارادہ اس وقت ظاہر کیا گیا تھا کہ جس وقت مباہلہ کے واسطے لکھا گیا تھا تا کہ مباہلہ سے پہلے پڑھ لیتے ۔مگر چونکہ آپ نے اپنے لئے فرار کی راہ نکالی ہے اس واسطے مشیت ایزدی نے آپ کو اور راہ سے پکڑا۔ اور حضرت حجۃ اللہ مرزا صاحب کے قلب میں آپ کے واسطے ایک دعا کی تحریک کی اور دوسرا طریق اختیار کیا گیا'۔ میرے دوست (میر قاسم) اس تحریک کو جو مشیت خداوندی سے مرزا صاحب کے دل میں ہوئی دنیا کی دوسری باتوں سے مشابہت دیتے ہیں۔ میں ایسا کرتا تو مجھ سے بد تہذیبی کی وجہ سے معافی منگائی جاتی۔ میرے دوست۔ ایک ایسا بزرگ اور مدعی جس کا یہ دعوی ہے انا خاتم الاولیا لا ولی بعدی (میں ولیوں کا خاتم (ختم کرنے والہ) ہوں میرے بعد کوئی ولی نہ ہوگا) جس کا یہ دعوی ہے کہ میرا قدم ایسے ستارے پر ہے جس پر سب بلندیاں ختم ہو چکیں۔(خطبہ الہامیہ ص ۳۵) جس کا یہ دعوی ہو کہ میرے مقابل پر کسی قدم کو قرار نہیں۔جس کا دعوی ہو کہ دعا کا قبول ہونا اول علامت اولیاء اللہ میں سے ہیں (تریاق القلوب ص ۲۳) اس کی دعا کو جو خدا کی تحریک سے اس کے دل میں پیدا ہوئی آپ دنیا کی دیگر بدکاریوں سے مشابہت دیتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کیا جواب ہو سکتا ہے۔خیر میں اس کا جواب اسلامی لٹریچر سے دیتا ہوں۔انبیا علیھم السلام کے دلوں میں جو خدا کی طرف سے کسی مذہبی فیصلہ کے لئے تحریک ہوتی ہے تو وہ وحی الہی سے ہوتی ہے۔یہی معنی ان کے معصوم اور بے گناہ

ہونے کے ہیں ۔اس مضمون کے ثابت کرنے کے لئے میں نے تمہید بیان کی تھی جس کو آپ نے بے تعلق کہہ کر چھوڑ دیا۔ اگر آپ نے کتاب صحیح بخاری پڑھی ہوتی تو آپ تصدیق کرتے کہ عمومات قرآنیہ اور حدیثیہ سے مسائل کا ثبوت کیسے دیا جاتا ہے۔ جناب مرزا صاحب بھی اس طریق استدلال کو اپنی تصانیف میں عموماً استعمال کرتے ہیں ۔ جہاں کہیں قرآن شریف میں ذکر آتا ہے کہ ہم نے پہلے کسی آدمی کے لئے ہمیشگی نہیں کی ۔کسی آدمی کو بغیر کھانے پینے کے لئے پیدا نہیں کیا۔ تو مرزا صاحب فوراً حضرت مسیح کی موت کا ثبوت دینا شروع کر دیتے ہیں ۔ اس طریق کا استدلال کرنا پرانا معقولی اور اصولی طریقہ ہے ۔ کیا آپ کو یاد نہیں ۔ امرتسر کے مباحثہ عیسائیاں میں مرزا صاحب کے دلائل کی نوعیت کیا تھی ۔ یہی نہ کہ عام حالت حضرات انبیا علیھم السلام کی جو قرآن شریف میں بیان کی گئی ہے۔ جس میں حضرت مسیح کا کوئی خاص ذکر نہیں بطور اصول موضوعہ لے کر جناب مسیح علیہ السلام کی الوہیت کو باطل کیا۔ بہر حال اسلامی لٹریچر سے واقف اور سننے والے ان الفاظ کے سنتے ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ایک مامور کے دل میں منجانب اللہ تحریک ہونا یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ کفر اور اسلام کے متعلق فیصلہ متحدیانہ کا چیلنج دینا بغیر وحی خدا اور الہام کے نہیں ہوتا۔ یہی مضمون آئت کریمہ لو تقول علینا بعض الا قاویل کا ہے ۔یعنی آیات قرآنیہ کے علاوہ مرزا صاحب کا الہام بالفاظ قرآن بھی لکھوایا تھا کہ جناب موصوف کو کئی ایک مقامات پر الہام ہوا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی جس کا مطلب میں نے صاف لفظوں میں بتلایا تھا کہ جناب مرزا صاحب کی نسبت بقول ان کے خدا فرماتا ہے کہ مرزا صاحب بغیر وحی نہیں بولتے ۔ اس آئت اور الہام کی تفسیر بتلانے میں میں نے دینی معاملہ کا لفظ بڑھایا تھا کیونکہ انبیاء علھم السلام اور ماموران باری تعالیٰ کو اپنی ضروریات طبعیہ کے بولنے کے لئے وحی یا الہام کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ دینی معاملے میں بغیر وحی کے نہیں بولتے ۔خصوصاً کسی ایسے معاملے کی نسبت جو اشد مخالف کے سامنے بطور فیصلہ ظاہر کیا جائے ۔ مرزا صاحب مجھ کو اپنے مخالفوں میں سے بڑھا ہوا مخالف خیال کرتے تھے (تتمہ حقیقت الوحی ص ۳۰) ۔ دوستو ۔خود ہی غور کرو ۔ مثنی و فرادی غور کرو ۔خلوت اور جلوت میں غور کرو ایک ایسے

اشد مخالف کے مقابلہ میں ایک ماموِر خدا فیصلہ کی صورت شائع کرتا ہے اوراس کی بابت اقرار کرتا ہے کہ مشیت ایزدی سے یہ تحریک میرے دل میں پیدا ہوئی۔ اس کو آج منشی قاسم علی صاحب دنیا کے دیگر واقعات مثلاً زنا و چوری وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ہمارے ثانی پریسیڈنٹ خصوصاً اس خیال کو ملحوظ رکھیں۔ شروع میں آپ نے عجیب منطق سے کام لیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں ایسا ہونا چاہیے تھا کہ مرزا صاحب کو پروردگار حکم دیتا کہ ہمارے حضور درخواست پیش کرو۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی جتنی پیش گوئیاں موجود ہیں جن کو آپ بھی کفر و اسلام کے مباحثہ میں پیش کیا کرتے ہیں۔ کیا کوئی حدیث ایسی دکھا سکتے ہیں کہ نبی ﷺ کو حکم ہوا ہو کہ تم میرے سامنے درخواست پیش کرو۔ درخواست کی ضرورت ہے تو آپ اٹھتے ہی اس آئت کی تفسیر کر دیجئے جس میں روم کے مغلوب ہونے اور مغلوب ہونے کے بعد غالب ہونے کی پیش گوئی مذکور ہے۔ کیا یہ پیش گوئی قرآنی فیصلہ نہ تھا۔ جناب پیغمبر علیہ السلام نے بدر کی لڑائی میں فرمایا تھا کہ ابوجہل یہاں گرے گا۔ فلاں وہاں گرے گا۔ کیا اس کے لئے کوئی درخواست تھی؟ دوسرا یہ کہ بقول آپ کے ایسا ہوتا کہ اشتہار مورخہ ۱۵ اپریل میں (مرزا) نے خدا کے حکم سے شائع کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ صدارت کی کرسی پر تینوں صاحب ذی علم و صاحب فضل ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ علم بیان میں ایک مضمون مختلف عبارات اور مختلف اشاروں سے ادا کیا جاتا ہے۔ مضمون ادا کرنے والے کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم نے اس طریق سے کیوں ادا نہیں کیا۔ ایک مضمون مختلف الفاظ میں ادا ہوسکتا ہے۔ میرے پیش کردہ حوالوں کو غور سے ملاحظہ کر کے انصاف کریں کہ ان الفاظ سے منجانب اللہ ہونا پایا جاتا ہے یا نہیں

درخانہ اگر کس است ایک حرف بس است۔

فقط (ثناء اللہ بقلم خود)

☆ میر قاسم علی کا جواب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ عالی جناب پریذیڈنٹ صاحب و میر مجلسان و مولوی صاحب۔ آپ کا دعوی جو بحروف جلی ایک بورڈ کے اوپر لکھ کر سامنے لگا دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء والا اشتہار بحکم خداوندی مرزا صاحب نے دیا تھا۔ دوسرا دعوی خدا نے الہامی طور پر جواب دیا تھا

کہ میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمالی۔ یہی دعوی آپ نے اپنے پرچہ میں پہلے ہی صفحہ پر تحریر فرمایا ہے۔ اس کے ثبوت میں آپ کی طرف سے جو علم بیان کے قاعدہ سے یا آپ کے کسی خاص قانون سے اس طریق سے ایسے خاص دعوی کا استدلال بھی ہو کر ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اور عدالت اس قسم کے دلائل پر ہی غور کر کے آپ کے دعوی کو ثابت شدہ تسلیم کرنے کے بعد ۲۰ پونڈ یا ۳۰۰ روپیہ آپ کو دے سکتی ہے تو میرے خیال میں کسی قانون شہادت وغیرہ کی بھی گورنمنٹ کو ضرورت نہیں رہنی چاہیے۔ یہ ایک بدیہی بات آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے کہ اشتہار ۱۵ اپریل والہ ۱۷ اپریل کے الحکم اور ۱۸ اپریل کے بدر میں شائع ہوا اور اس اشتہار کے نیچے دونوں اخباروں میں یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ مرقومہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء۔ اگر اس اشتہار کو ۱۵ اپریل سے اول کا سمجھا جاتا تو ایک امر واقعہ کے مقابلہ میں اس کے سامنے کوئی قیاسی والہ دلائل نہیں پیش ہونے چاہییں۔ اس اشتہار کی بحکم خداوندی دینے پر آپ نے ۲۵ اپریل کے بدر کی ڈائری پیش فرما کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ تحریر اشتہار سے تقریر ۲۵ اپریل چونکہ بعد کی ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اس تقریر کا تعلق اسی ۱۵ اپریل والے اشتہار سے ہے۔ دوسری دلیل اس کے بحکم خداوندی ہونے کی آپ نے ۱۳ جون کے اخبار بدر کے ایک فقرہ سے جس میں مشیت ایزدی سے اس دعا کا حضرت مرزا صاحب کے قلب میں آنا لکھا ہے۔ محض ایک لفظ مشیت پر آپ اس کو بحکم خداوندی فرماتے ہیں۔ حالانکہ لفظ مشیت آپ کے مسلمہ معنوں کے لحاظ سے جن کی تشریح آپ نے اپنی کتاب ترک اسلام میں بجواب دھرمپال یہ کی تھی کہ مشیت ایزدی کے لئے خدا کی رضامندی کا ہونا ضروری نہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ خدا کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے۔ زانی زنا کرتا ہے۔ چور چوری کرتا ہے تو وہ بھی خدا کی مشیت سے کرتا ہے۔ یہ آپ کی تشریح مشیت کے متعلق.. آپ کے مسلمات سے کی گئی ہے۔ جن کو آپ نے ہماری مسلمہ کہہ کر فرمایا کہ مرزا صاحب کے اشتہار اور الہام کو میں زنا اور چوری کے ساتھ مشابہت دیتا ہوں۔ حالانکہ یہ مرزا صاحب کے الہام وغیرہ کے متعلق نہیں بلکہ آپ نے جو مشیت کے لفظ سے اپنا یہ دعوی کہ اشتہار بحکم خداوندی تھا ثابت کرنا چاہا اس کے باطل کرنے کے لئے میں نے آپ کو توجہ

دلائی کہ مشیت کے واسطے تو رضامندی الٰہی بھی ضروری نہیں چہ جائیکہ اسے حکم خداوندی کہا جائے۔ ڈائری کے متعلق آپ نے جو یہ اعتراض فرمایا ہے کہ وہ غیر مسلسل ہے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ڈائری کسی پٹواری یا گرداور قانون گو یا نائب تحصیلدار بندوبست کی نہیں ہے کہ جس نے ٹریول (سفر) کر کے ٹریولنگ الاؤنس حاصل کرنا ہو۔ یہ ڈائری ایک ریفارمر کی ہے۔ یہ ڈائری ایک قوم کے پیشوا کی ہے جس کی قوم کو اس کی تقریروں اور تحریروں کا پہنچانا سب سے بڑا ضروری فرض ان آرگنوں کا ہے جو اس کے مشن والوں کی طرف سے شائع ہوئے ہیں۔ وہ لوگ مختلف ڈائریوں کو جس کو اس کے مختلف مرید مختلف تاریخوں میں لکھتے تھے اور وہ جب کبھی اخبار والوں کو دیتے تھے تب ہی وہ اس کو شائع کر دیتے تھے۔ بس ان کا صرف یہ کام تھا کہ جس تاریخ کی کوئی ڈائری ہو کوئی تقریر ہو اس تاریخ کو اول میں لکھ دیں۔ یہ خاص اسی اخبار میں نہیں ہے بلکہ اگلے اور پچھلے پرچوں میں بھی اندراج ڈائری کا ایسا ہی سلسلہ رہا ہے۔ خود ۲۵ اپریل کے بدر میں ص ۴ کے اوپر ایک ڈائری شروع ہوئی ہے جو ۲۱ اپریل کی ہے۔ اور پھر ص ۷ پر ۱۵ اپریل کی ڈائری شروع ہوئی ہے تو آپ کے اس اعتراض کا کہ ۲۱ کے بعد ۱۵ آ سکتی ہے جواب دنیا ایک ایسے شخص کے لئے کہ جو اپنا دستور نہ صرف آپ کی وجہ سے بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہی جانتا ہے ضروری نہیں۔ ۹ مئی کے بدر میں ص ۴ پر بقیہ ڈائری ۲۵ اپریل کی شروع ہوئی ہے اور وہ ۱۱ اپریل کی ہے۔ مگر اسی کے صفحہ ۵ پر اپریل کے بعد ۲۰ مارچ کی ڈائری شروع ہوئی ہے تو کیا اپریل کے بعد مارچ آیا کرتا ہے۔ پس ڈائری کا غیر مسلسل ہونا آپ کے اثبات دعوی کے واسطے موجودہ دستور کے مطابق کوئی مفید نہیں ہو سکتا۔ پس اشتہار ۱۵ اپریل کو لکھا گیا۔ ۱۷، ۱۸ اپریل کو شائع ہوا اور ڈائری ۱۴ اپریل کی ہے جس کو اشتہار مذکور سے عقلاً قانوناً شرعاً کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک فیکٹ ہے۔...(آپ کا یہ کہنا کہ) مرزا صاحب کا دستور تھا کہ پہلے ہی لکھ لیتے تھے یا پتھروں پر کاٹ دیتے تھے وہ کچھ کرتے تھے موجودہ دعوی جس دستاویز کی بنا پر آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ مشکوک یا جعلی نہیں ہے۔ الہام جو اس ڈائری میں درج ہے اجیب دعوۃ الداع جس کی بنا پر آپ اس دعا اشتہار والی کو قبول شدہ یا وعدہ قبولیت قرار دیتے ہیں یہ الہام ۱۷ اپریل کے الحکم اور

۱۸ اپریل کے بدر کے صفحہ ۲ پر ۱۴ تاریخ کو ہو چکا ہوا لکھا گیا ہے پس ۱۴ تاریخ کو جب الہام کا ہونا بدر و الحکم میں شائع ہو چکا ہے اس کو ۱۵ تاریخ کے کاغذ کے متعلق قرار دینا کسی بھی جائز نہیں۔ جناب پریسیڈنٹ ومولوی صاحب۔ یہ اشتہار جو اس وقت متنازعہ ہے اس کی اصلیت کیا ہے۔ اس کی اصلیت خود اشتہار کے اندر لکھی ہوئی ہے اور وہ ان الفاظ میں ہے کہ یہ کسی وحی یا الہام کی بنا پر پیش گوئی نہیں بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے خدا سے فیصلہ چاہا ہے یہ ایک درخواست ہے۔ یہ ایک استغاثہ ہے ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کے خلاف تمام حاکموں کے حاکم کے حضور اور اس سے استدعا کی گئی ہے کہ مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ یہ کوئی فیصلہ قطعی نہیں ہے یہ کسی حکم الہی کے ماتحت نہیں یہ کسی الہام کی بنا پر نہیں بلکہ ایک شخص جو خود کو مظلوم سمجھتا ہے وہ عدالت میں داد خواہ ہوتا ہے۔ یہ امر کہ اشتہار مذکور الہامی نہیں آپ نے ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث میں خود بھی تسلیم کیا ہے کہ اس مضمون کو بطور الہام شائع نہیں کیا جو اسی اشتہار کے جواب میں ہے۔ پس اس اشتہار کی حیثیت ایک استغاثہ یا عرضی دعوی کی ہے اس اشتہار میں جو استدعا کی گئی ہے جس کو آپ نے صورت فیصلہ سے نامزد کیا ہے اس کے متعلق اور اس دعا کے متعلق ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ (اے مرزا) تمہاری یہ دعا کسی صورت فیصلہ کن نہیں ہوسکتی اور یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کرسکتا ہے۔ یہ امور میں نے محض اس لئے لکھا ہے کہ آپ نے بار بار مرزا صاحب کی قبولیت دعا کے متعلق بڑا زور دیا ہے ورنہ نفس مقدمہ متنازعہ سے اس کو چنداں تعلق نہیں۔۔ مرزا صاحب نے جب کہ خود درخواست مذکور میں ہی لکھ دیا ہے کہ یہ الہام یا وحی جس کو آپ حکم یا وحی الہی سے منسوب فرماتے ہیں کسی بنا پر نہیں۔ ادھر ۲۵ اپریل والے اخبار کی ڈائری اشتہار سے ایک روز پہلے کی ہے ادھر خود ۱۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث میں آپ نے بھی اس کو غیر الہامی مان لیا ہے پھر کیونکر یہ دعوی ثابت ہوتا ہے کہ اشتہار مذکور بحکم خداوندی تھا جس کو آپ الہام کے معنوں میں لیتے ہیں۔ جیسا کہ ۹ فروری ۱۹۱۲ء کے اخبار اہل حدیث میں صفحہ ۷ کالم ۳ پر آپ نے یہ لکھا ہے مرزا صاحب کو خدا نے الہام کیا کہ امت مرحومہ کو ایک واضح راستہ دکھاؤ۔ اس لئے مرزا صاحب نے بحکم خداوندی ۱۵

اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار دیا۔ پس الہام کی بنا پر نہ یہ اشتہار دیا گیا نہ کوئی الہام اس اشتہار والی دعا کی قبولیت کا پہلے یا پیچھے ہوا۔ آپ نے ایک بات یہ فرمائی ہے کہ ڈائری میں چونکہ کسی پہلی تحریر کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے تو مجھ سے آپ اس تحریر کا پتہ دریافت فرماتے ہیں کہ بجز اس اشتہار کے وہ کون سی تحریر ہے جس کے متعلق ۲۵ اپریل والی ڈائری میں یہ لکھا ہے کہ ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہماری طرف سے نہیں بلکہ اس کی بنیاد خدا کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ جناب مولوی صاحب آپ خود اس تحریر کو لکھواتے ہیں اور پھر مجھ سے دریافت فرماتے ہیں ۔ عالی جناب پریذیڈنٹ صاحبان ۔ یہ ڈائری جیسا کہ دستاویزات سے ثابت شدہ ہے کہ ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء وقت عصر کی ہے اور اس میں کسی تحریر کا ذکر ہے جو مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق لکھی گئی ہو ۔ اور یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ اشتہار متنازعہ ۱۵۔ اپریل کو لکھا گیا اور ۱۸ اپریل ۱۹۰۷ء کو ڈاکخانہ میں ڈالا گیا ان اخبارات میں جو ۱۷ یا ۱۸ کو شائع ہوئے ۔ یہ تو دستاویز کا ثبوت کا ہے۔ اس کے مقابلہ پر آپ کے محض قیاس کہ ایسا ہوا ہوگا یا یہ بات ہوگی آپ کے دعوی کو ثابت نہیں کرتے ۔ ہاں میں آپ کو بتلا دوں کہ وہ تحریر جو ۱۴ اپریل والی ڈائری سے آپ کے متعلق پہلے شائع کی جا چکی ہے وہ وہی ہے جو آپ نے اہل حدیث مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء میں نقل فرمائی ہے جو مرزا صاحب کی طرف سے ۱۴ اپریل ۱۹۰۷ء کے بدر اخبار میں چھپ کر آپ کے پاس پہنچی تھی ۔ یہ وہ تحریر ہے جو ۱۴ اپریل والی ڈائری سے پہلے شائع ہو چکی ہے ۔ اور نیز حقیقت الوحی میں بھی آپ کے متعلق ۱۴ اپریل سے پہلے چند امور لکھے جا چکے ہیں ۔ پس یہ ڈائری ان تحریروں سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ اس تحریر سے کہ جو ڈائری کے بعد کی ہو۔ اور وہ ۱۵ اپریل والہ اشتہار ہے۔ آپ نے ایک اور دلیل بھی اس اشتہار کی قبولیت کے متعلق پیش کی ہے جو ایک خاص مقدمہ کے بارے میں مرزا صاحب کو ہوا تھا اور وہ شحنہ حق صفحہ ۴۳ اور حقیقت الوحی صفحہ ۲۴۳ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ ایک زمین دارہ کے مقدمہ میں جو شریکوں کے ساتھ تھا میں نے دعا کی کہ مجھے خدایا اس میں فتح دے تو خدا تعالی نے جواب دیا اجیب کل دعائک الا فی شرکائک میں تیری ساری باتیں مانوں گا مگر شریکوں کے بارہ میں نہیں سنونگا۔ یہ الہام ایک خاص

مقدمہ کے متعلق ہے اور مرزا صاحب کے دعوی مسیحیت سے بہت سال پہلے کا ہے۔ اس میں شریکوں کے خلاف دعا قبول کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ اگر یہ الہام عام ہوتا تو چاہیے یہ تھا کہ شریکوں کے متعلق بھی آئندہ کبھی کوئی دعا قبول نہ کی جاتی جیسا کہ ایک دیوار کے مقدمہ میں جو شریکوں کے ساتھ تھا یہ دعا کی گئی کہ مجھے اس میں فتح ہو تو وہ دعا قبول ہوئی جس کے لئے بڑا لمبا الہام ہوا جو حقیقت الوحی کے صفحات ۲۶۶ اور ۲۶۷ پر درج ہے اور مرزا صاحب اس میں کامیاب ہوئے۔ پس اگر وہ الہام جو شریکوں کے متعلق تھا عام ہوتا تو مرزا صاحب اس حکم الہی کے خلاف شریکوں کے مقدمہ میں ہی کیوں شریکوں کے خلاف دعا کرتے اور کیوں خدا تعالی اس دعا کو قبول کرتا۔ پس نہ وہ الہام عام تھا نہ وہ آپ کے دعوی کے متعلق کہ ۱۵ اپریل والے اشتہار کی دعا قبول کی گئی اور نہ اس سے یہ دعوی ثابت کہ ۱۵ اپریل والا اشتہار بحکم خداوندی تھا اور اس دعا کی قبولیت کا الہامی وعدہ ہو چکا تھا۔ دعوی آپ کا اس دعا کے متعلق ہے جو ۱۵ اپریل والے اشتہار میں مرزا صاحب نے شائع کی ہے کہ وہ قبول ہوگئی اور اس کی قبولیت کا خدا نے الہام کیا۔ پس یہ دعوی اس الہام سے جو شرکاء کے متعلق ہے اور ایک خاص مقدمہ سے تعلق رکھتا ہے جس کے خلاف ایک دوسری نظیر شرکاء کے خلاف مقدمہ فیصل ہو کر صاف بتا چکے کہ وہ وعدہ نہ دائمی تھا نہ عام۔ ورنہ خدا دعا کیوں قبول کرتا اور پھر مرزا صاحب شرکاء کے خلاف دعا ہی کیوں کرتے۔ مرزا صاحب کا یہ مذہب نہیں ہے کہ میری تمام دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے لئے دیکھو حقیقت الوحی صفحات ۲۳۱ و ۱۹ و ۳۲۷ اور رسالہ آسمانی فیصلہ مطبوعہ بارسوم صفحہ ۱۹ اور تریاق القلوب صفحہ ۱۵۱ جن میں صاف لکھا ہے کہ میری اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ دعائیں جن کو خدا اپنی مصلحت سے میرے حق میں مفید سمجھتا ہے قبول فرماتا ہے آخر میں جناب پریزیڈنٹ صاحب کی توجہ اس دعوی کی طرف (جس کے متعلق یہ مباحثہ ہے) دلا کر نہائت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ آپ بمشورہ اپنے مشیران جو آپ کے امداد کے لئے آپ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں بخوبی غور فرمالیں کہ دونوں دعوے ۱۴ اپریل والی ڈائری اور ۱۳ اور ۱۴ اپریل والی درمیانی شب والے الہام اور مولوی صاحب کے ۲۶ اپریل والے اہل حدیث اور خود اس اشتہار کے اندرونی فقروں سے

اور دیگر دستاویزات جن کا میں نے اپنے بیان میں حوالہ دیا ہے ان کو ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ کیا یہ دعوے ثابت ہو گئے۔ اس کے بعد جو مولوی صاحب نے بیان فرمانا ہے وہ انہی کی تردید ہوگی کوئی نئی دلیل پیش کرنے کا ان کو حق نہیں ہوگا کیونکہ اب اس کے ڈیفنس کا مجھے کوئی موقع نہیں ملے گا۔ فقط

عاجز قاسم علی بقلم خود ۱۷۔ اپریل ۱۹۱۲ء

 مولانا ثناء اللہ کا جواب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی جناب صدر انجمن صاحبان و برادران۔ دعوی یہ تھا کہ مرزا صاحب کا اشتہار ۱۵۔ اپریل خدا کے حکم سے تھا۔ یہ بات یقینی ہے کہ میں مرزا صاحب کو مامور خدا نہیں سمجھتا پھر جو میں نے یہ دعوی کیا کہ اس کا اشتہار خدا کی طرف سے تھا۔ اس کے کیا معنے؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ دعوی ان کے مسلمات اور خیالات پر تھا پس اہل حدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کا حوالہ دے کر منشی قاسم علی صاحب کا یہ کہنا کہ میں نے خود اس اشتہار کی بابت لکھا کہ یہ الہام سے نہیں میرے دعوی کے کسی طرح مخالف نہیں۔ وہ لکھنا میرا اپنا مذہب ہے اور ثابت کرنا مرزا صاحب کے خیالات کا عکس ہے۔ علاوہ اس کے ۲۶ اپریل کی تحریر لکھنے تک جو میں نے یقیناً ۱۸۔ ۱۹ اپریل کو لکھی ہوگی۔ ۲۵ اپریل کا بدر میرے پاس نہیں پہنچا تھا۔ جس کی بنا پر میں نے آج دعوی کیا ہے۔ میرے دعوی کا ثبوت دو طرح پر تھا۔ ایک دلائل عامہ سے اور دوسرا دلائل خاص سے۔ دلائل عامہ میں سے میں نے حضرات انبیاء کا طریق اور خصوصاً مرزا صاحب کے عام دعاوی اور الہامات کو بیان کیا تھا۔ جس میں ایک آئت قرآن اور الہام (مرزا) وما ینطق عن الھوی بھی تھا۔ دوسرا اجیب کل دعائک۔ اس الہام کے جواب میں میرے دوست کو بہت الجھن ہوئی۔ جناب پریسیڈنٹ صاحب یہ الہام دو فقروں پر مشتمل ہے۔ ایک مستثنی دوسرا مستثنی منہ۔ مستثنی کا حکم ہے کہ تیری دعا شریکوں کے بارے میں قبول نہیں ہوگی۔ مستثنی منہ کا حکم ہے کہ تیری وہ تمام دعائیں جو شریکوں کے سوا اور لوگوں کے حق میں ہوں گی میں ضرور قبول کرونگا۔ اس لئے میں نے عرض کیا تھا کہ میں مرزا صاحب کا شریک نہیں ہوں۔ آپ نے بتلایا ہے کہ ۲۵ اپریل والے بدر میں جو ۱۴ اپریل کی ڈائری

ہے اس میں جس تحریر کا آپ کے متعلق ذکر ہے وہ حقیقۃ الوحی میں ۱۴ اپریل سے پہلے لکھی جا چکی ہے۔ اس کے متعلق میں ۴ اپریل کا بدر پیش کرتا ہوں جس میں مرزا صاحب حقیقت الوحی کی بابت لکھتے ہیں کہ ہماری کتاب حقیقت الوحی ۲۰ ' ۲۵ روز تک شائع ہو جائے گی۔اب منصف صاحبان خود غور فرمائیں کہ جس کتاب کو ابھی شائع ہونے میں کئی روز باقی ہوں وہ ۱۴ اپریل سے پہلے کیونکر شائع ہو چکی تھی۔ حقیقت الوحی کے ٹائٹل کے صفحہ پر مطبوعہ تاریخ اشاعت ۳۰ اپریل ۱۹۰۷ء مگر قلمی سرخی سے ۱۵۔مئی بنائی گئی ہے۔ یہ تو آپ کے اس حصہ کا جواب ہے۔اس کے علاوہ آپ نے کوشش کی ہے کہ ۲۵ اپریل کے بدر والی ڈائری میں جس تحریر کا ذکر ہے اس کا ثبوت دیں۔اس ثبوت کے لئے آپ نے ۴ اپریل کے بدر کا نام لیا ہے جو میرے ہاتھ میں ہے اور منصف صاحبان مہربانی فرما کر اس کو ملاحظہ فرمائیں کہ (اس میں) کوئی ایسی تحریر ہے؟ جس کو میرے متعلق دعا کہہ سکیں جس کا جواب مرزا صاحب کو بصورت الہام یہ ملا تھا۔ اجیب دعوۃ الداع جو صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ تحریر میرے متعلق کوئی دعائیہ صورت میں ہے۔ آپ نے شروع میں یہ بھی کہا ہے کہ اس قسم کے دلائل عامہ پر ہی غور کر کے عدالت فیصلہ نہیں کرتی ۔ جناب والا۔ اس ' ہی ' کے لفظ پر غور کیجئے۔ میں نے ہی سے ہی کام نہیں لیا۔ میں نے صرف دلائل عامہ بیان نہیں کئے بلکہ خاص اس امر کے متعلق بھی بیان کئے ۔ آپ جو اس اشتہار کو بمنزلہ ایک استغاثہ غیر مقبولہ قرار دیتے ہیں حقیقت میں یہ بات مرزا صاحب کے کل دعاوی پر پانی پھیرتی ہے۔ میں نے ریویو مئی ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۱۹۲ سے حوالہ نقل کیا تھا کہ مرزا صاحب کا بڑا معجزہ قبولیت دعا ہی ہے۔ اور یہ ایسا معجزہ ہے کہ وہ اس معجزہ کے مقابلہ کے لئے ہم مسلمانوں کے علاوہ تمام دنیا کے مخالفوں کو چیلنج دیتے ہیں ۔ میں نے ۱۳ جون کے بدر سے یہ دلیل نقل کی تھی کہ مرزا صاحب کے دل میں خدا نے میرے متعلق دعا کرنے کی تحریک پیدا کی ۔ میرے مخاطب فرماتے ہیں کہ وہ بقول میرے مشیت کا مفعول جو دنیا کے ہر واقعہ سے تعلق رکھتی ہے۔مگر جناب پریسیڈنٹ صاحبان میں نے یہ بات بالتصریح بتلائی ہے کہ کوئی مامور خدا کسی ایسے فیصلے کے لئے جو اس کے مشن پر اثر ڈالتا ہواز خود اظہار نہیں کر سکتا۔ ' ترک اسلام ' میں میں نے جو لکھا ہے

وہ یہ ہے کہ مشیت خدا کے قانون کا نام ہے جو مخلوق میں جاری ہے لیکن قانون مشیت جب مذہبی رنگ میں انبیاء علیھم السلام کے قلوب طیبہ پر اثر کرتی ہے تو وہ مذہبی رنگ میں ایک دلیل کا حکم رکھتی ہے۔ مثال کے طور ہمارے خواب اور انبیا علیھم السلام کے خوابوں میں جو فرق ہے وہی فرق ان دو مشیتوں میں ہے جو عام حالت اور خاص قلوب انبیا سے تعلق رکھتی ہیں۔ باقی جو آپ نے ڈائری کی بے ترتیبی کی بابت لکھا ہے مجھے اس کے جواب کی ضرورت نہیں۔ ہمارے معزز ثالث صاحب قانون پیشہ ہیں ۔ ان کے پاس اس قسم کے کئی مقدمات آئے ہوں گے جن میں ایسی بے ترتیب ڈائریاں پیش ہو کر فیل یا پاس ہوئی ہونگی ۔ تریاق القلوب صفحہ 151 کا بیان مرزا صاحب کی اپنی دعاؤں کی نسبت نہیں ہے ۔ بھلا اگر ساری دعائیں مرزا صاحب کی قبول نہ ہوتیں تو معجزہ ہی کیا تھا۔ جبکہ حقیقت الوحی باب اول دوم سوم میں خود لکھتے ہیں کہ بعض خواب اور کشف بدکار یعنی رنڈیوں اور فاحشہ عورتوں کے بھی سچے ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ سچا وہی ہے جس کے کل سچے ہوں۔ ہمارے معزز ثالث صاحب قانونی طور پر جانتے ہیں کہ کسی دستاویز کا سچا ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس میں کوئی لفظ مشکوک نہ ہو۔ میں نے جہاں تک سوچا ہے آپ نے میرے دلائل کا جواب نہیں دیا۔ میری دلیل مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ انبیا و مامور خدا کوئی ایسا فیصلہ جو مخالفوں پر حجت کا اثر رکھتا ہو اور اس کے خلاف ہونے سے ان کے دین اور مشن پر خلاف اثر پہنچتا ہو بلا اذن خدا شائع نہیں کر سکتے۔ مرزا صاحب نے جو اس اشتہار میں الہام یا وحی کی نفی کی ہے اس کی ایک وجہ تو پہلے پرچہ میں عرض کر چکا ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہے جو صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کے ساتھ ان کا معاہدہ ہوا تھا کہ میں الہام جتا کر کسی کی موت کی پیش گوئی نہ کروں گا۔ اس لئے انہوں نے اس اشتہار میں الہام کا نام نہیں لیا بلکہ نفی کر دی۔ ۲۵ تاریخ کے بدر میں الہام کے ساتھ اس کی تعبیر کر دی تا کہ وہ اس قاعدہ سے جو انبیا علیھم السلام کا میں نے بتلایا ہے حجت ہو سکے۔ بس اب میں ختم کر کے نتیجہ معزز ثالثوں کے سپرد کرتا ہوں۔

ثناء اللہ بقلم خود

اس مباحثے کے مسلمان منصف مولانا میر نے اپنا فیصلہ لکھ کر 19 اپریل کو سرپنچ کے حوالے کیا اور قادیانی منصف منشی فرزند علی نے ۲۰ اپریل کو اپنا فیصلہ سرپنچ کے حوالے

کیا سرپنچ نے ۲۱ اپریل بوقت مغرب اپنا فیصلہ قلم بند کر کے فریقین کے حوالے کیا جس میں مولانا ثناءاللہ کو فاتح قرار دیا اور انعامی رقم آپ کے حوالے کر دی گئی

بعد میں مرزائیوں نے مباحثے کے سرپنچ میں کیڑے نکالنے شروع کر دیئے کہ اسے عربی نہیں آتی۔ اسلامی اصطلاحات اور لٹریچر سے واقفیت نہیں۔ اور یہ کہ اس کا فیصلہ سکھا شاہی کی ایک مثال ہے وغیرہ۔ اس پر مولانا ثناءاللہ نے سرپنچ کے تقرر کا پس منظر بیان کیا کہ انہوں تقرری کے مرحلے پر میر قاسم علی کو لکھا تھا

. ثالث کی بابت میری رائے یہ قرار پائی ہے کہ کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے جو مذہبی خیال کا ہو۔ الہامی نوشتوں کی اصطلاح سے واقف اور ساتھ ہی دیانتدار بھی ہو۔ اس لئے میں پادری ویری صاحب کو پیش کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو بھی ان اوصاف کے لحاظ سے یہ تقرر منظور ہوگا۔

. اس کے جواب میں میر قاسم علی صاحب نے کہا کہ غیر مسلم ثالث جس کو مقدمات سمجھنے اور فریقین کے بیانات کا اندازہ کر کے فیصلہ کرنے کی پوری قابلیت ہو کافی ہے اور ثالث کے لئے الہامی نوشتوں سے واقفیت ضروری نہیں۔

مولانا ثناءاللہ کہتے ہیں

. خدارا انصاف کیجئے میں نے پہلے ہی نہ کہا تھا کہ کسی ایسے غیر مسلم کو سرپنچ مقرر کیجئے جو الہامی نوشتوں کی اصطلاحات سے واقف ہو۔ لیکن اس شرط کو ہمارے مخالفین نے کیسی حقارت سے ناپسند کیا۔ اب کیا یہ وصف کہ مقدمات میں فریقین کا بیان سن کر فیصلہ دے سکیں سردار بچن سنگھ بی اے گورنمنٹ ایڈووکیٹ میں نہیں ہے؟ نہیں ہے تو آپ (مرزائیوں) نے ان کا انتخاب کیوں کیا تھا؟ کیا سردار صاحب کا نام ہم نے پیش کیا تھا؟.....

میر قاسم علی کا ہمارے نام اپنے رقعے میں یہ کہنا کہ آپ (ثناءاللہ) سردار بچن سنگھ پلیڈر کا تقرر بطور ثالث پسند کرتے ہیں۔ اور ان کا نام آپ (ثناءاللہ) کے رقعہ میں نمبر ۵ میں درج کیا گیا ہے۔ سو ہم بھی سردار صاحب کے تقرر پر رضامند ہیں۔ مولانا کہتے ہیں کہ میر قاسم علی صاحب کے اس رقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہم نے کئی ایک اہل علم اور اہل دیانت کے نام پیش کئے تھے جن میں حسب مشورہ

میاں نور بخش ٹیلر ماسٹر آپ نے سردار بچن سنگھ کو منظور کیا۔

یہ جو میر قاسم علی صاحب نے لکھا ہے کہ ماسٹر نور بخش صاحب نے کہا کہ آپ (ثناء اللہ) سردار صاحب کو پسند کرتے ہیں اس کی صورت بھی یہی تھی کہ ماسٹر صاحب نے ہمارے سامنے دو تین آدمیوں کے نام لئے جن میں سردار صاحب بھی تھے۔ ہم نے سب کی منظوری بیک زبان دے دی کہ ہمیں سب منظور ہیں۔ مگر ماسٹر صاحب کا رجحان کسی وجہ سے سردار صاحب کی طرف تھا اس لئے انہوں نے آپ کو یہی مشورہ دیا۔

بہر حال آپ سے غلطی ہوئی کہ آپ نے سردار صاحب کا پہلے امتحان نہ لے لیا۔ لیتے بھی کیسے؟ جب کہ آپ خود ہی لکھ چکے تھے کہ ثالث میں صرف اتنی لیاقت ہونی چاہیے کہ فریقین کی تقریریں سن کر بطریق مقدمات فیصلہ کر سکے۔ بات بھی واقعی یہ ہے کہ قادیانی مباحثہ خصوصا اس مباحثہ کا فیصلہ عربی دانی یا قرآن دانی پر موقوف نہیں بلکہ واقعات کی تنقیح کرنے پر ہے۔

اچھا ہم پوچھتے ہیں کہ سردار صاحب تو عربی نہیں جانتے مگر آپ کے مسلمہ مقبولہ منصف منشی فرزند علی صاحب عربی میں کتنی کچھ قابلیت رکھتے ہیں۔ ذرا ان کی ڈگری تو بتلا دیں۔

بہر حال بعد منظوری سرپنچ کے نہیں بلکہ اس کا فیصلہ اپنے خلاف سننے کے بعد یہ عذر کرنا جو قادیانی فریق نے کیا ہے (کہ سردار صاحب علم عربی سے ناواقف اور اسلامی کتابوں سے بے خبر ہیں وغیرہ) اور سرپنچ مقرر کردہ کو اپنا سردار مان لینا پھر فیصلہ اپنے حق میں نہ ہونے کے باعث بعد میں اسے برا بھلا کہنا اور اس کو غیر مہذب الفاظ سے یاد کرنا اس حدیث کی پوری تصدیق کرتا ہے جس میں حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے پر یہودیوں کا ان کی ہجو کرنا مذکور ہے۔

فریق ثانی نے اس قسم کے اور بھی کئی عذر لنگ کئے ہیں جو ان کی بے بسی پر دلالت کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اپریل ۱۹۱۲ء میں بمقام لدھیانہ آخری فیصلہ پر مباحثہ ہو کر ساری جماعت احمدیہ کے لئے موجب ہتک اور ندامت ہوا اور اس سے متعلق پورے الفاظ دیکھنے ہوں تو پیغام صلح لاہور ۱۲ اپریل ۱۹۱۲ء ملاحظہ فرمائیں جس میں لکھا ہے کہ قاسم علی نے ساری جماعت احمدیہ کو ذلیل کیا۔

اپنی کتاب فاتح قادیان میں مولانا ثناء اللہ نے لکھا ہے

. واقعی بات ہے کہ خدا کے اسرار خدا ہی جانتا ہے۔ اشتہار مذکور (آخری فیصلے والہ) کی تاریخ ۱۵ اپریل ہے۔ اس پر لدھیانہ میں مباحثہ کے لئے بھی ۱۵ اپریل ہی کا اتفاق ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود دجال کو باب لد میں قتل کریں گے۔ محدثین کہتے ہیں کہ باب لد شام کے ملک میں ایک مقام ہے۔ مگر مرزا صاحب چونکہ مسیح موعود ہونے کے مدعی تھے اور پنجاب کے باشندے تھے اس لئے انہوں نے اس حدیث کی تاویل ایسی کی جس سے شہر لدھیانہ کی فضیلت بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ اور اس مناظرہ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے لکھا ہے

اول بلدة با يعنى الناس فيها اسمها لودهانه و هى اول ارض قامت الاشرار فيها للاهانة۔ فلما كانت بيعة المخلصين حربه لقتل الدجال اللعين باشاعة الحق المبين اشير فى الحديث ان المسيح يقتل الدجال على باب اللد بالضربة الواحدة ۔ فاللد ملخص من لفظ لودهانه كما لا يخفى على ذوى الفطنه ۔

(رسالہ الہدی والتبصرۃ لمن یری۔ طبع جون ۱۹۰۲ء قادیان حاشیہ ص ۹۲۔ خزائن ج ۱۸)

یعنی سب سے پہلے میرے ساتھ لودھانہ میں بیعت ہوئی تھی جو دجال کے قتل کے لئے ایک حربہ تھی۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ مسیح موعود دجال کو باب لد میں قتل کریگا۔ پس لد دراصل مختصر ہے لدھیانہ سے۔

مرزا صاحب نے لدھیانہ میں کس دجال کو قتل کیا؟ اس کا تو ہمیں علم نہیں، وہ جانیں یا ان کے مرید۔ ہاں یہ بخوبی ثابت ہوا کہ لودھانہ کا مقام اس مباحثہ کے لئے منتخب ہونا اور فریق ثانی کی تجویز سے منتخب ہونا واقعی سر (بھید) قدرت اپنے اندر رکھتا ہے کہ بقول مرزا صاحب یہاں دجال قتل ہونا تھا۔

بحث متعلق آخری فیصلہ

قادیانی کہا کرتے تھے کہ لدھیانہ میں آخری فیصلے والے مباحثے کے فیصلے میں دھاندلی ہوئی ہے۔ اور چونکہ سکھ سرپنچ (جسے قادیانیوں نے خود ثالث تسلیم کیا تھا) علوم اسلامیہ کا فاضل نہیں تھا اس لئے اس نے غلط فیصلہ دے دیا ہے۔ مولانا ثناء اللہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمت ہے تو پھر میدان میں آجاؤ۔ اور یہ بات آپ بار بار کہتے رہے اور ایک دو مرتبہ مرزائی اس مسئلے پر بحث کے لئے پھر سامنے بھی آئے لیکن منہ کی کھا کر رہ گئے۔ اس کے باوجود اپنے اخبارات و رسائل میں اس فیصلے پر چھینٹے اڑانے کے لئے مضامین لکھتے رہے۔ جس کا انہیں خاطر خواہ جواب ملتا رہا۔ ذیل میں اسی کشمکش کی داستان بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ مرزا محمود احمد نے ایک مرتبہ کہا کہ آخری فیصلے کو ہم اپنی راہ میں رکاوٹ نہیں جانتے۔ اور یہ کہ ثناء اللہ اپنے ہی قول سے مسیلمہ کی زندگی میں ہے۔ مولانا نے لکھا

روک کا آپ کو پتہ لگ جاتا اگر آپ یکم جنوری ۱۹۳۴ء کو بمقام لاہور ملک عبدالرحمٰن قادیانی سے ہمارا مناظرہ سنتے۔ یقین ہے کہ آپ یا تو ہم سے متفق ہو جاتے یا اپنے مبلغوں کو بحلف تاکید کرتے کہ خبردار اس مبحث پر کبھی مناظرہ نہ کرنا۔ اور جو آپ نے یہ کہا ہے کہ مولوی ثناء اللہ اپنے ہی قول سے مسیلمہ کی زندگی میں ہے۔ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جب آپ کے پاس (میرے خلاف) ایسی زبردست دلیل ہے تو پھر آپ اس امر (آخری فیصلہ) پر فیصلہ کن مناظرہ کرنے سے کیوں جان چراتے ہیں۔ ذرہ سامنے تو آئیں پھر دیکھیں کہ خدا کی مدد کس کے شامل حال ہوتی ہے۔ (اہل حدیث ۱۹ جنوری ۱۹۳۴ء)

☆ مولوی محمد علی لاہوری کہا کرتے تھے کہ آخری فیصلہ پر بحث کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں اصولی بحث کرنی چاہیے۔ ہاں اصولی بحث کے بعد اگر ضرورت باقی رہے تو

آخری فیصلہ پر بحث ہو جائے۔ اس پر مولانا امرتسری نے لکھا

' اصولی بحث وہ ہوتی ہے فروعات جس کے ماتحت آجائیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ اصولی بحث وہ ہوتی ہے جس کے بعد فروعات کی ضرورت باقی نہ رہے۔ مثلا اسلام کی اصولی بحث ہے رسالت محمدیہ یا صداقت قرآن۔ ان میں جو بات بھی ثابت ہوجائے باقی فروعات پر بحث کرنے کی ضرورت نہ رہیگی۔ اسی طرح قادیانی مباحث میں اصولی بحث وہ امر ہے جس کے بعد کسی اور امر پر بحث کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ اس قسم کی اصولی بحث کی تعیین میں فریقین (قائل اور منکر) مختلف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً منکر کہے کہ فلاں پیش گوئی اگر سچی ہو جائے تو میں آپ کو سچا مان لوں گا۔ مگر دوسرا فریق اس کو معمولی سمجھ کر اس کو قابل توجہ نہ جانے۔ اسی طرح ہر امر میں دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف ممکن ہے۔ لیکن اگر صاحب مذہب خود کسی امر کو اصولی بحث قرار دے اور وہ فی الواقع ایسا ہی ہو تو فریقین کو اسے اصولی ماننے میں چون و چرا نہ کرنا چاہیے۔

پس ہم ہر دو فریق (قائل اور منکر مرزا) میں اصولی بحث آخری فیصلہ ہے جسکو مرزا صاحب نے خود اصل الاصول قرار دیا ہوا ہے۔... پس ہم فریقین کو چاہیے کہ اس اصل الاصول پر پوری توجہ کریں۔ مگر آپ کس قدر حیرت سے سنیں گے کہ جب کبھی امت مرزائیہ کے ان دونوں (قادیانی اور لاہوری) بلکہ کل اصناف کو اس اصل الاصول پر بحث کرنے کی دعوت دی گئی تو حیل و حجت کر کے اس کو ٹال دیا گیا۔ ان ٹلانے والوں میں مولوی محمد علی لاہوری احمدی نے جس طرح اس کو ٹالا وہ بہت ہی حیرت انگیز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پندرہ سولہ مسائل (وفات مسیح۔ حقیقت دجال وغیرہ) پر پہلے بحث ہو جائے پھر ضرورت ہو تو آخری فیصلہ پر بھی سہی۔ یاللعجب

باوجود اس کے بے محل اور بے موقع خطبہ جمعہ میں ممبر رسول پر چڑھ کر کہتے ہیں

' مولوی ثناء اللہ صاحب کو بھی ہم نے کہا تھا کہ احمدیت کی اصولی باتوں کے متعلق اسی طریق پر بحث کرلیں لیکن وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ کیونکہ ان کے دل میں چور ہے۔ (پیغام صلح۔ لاہور۔ ۱۹ فروری ۱۹۳۵ء ص ۴)

مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں دل کے چوروں کی علامت ان

الفاظ میں بتائی گئی ہے

ان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا (یعنی ایسے لوگ سیدھا راستہ دیکھ کر اسے قبول نہیں کرتے)۔ آخری فیصلہ کو بڑے میاں (مرزا غلام احمد) نے اپنا معیار بنا کر شائع کیا۔ اپنا صدق و کذب اس پر موقوف رکھا۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس کے طے ہونے سے تمام مباحث کا طے ہونا بانی جماعت احمدیہ نے تسلیم کیا ہے۔ تاہم دل کے چور زبان اور ایمان کے کمزور اس سے جی چراتے ہیں۔...

مرزائی دوستو۔ دنیا میں کوئی ایسا مسلمان تم کو ملا یا مل سکتا ہے جو آں حضرت ﷺ کے کسی آخری فیصلے کو فیصلہ نہ جانے۔ یا کوئی ایسا عیسائی آپ کو ملا یا مل سکتا ہے جو حضرت مسیح کے فیصلے کو موجب فیصلہ نہ مانے۔ کم سے کم کوئی آریہ ہی بتاؤ جو اپنے گورو سوامی دیانند کے طریق فیصلہ سے منہ پھیرتا ہو۔ اگر ایسا شخص کوئی نہیں تو تم لوگوں نے یہ نیا طریق کیوں اختیار کیا۔ (اہل حدیث ۲۲ مارچ ۱۹۳۵ء ص ۳۔۴)

☆ لاہوری مرزائیوں نے ایک مرتبہ مولانا کفائت اللہ دہلوی سے چیلنج بازی شروع کی تو مولانا ثناءاللہ امرتسری نے سامنے آ کر لکھا۔

. لاہور کے مرزائی اخبار پیغام صلح میں ایک چیلنج بنام مولانا کفائت اللہ دہلوی دیکھا گیا کہ مرزا صاحب قادیانی کی نسبت علماء اسلام عموماً دعوی کرتے ہیں کہ انہوں نے نبوت کا دعوی کیا اور منکرین مسلمانوں کو کافر کہا۔ ہم (لاہوری) آپ (کفائت اللہ) کو صدر جمعیت علماء کی حیثیت سے منتخب کر کے چیلنج دیتے ہیں کہ ہمارے امیر مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ اس خصوص میں مباحثہ کر لیں۔ اس کے جواب میں جماعت المسلمین لاہور کی طرف سے جواب نکلا کہ وہ اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں لاہوری مرزائیوں نے لکھا کہ ہم تو ۸ کروڑ مسلمانوں کی قائم مقامی کی مدعی جماعت کے صدر کو مخاطب کرتے ہیں تاکہ اس مناظرہ سے سب مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ ہو سکے۔ اس کے بعد اخبار پیغام صلح میں ایک مضمون نکلا جس میں ذکر ہے کہ بابو عبدالحق صاحب احمدی مولانا کفائت اللہ کے پاس گئے اور ان سے سوالات کئے جن کے جوابات مولانا نے جو دیئے وہ (بقول ان کے) سب کے سب عدم واقفیت از کتب مرزا پر مبنی ہیں۔ اور مولانا کفائت اللہ صاحب نے جماعت احمدیہ کی خدمات

کی تعریف کی اور مبحث کے متعلق اپنی عدم واقفیت وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

ہم (ثناء اللہ) تو مرزائیوں کی بلکہ خود ان کے بڑے میاں مرزا صاحب متوفی کی روایات کی بابت بہت پرانی رائے رکھتے ہیں کہ یہ جماعت مع اپنے پیشوا کے سب کے سب جابر جعفی کی پارٹی ہیں..... ہم ان مدعیان تحقیق وتدقیق سے سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ آپ کا انصاف اور طریقہ تحقیق ہے کہ کسی عالم کو یہ جان کر کہ وہ آپ کے لٹریچر سے پورا واقف نہیں مخاطب کر کے اسے چیلنج دینا اور واقفوں کی طرف رخ نہ کرنا۔ پھر اس کا نام تحقیق حق اور تبلیغ دین رکھنا ابلہ فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟ بحالیکہ آپ جانتے ہیں کہ امرتسر وغیرہ بلاد پنجاب میں آپ کے سوالوں کے جواب دینے کے لئے بفضلہ تعالیٰ کئی افراد موجود ہیں جن میں سے ایک کا دعویٰ ہے

مجھ سا مشتاق جہاں میں کوئی پاؤ گے نہیں گرچہ ڈھونڈھو گے چراغ رخ زیبا لے کر

بس اگر آپ کو ان دونوں مسئلوں کی تحقیق کا شوق ہے جس کیلئے مولانا کفائت اللہ کو آپ نے چیلنج دیا ہے تو آپ ادھر کا رخ کیجئے۔ ہم آپ کا چیلنج قبول کر کے دونوں مسئلوں پر بحث کرنے کو تیار ہیں۔ اگر یہ خیال ہو کہ مولانا کفائت اللہ کو ہم نے جمیعت العلماء کی صدارت کی وجہ سے چیلنج دیا تھا اور آپ اس کے صدر نہیں ہیں لہذا ہم آپ (ثناء اللہ) سے بحث نہیں کریں گے۔ تو جواب سنو۔ میں جمیعت العلماء کا صدر نہیں مگر تمہارے بانی سلسلہ کا مدمقابل ہوں۔ جس کو وہ ہمیشہ مخاطب کرتے رہے یہاں تک کہ آخر کار آپ نے آخری فیصلے کا جو اعلان کیا وہ خاص میری ذات سے متعلق تھا۔ کیونکہ آپ نے میری موت کو تمام مباحث میں فیصلہ کن قرار دیا تھا۔ غور کریں میری یہ حیثیت ضائع نہیں ہوئی۔ اب بھی بحال ہے بلکہ بڑی قوت سے بحال ہے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس بحث کے بعد دوسری بحث آخری فیصلے پر ہوگی۔ یعنی دو مسئلے آپ کی طرف سے زیر بحث ہوں گے اور ایک میری طرف سے۔ رہا منصفوں کا تقرر۔ سو یہ امر بالکل آسان ہے۔ مجھے وہی صورت منظور ہوگی جو آپ کے بانی سلسلہ (مرزا صاحب) نے آریوں کے سامنے پیش کی تھی۔ امید ہے آپ کو اس سے اعراض نہ ہوگا۔ آپ کے پوچھنے پر وہ حوالہ بتایا جائیگا۔ سردست اتنا نوٹ کر لیجئے کہ منصفوں کی صورت وہی ہوگی جو بڑے مرزا صاحب نے آریوں کے

سامنے پیش کی تھی ۔(شائد مولانا کا اشارہ مرزا غلام احمد کی اس تحریر کی طرف تھا ۔ مناسب ہے کہ سوامی (دیانند) صاحب کوئی مقام اور ثالث بالخیر اور انعقاد جلسہ کی تجویز کر کے بذریعہ کسی مشہور اخبار کے مشتہر کر دیں ۔لیکن اس جلسہ میں شرط یہ ہے کہ جلسہ بحاضری چند منصفان صاحب لیاقت اعلی کہ تین ان میں سے ممبران برہم سماج اور تین صاحب مسیحی مذہب ہوں گے قرار پاویگا۔اول تقریر کرنے کا حق ہمارا ہوگا کیونکہ ہم معترض ہیں ۔ پھر پنڈت صاحب برعائت شرائط جو چاہیں جواب دیں گے ۔ پھران کا جواب الجواب ہماری طرف سے گذارش ہوگا اور بحث ختم ہو جائیگی ۔ (نقل از کھلا خط بصورت اعلان سوامی دیانند صاحب کے نام ۔ص ۷۰ مکتوبات احمد یہ جلد دوم ۔ طبع قادیان یعقوب علی تراب) ۔ جس کو بحیثیت اتباع مرزا تسلیم کرنا آپ کا فرض ہے ۔ کیونکہ آپ کا سارا تانہ بانہ مرزا صاحب قادیانی کی تصدیق کیلئے ہے .   (اہل حدیث ۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء ۔ص ۵ ۔ ۶)

☆ مرزا محمود احمد کی زندگی میں قادیان میں احرار اور مرزائیوں کے مباہلے کی بات چلی اور عرصہ تک باہم نوک جھونک ہوتی رہی ۔ جب یہ محسوس ہونے لگا کہ مباہلہ اب ہونے ہی کو ہے یہ پروگرام منسوخ ہوگیا۔اس پر مولانا امرتسری نے ' قادیان میں مباہلہ کیوں نہ ہوا ' ۔ کے عنوان سے اپنے اخبار اہل حدیث میں یہ مضمون شائع فرمایا

بہت دنوں سے شور و غل تھا کہ احرار اور اہل قادیان کے درمیان قادیان میں مباہلہ ہوگا یہاں تک کہ اس کی تاریخ بھی ۲۳ نومبر (۱۹۳۵ء) شائع ہوگئی تھی ۔مگر حکومت نے اس اجتماع کو موجب فساد خیال کر کے دونوں فریقوں کو قادیان میں جمع ہونے سے روک دیا۔ بظاہر یہ بندش بدامنی کے خطرے سے ہوئی ۔لیکن حقیقت میں خدا کے نزدیک اس کی وجہ اور ہے۔اس کو معلوم کرنے کیلئے چند سال پہلے کے واقعات سامنے رکھنے ضروری ہیں ۔ جو یوں ہیں ۔

اصل نزاع جس کے باعث مسلمانوں میں سخت اختلاف ہو رہا ہے مرزا صاحب قادیانی کے دعوی مسیحیت موعودہ میں صدق و کذب ہے ۔ سو اس کا فیصلہ قدرتی و انسانی دونوں طریق سے ہو چکا ہے ۔ لہذا اب بغرض فیصلہ کسی دوسرے مباہلہ کی ضرورت نہیں تھی ۔ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کا مباہلہ کی دعوت دینا دراصل اس فیصلہ خداوندی کو کالعدم کرنا تھا۔اس لئے قدرت نے اندر اندر ایسے اسباب پیدا کر

دیئے جن سے مباہلہ ہونے نہ پائے تا کہ (۱۹۰۸ء میں ہونے والے) فیصلہ الٰہی کی ہتک نہ ہو۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

جب مرزا صاحب نے مسیح اور مہدی ہونے کا دعوی کیا تو علماء اسلام ان کی تردید پر متوجہ ہوئے۔ راقم نے اپنی تصنیفات خاص کر اخبار اہل حدیث کے ذریعہ مرزا غلا احمد صاحب کا پے در پے سخت تعاقب کیا تو مرزا صاحب نے میرے حق میں موت کی دعا کی۔ یہ تو بالکل صاف بات ہے کہ مرزا صاحب متوفی ہر حیثیت میں میاں محمود احمد سے اعلی و ارفع تھے یعنی

۱۔ وہ باپ تھے۔ یہ بیٹا ہے۔

۲۔ بقول خود وہ مسیح موعود نبی تھے۔ یہ ان کے ماتحت امتی ہیں۔

۳۔ وہ مامور اور ملہم تھے۔ یہ کچھ بھی نہیں۔

۴۔ ان سے خدا کا وعدہ تھا کہ میں تیری سب دعائیں قبول کرونگا (اجیب کل دعائک .. (بتریاق القلوب۔ ص ۳۸) میاں محمود احمد سے ایسا وعدہ نہیں۔

۵۔ وہ اصل تھے یہ نائب۔ وغیرذالک۔

پس جس امر میں انہوں نے دعا کر کے اللہ سے فیصلہ چاہا اور خدا نے اس دعا کے قبول کر لینے کا بذریعہ الہام موصوف سے وعدہ بھی کیا ہو اور میاں محمود بھی اس وعدے کے معترف ہوں اور اس دعا کا اثر بھی نمایاں ہو چکا ہو پھر بھی کسی مرزائی مبحث پر بذریعہ مباہلہ خدا سے فیصلہ چاہا جائے تو سابقہ خدائی فیصلے کی سخت ہتک ہے۔ اس لئے خدائی غیرت نے اپنے سابقہ فیصلے کو ہتک سے بچانے کے لئے کسی دوسرے مباہلہ کو وقوع میں آنے سے روک دیا۔

سنئے مرزا صاحب نے دعا کی تھی کہ مولوی ثناء اللہ میری زندگی میں مرے۔ اس دعا کے قبول ہونے کا الہام آپ کو ہوا تھا۔ چنانچہ میاں محمود خلیفہ قادیان کو اس امر کا اعتراف ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

جب حضرت اقدس نے ثناء اللہ کی نسبت دعا کی اور خدا تعالی نے آپ کو اس کی ہلاکت کی خبر دیدی تو یہ ایک وعید کی پیش گوئی ہوگئی (رسالہ تشحیذ الاذہان زیرادارت محمود احمد جون جولائی ۱۹۰۸ء۔ ص ۷۹)

یعنی باپ بیٹے یا رسول اور خلیفہ کے بیانات سے کیسا صاف ثابت ہے کہ مرزا صاحب کا ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو میری زندگی میں مرجانا تمام مرزائی مباحثات کا خاتمہ ہے۔اب مباہلہ کی حاجت کیا ہے؟ ۔ (اہل حدیث ۲۹ نومبر ۱۹۳۵ء ص ۶۔۷)

☆ ایک مرتبہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے مولوی محمد علی صاحب ایم اے امیر جماعت احمدیہ لاہور کو مخاطب کرکے کھلی چٹھی شائع فرمائی جو یوں تھی

' معروض ہے کہ آپ کے جلسے میں مسئلہ نبوت مرزا صاحب پر مباحثہ کا ذکر دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ میں اپنا پرانا مطالبہ ایک دفعہ پھر آپ کی خدمت میں پیش کروں جس کو آپ کئی سالوں سے ٹالتے آرہے ہیں حالانکہ وہ سب اختلافات کے لئے اصلاً فیصلہ کن ہے کیونکہ اس کو آپ کے پیرو مرشد حضرت مرزا صاحب نے آخری فیصلہ کے نام سے موسوم کیا ہوا ہے۔ جس کا پورا نام یہ ہے ' مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ ' جس کا مضمون یہ ہے کہ ہم دونوں (مرزا و ثناء اللہ) میں سے جو جھوٹا ہوگا وہ پہلے مرے گا۔ پس جبکہ آپ کے جلسے میں کسی مسئلے پر مباحثہ کا ہونا جائز ہے جس کا ثبوت آپ کا گذشتہ ریکارڈ اور موجودہ پروگرام ہے تو پھر کیوں نہ آپ موقع دیں کہ آپ سے آخری فیصلہ پر مباحثہ ہو ۔ (نوٹ ۔ اوقات جلسہ اگر رک چکے ہوں تو جلسہ کے بعد دوسرے روز سہی ۔ بہر حال توجہ سامی کی ضرورت ہے) ۔

امیدوار جواب باصواب ابوالوفا ثناء اللہ امرتسر ۲۴ دسمبر ۱۹۳۵ء ۔

یہ خط اشتہار کی صورت میں شائع کیا گیا اور پھر ۲۷ دسمبر ۱۹۳۵ء کے اخبار اہل حدیث میں شائع کیا گیا۔اس چیلنج کے جواب میں لاہوری مرزائی خاموش بیٹھے رہے

☆ مولانا امرتسری نے آخری فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ لکھا

. مرزا صاحب نے اس آخری فیصلہ میں جو لکھا تھا اس کا خلاصہ ہم دو جملوں میں پیش کرتے ہیں ۔ ان میں ایک جملہ خبریہ ہے اور دوسرا انشائیہ۔

جملہ خبریہ یہ ہے

. اگر میں کذاب اور مفتری ہوں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا . واقعہ یہ ہے کہ جب اس اعلان پر تیرہ مہینے گذر گئے تو مرزا صاحب (میری زندگی میں) انتقال کر گئے ۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اگر یہ جملہ خبریہ اپنے معنی میں

صادق ہے تو مرزا صاحب اپنی موت کی وجہ سے کاذب اور مفتری ثابت ہوئے۔ اور اگر یہ جملہ کاذب ہے تو مرزا صاحب اس قول کے قائل ہونے کی وجہ سے کاذب ٹھہرے۔ کیونکہ کلام کا ذب کا متکلم کاذب ہوتا ہے۔

دوسرا جملہ انشائیہ جو اس اعلان میں درج ہے یہ ہے

. اے خدا مجھ میں اور ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما۔ جو تیری نگاہ میں کذاب ہے اس کو صادق کی زندگی میں اٹھالے۔ یہ جملہ دعائیہ ہے۔ جس کی قبولیت کی اطلاع مرزا صاحب کو بقول ان کے ان لفظوں میں دی گئی۔ اجیب دعوۃ الداع۔ جس کو مرزا صاحب نے اپنے مذکورہ اعلان کے متعلق خود چسپاں کیا تھا۔ ملاحظہ ہو اخبار بدر ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جملہ انشائیہ (دعائیہ) بھی فیصلہ کن ہے۔ جو خدائی قبولیت کی وجہ سے گویا پریوی کونسل کا فیصلہ ہے.

(اہل حدیث امرتسر ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء ص ۵)

☆ اور یہ ۱۹۴۰ء کی بات ہے جب مرزائیوں کے قادیانی اور لاہوری گروپوں کے سربراہوں میں باہمی مباحثے کی بات چل رہی تھی۔ مولوی محمد علی لاہوری کہتے تھے

. قادیان کی جماعت حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کے اصل مقصد سے ہٹ گئی ہے۔ قرآن کریم کی اشاعت کا نام تک ان کی زبان پر آنا مشکل ہو گیا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ یہ لوگ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کے مقصد سے ہٹ گئے ہیں بلکہ یہ آپ کے مسلک سے بھی بہت دور چلے گئے ہیں۔ قادیان میں ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جارہی ہے۔ اس نئے مذہب میں نام تو حضرت مسیح موعود کا ہے لیکن درحقیقت اس کی ساری بنیاد خلافت پر ہے۔ بے شک ابھی یہ بات پورے طور پر واضح نہیں۔ لیکن کچھ وقت بعد سارے پردے ہٹ جائیں گے اور ساری پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ یہ میں نے جو کچھ کہا ہے بالکل درست ہے۔ اس میں قطعاً کوئی غلط بیانی یا مبالغہ نہیں ہے۔ میں خانہ خدا میں اس مقام (منبر) پر کھڑا ہوں اور نہ ہمیں قادیانی جماعت سے کوئی ضد ہے۔ نئے قادیانی مذہب میں صرف محمود باقی رہتا ہے۔ اس وقت میرے ہاتھ میں الفضل مورخہ ۵۔ اپریل ۱۹۴۰ء کا پرچہ ہے۔ اس میں میاں (محمود) صاحب کا ۱۹۔ امان ۱۳۱۹ ھش (قادیانیوں کا جدید سن) کا خطبہ شائع ہوا ہے۔

اس خطبہ کی ابتدا ہی میں میاں (محمود) صاحب کہتے ہیں

حضرت مسیح موعود کے زمانہ کی بات ہے۔ ابھی نہ کوئی خلافت کا سوال تھا۔ نہ اس قسم کا نظام جماعت کے سامنے تھا کہ مجھے الہام ہوا ان الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ مسیح موعود ابھی زندہ ہی تھے۔ میں نے آپ کو یہ الہام سنایا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے الہاموں کی کاپی میں یادداشت کے طور پر اسے درج فرما لیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں یقیناً ان کو جو تیرے متبع ہوں گے ان لوگوں پر جو تیرے مخالف ہوں گے ہمیشہ غالب رکھونگا اور یہ غلبہ قیامت تک رہے گا (ص ۳)

الہام میاں (محمود) صاحب کو ہوا اور اسے درج حضرت مسیح موعود نے اپنی کاپی میں فرمالیا۔ گویا حضرت مسیح موعود نے بقول میاں صاحب تسلیم کر لیا کہ میرا نہیں بلکہ میرے بیٹے کا ماننا ضروری ہے اور اسی کا غلبہ تا قیامت رہے گا۔ یہ ہے وہ نیا مذہب جو آج کل قادیان میں بن رہا ہے۔ دیکھ لیجئے۔ اس میں حضرت مسیح موعود باقی نہیں رہے۔ صرف محمود باقی رہ گیا ہے۔ جس طرح ماموروں کا ماننا ضروری ہے اسی طرح میاں صاحب نے اپنا ماننا ضروری قرار دیا ہے۔ انہیں ویسے تو ماموریت کا دعوی نہیں لیکن مقام وہ اختیار کیا ہے جو ماموروں کے لائق ہے۔

اس کے بعد اسی خطبہ میں میاں (محمود) صاحب نے کہا ہے کہ گذشتہ ایام سے غیر مبایعین پھر سر اٹھا رہے ہیں اور وہ اپنے دل میں یہ امیدیں قائم کر رہے ہیں کہ وہ جماعت میں پھر کوئی فتنہ پیدا کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک علیحدہ اخبار ینگ مسلم اسی غرض سے جاری کیا ہوا ہے۔ اور ان کے بعض آدمی بھی وقتاً فوقتاً قادیان میں آتے اور بعض منافقین سے سنتے رہتے ہیں۔ اور وہ اپنے دل میں پھر یہ خیال کرنے لگ گئے ہیں کہ اس رنگ میں وہ کامیاب ہو جائینگے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ وہ یقیناً ناکام رہیں گے۔ پس چاہے وہ کتنا زور لگالیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے (ص ۴)

اس بڑے بول کے باوجود میاں (محمود) صاحب کو فکر بھی ہے کہ 'جہاں اللہ کا یہ وعدہ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ہم غالب رہیں گے وہاں ایک اور بات کی طرف بھی ہمیں توجہ دلاتا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ قیامت تک میرے ماننے والے منکرین خلافت پر غالب رہیں گے بتا رہا ہے کہ مخالفین خلافت کسی نہ کسی صورت میں

باقی رہیں گے۔ یہ بات یقیناً فکر والی ہے کیونکہ اگر دشمن نے کسی نہ کسی رنگ میں رہنا ہے اور اگر مخالف نے کسی نہ کسی رنگ میں ہمیشہ ہمارے راستے میں روڑے اٹکاتے رہنا ہے تو ہمارے لئے بھی ہمیشہ ہی اس کے مقابلے کا انتظام کرتے رہنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ انسانی جسم میں اگر کوئی مرض رہے تو بہر حال اس کا علاج ضروری ہوتا ہے۔ ایک شخص کو نزلہ ہوتا ہے اور چند دنوں کے بعد وہ اچھا ہو جاتا ہے تو وہ اتنے ہی دن دوائی کھاتا ہے جتنے دن بیمار رہتا ہے۔ ایک اور شخص کو بخار ہوتا ہے اور وہ اچھا ہو جاتا ہے تو وہ بھی اتنے ہی دن دوائی کھاتا ہے جتنے دن بیمار رہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مرض ایسا ہو جو خواہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو مگر ہمیشہ ساتھ رہے تو اس کے متعلق انسان ہمیشہ دوائی استعمال کرتا رہتا ہے تا کہ مرض دبا رہے اور وہ جسم پر غلبہ نہ پائے۔ پس صرف اس بات پر خوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہم غالب رہیں گے ... بہر حال وہ فتنہ ایسا نہیں کہ ہم اس کی طرف سے غافل ہو سکیں '

اب دیکھ لیجئے میاں (محمود) صاحب صاف کہہ رہے ہیں کہ میرے ماننے والے منکرین خلافت پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ نہ اللہ رہا نہ رسول رہا۔ نہ مسیح موعود رہا۔ صرف خلیفہ ہی خلیفہ رہ گیا۔ اور فکر بھی صرف اس بات کی ہے کہ منکرین خلافت ہمیشہ رہیں گے۔

(مولوی محمد علی کہتے ہیں) خیر یہ تو ایک ضمنی بات آگئی تھی اصل چیز جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ ایک اور ہے۔ میاں صاحب نے اپنے خطبہ جمعہ ۱۵ مارچ (۱۹۴۰ء) میں جس کا عنوان ہے ' دینی اور دنیوی کاموں میں ہمیشہ سچ اختیار کرو ' بظاہر سچ بولنے پر بہت زور دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسی خطبہ میں بہت ہی نہائت افسوسناک غلط بیانیاں کی ہیں۔ ایک جگہ مسئلہ نبوت کے متعلق آپ کہتے ہیں

' اسی طرح پہلے آپ لکھتے رہے کہ میں نبی نہیں ہوں مگر بعد میں نبوت کا دعوی کیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ میرا تو پہلے بھی یہی مطلب تھا کہ میں نبی ہوں۔ ' نہیں ' کا لفظ کاتب نے غلطی سے لکھ دیا۔ بلکہ سادگی سے اقرار کر لیا کہ مسلمانوں کے پرانے عقیدے کے مطابق میں اپنے آپ کو نبی نہیں سمجھتا تھا۔ مگر خدا کی بارش طرح وحی نے مجھے اس عقیدہ پر قائم نہیں رہنے دیا ' (الفضل ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء)

گویا خلیفہ صاحب نے یہ صورت قائم کی ہے کہ پہلے حضرت مسیح موعود اپنے آپ کو نبی نہیں کہتے تھے بعد میں کہنے لگے۔ اسوقت لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا بے شک میں کہتا تھا کہ میں نبی نہیں ہوں لیکن یہ میرا انکار مسلمانوں کے پرانے عقیدہ کے مطابق تھا۔

میاں صاحب کا یہ بیان از سرتا پا غلط ہے۔ اول دیکھنے والی یہ بات ہے کہ کیا یہ صحیح ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کبھی پہلے اپنے آپ کو نبی نہ کہتے تھے اور بعد میں کہنے لگے۔ اور لوگوں کے اعتراض پر آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میرا انکار مسلمانوں کے پرانے عقیدہ کی وجہ سے تھا۔ یہ از سر تا پا غلط ہے۔ گو اس کے اول اور آخر دوسروں کو سچ بولنے کی تلقین ہو مگر اس میں ذرہ بھر صداقت نہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ لوگوں نے کب آپ پر نبوت کی وجہ سے اعتراض کیا اور کفر کا فتوی لگایا؟ یقیناً آپ کے دعوی مسیحیت پر ہی لوگوں نے آپ پر کفر کا فتوی لگایا اور آپ کی طرف دعوی نبوت منسوب کیا۔ اس سے پہلے تو نہیں ہوا۔ اس وقت تو ان اعتراضات اور فتاوی کفر کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ

کیا ایسا بد بخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعوی کرتا ہے۔ قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے کہہ سکتا ہے کہ میں آنخضرت ﷺ کے بعد رسول اور نبی ہوں' (انجام آتھم ص ۲۷)

گویا جو شخص آنخضرت ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا دعوی کرتا ہے اس کے متعلق حضرت (مرزا) صاحب فرماتے ہیں کہ وہ قرآن شریف پر کیسے ایمان رکھ سکتا ہے اور جو قرآن کریم پر ایمان رکھتا ہے وہ دعوی نبوت و رسالت کس طرح کر سکتا ہے۔ یعنی آپ فرماتے ہیں کہ یہ دو متضاد چیزیں ہیں کہ ایک شخص قرآن پر بھی ایمان رکھے اور دعوی نبوت و رسالت بھی کرے۔ اس کے بعد آپ لفظ نبی کو لغوی معنوں میں استعمال کرنے کے متعلق فرماتے ہیں کہ

'غیر حقیقی طور پر کسی لفظ کو استعمال کرنا اور لغت کے عام معنی کے لحاظ سے اسے بول چال میں لانا مستلزم کفر نہیں۔ مگر میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ اس میں عام مسلمانوں کو دھوکہ لگ جانے کا احتمال ہے' (ایضاً)

دیکھ لیجئے جہاں حضرت (مرزا) صاحب حضرت نبی کریم ﷺ کے بعد دعوی نبوت کرنے والے کو کافر اور مفتری قرار دیتے ہیں وہاں لغت کے عام معنوں کے لحاظ سے لفظ نبی کے استعمال کو مستلزم کفر قرار نہیں دیتے۔ آگے چل کر لفظ نبی کی مزید تشریح اس طرح فرماتے ہیں کہ

'بعض اوقات خدا تعالی کے الہامات میں ایسے الفاظ استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے بعض اولیا کی نسبت استعمال ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت پر محمول نہیں ہوتے۔ مسیح موعود (مرزا صاحب) کا نام .. نبی اللہ انہی مجازی معنوں کی رو سے ہے جو صوفیا کرام کی کتابوں میں مسلم ہیں' (ایضاً)

حضرت (مرزا غلام احمد) صاحب کی ان تشریحات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ لفظ نبی کے استعمال سے آپ کی مراد کیا تھی اور میاں (محمود) صاحب نے جو یہ منبر پر کھڑے ہو کر کہا ہے کہ 'سادگی' سے اقرار کرلیا کہ مسلمانوں کے پرانے عقیدہ کے مطابق میں اپنے آپ کو نبی نہیں سمجھتا تھا' بالکل غلط ہے۔ اب یہ نیا مذہب قادیان میں بن رہا ہے اور لوگوں کی آنکھوں کے سامنے بن رہا ہے۔ لیکن کسی (قادیانی) کو مجال نہیں کہ وہ اس کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے۔

حضرت (مرزا) صاحب کی طرف خواہ مخواہ دعوی نبوت منسوب کیا جارہا ہے۔ اور اس بارہ میں عجیب وغریب قسم کی متضاد باتیں کہی جا رہی ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ حضرت (مرزا) صاحب نے ۹۱۔۱۸۹۰ء میں دعوی نبوت کیا۔ کبھی ۱۹۰۱ء کا نام لیا جاتا ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں دعوی نبوت کیا۔ حالانکہ 'ایک غلطی کا ازالہ' جو ۱۹۰۱ء کی ایک کتاب ہے اس میں حضرت صاحب صاف صاف فرماتے ہیں کہ

'چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوت کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرت ﷺ سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بیشک ایسا عقیدہ تو معصیت ہے'

لیکن جس طرح میاں (محمود) صاحب نے اس خطبہ میں بیان کیا ہے اس طرح حضرت (مرزا) صاحب کی وحی نبوت چالیس سال سے بڑھ جاتی ہے۔ جو حضرت صاحب کے ہی مندرجہ بالا ارشاد کے مطابق معصیت ہے۔ اسکے بعد نبی کا لفظ لغوی معنوں میں بطور مجاز و استعارہ استعمال کرنے کا ذکر کرتے ہوئے اسی کتاب میں

فرماتے ہیں کہ ' اس طور پر نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا '

لیکن خلیفہ صاحب اس کے برعکس فرما رہے ہیں کہ پہلے حضرت صاحب اپنے آپ کو نبی نہیں کہتے تھے۔ بعد میں دعوی نبوت کیا ' سادگی سے اقرار کرلیا کہ مسلمانوں کے پرانے عقیدہ کے مطابق میں اپنے آپ کو نبی نہیں سمجھتا تھا '

اب نہ صرف میاں صاحب کو بلکہ ساری قادیانی جماعت کو میں چیلنج دیتا ہوں کہ وہ حضرت (مرزا صاحب) کی کسی تحریر اور کسی تقریر سے یہ بات نکال کر دکھائیں

مجھے نہائت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میاں صاحب نے یہ غلط بیانی سچ بولنے کی تلقین کے وعظ میں کی ہے۔ اصل میں جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود (مرزا) کی طرف دعوی نبوت منسوب کرنے میں میاں صاحب نے طرح طرح کی ٹھوکریں کھائی اور غلط بیانیاں کی ہیں۔ کبھی لکھا کہ ۱۹۰۲ء میں دعوی نبوت کیا۔ کبھی یہ کہ ۱۹۰۱ء میں دعوی نبوت کیا...

میں میاں (محمود) صاحب کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ

' ان تین مسائل کے متعلق جس طرح چاہیں ثالثوں کو رکھ کر یا بغیر اس کے یہ بحث کرلیں کہ ہم دونوں فریق لاہور اور قادیان میں سے کس کا مسلک حضرت مسیح موعود (مرزا صاحب) کی تعلیم کے مطابق ہے اور کون اس مسلک سے دور جا رہا ہے۔ وہ تین مسائل جو دونوں جماعتوں میں وجہ نزاع ہیں۔ یہ ہیں۔ ۱۔ مسئلہ کفر و اسلام۔ ۲۔ مسئلہ نبوت۔ ۳۔ مسئلہ خلافت۔ بے شک ثالث مقرر کرلیا جائے۔ یا اور کوئی معقول صورت ہو۔ میں اکیلا بحث کرونگا۔ بحث تحریری ہوگی۔ میں اکیلا گفتگو کرونگا اور کسی کی امداد کا خواہاں نہیں ہونگا۔ میاں (محمود) صاحب بے شک اپنی امداد کے لئے جس قدر آدمی چاہیں لے آئیں۔ میری امداد کے لئے خدا کافی ہے۔ ہاں بحث تحریری ہوگی '۔ (پیغام صلح لاہور ۱۸ اپریل ۱۹۴۰ء ص ۴ تا ۶) '

(مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں) کہ الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۴۰ء میں اس چیلنج کی منظوری آگئی تو ہم نے بھی اس مباحثے میں اپنی خدمت پیش کی کہ جو فریق ہم سے کوئی مشورہ لے گا یا کوئی حوالہ پوچھے گا تو ہم بلا دریغ بتا دیں گے۔ انشاءاللہ اور تجویز پیش کی کہ چونکہ امرتسر لاہور اور قادیان میں مکاناً سوی کا حکم رکھتا ہے

۔اس لئے مجوزہ مباحثہ امرتسر ہی میں ہونا چاہیے اور ہم اس کے انتظام میں مدد دینے کو حاضر ہیں۔ نیز مولانا نے لکھا ' ہم بھی جماعت احمدیہ سے پرانا تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان دو جماعتوں کے امتیازی وجود سے پہلے کا ہے۔ اس لئے اس باہمی مباحثہ کے اختتام کے بعد ہمارا چیلنج ہوگا کہ مرزا صاحب کے آخری فیصلہ کے متعلق دونوں جماعتیں ہم سے گفتگو کر لیں ۔ اور ہم خوش ہوں گے کہ اگر ہمارے مقابلہ میں دونوں جماعتیں متفق ہو جائیں ۔مگر مناظر جو شخص بھی منتخب ہو وہ فریقین کے سرگروہوں کی اجازت سے ہونا چاہیے۔مولوی محمد علی کے یہ الفاظ میں بھی دہراتا ہوں کہ میں اکیلا بحث کرونگا اور بحث تحریری ہوگی ۔ باقی شرائط تقسیم اوقات وغیرہ کے متعلق جو آپ لوگوں کے مابین طے ہوں وہ مجھے بھی منظور ہوں گی۔

(اہل حدیث امرتسر ۳ مئی ۱۹۴۰ء ص ۴۔ ۶)

☆ ۱۹۴۶ء قادیانیوں اور لاہوری مرزائیوں میں ایک تنازعہ چل رہا تھا اور سیٹھ عبداللہ الہ دین کہتے تھے کہ لاہوری جماعت کے امام مولوی محمد علی حلف اٹھائیں اور ان سے ۶۰ ہزار روپیہ لیں، مولوی محمد علی نے جواباً کہہ رکھا تھا کہ ہمارا جلسہ اخیر دسمبر میں ہونے والہ ہے آپ آجائیں اور حلف اٹھوالیں۔اس پر مولانا ثناء اللہ نے یہ خیال کر کے کہ کہیں لاہور یا قادیان میں مقام حلف کا تنازعہ کھڑا ہو کر یہ معاملہ رک نہ جائے یہ تجویز پیش فرمائی کہ دونوں فریق امرتسر کی اسی عیدگاہ میں آجائیں جہاں مرزا صاحب نے بھی ایک مباہلہ کیا تھا۔انتظامات کے سلسلے میں اپنی خدمات ہم بھی پیش کرتے ہیں آپ نے مزید فرمایا

. فریقین کے حلفیہ فیصلہ کے بعد ہم ان دونوں فریقوں کو متحد اور متفق کرنے کے لئے اپنی شخصیت پیش کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم دونوں آپس میں جنگ کر چکے اب تمہارے اتفاق کی ایک صورت ہم بتاتے ہیں کہ ہمارے سامنے تم دونوں متحد ہو کر آجاؤ اور مرزا صاحب کے آخری فیصلے والے مضمون پر ہم سے بحث کر لو ..
۔۔ہم کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے آخری فیصلے والے اشتہار میں جو دعا کی شائع تھی وہ بارگاہ الہی میں قبول ہو کر اپنا جلوہ دکھا چکی ہے۔ پس آپ دونوں فریق اس دعا کی قبولیت کو تسلیم کریں یا انکار کی وجوہات بتائیں ..سیٹھ عبداللہ الہ دین اس مباحثے میں خلیفہ کی اجازت مطبوعہ شائع کر کے ہمارے سامنے آئے اور جن علماء کو اپنا وکیل بنانا چا

ہے بنالے۔ اگر وہ چاہیں تو اس مقابلہ کے لئے ہم بٹالہ میں جو قادیان سے قریب ہے پہنچ جائیں گے۔ ہاں یہ شرط ضروری ہوگی کہ اس مناظرہ میں سیشن جج کے درجے کا کوئی شخص منصف ہونا چاہیے۔ (اہل حدیث ۲۰ دسمبر ۱۹۴۶ء ص ۴)

اور مرزائیوں کے دونوں گروپ اس چیلنج پر خاموش رہے۔

☆ ۱۲ مارچ (۱۹۳۵ء) کو بتقریب جلسہ دارالعلوم عربیہ جامع مسجد شہر میرٹھ میں آخری فیصلہ پر مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ایک مباحثہ ہوا۔ ان کے مقابلے میں مرزائیوں کی لاہوری جماعت کے مولوی اختر حسین مبلغ پیش ہوئے لیکن ان کے مشیر مولوی عمر الدین جالندھری معروف شملوی رہے۔ مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ

ہم نے سمجھا تھا کہ شملوی صاحب مرزائی لٹریچر کے بڑے ماہر ہیں۔ اور کئی دفعہ اس مضمون پر بحث کرنے کی آرزو کر چکے ہیں۔ شائد انعامی مباحثہ لودہانہ کے بعد کوئی مزید معلومات آپ نے حاصل کئے ہوں کیونکہ لودہانہ کی انعامی رقم تین سو میں مبلغ پچاس روپئے آپ کے بھی شامل تھے۔ مگر دوران مباحثہ ہمارا خیال غلط ثابت ہوا۔ کیونکہ مباحثہ میں اس طرف کوئی جدت ہم نے نہیں پائی۔ بلکہ وہی باتیں سنیں جو ۱۹۰۸ء سے آج تک جماعت مرزائیہ پیش کرتی آئی ہے۔ اگر واقعہ کو ملحوظ رکھ کر رائے قائم کریں تو انصاف یہی ہے کہ امت مرزائیہ کو معذور قرار دیا جائے۔ آخر وہ کریں تو کیا کریں۔ ایک بت کو کھڑا کرکے اس کی پوجا کرا رہے ہیں۔ اب ان کو کہا جاتا ہے فاسئلوھم ان کانوا ینطقون اس کے جواب میں وہ اس سے زیادہ کیا کہیں گے لقد علمت ما ھاء لاء ینطقون

مرزا صاحب متوفی نے اشتہار آخری فیصلہ کے شروع ہی میں فیصلے کی قطعیت پر قسم کھائی ہوئی ہے۔ پھر یہ فیصلہ بصورت واقعہ کیوں ظہور پذیر نہ ہوتا۔ بہرحال مباحثہ میرٹھ میں جو کچھ فریق ثانی سے بن آیا وہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔ جس کو مولوی عمر دین مذکور نے اپنے اخبار (پیغام صلح لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء ص ۶) میں شائع کرایا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں

' ہم نے بتایا کہ دراصل مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ مدتوں سے یہ جھگڑا چلا آرہا تھا کہ وہ مباہلہ کرکے فیصلہ کرلیں۔ مگر مولوی صاحب حیلہ و بہانہ سے اس تلخ

پیالہ کو ٹالتے رہے.... یہاں تک کہ جب انہوں نے ۱۹۰۷ء کے شروع میں مباہلہ پر ذرا سی آمادگی ظاہر کی تو فوراً ان کو مباہلہ کے شکنجہ میں جکڑنے کے لئے ان کا چیلنج منظور کرلیا گیا۔ مگران کو کہا گیا کہ چونکہ کتاب حقیقت الوحی قریباً چھپ چکی ہے اس لئے ہم اس کتاب کے ہمراہ اپنی طرف سے مباہلہ کا اشتہار شائع کر دیں گے مولوی ثناء اللہ صاحب کو کتاب بھیج دی جائے گی ۔ پھر مولوی صاحب کتاب کو اچھی طرح پڑھ لیں اور اگر پھر بھی ان کی تسلی نہ ہو اور وہ مباہلہ کے لئے تیار ہوں تو ہمارے اشتہار مباہلہ کے بالمقابل مباہلہ کا اشتہار دیکر آخری فیصلہ کرلیں ۔مگراس اعلان کومولوی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کے فرار کے مترادف قرار دے کر شور مچایا کہ لو کرشن قادیانی، وہ بھاگا، وغیرہ وغیرہ ۔ تب اس ظلم کو دیکھ کر حضرت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے ہمراہ اشتہار شائع کرنے کی بجائے ایک علیحدہ اشتہار مباہلہ آخری فیصلہ کی غرض سے ۱۵۔اپریل ۱۹۰۷ءکو شائع کردیا '

(مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ شملوی کی) اس عبارت کے سات فقرے حسب ذیل ہیں

۱ ۔ ۱۹۰۷ء میں میں (ثناء اللہ) نے مباہلہ پر زور دیا

۲۔ مرزا صاحب نے میرا چیلنج منظور کرلیا۔

۳ ۔ میرے چیلنج کی منظوری دے کر مباہلہ کرنا (مرزا صاحب نے اپنی کتاب) کتاب حقیقۃ الوحی کے شائع ہونے تک ملتوی رکھا

۴ ۔ حقیقۃ الوحی کے ساتھ اپنی (مرزا صاحب کی)طرف سے ایک اشتہار مباہلہ دینے کا وعدہ کیا۔

۵ کتاب حقیقۃ الوحی پڑھ لینے کے بعد میرے (ثناء اللہ کے) جوابی اشتہار کا انتظار کرنا بھی ضروری قرار دیا۔

۶ میں (ثناء اللہ)نے مرزا صاحب کی اس تحریر کو فرار قرار دیا۔

۷۔ مرزا صاحب نے جو اشتہار حقیقۃ الوحی کے ساتھ بغرض مباہلہ دینا تھا میرے ایسا کرنے پر وہی اشتہار بعنوان ' مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ ' ۱۵ اپریل (۱۹۰۷ء) کو شائع کردیا۔

ان سب فقرات سے (شملوی صاحب کو) یہ نتیجہ نکالنا منظور ہے کہ چونکہ

مولوی ثناء اللہ نے اعلان آخری فیصلہ کے مقابلے پر منظوری کا اشتہار نہیں دیا تھا لہذا یہ مباہلہ منعقد نہیں تو دلیل بھی نہ ہوا۔

مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ مجھے ان لوگوں پر رحم آتا ہے کہ یہ لوگ مرزا صاحب کے فیصلہ حقہ کو بماتحت آئت کریمہ لیدحضوا بہ الحق مکدر کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کرتے رہے ہیں لیکن غور نہیں کرتے کہ جس خدا نے مجھے مئی ۱۹۰۸ء میں بروز انتقال مرزا صاحب اور اپریل ۱۹۱۲ء میں بمقام لودہانہ بین فتح دی آج بھی وہی میرا حافظ و ناصر ہے۔ وھو یتولی الصالحین۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ مولوی عمرالدین مذکور کا یہ بیان سراسر غلط ہے۔ نہ مرزا صاحب نے ایسا لکھا جو ان کی طرف منسوب کیا گیا۔ نہ میں نے ایسا لکھا جو میری طرف منسوب کیا گیا۔ مزید لطف یہ ہے کہ میرٹھ میں بوقت مباحثہ (شملوی صاحب یا مولوی اختر حسین نے) ایسا کہا بھی نہیں۔ تقاضائے صداقت تو یہ تھا کہ شملوی صاحب اس واقعہ کے متعلق مرزا صاحب کی اصل عبارت ان کے الفاظ میں نقل کرتے۔ پھر بطور نتیجہ جو کچھ چاہتے اس سے اخذ کرتے۔ مگر آپ نے ایسا نہ کیا۔ اس لئے ہم اصل الفاظ نقل کرتے ہیں تا کہ بانصاف ناظرین کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقع مل سکے۔

اخبار الحکم میں یہ سرخی دی گئی تھی کہ ' مولوی ثناء اللہ امرتسری کا چیلنج منظور کیا گیا ' اس سرخی کے نیچے اہل حدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی عبارت نقل کر کے لکھا تھا

' حضرت اقدس (مرزا صاحب) نے فرمایا کہ یہ مباہلہ (ثناء اللہ کے ساتھ) چند روز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے۔ اور امید ہے کہ بیس پچیس روز تک انشاء اللہ کتاب شائع ہو جائے گی۔ اس کتاب میں ہر قسم کے دلائل سلسلہ حقہ کے ثبوت میں خلاصۃً بیان کئے گئے ہیں۔ اور دو سو سے سوا اس میں نشانات بھی لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب مولوی ثناء اللہ کو بھیج دی جائے گی اور وہ اس کو اول سے آخر تک پڑھ لے۔ اس کتاب کے ساتھ ایک اشتہار بھی ہماری طرف سے شائع ہوگا جس میں ہم ظاہر کر دیں گے کہ ہم نے مولوی ثناء اللہ کے چیلنج مباہلہ کو منظور کر لیا اور ہم اول قسم کھاتے ہیں کہ وہ تمام الہامات جو اس کتاب (حقیقۃ الوحی) میں ہم نے درج کئے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں اور اگر یہ ہمارا افترا ہے تو لعنۃ

اللہ علی الکاذبین ‘ (اخبار الحکم ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء ۔ص ۱۹) ۔

اس عبارت میں مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی کے ساتھ جو اشتہار دینا تجویز کیا ہے اس کا مضمون بھی بتا دیا ہے جو یہ ہے کہ

’ ہم نے مولوی ثناء اللہ کے چیلنج مباہلہ کو منظور کرلیا اور ہم اول قسم کھاتے ہیں کہ وہ تمام الہامات جو اس کتاب (حقیقۃ الوحی) میں ہم نے درج کئے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہیں اور اگر یہ ہمارا افترا ہے تو لعنۃ اللہ علی الکاذبین ‘

اب سنو ۔ اشتہار آخری فیصلہ اگر اس مضمون کی عکسی تصویر ہے تو اس میں مرزا صاحب کی قسم اور کتاب حقیقۃ الوحی کا نام اور الہامات کا ذکر دکھا دیں ۔

شملوی صاحب نے اس غلط بیانی سے بڑھ کر ایک اور غلط بیانی کی ہے ۔جس کے الفاظ یہ ہیں

’ مولوی (ثناء اللہ) صاحب کا ایک یہ عذر تھا کہ میں لدھیانہ میں ۳۰۰ روپئے انعام اس آخری مباحثہ میں جیت چکا ہوں ۔اس کے جواب میں کہا گیا کہ سنت صدیق اکبر کے موافق ہم مال کو بڑھا کر پھر انعامی مباحثہ کرتے ہیں ۔کیا آپ تیار ہیں؟ دس آدمی مسلمانوں میں سے ہم چن کر ثالث بنائیں گے اور دس احمدیوں میں سے آپ چن لیں ۔اور ۵ آدمی غیر جانبدار مسلمہ فریقین ہوں گے ۔ان کا فیصلہ جو کثرت رائے سے ہو قبول کرلیا جائے ۔ مال جس قدر چاہو بڑھا لو۔نصف ہماری جماعت کا اور نصف آپ کی جماعت کی طرف سے ہوگا (ہماری جماعت سے کیوں ؟ کیا صدیق اکبر نے کفار کو ایسا کرنے کو کہا تھا؟) مولوی (ثناء اللہ) صاحب نے اس کو ہوا قرار دے کر رد کر دیا اور کہا کہ میں تو مولانا محمد علی صاحب سے ہی یہ مباحثہ کرونگا۔ دوسرے لفظوں میں مولوی صاحب نے بہانہ سے ہمارے ساتھ انعامی مباحثہ کرنے سے انکار کردیا۔لیکن ہم بذریعہ اخبار پھر مولوی صاحب کو مباحثہ کی دعوت دیتے ہیں ۔مگر ہم جانتے ہیں کہ مولوی صاحب حسب عادت اس تلخ پیالہ کو خاموشی سے یا بہانہ سے ٹال دیں گے ‘ (پیغام صلح لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۳۵ء)

(مولانا فرماتے ہیں) واقعہ یوں ہے کہ میں نے جواب میں کہا تھا کہ اعیان جماعت احمدیہ سے پہلے بمقام لودہانہ مباحثہ ہوکر فیصلہ ہو چکا ہے ۔اب اگر ہو تو

دونوں گروہوں کے سرداروں میں سے کسی کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہ معاملہ دراصل میرا اور مرزا صاحب متوفی کا ہے۔ میں تو بفضلہٖ تعالی بنفس نفیس موجود ہوں مرزا صاحب انتقال کر گئے ہیں۔ اب ان کی جگہ جو گدی نشین ہے مرزا صاحب کی نیابت میں وہی میرے سامنے آنا چاہیے۔ میری اس دلیل کو حاضرین جلسہ نے بہت معقول سمجھا'۔ (اہل حدیث ۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء ص ۴۔۶)

☆ مرزا محمود صاحب سے جن دنوں مولانا ثناءاللہ کے تفسیری مقابلے کی بات چل رہی تھی ان دنوں بھی مولانا نے قادیانیوں کو آخری فیصلے پر مباحثے کی دعوت دی تھی۔ اس سلسلے میں مولانا کی ایک تحریر درج ذیل ہے۔ فرماتے ہیں

خلیفہ قادیان (مرزا محمود) نے حسب عادت پدری و ذاتی جلسہ قادیان میں اپنے مریدوں کو ثابت قدم رکھنے کے لئے تقریر میں اپنی تفسیر نویسی کے متعلق فرمایا 'مجھے بھی قرآم کریم کے ایسے معارف بتائے گئے ہیں جو کسی کو معلوم نہیں'

مولانا کہتے ہیں کہ چونکہ جلسہ عام میں یہ اعلان کیا گیا ہے اس لئے اس کی حقیقت ہم کھولتے ہیں۔

بتاریخ یکم اگست ۱۹۰۰ء بڑے میاں مرزا غلام احمد صاحب نے پیر صاحب گولڑہ اور دیگر علماء کو جن میں خاکسار بھی داخل تھا تفسیر نویسی کے لئے لاہور بلایا۔ اس شرط پر کہ تفسیر عربی زبان میں لکھی جائیگی اور فریقین جامہ تلاشی دے کر خالی ہاتھ کمرہ میں داخل ہونگے۔ پیر صاحب اور ہم سب لاہور پہنچ گئے۔ مگر مرزا صاحب نہ آئے اس عذر سے کہ مخالف مجھے مار دیں گے۔

اس کے بعد خلیفہ (محمود) صاحب نے الفضل ۱۶ جنوری ۱۹۲۵ء میں علماء دیوبند کو قرآنی معارف نمائی کا چیلنج دیا۔ جس کے جواب میں ہم نے اہل حدیث میں لکھا کہ ہم اس خدمت کو حاضر ہیں۔ سادہ قرآن لے کر بٹالہ کی جامع مسجد میں آکر آمنے سامنے بیٹھ کر باپ کی مجوزہ شروط کے ماتحت تفسیر لکھو (اہل حدیث ۱۳ نومبر ۱۹۲۵ء) اس کے جواب میں خلیفہ صاحب نے یہ صورت منظور نہ کی بلکہ کہا کہ انہیں کتابوں کی خاص کر کلید قرآن کی بھی ضرورت ہوگی (الفضل ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء)۔ ہم نے یہ صورت بھی منظور کر لی۔ مگر فریق ثانی خاموش رہا۔ اس کے بعد قادیان سے

پھر آواز اٹھی کہ

’ حضرت امام جماعت (احمدیہ) کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا ایسا علم عطا کیا ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضور بارہا اس بارے میں چیلنج دے چکے ہیں (الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء)۔

اس کی منظوری اہل حدیث ۲۳ مئی ۱۹۳۰ء میں ہم نے دیدی تھی۔ بعد ازاں ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو یاد دہانی بھی کرائی گئی۔ آخر میں یہ کہہ کر خلیفہ نے جان چھڑائی کہ

’ میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب سے زیادہ عربی جانتا ہوں۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ احمدیہ جماعت معارف قرآنیہ جاننے میں حضرت مسیح موعود کے فیض سے سب دوسرے لوگوں سے بڑی ہوئی ہے۔ (الفضل ۲۴ مارچ ۱۹۳۱ء)

یعنی میاں محمود ہمارے مقابلے میں وہ معارف پدری نقل کریں کر دینگے جو ان کے والد بزرگوار نے لکھے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کی حیثیت نہیں۔

اس کے تین سال بعد لائل پور (حال فیصل آباد پاکستان) میں (مرزا محمود نے) ناواقفوں کے سامنے پھر ڈینگ ماری ہے کہ

’ میں نے بارہا چیلنج کیا ہے کہ معارف قرآنی میرے مقابلہ میں لکھو۔ حالانکہ میں کوئی مامور نہیں۔ مگر کوئی بھی اس کے ماننے کو تیار نہیں ہو۔

(الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۳۴ء ص ۸)

مولانا کہتے ہیں کہ قادیانی ممبرو۔ خدا لگتی کہو کہ ہم نے جواب میں فوراً ہی نہیں کہا تھا کہ سادہ قرآن اور سادہ کاغذ اور آزاد قلم لے کر بٹالہ کی جامع مسجد میں آجاؤ۔ پھر تم کیوں نہ آئے؟ تم نے اس کے جواب میں کیا کہا تھا؟۔ اچھا چلو اب کیا حرج ہے؟ مرزا مرا یا سارنگی ٹوٹی اب بھی آجایئے۔ ہم سادہ قرآن لیکر پہنچ جائیں گے۔ آپ کو اجازت ہے جو کتاب چاہیں حتی کہ کلید قرآن بھی ساتھ لے آئیں۔ بٹالہ میں آئیں یا امرتسر میں، جہاں آپ کو آسانی ہو تشریف لے آئیں۔

تاہم انصاف یہ ہے جسے آپ کے سوا تمام سمجھ دار سمجھ سکتے ہیں کہ تفسیر نویسی سے ہمارا آپ کا اصلی اختلاف نہیں مٹ سکتا۔ اس سے تو اتنا معلوم ہو سکتا ہے (وہ بھی کسی مسلمہ منصف کے فیصلے کے بعد) کہ ایک فریق تفسیر اچھی لکھ سکتا ہے

۔ اس سے مرزا صاحب متوفی کے دعوی میسحیت موعودہ پر کوئی اثر نہیں ہوسکتا۔ اس پر اگر اثر ہے تو اس فیصلے کا ہے جس کو خود مدعی (مرزا غلام احمد) نے فیصلہ بلکہ ' آخری فیصلہ ' قرار دیا ہوا ہے۔ اس لئے ضروری اور اشد ضروری ہے کہ بعد مقابلہ تفسیر نویسی کے ' آخری فیصلہ ' پر ہمارے ساتھ آپ کی سیر کن بحث ہونے کے بعد مسلمہ منصف سے فیصلہ کرایا جائے۔ تاکہ روز کے اختلافات سے امت کو چین نصیب ہو۔ کیا آپ منظور کریں گے ؟ ' (اہل حدیث یکم جون ۱۹۳۴ء ص ۳ ۔ ۴)

☆ مولانا ثناء اللہ نے ایک دفعہ . خلیفہ قادیان کی نئ چال . کے عنوان سے لکھا

آخری فیصلہ پر بہت دفعہ گفتگو ہوئی۔ مسلمہ منصف نے فیصلہ دیا۔ ہم نے تین سو روپئہ انعام بھی لیا۔ ان سب واقعات نے قادیان اور لاہور کا قافیہ ایسا تنگ کیا ہے کہ بات بنائے نہیں بنتی۔ سوجھائے نہیں سوجھتی۔ آخر سوچ بچار کے بعد خلیفہ قادیان نے اس دفعہ ایام جلسہ (قادیان) میں خطبے میں ایک لمبی تقریر فرمائی جس میں آخری فیصلہ کا مفصل ذکر کیا۔ پرانی باتوں کے علاوہ نئ بات اس میں یہ اضافہ کی ہے کہ مجھ سے حلف کا مطالبہ کیا ہے۔ آپ کے الفاظ حسب ذیل ہیں ۔

اگر وہ اپنی باتوں پر مصر ہیں تو اب بھی ان کے لئے موقع ہے اور اگر ان میں ذرہ بھی تخم دیانت کا باقی ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ وہ اپنے اخبار میں شائع کردیں کہ میں مرزا صاحب کو مفتری کذاب اور دجال خیال کرتا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے مرزا صاحب کا شائع کیا ہوا طریق مقابلہ تسلیم کرلیا تھا۔ اور اس کو صداقت کے پرکھنے کا معیار اس وقت بھی سمجھتا تھا اور اب بھی سمجھتا ہوں ۔اور یقین رکھتا ہوں کہ مرزا صاحب میرے مقابلے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ اے خدا اگر میں اس دعوی میں جھوٹا اور کاذب ہوں تو مجھے اپنے عذاب سے ہلاک کر دے۔ اس دعا کے شائع کرنے کے بعد اگر قریب ترین عرصہ میں وہ اللہ تعالی کی لعنت میں گرفتار نہ ہوجائیں اور خدا تعالی کی قہری تجلیات کا نشانہ نہ بن جائیں تو بے شک وہ اپنے آپ کو سچا سمجھیں (الفضل ۴ جنوری ۱۹۳۴ء)۔

مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ ہم حیران ہیں اور ہماری حیرانی فرقہ ہذا کے شروع ہی سے یہ ہے کہ یہ لوگ دعوی تو کرتے ہیں کہ ہم شریعت اسلام کے پابند ہیں

مگر ان کی جوابی گفتگو نہ قرآن سے مبرہن ہوتی ہے نہ حدیث سے مدلل ۔ مرزا صاحب کا دعوی نبوت کا ہے ۔ میں اس کا منکر (کافر) ہوں ۔کوئی آئت یا حدیث اس دعوی پر شاہد نہیں ہے کہ کافر اپنے کفر پر قسم کھائے ۔ کیونکہ کافر کو خدا کے نزدیک موردالزام اور مستوجب عذاب کرنے کے لئے اس کا کفر کافی ہے ۔ اس میں حلف کی ضرورت نہیں ۔قرآن مجید ناطق ہے کہ کافروں کا انکار محض سادہ لفظوں میں ہوتا تھا ۔ ہاں اس کے جواب میں نبی رسول قسم کھاتے تھے ۔ غور سے پڑھئے یقول الذین کفروا لست مرسلاً ۔ قل کفی باللہ شہیداً بینی و بینکم ۔ یعنی کافر لوگ کہتے ہیں تو رسول نہیں ہے ۔تو کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے ۔ اس آئت مبارکہ سے ہمارے دونوں دعوے ثابت ہوتے ہیں کہ منکر نبوت کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ مدعیان نبوت (انبیاء کرام) قسم کھاتے تھے ۔

کافروں کو کسی نبی نے نہیں کہا کہ تمہارا محض انکار (کفر) کافی نہیں حلف اٹھا کر انکار کرو ۔

یہ تو ہے مسئلہ کی شرعی صورت کہ امت مرزائیہ کا کوئی حق نہیں کہ مجھ سے یا کسی اور منکر سے مطالبہ حلف کریں ۔ اگر ایسا کرنا چاہیں تو پہلے شرعی دلیل پیش کریں ۔

علاوہ اس کے حلف کا نتیجہ بتانے میں آپ (محمود) نے اپنے والد کو بھی مات کر دیا ۔کیا خوب لکھتے ہیں . قریب ترین عرصہ میں اللہ کی لعنت میں گرفتار ہوں گے .

سنو ۔ جنوری ۱۹۰۳ء کا واقعہ ہے جب میں نے حسب چیلنج مرزا صاحب قادیان میں پہنچ کر مرزا صاحب کو میدان میں نکلنے کی تکلیف دی تھی ۔تو پہلے جواب ملا کہ ہم (مرزا صاحب) تین گھنٹے تقریر کر کے تمہیں سمجھائیں گے ۔مگر تم زبان سے ایک حرف تک نہ بولنا بلکہ صم بکم ہو کر خاموشی سے سنتے جانا ۔ میں نے جواب میں لکھا تھا کہ تین گھنٹوں کے جواب کے لئے مجھے ۵ منٹ ہی عنائت ہوں ۔ تو جواب آیا کہ جو کچھ ہم نے کہا وہی ٹھیک ہے تم لعنت لے کر قادیان سے جاؤ گے ۔ بس چلے جاؤ ۔ اس فرمان شاہی کے ماتحت ایک لعنت (قادیان سے کامیاب واپسی) تو ایک عرصہ دراز سے مجھ پر وارد ہے (جو دراصل رحمت الٰہیہ ہے) ۔

معلوم نہیں یہ دوسری لعنت بھی اسی قسم کی ہوگی یا کسی اور نوع کی۔ بھلے آدمی عقل و فہم تو مراقی خاندان میں مفقود ہوتا ہے شرم و حیا تو ایسی چیز نہیں کہ کوئی شریف آدمی اس کا خیال نہ رکھے۔ بغور سنئے

مرزا صاحب کے متعلق ہمارا بلکہ کل دنیائے اسلام کا انکار ان کے دعوی کے متعلق ہے کہ وہ اپنے دعوی الہام میں جھوٹے تھے۔ اس امر پر باوجود غیرضروری ہونے کے میں خود قادیان کے بھرے جلسے میں قسم کھا چکا ہوں۔ جس کے الفاظ قادیانی اخبار الفضل نے خود نقل کئے تھے . میں (ثناء اللہ) خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے ایمان میں حضرت عیسی آسمان پر زندہ ہیں۔ (الفضل ۴ اپریل ۱۹۲۱ء)

کیا سچے اور صادق نبی کے حق میں حلفیہ یہ کہنا کہ وہ جھوٹا ہے خدا کے ہاں موجب عذاب اور باعث مؤاخذہ نہیں ہے؟ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ دنیا نے دیکھ لیا اور دیکھ رہی ہے کہ جھوٹے کو عدم آباد رخصت ہوئے عرصہ ہوگیا اور سچا آج بھی یہ سطور لکھ رہا ہے۔ پھر اس کے بعد تم لوگوں نے قسم کی رٹ لگائی تو ۲ اپریل ۱۹۲۶ء کے اہل حدیث میں حلفیہ مضمون لکھا جسے حسب ضرورت اشتہار کی صورت میں بھی دور دراز ممالک میں پہنچایا گیا۔ سارا مضمون آج پھر درج کیا جاتا ہے۔ توجہ سے پڑھئے۔

خدا کی قسم میں مرزا صاحب کو الہامی دعوے میں سچا نہیں جانتا

قادیانی مذہب کے بانی نے جو رنگ نکالے اور اختیار کئے وہ باخبر ناظرین سے مخفی نہ ہوں گے۔ پہلے مجدد بنے پھر مثیل مسیح ہوئے پھر مسیح موعود ہوئے۔ مہدی بنے۔ کرشن جی ہوئے۔ ان دعاوی پر پہلے نقلی دلائل سے بحث کرتے رہے پھر روحانیت سے کام لینے لگے۔ یہاں تک کہ آخری حربہ ان کا دعا ہے۔ جس کو بصورت اشتہار شائع کیا جس کا نام ہے آخری فیصلہ ۔ اس آخری فیصلہ میں انہوں نے دعا کی کہ ہم (مرزا اور ثناء اللہ) میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے۔ اس کے بعد جو واقعہ ہوا وہ ہر ایک مسلم اور غیر مسلم کو معلوم ہے۔ مرزا صاحب آنجہانی ہوگئے۔ اور ثناء اللہ آج تک بحکم الہی ایں جہانی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مرزا صاحب کی امت اس آخری فیصلہ کی وہی قدر کرتی جو اس کا حق تھا مگر امت مرزائیہ نے اس میں

نئی نئی پخیں نکالیں۔سب سے پہلے اس مضمون پر مباحثہ کا ارادہ کیا۔نہ صرف ارادہ کیا بلکہ اپنی طرف سے تین سو روپیہ انعام بھی رکھا۔چنانچہ اپریل ۱۹۱۲ء میں بمقام لدھیانہ مباحثہ ہوا۔جس میں حسب فیصلہ سرپنچ صاحب مبلغ تین سو روپیہ بھی میں نے وصول کیا۔اس کے بعد قادیانی امت نے یہ پخ نکالی کہ مولوی ثناء اللہ مئوکد بعذاب میعادی ایک سال قسم کھائے۔جس میں ذکر ہو کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو ایک سال تک مجھ پر اور میری عیال پر عذاب نازل ہو۔اور اس قسم پر انعام کا وعدہ بھی کیا گیا۔میں نے اسکے جواب میں کہا کہ انعام پر قسم کھاؤں تو تم لوگ کہو گے کہ طمع زر میں قسم کھائی ہے۔اس لئے میں بغیر زر وصول کئے قسم کھاتا ہوں کہ مرزا صاحب اپنے دعوی الہام میں جھوٹے تھے۔یہ قسم کسی خاص مخفی جگہ میں نہیں کھائی بلکہ قادیان کے اسلامی جلسہ عام میں کھائی جس میں قادیانی جماعت کے بھی چند آدمی شریک تھے۔اور اپنے کانوں سے سن اور آنکھوں سے کیفیت جلسہ دیکھ رہے تھے (چوہدری ظفراللہ صاحب نے اس جلسے کا حال لکھا ہے۔فرماتے ہیں کہ ۔ ۱۹۲۱ء میں حنفی اور اہل حدیث مسلک کے علمائے کرام نے مشترکہ اعلان کیا کہ وہ قادیانیت کو مغلوب کرنے اور قادیان کو فتح کرنے کے لئے قادیان میں ایک زبردست مشترکہ جلسہ کریں گے چنانچہ اس غرض کے لئے علمائے کرام کا ایک عظیم اجتماع قادیان میں ہوا۔دیگر اعلانات کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ ہم مرزا صاحب کی قبر کھود کر دیکھیں گے۔اگر ان کے جسم کو قبر میں کوئی گزند نہ پہنچا ہو تو ہم ان کے دعوی کی صداقت کو تسلیم کرلیں گے۔ورنہ ثابت ہو جائے گا کہ ان کا دعوی ..جھوٹا ہے۔ایسے اعلانات کی وجہ سے حفظ امن اور شعائر اللہ کی حفاظت کے متعلق جماعت پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوگئی۔ ..جلسہ سے ایک روز پہلے خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح (مرزا محمود) کا ارشاد موصول ہوا کہ احمدیہ ہوسٹل (لاہور) کے طلباء کو ساتھ لے کر فوراً قادیان پہنچ جاؤ...فجر کی اذان ہو رہی تھی کہ ہم مسجد مبارک کے چوک میں (قادیان) پہنچ گئے ۔۔نماز کے فوراً بعد سب کی ڈیوٹی لگا دی گئی۔مجھے ارشاد ہوا کہ (مسلمان) علمائے کرام کے جلسے میں حاضر رہوں اور اگر کوئی اشتعال انگیز بات کی جائے تو مجسٹریٹ صاحب کو توجہ دلاؤں ... ہر چوکی پر ڈیوٹی دینے والے مستعد تھے۔سب سے زیادہ خطرے اور اعزاز کی ڈیوٹی حضرت مسیح موعود کے مزار پر پہرہ کی ڈیوٹی تھی۔حفاظت کی سہولت کی خاطر

حضور (مرزا غلام احمد) کے مزار اور حضرت خلیفۃ المسیح اول (حکیم نور دین) کے مزار کے گرد جلدی میں ایک کچی دیوار چاروں طرف کھڑی کر کے اس پر چھت ڈال دی گئی تھی ۔ دیوار کے گرد اور چھت پر پہرہ تھا۔ احمدیہ ہوسٹل (لاہور) کے طلبا میں سے بعض کی ڈیوٹی اس مقام پر تھی ۔...علمائے کرام کے جلسے میں بفضل اللہ کوئی ناگوار واقعہ رونما نہیں ہوا۔ فالحمد للہ تقریریں تو بے شک سلسلے کی مخالفت میں تھیں جلسے کی غرض ہی یہی تھی لیکن کوئی بات عملا فساد اشتعال انگیزی یا شر انگیزی کی نیت سے کہی گئی معلوم نہیں ہوتی تھی ۔ تحدیث نعمت ص ۲۱۲۔ ۲۱۵) ۔ چنانچہ میری اس قسم کا ذکر قادیانی اخبار الفضل مورخہ ۴ اپریل ۱۹۲۱ء کے صفحہ ۹ پر مرقوم ہے ۔

اس کے بعد ۱۹۲۳ء میں میں حیدر آباد دکن گیا تو وہاں کے مرزائیوں نے حلف طلبی کا اشتہار دیا اور دس ہزار روپۓ دینے کا وعدہ کیا۔ مضمون یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ حلف اٹھائیں کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو ایک سال تک مجھ پر عذاب الٰہی نازل ہو۔ جس کے جواب میں میں نے جلسہ عام میں اعلان کیا کہ میں اس قسم کی حلف یہاں بھی اٹھانے کو تیار ہوں مگر ایسے طریق سے جو فیصلہ ہو وہ اس طرح کہ خلیفہ قادیان میاں محمود احمد اقرار نامہ لکھ دیں کہ مولوی ثناء اللہ میعاد مقررہ میں مبتلائے عذاب نہ ہوا تو میں اپنے باپ کا مذہب چھوڑ دونگا دس ہزار روپیہ وہ اپنے پاس ہی رکھیں ۔ اس اقرار کی وجہ یہ ہے کہ حسب تجویز فریق ثانی سال کے اندر اندر مبتلائے عذاب ہونے کی صورت میں جب میں جھوٹا ہوا تو سال کامل بخیریت رہنے سے یقیناً سچا ہونگا ۔ چونکہ یہ انہی کی تجویز ہے لہذا ان کو اسے تسلیم کرنا چاہیے ۔ یہ جواب میں نے ہزاروں حاضرین کے بھرے جلسہ میں دیا۔ اور اشتہار بھی اس مضمون کا شائع کیا گیا۔ مگر مرزائی اور خاموشی؟ ناممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حقانیت کے مقام میں خاموش ہوجانا ایک بڑا وصف روحانی ہے جس کا نام ایمان اور حیا ہے خدا جسے نصیب کرے وہی بہرہ ور ہوسکتا ہے ۔ ورنہ خالی خولی دعووں سے کچھ نہیں بنتا۔

اس کے بعد فروری ۱۹۲۶ء میں میں پشاور گیا تو وہاں کی جماعت مرزائیہ نے حلف طلبی کا اشتہار دیا۔ ان کو بھی وہی جواب دیا گیا کہ آئے دن کی حلف خوری بے کار ہے ۔ اس طرح تو ہر مقامی جماعت مرزائیہ مجھ سے حلف طلب کرتی رہے گی۔ خلیفہ

قادیان میرے سامنے آئیں۔تو میں نئے سرے سے حلف اٹھا سکتا ہوں۔ اس کے بعد ۲۷۔ ۲۸ فروری ۱۹۲۶ء کو گوجرانوالہ کے جلسہ میں پہنچا تو دیکھا کہ وہی پشاوری اشتہار گوجرانوالہ کی قادیانی جماعت نے اپنے نام سے شائع کر کے حلف کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں میں نے علاوہ سابقہ جواب کے بھرے جلسہ میں کذب مرزا پر حلف اٹھالی۔ مگر اس پر بھی بس نہیں ہوئی قصبہ سرہند ریاست پٹیالہ سے چند مرزا ئیوں کا لکھا ہوا خط مورخہ ۹ مارچ ۱۹۲۶ء پہنچا کہ حضرت عیسیٰ کی زندگی پر حلف مئوکد بموت میعادی ایک سال اٹھاؤ۔ لیکن ان عقل مندوں نے اتنا بھی نہیں لکھا کہ سال کے بعد وہ کیا کریں گے۔ یعنی بعد حلف اگر میں سال کے اندر مر گیا تو بقول تمہارے جھوٹا ہونگا۔لیکن سال تک زندہ رہا تو پھر تم مرزا صاحب کو جھوٹا اور مجھے سچا مان لوگے؟ اس کا کوئی ذکر نہیں۔

حیرت ہے ان لوگوں کے دل و دماغ پر غضب الٰہی نے کیسا قبضہ کر رکھا ہے کہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جس شخص کے ساتھ ہمارے نبی رسول مہدی اور کرشن (مرزا غلام احمد) نے خدا سے آخری فیصلہ کی دعا کی اور اس دعا کی قبولیت کا الہامی اعلان بھی کر دیا (ملاحظہ ہو اخبار بدر مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۰۷ء) ہم امتی ہو کر اسی شخص کو قسموں پر قسمیں دینے کی درخواست کرتے ہیں اور اس قسم کا نتیجہ بھی نہیں بتاتے۔تو کیا دیکھنے والے ہمارے حق میں یہ نہ کہیں گے فما لھاء لاء القوم لا یکادون یفقہون حدیثا (یہ کیسی قوم ہے کہ سچی بات سمجھنے کی طرف نہیں آتی) خادم دین ابوالوفا ثناءاللہ

دیکھئے یہ کیسا صاف اور حلفیہ مضمون ہے۔ باوجود اس کے حلف کا تقاضا ہے ۔ کیا خدا کو یاد نہیں رہا؟ کیا اس کے علم میں میرے حلف کا واقعہ درج نہیں ہوا؟ کیا وہ ساری مسل گم ہوگئی ہے؟ اللہ اکبر۔کیسی لغو اور کمزور حرکت ہے۔اس نبی کے خلیفہ کی طرف سے جس کا دعوی تھا

الا اننی اسد و انک ثعلب الا اننی فی کل حرب غالب

(سن اے مخالف میں شیر ہوں تو لومڑی ہے۔میں ہر جنگ میں غالب رہتا ہوں)

رہا یہ حصہ کہ میں مرزا صاحب کے آخری فیصلہ کو اس وقت حق اور فیصلہ کن جانتا تھا اور ایسا ہی اب بھی جانتا ہوں۔ یہ بھی مغالطہ اور فریب دہی ہے۔سنو

میں تمہارے نبی کا منکر بلکہ بقول ان کے ابوجہل ہوں (حقیقۃ الوحی) کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ایسا ہونا شرعا وعقلا جائز ہے کہ سچے رسول کی دعا یا پیش گوئی کی تصدیق ابوجہل سے کرائی جائے۔تم سوچو توسہی کہ کیا کہتے ہو۔ایسا کہنے میں تم اپنے نبی کی ہتک تو نہیں کرتے ؟ سنو۔ ہم لوگ اس دعا کو پیش کرتے ہیں تو اسی طرح پیش کرتے ہیں۔جس طرح تمام منکرین الوہیت مسیح مسیح کا قول مندرجہ انجیل . اے میرے خدا تونے مجھے کیوں چھوڑ دیا . نیز یہ فقرہ کہ . اس نے چلا کر جان دی . مسیح کی الوہیت باطل ثابت کرنے کے لئے پیش کیا کرتے ہیں ۔ ورنہ نہ ہم نہ آپ نہ کوئی اور مسلمان اس مقولہ کو صحیح جان سکتا ہے کیونکہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں کہ حضرت مسیح سولی پر مرے تھے۔ لیکن مناظرہ میں بطور الزام عیسائیوں کے سامنے پیش کر کے بزور جواب کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس مطالبے میں تم لوگ بھی سب مناظرین کے ساتھ ہم نوا رہتے ہو۔پس آئندہ کو ایسا لکھتے اور کہتے ہوئے اپنی اور ہماری حیثیت ملاحظہ کرلیا کریں۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۶ جنوری ۱۹۳۴ء ص ۳۔۵)

☆ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب نے ایک مرتبہ مولانا مرتضی حسن چاند پوری کو بھی ایسا ہی چیلنج دیا تھا جس کا مولانا چاندپوری نے ۱۳۳۸ھ میں جواب دیا۔اس چیلنج اور اس کے جواب کو اختصار کے ساتھ ہم یہاں درج کئے دیتے ہیں۔ مولانا مرتضی لکھتے ہیں

ہمارے نام عبداللہ الہ دین بلڈنگس آکسفورڈ اسٹریٹ سکندرآباد دکن کی جانب سے ایک چیلنج پہنچا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

. مرزا غلام احمد قادیانی اللہ تعالی اور اس کے رسول کریم ﷺ کی پاک کلاموں کے مطابق مجدد اعظم ربانی امام اور مرسل من اللہ ہیں۔آپ کا انکار اللہ تعالی اور اس کے رسول کریم ﷺ کا انکار ہے۔ آپ کی پبلک کو یہ چیلنج دیا جاتا ہے کہ اگر آپ (مرزا) دعووں میں سچے نہیں تو اور کون اس زمانہ میں مذکورہ بالا کاموں کے مطابق سچا مدعی ہے اسے پبلک میں پیش کیا جائے اور ہم سے مقررہ دس ہزار روپیہ کا انعام حاصل کیا جائے.

مولانا مرتضی حسن کہتے ہیں کہ

ہم مرزا محمود صاحب اور مولوی محمد علی ایم اے صاحب کی خدمت میں عرض

کرتے ہیں کہ اگر یہ چیلنج واقعی اپنے اندر کوئی معنی رکھتا ہے اور آپ صاحب بھی اس کے ذمہ دار ہیں تو پھر یہ بندہ حقیر خدائے ذوالجلال والاکرام کے فضل پر بھروسہ کر کے آپ دونوں صاحبوں اور ہندوستان کے جملہ قادیانیوں کو چیلنج دیتا ہے کہ میں مرزا صاحب کو نہ مرسل من اللہ جانتا ہوں نہ مجدد نہ محدث نہ امام ربانی بلکہ ان کو مسلمان کیا مہذب اور سچا انسان بھی نہیں جانتا۔ ان کے اقوال بھی ان کو مفتری اور کذاب بتاتے ہیں ۔اس کے برخلاف اگر آپ صاحب ان کو مجدد اعظم ربانی امام زمان مرسل من اللہ جانتے ہیں تو پھر میں آپ سے بلاشرط مناظرہ کے لئے تیار ہوں۔ جو شرائط مناظرہ میں ہوتی ہیں اور کتب مناظرہ میں درج ہیں اور جن شرائط میں مساوات طرفین کا لحاظ رہتا ہے ان سے غالبا آپ صاحبوں کو انحراف نہ ہوگا وہی شرائط ہیں۔

ہاں صرف اس قدر عرض ہے کہ مناظرہ کی شان یہ ہوگی کہ علماء اسلام نے جن رسائل میں مرزا صاحب کا کاذب مفتری ہونا ثابت کیا ہے اور ان الزامات کو قادیانی اب تک نہیں اٹھا سکے ان مضامین کو ہم عرض کریں گے آپ جواب دیں اور طرفین کی تقریریں لکھی جاویں اور اسی وقت مجمع میں سنا کر طرفین کے دستخط ہو کر شائع ہو جاویں اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء اسلام نے مرزا صاحب کی لغویات باطلہ کا پورا رد اور خود ان کا کذاب اور مفتری ہونا ایسا ثابت کر دیا ہے کہ منصف کے لئے تو کافی ہے ہی ۔مرزائی ہٹ دھرموں کے بھی منہ بند کر دیئے اور قلم توڑ دیئے اور ان کو جواب کی تاب باقی نہ رہی۔ لہذا اب نہ مناظرہ کی ضرورت نہ مباہلہ کی فقط جاہل مریدوں کو جہنم تک پہونچانے کے لئے یہ راہ اختیار کی جاتی ہے کہ کہیں مناظرہ کا اشتہار اور کہیں مباہلہ کا ورنہ وہ نہ مناظرہ کرسکیں نہ مباہلہ۔

ہمیں عام مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ علمائے اسلام اپنا فرض ادا کر چکے اور نہ ماننا نہ تسلیم کرنا یہ محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ہے۔ ورنہ مناظرے بھی ہو چکے اور جس کو فتح دینی تھی اور جس کو ذلیل کرنا تھا وہ بھی ہو چکا۔ سرور شاہ صاحب امیر وفد مونگیر سے دریافت کرلو۔ حافظ روشن علی قادیانی صاحب مختار احمد صاحب شاہجہان پوری غلام رسول صاحب پنجابی میں سے جو زندہ ہوں ان سے دریافت کرلو۔ ضلع

مونگیر و بھاگلپور کے رہنے والوں سے دریافت کرلو جب ذلت کی کوئی حد باقی نہ رہی تو امیر وفد (قادیانی) نے فرمایا

. یہ بھی حضرت (مرزا) کی پیش گوئی پوری ہوئی کہ ایک جگہ تمہیں ذلت ہوگی .

جی ہاں کیوں نہیں؟ اسی بدعقیدہ پر مر گئے تو جب جہنم میں گرو گے جب بھی خدا چاہے پیشین گوئی ہی پوری ہوگی ۔غرض مناظرہ بھی ہو چکا مباہلہ بھی ۔اور جھوٹا سچے کے سامنے مر بھی گیا۔اب بجز شوروغل کے کچھ حاصل نہیں ۔ہم کو اس برگزیدہ جماعت کا زیادہ تجربہ ہے ۔ اور جن کو تجربہ نہ ہوگا وہ ان اشتہارات سے تجربہ کار ہو گئے ہوں گے.... یہ قوم (مرزائی) کبھی ہارنے کا نام لینا ہی نہیں جانتی ۔مونگیر میں وہ شکست ہوئی جن کو مرتے دم تک نہ بھولیں گے۔ آدمی بھی نہیں وہاں کی زمین اور در و دیوار شاہد ہیں مگر اس کا نام فتح عظیم ہوا۔مولوی ثناءاللہ کے مقابلے میں ہار گئے مگر وہ فتح روحانی ہوگئی ۔..(اب ہم) مرزا صاحب کے جھوٹ اور فریب کی ایک طویل فہرست میں سے صرف تین جھوٹ پیش کرتے ہیں ہندوستان کے تمام مرزائی مل کر جواب دیں تو معلوم ہو سکے کہ یہ جماعت کچھ کر سکے۔

پہلا جھوٹ ۔ اربعین نمبر۳ صفحہ ۹ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ . مولوی غلام دستگیر قصوری اور مولوی اسمعیل علی گڈھ والے نے میری نسبت قطعی حکم لگایا کہ اگر وہ کاذب ہے تو ہم سے پہلے مرے گا اور ضرور ہم سے پہلے مرے گا کیونکہ کاذب ہے مگر جب ان تالیفات کو دنیا میں شائع کر چکے تو پھر بہت جلد آپ ہی مر گئے .

دوسرا جھوٹ ۔ اربعین صفحہ ۱۷ میں مرزا صاحب فرماتے ہیں . لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیشین گوئیاں پوری ہوں جن میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا اور اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کے قتل کے لئے فتوے دینے چاہیں گے اور اس کی سخت توہین کی جاوے گی اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کو تباہ کرنے والہ ثابت کیا جائیگا .

قرآن شریف دنیا میں موجود ہے کوئی بتائے کہ یہ کس آئت کا ترجمہ ہے؟ کس حدیث کے الفاظ ہیں؟ مرزا صاحب نے خدا پر بھی افتراء کیا رسول اللہ ﷺ پر قصدا جھوٹ بولا۔

تیسرا جھوٹ ۔ شہادت القرآن میں مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔ اگر حدیث کے بیان پر اعتماد ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہیے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانے میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی ۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے ۔ ۔

اللہ ری دلیری ۔ بخاری شریف ایک مشہور کتاب ہے پھر جناب مرزا صاحب کو ادنی ادنی بات پر وحی کی بارش ہوتی ہے ۔ اور پھر حضور (مرزا) کی وحی دخل شیطانی سے محفوظ اور روح القدس ہر وقت ساتھ ۔ الہام جناب کا قطعی ۔ مگر اس قدر جھوٹ سے آپ کو نہ وحی نے روکا نہ روح القدس نے ؟

مرزا صاحب نے مولوی عبدالحق صاحب غزنوی سے مباہلہ کیا اور خود ان کے سامنے مر گئے تو اس سے مرزا صاحب یا ان کے پیرو کب نادم ہوئے جو اب کسی مباہلہ سے ان پر اثر ہوگا۔

اسماعیل علی گڈھی اور غلام دستگیر قصوری مرزا صاحب کے سامنے مر گئے تو مرزا صاحب کے صدق کی دلیل ہوگئی بلکہ معجزہ ۔ حالانکہ انہوں (اسماعیل ۔ غلام دستگیر) نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ جھوٹا سچے کے سامنے ضرور مرے گا۔ مگر مرزا صاحب مولوی عبدالحق کے سامنے باوجود مباہلہ کرنے کے مر گئے لیکن سچے کون؟ مرزا صاحب ۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے سامنے باوجود گڑگڑا کر دعا کرنے کہ

. جھوٹا سچے کے سامنے مرے . خود مر گئے ۔

پھر بھی ان کو اور ان کے متبعین کو فتح روحانی برابر حاصل ہوتی رہتی ہے ۔ یہی دین وایمان صدق و دیانت ہے جس پر دنیا کو چیلنج دیا جاتا ہے کہ مناظرہ کرلو مباہلہ کرلو ۔

جملہ اہل اسلام کی طرف سے خدا خود مباہلہ فرما کر مرزا صاحب اور ان کے متعلقین کو قیامت تک ملعون کر چکا ہے ۔ اور یہ ہم نہیں کہتے بلکہ آپ کے مرزا صاحب ہی فرماتے ہیں کیونکہ نمونہ کے طور پر تین مذکورہ بالا جھوٹ بھی انہوں نے خود ہی بولے اور خود ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ . جھوٹے پر خدا کی لعنت قیامت تک

ہوتی ہے . تو پھر فرمایئے نتیجہ یہ ہوا کہ نہیں کہ مرزا صاحب پر قیامت تک خدا کی لعنت ہے؟ ۔ اب یا تو مرزا صاحب کے جھوٹوں کو سچا کر کے دکھاؤ جو قیامت تک ناممکن ہے ورنہ اقرار کرو کہ بے شک وہ قیامت تک ملعون ہیں ۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ تمام ہندوستان کے قادیانی کیا رنگ لاتے ہیں اور مرزا صاحب کو کیسے سچا بناتے ہیں ۔ مولوی اسماعیل صاحب علی گڈھی اور مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کی کون سی کتاب بتا دیں گے یا کس عبارت میں الہام اور وحی کے ذریعہ نئے معنی ڈالے جائیں گے؟ کوئی جدید قرآن جس کی شان انا انز لنا قریبا من القا دیان ہے وہ پیش کر کے کوئی جدید آیات بنائیں گے؟ یا کوئی حدیث کی کتاب جو جبریل علیہ السلام نے آسمان سے پھینک دی تھی وہ دکھائیں گے کیونکہ وہ اپنے ہیڈ کوارٹر سے نزول فرماتے ہی نہیں ۔ اور یہ سب تو ممکن ہے مگر بخاری کون سی ہوگی جس میں وہ خلیفہ والی حدیث دکھائیں گے ؟

کئی سال ہوئے حیدر آباد کے قادیانیوں کے کسی ایسے ہی اشتہار کے جواب میں ہم نے ایک اشتہار دیا تھا جس کا عنوان یہ تھا حجۃ اللہ البالغہ جس کی آخری سطریں یہ ہیں . خدائی حجت پوری کرنے کے لئے ہم مولوی محمد سعید مرزائی حیدر آبادی اور وہاں کے تمام مرزائیوں کو خصوصا اور تمام دنیا کے مرزائیوں کو عموما دعوت دیتے ہیں کہ وہ جہاں چاہیں خواہ حیدر آباد میں یا ہندوستان کے کسی دوسرے مقام میں مناظرہ کر کے حق و باطل کو سمجھ لیں اور مرزا صاحب کی کذابی کا معائنہ کرلیں ۔ مگر شرط یہ ہے کہ مناظرہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے صدق اور کذب پر گفتگو ہوگی ۔ دوسرے یہ مناظرہ اعلی پیمانہ پر فیصلہ کن ہو تا کہ پھر کسی مناظرہ کی ضرورت نہ رہے ۔ تیسرے خلیفہ محمود صاحب یا دیگر مدعیان خلافت خود مناظر ہوں یا وہ اپنی طرف سے کسی کو مقرر کریں اور یہ بھی نہ ہو تو کم از کم حیدر آباد کے تمام مرزائی کسی کو مقرر کریں ۔ چوتھے فیصلہ کے لئے چند قابل ذی علم مقرر ہوں جو دونوں طرف کی تقریریں سن کر فیصلہ دیں ۔ اگر کسی مرزائی کو اپنی نبوت کی حمیت ہے تو سامنے آئے اور قدرت حق کا تماشا دیکھے .

اس اشتہار کا آج تک کوئی جواب ہم کو نہیں ملا ۔ ممکن ہے اس چند سالہ فرصت میں حیدر آباد کے قادیانیوں نے مناظرہ کا کوئی سامان بہم پہونچا لیا ہو اس وجہ

سے ہم کو بہت بے چینی کے ساتھ صحیفۃ الحق (یعنی ہمارے اس اشتہار) کے جواب کا انتظار رہے گا۔ بندہ محمد مرتضی حسن۔ مدرسہ امدادیہ مراد آباد ۱۴محرم ۱۳۳۸ھ۔

مولانا مرتضی حسن نے اوپر مرزا صاحب کے اس جھوٹ کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے بخاری شریف کے متعلق بولا تھا۔اس موضوع پر ہمارے سامنے مولانا ابراہیم کمیر پوری مرحوم کی ایک تحریر موجود ہے جو اس موضوع پر کچھ روشنی ڈالتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

. مرزا صاحب اپنی کتاب شہادۃ القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ .صحیح بخاری میں ہے کہ امام مہدی کے لئے آسمان سے آواز آئے گی ہذا خلیفة الله المھدی ۔ ہمارا دعوی ہے کہ مرزا صاحب نے صحیح بخاری پر جھوٹ باندھا ہے۔ قادیانی جماعت کا فرض ہے کہ وہ صحیح بخاری سے یہ حدیث نکال کر دکھائے یا اقرار کرے کہ مرزا صاحب نے جھوٹا حوالہ دیا ہے۔ مرزائیوں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں البتہ مستدرک حاکم میں موجود ہے اور وہاں لکھا ہوا ہے کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔اور مرزا صاحب کا بخاری کا حوالہ دینا ان کا سہو اور سبقت قلم ہے۔ مولانا کمیر پوری کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے صرف بخاری کا حوالہ ہی نہیں دیا بلکہ بخاری کو بنیاد بنا کر دوسری حدیثوں کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علامہ عنائت اللہ مشرقی کے والد منشی عطا محمد مرحوم نے مرزا جی پر اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد خلافت کی مدت تیس سال بتائی ہے تو پھر آپ اپنے آپ کو خلیفہ کس بنیاد پر کہتے ہیں؟ مرزا صاحب نے فرمایا. اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہیے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں۔مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لئے آواز آئے گی کہ ہذا خلیفة الله المھدی ۔ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں ہے.

مرزائی دوستو۔ ذرا غور کرو مرزا صاحب نے بخاری پر اپنی دلیل کی بنیاد رکھی ہے اور بخاری کے نام سے فائدہ اٹھا کر مخالف کی دلیل کو رد کیا ہے۔اب اس حدیث کے

بخاری میں نہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب کا جھوٹ ہی ثابت نہ ہوگا بلکہ انکی دلیل بھی باطل ٹھہرے گی یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب اس کتاب کی اشاعت کے بعد ۱۶ سال زندہ رہے لیکن نہ تو آپ نے خود اس کی اصلاح کی اور نہ ہی کسی قادیانی عالم نے اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی کیونکہ اس کی اصلاح سے مرزا جی کی پیش کردہ دلیل باطل ٹھہرتی ہے۔

(مرزائے قادیان کے دس جھوٹ۔ادارہ دینیات۔رام گلی لاہور۔ص ۳۹۔ ۴۲)

دانیال کی پیش گوئی

مرزا غلام احمد اپنے کمالات روحانیہ بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ سابقہ انبیا نے میرے حق میں پیش گوئی کی ہوئی ہے اور ایک پیش گوئی دانیال نبی کی اپنے حق میں یوں بتلاتے تھے ۔

. اور اس وقت جب کہ دائمی قربانی موقوف ہوگی اور بتوں کو تباہ کیا جائیگا اس وقت تک ۱۲۹۰ دن ہوں گے۔مبارک ہے جو انتظار کیا جائیگا۔ اور اپنا کام محنت سے کریگا۔ ۱۳۳۵ روز تک اور تو چلا جا آخر تک اے دانیال (تحفہ گولڑویہ ص ۱۹۱)۔

اس پیش گوئی کو مرزا صاحب اپنے اوپر چسپاں کر کے اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں

اس فقرہ میں دانیال نبی بتلاتا ہے کہ اس نبی آخرالزمان (جو محمد ﷺ ہے) سے جب ۱۲۹۰ برس گذریں گے تو وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا۔ اور ۱۳۳۵ ہجری تک کام چلائے گا۔یعنی چودھویں صدی میں ۳۵ برس برابر کام کرتا رہے گا

(تحفہ گولڑویہ طبع دوم حاشیہ ص ۱۹۱۔طبع اول ۔ص ۱۱۶)۔

اورحقیقۃ الوحی میں لکھتے ہیں

. گیارھواں نشان ۔ دانیال نبی کی کتاب کی کتاب میں مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ وہی لکھا ہے جس میں خدا نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ اس وقت بہت لوگ پاک کئے جائیں گے اور سفید کئے جائیں گے اور آزمائیں گے لیکن شریر لوگ شرارت کرتے رہیں گے اور شریریوں میں سے کوئی نہیں سمجھے گا پر دانشور سمجھیں گے۔ اور جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائے گی اور مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے قائم کی جائے گی ایک ہزار دوسونوے (۱۲۹۰) دن ہوں گے (حاشیہ از مرزا صاحب ۔ دن سے مراد دانیال کی کتاب میں سال ہے ۔اوراس جگہ وہ نبی ہجری سال کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اسلامی فتح اور غلبہ کا پہلا سال ہے) ۔مبارک وہ جو انتظار کرتا ہے اور ایک ایک ہزار تین سو پینتیس روز تک آتا ہے ۔اس پیش گوئی میں مسیح موعود کی خبر ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر

ہونے والا تھا۔سو دانیال نبی نے اس کا یہ نشان دیا ہے کہ اس وقت سے جو یہودی اپنی رسم قربانی سوختنی کو چھوڑ دیں گے (حاشیہ از مرزا صاحب ۔ یہود اپنی کتابوں کی تعلیم کے موافق قربانی سوختنی کے پابند تھے ۔ جو ہیکل کے آگے بکرے ذبح کر کے آگ میں جلاتے تھے ۔ اس میں شریعت کا راز یہ تھا کہ اسی طرح انسان کو خدا تعالی کے آگے اپنے نفس کی قربانی دینی چاہیے اور نفسانی جذبات اور سرکشیوں کو جلا دینا چاہیے ۔ اس قربانی کا عمل درآمد کیا ظاہری طور پر اور کیا باطنی طور پر آنخضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہود نے ترک کر دیا تھا اور دوسری مکروہات میں مبتلا ہو گئے تھے جیسا کہ ظاہر ہے پس جب حقیقی سوختنی قربانی یہود نے ترک کر دی جس سے مراد خدا کی راہ میں اپنا نفس قربان کرنا اور جذبات نفسانیہ کو جلا دینا ہے ۔تب خدا تعالی کے قہری عذاب نے جسمانی قربانی سے بھی ان کو محروم کر دیا۔ پس یہود کی پوری بدچلنی کا وہ زمانہ تھا جب آنخضرت ﷺ مبعوث فرمائے گئے ۔اسی زمانہ میں یہود کا پورا استیصال ہوا۔ اور اسلامی قربانیاں جو حج بیت اللہ میں خانہ کعبہ کے سامنے کی جاتی ہیں یہ دراصل انہیں قربانیوں کے قائم مقام ہیں جو یہود بیت المقدس کے سامنے کرتے تھے ۔ صرف یہ فرق ہے کہ اسلام میں سوختنی قربانی نہیں ۔ یہود ایک سرکش قوم تھی ۔ ان کے نفسانی جذبات کو جلا دینا ضروری سمجھ کر یہ نشان ظاہری قربانی میں رکھا گیا تھا۔اسلام کے لئے اس نشان کی ضرورت نہیں صرف اپنے تئیں خدا کی راہ میں قربان کر دینا کافی ہے) بدچلنیوں میں مبتلا ہو جائیں گے ۔ ایک ہزار دوسونوے سال ہوں گے جب مسیح موعود ظاہر ہو گا۔سو اس عاجز کے ظہور کا یہی وقت تھا کیونکہ میری کتاب براہین احمدیہ صرف چند سال بعد میرے مامور اور مبعوث ہونے کے چھپ کر شائع ہوئی ہے۔اور یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالی کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک بارہ سونوے ہجری میں خدا تعالی کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔ پھر سات سال بعد کتاب براہین احمدیہ جس میں میرا دعوی مسطور ہے تالیف ہو شائع کی گئی جیسا کہ میری کتاب براہین احمدیہ کے سرورق پر یہ شعر لکھا ہوا ہے

ازبس کہ یہ مغفرت کا دکھلاتی ہے راہ   تاریخ بھی یا غفور ۱۲۹۷ نکلی واہ واہ

دانیال نبی کی کتاب میں جو ظہور مسیح موعود کے لئے ۱۲۹۰ برس لکھے ہیں۔ اس کتاب براہین احمدیہ میں میری طرف سے مامور اور من جانب اللہ ہونے کا اعلان ہے صرف

سات برس اس تاریخ سے زیادہ ہیں، جنکی نسبت میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ ان سات برس سے پہلے کا ہے یعنی ۱۲۹۰ کا۔ پھر آخری زمانہ اس مسیح موعود کا دانیال ۱۳۳۵ برس لکھتا ہے جو خدا تعالیٰ کے اس الہام سے مشابہ ہے جو میری عمر کی نسبت بیان فرمایا ہے۔ اور یہ پیش گوئی ظنی نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ کی پیشگوئی جو مسیح موعود کے بارہ میں انجیل میں ہے اس کا اس سے توارد ہوگیا اور وہ بھی یہی زمانہ مسیح موعود کا قرار دیتی ہے...اور ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کی وہ پیش گوئی جو بائیبل سے استنباط کی گئی ہے اس کی مئوید ہے اور وہ یہ کہ مسیح موعود آدم کی تاریخ پیدائش سے چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہوگا چنانچہ قمری حساب کی رو سے جو اصل حساب اہل کتاب کا ہے میری ولادت چھٹے ہزار کے آخر میں تھی اور چھٹے ہزار کے آخر میں مسیح موعود کا پیدا ہونا ابتداء سے ارادہ الٰہی میں تھا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ص ۱۹۹۔۲۰۰۔خزائن ج ۲۰ ص ۲۰۷۔۲۰۸)۔

گویا مرزا صاحب کا کہنا ہے کہ دانیال نے ان کی موت کا سن ۱۳۳۵ ہجری بتایا ہوا ہے اور ان کے اپنے الہام کی رو سے بھی ان کی وفات ۱۳۳۵ھ میں ہوگی۔

مرزا صاحب کی عمر کا حساب ان کی پیدائش سے ہوسکتا ہے جو انہوں نے خود ہی بتائی ہوئی ہے کہ چودھویں صدی کے شروع ہونے کے وقت پورے چالیس سال تھی۔ اور براہین احمدیہ جلد پنجم میں لکھا ہے کہ میری عمر ۷۴ اور ۸۶ سالوں کے درمیان ہوگی۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ دانیال کی پیش گوئی اور میرے الہام کے مطابق ۱۳۳۵ ہجری میں میری وفات ہوگی کیونکہ شروع چودھویں صدی میں اگر آپ کی عمر چالیس سال تھی تو چودھویں صدی کے پینتیسویں ہجری سال میں پورے چوہتر سال ہو جاتی۔ اس لئے ضروری تھا کہ دانیال کی اس پیش گوئی کا مصداق بننے کے لئے آپ ۱۳۳۵ھ میں فوت ہوتے۔ لیکن آپ ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق مئی ۱۹۰۸ء میں انتقال کر گئے۔ اس لئے دانیال کی اس پیش گوئی کا مصداق کیوں کر ہوئے۔

اور کتاب حقیقۃ الوحی ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو شائع ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد مرزا صاحب کا انتقال ہوتا ہے۔ یعنی ۱۹۰۸ء مطابق ۱۳۲۶ ہجری۔ اس کتاب میں مرزا صاحب نے اپنی وفات کا زمانہ حسب پیش گوئی دانیال اور بتصدیق الہام خود ۱۳۳۵ھ لکھا ہے۔ ظاہر ہے ۱۳۳۵ سے مراد ہجری سنہ ہے کوئی دوسرا سنہ ایسا نہیں جس کے

۱۲۹۰ میں مرزا صاحب نے دعوی کیا ہو۔ پھر کیا بات ہوئی کہ اپنے ہی بتائے ہوئے سال اور تصدیق کئے ہوئے وقت سے نو سال پہلے ۱۳۲۶ھ میں ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔

اور پھر مرزا صاحب کے مکالمات الھیہ اور ان کے مسیح موعود ہونے کے دعوی میں فرق ہے۔ مسیح ہونے کا دعوی آپ نے ۱۳۰۸ھ میں کیا ہے جو براہین احمدیہ اور ان کے مکالمات الھیہ سے بہت بعد میں ہوا ہے۔

دوسری طرف محسوس یہ ہوتا ہے کہ چونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ دانیال نبی کے بعد ۱۲۹۰ اور ۱۳۳۵ برس کے درمیان مبعوث ہوئے ہیں اس لئے یہ پیش گوئی آپ ﷺ کے لئے ہے۔ مرزا صاحب نے خواہ مخواہ پیش گوئی میں یہ دو باتیں زیادہ کر دی ہیں کہ نبی ﷺ کے ظہور کے بعد ۱۲۹۰ برس مراد ہیں اور یہ پیش گوئی مسیح موعود کے لئے ہے۔ کیونکہ اگر آپ اصل پیشگوئی کو ملاحظہ فرمائیں تو ان فقروں کی اس میں گنجائش نہیں ملتی۔ پیش گوئی کے انگریزی الفاظ یوں ہیں

And from the time that the daily sacrifice shall be taken away, and the abomination that maketh desolute set up, there shall be a thousand two hundred and ninety days. Blessed is he that waiteth, and cometh to the thousand three hundred and five and thirty days But go thou thy way till the end be: for thou shalt rest and stand in thy lot at the end of the days.Daniel 12:11-13

اور جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائے گی اور وہ مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے قائم کی جائے گی ایک ہزار دوسو نوے دن ہوں گے۔ مبارک وہ جو انتظار کرتا ہے۔ اور ایک ہزار تین سو پینتیس دن تک آتا ہے (دانیال باب۱۲ آئت ۱۱-۱۲)۔

اس پیش گوئی میں حضرت دانیال نے کسی کے ظہور کیلئے نہ تو پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی حیات مبارکہ یا وفات سے شروع ہونے والی کسی مدت کا تعین کیا ہے اور نہ ہی برسوں کے پیمانے میں بات کی ہے بلکہ انہوں نے ۱۲۹۰ دن اور ۱۳۳۵ دن کہا ہے۔ اور مرزا صاحب نے من مانی کر کے دنوں کو برسوں میں تبدیل کر دیا۔ اور آنحضرت ﷺ کی حیات و ممات کو خواہ مخواہ درمیان میں لے آئے۔

عیسائی حضرات اس پیش گوئی کی تشریح یوں کرتے ہیں

the event fixed from which the time of the trouble is to be dated, from the taking away of the daily scrifice by antiochus, and the setting up of the image of jupiter upon the alter, which was the abomination of desolation. they must reckon their troubles to begin indeed when they were deprived of the benefit of public ordinances; that was to them the beginning of sorrows; that was what they laid most to heart. the continuance of their trouble; it shall last 1290 days, three years and seven months, or (some reckon) three years, six months and fifteen days; and then , it is probable, the daily sacrifice was restored, and the abomination of desolation taken away, in remembrance of which the feast of dedication was observed even to our saviour's time. .. it appears that the beginning of the trouble was in the 145th year of the seleucidae, and the end of it in the 148th year ; and either the restoring of the sacrifice, and the taking away of the image, were just so many days after, or some other previous event that was remarkable, which is not recorded.... p . 1461 Matthew henry's Commentary on the Whole bible, Hendrickson August 1995

مرزا صاحب کی زندگی میں تو اس موضوع پر بحث ہماری نظر سے نہیں گذری شائد اس کی وجہ یہ ہو کہ مرزا صاحب کے اس دعوی کا کہ وہ اس پیش گوئی کا مصداق ہیں امتحان مرزا صاحب کی وفات کے بعد ہی ہو سکتا تھا۔ ان کے مرنے پر دیکھا جاتا کہ ان کی وفات کس سن میں ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے واضح طور پر فرمایا تھا کہ اس پیش گوئی کا مصداق ۱۳۳۵ھ میں مرنا چاہیے۔ اس لئے مسلمانوں کو انتظار رہا کہ دیکھیں مرزا صاحب کب تک زندہ رہ کر کتنی عمر پاتے ہیں۔ جب مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں مر گئے تو اس وقت تک ہجری سن کے صرف ۲۶ سال گذرے تھے جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ کھینچ تان کر اس پیش گوئی کو اپنے اوپر چسپاں کرنے کی مرزا صاحب کی کوشش ناکام رہ گئی ہے جس کے نتیجے میں مرزائیوں کے لئے مشکل پیدا ہو گئی اور انہیں مسلمان علماء کے اعتراضات کا جواب دینا مشکل ہو گیا۔ مناظروں اور مباحثوں میں وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے ۔ راولپنڈی میں لاہوری مرزائیوں سے مولانا ثناء اللہ کا ایک مباحثہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۹ء کو تین

سے چار بجے تک ہوا۔ جس کی روئداد اہل حدیث ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئی

. مباحثہ میں یہ بات پیش ہوئی کہ مرزا صاحب قادیانی نے دانیال نبی کی پیشگوئی اپنے اوپر لگائی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ مسیح موعود ۱۳۳۵ء تک زندہ رہے گا۔ مگر مرزا صاحب ۱۳۲۶ھ میں فوت ہوگئے حالانکہ انہوں نے لکھا تھا کہ میری عمر کے متعلق الہام یہی ہے کہ میں ۱۳۳۵ ہجری تک زندہ رہوں گا۔

مرزائیوں کی لاہوری جماعت کا مناظر مولانا ثناءاللہ کی گرفت میں اس طرح جکڑا رہا کہ بالآخر اسے اعتراف کرنا پڑا کہ

. ملہم کا الہام کوئی حجت نہیں ۔ اور پھر اس نے کہہ دیا کہ ایک بات غلط ہوگئی تو کیا ہوا ؟ اس پر مولانا نے فرمایا کہ اگر ملہم کا الہام حجت نہیں تو قصہ ہی ختم ہے۔ اگر یہ الہام حجت نہیں تو وہ الہام بھی حجت نہیں جس میں ذکر ہے کہ انا جعلناک المسیح الموعود یعنی خدا نے مرزا صاحب کو الہام کیا ہے کہ اے مرزا ہم نے تجھ کو مسیح موعود بنایا۔ یہ بھی حجت نہیں ۔اور اس کا غلط ہونا بھی باعث تعجب نہیں تو جانے دیجئے۔ سارے قصے ختم ۔ ہاتھ لائیے مصافحہ کریں۔ اس پر قادیانی مناظر نے اپنے جلسہ کا عذر کیا جس کی بابت ۴ بجے کا اشتہار تھا۔ اور یہ مجلس برخواست ہوگئی۔

مولانا ثناءاللہ نے اہل حدیث ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے شمارے میں اس مباحثہ کی روئداد شائع فرمائی تو پیغام صلح لاہور کے ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے شمارے میں اس کے نامہ نگار نے اہل حدیث ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے دس جھوٹ بتائے۔ جن میں ایک (چھٹا) مرزا صاحب کے متعلق ہے۔ مولانا نے جواب میں لکھا کہ

ہم دس میں سے نو جھوٹوں کے جواب میں مہتمم مناظرہ کی تصدیق پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ خانصاحب شیخ محمد اسماعیل آنریری مجسٹریٹ صدر راولپنڈی کے مکان پر ان کے انتظام سے مباحثہ ہوا۔ اہل حدیث کا متعلقہ شمارہ ہم نے موصوف کو بھیجا اور لکھا کہ پیغام صلح لاہور کا متعلقہ شمارہ دیکھ کر فرمائیے کہ واقعات صحیحہ کس نے لکھے ہیں ۔ موصوف کا جواب آیا

. الحمدللہ واقعات آپ نے صحیح لکھے ہیں . خاکسار محمد اسماعیل

ہاں چھٹے کذب کا جواب دینا ہمارا فرض ہے جو پیغام صلح نے یوں بیان کیا ہے

چھٹا جھوٹ ۔ دانیال نبی نے میری (مرزا صاحب کی) بابت کہا ہوا ہے کہ میں ۱۳۳۵ھ تک زندہ رہوں گا۔ یہ بھی مرزا صاحب (مولوی ثناء اللہ کا) پر افتراء ہے۔حوالہ زیر بحث میں یہ کہیں نہیں ہے ۔ (پیغام صلح ۲۳ا اکتوبر ۱۹۲۹ء) ۔

(مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ) ہم نے جو کچھ پیش کیا تھا وہ مالک مکان مناظرہ خان صاحب شیخ محمد اسماعیل صاحب کو دکھا دیا تھا۔ آپ بھولے ہوں یا آپ کو وہ مقام نہ ملے تو سنئیے ۔ وہ یہ ہے

. دان ایل نبی بتلاتا ہے کہ اس نبی آخرالزمان کے ظہور سے جو محمد ﷺ ہے جب بارہ سو نوے برس گذریں گے تو وہ مسیح موعود ظاہر ہوگا اور تیرہ سو پینتیس تک اپنا کام چلائے گا ۔ یعنی چودھویں صدی میں سے پینتیس برس برابر کام کرتا رہے گا (تحفہ گولڑویہ ص ۱۱۶) ۔ بتاؤ اس عبارت کے کیا معنی ہیں ۔ وہی ہیں یا نہیں جس کو آپ جھوٹ کہہ رہے ہو۔عبارت ھذا دیکھ کر اس عبارت کو جھوٹ کہو تو جانیں ۔

(مولانا مزید فرماتے ہیں کہ) جلسہ منٹگمری (حال ساہیوال پاکستان) ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۹ء کے دوران ہمارا اسی مسئلے ایک اور مباحثہ ہوا جس میں قادیانی پارٹی بالمقابل تھی ۔اس مباحثہ کی کیفیت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ وہاں قادیانی پارٹی ایسی پھنسی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن ۔ بالکل اس کے مشابہ جو شہد میں گری ہوئی مکھی نکلنے کی کوشش کرتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک پر کو نکالنا چاہتی ہے تو دوسرا بھی پھنس جاتا ہے ۔ وہاں مولوی اللہ دتہ قادیانی مناظر تھے ۔ انہوں نے ہمارے مؤاخذہ سے تنگ آکر کہہ دیا کہ مرزا صاحب غلطی سے سن ہجری سے لکھ گئے ہیں ۔ اس کے باوجود ہمیں یقین ہے کہ قادیانی اخبار عنقریب اس مباحثہ کو بھی اپنی کامیابی بتا دینگے جس پر ہماری دعا ہوگی کہ ایسی کامیابی خدا ان کو ہمیشہ نصیب کرے ۔ ہمارا دعوی ہے کہ ہمارے اس مؤاخذہ کا جواب امت مرزائیہ کی تینوں بلکہ چاروں پارٹیاں پنجابی پوربی بنگالی دکنی یا برمی مل کر بھی نہیں دے سکتیں ۔ دے سکتی ہوں تو اپنے امیر اور خلیفہ سے اجازت لے کر ہم سے باقاعدہ مباحثہ کرلیں ۔ باقاعدہ سے مراد یہ ہے کہ مباحثہ بالمشافہ تحریری ہو اور کوئی غیر جانبدار ثالث ہو ۔

(اہل حدیث ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء اور یکم نومبر ۱۹۲۹ء ص ۵ ۔ ۶)

پھر مولوی اللہ دتہ قادیانی نے الفضل ۲۲ نومبر ۱۹۲۹ء میں لکھا

. یہ سلسلہ سنین آنخضرت ﷺ کے ظہور سے شروع ہوتا ہے جو کہ مکہ معظّمہ میں ہوا اور سنہ ہجری کے شروع ہونے سے علی اختلاف الروایات تیرہ یا دس سال قبل ہوا تھا۔ گویا جب سن ہجری کا پہلا سال تھا اس وقت حضور ﷺ کے ظہور کو دس سال تو یقیناً ہو چکے تھے۔ اس حساب سے جب ۱۳۲۶ ہجری جب ہوا تو پیغمبر آخر الزمان پر لازما ۱۳۳۵ برس گذر چکے تھے۔ (کالم ۳ ص ۱۲)۔

اس عبارت میں مرزا صاحب کے عقیدے کے خلاف بجائے سن ہجری کے سال بعثت آنخضرت ﷺ سے حساب لگایا گیا ہے۔ جس کا انہیں حق نہیں تھا کیونکہ مرزا صاحب کا اپنا بیان جس میں سن ہجری کا صاف ذکر ہے غلط ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں مرزا صاحب کے بیان سے پورا نہیں پڑتا تھا اس لئے گرفت سے بچنے کے لئے مولوی اللہ دتہ صاحب کو اہل بہاء کی نقل کرنی پڑی۔ چنانچہ بہائی مصنف ابو الفضائل گلپایگانی اپنی کتاب شرح آیات میں اسی پیش گوئی کے متعلق لکھتے ہیں

ایں نکتہ روشن و واضح است کہ چوں از ظہور احمدی کہ بظہورش قربانی دائمی بنی اسرائیل برداشتہ شد وصدمات ومکروہات در اقطار عالم برا ومنصوب گشت ہزار و دیست نود سال گذشت وجود حضرت بہاء اللہ در اراضی مقدسہ بر امر اللہ قیام فرمودند (ص ۴۵)

یعنی یہ نکتہ روشن اور واضح ہے کہ جب آنخضرت ﷺ کے ظہور سے کہ آپ کے ظہور سے بنی اسرائیل کی دائمی قربانی موقوف ہوگئی اور تکلیفیں اور بلائیں اس (قوم بنی اسرائیل) پر آن پڑیں بارہ سو نوے سال گذرے تو حضرت بہاء اللہ کے وجود نے زمین مقدس میں اللہ تعالی کے امر پر قیام فرمایا.

اس عبارت میں میں بہائی مصنف نے آنخضرت ﷺ کی بعثت سے حساب لگایا ہے۔ مولوی اللہ دتہ صاحب نے جب دیکھا کہ اہل حدیث سے بچنے کی اور کوئی راہ نہیں تو ناچار ہوکر بہائیت کی راہ اختیار کرلی۔

خیر اب دیکھئے کہ یہی پیش گوئی جسے مرزا صاحب پر چسپاں کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے انہی مرزائیوں کے اصول کے مطابق جناب بہاء اللہ پر کیسی حرف بحرف پوری ہوتی ہے۔ جناب مولوی فضل دین قادیانی وکیل تسلیم کرتے ہیں کہ

. ۱۲۸۰ھ میں بہاء اللہ بغداد سے استنبول کی طرف روانگی کے وقت بارہ دن باغ رضوان میں جو شہر بغداد کی پرانی آبادی سے باہر ہے آکر ٹھہرے تھے اور وہاں انہوں نے اپنے خاص دوستوں کے روبرو اپنے ظہور کا اعلانیہ دعوی کیا تھا (بہائی مذہب کی حقیقت ص ۳۵)۔

اب معاملہ بالکل صاف ہے کیونکہ ۱۲۸۰ ہجری میں دس برس مولوی اللہ دتا کے سرقہ کیئے ہوئے ملا دیئے جائیں تو ٹھیک بارہ سو نوے سال بن جاتے ہیں جو پیش گوئی زیر بحث کے عین مطابق ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بہاء اللہ ٹھیک وقت پر موجود تھے تو جناب مرزا صاحب کا یہ فرمانا

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

کیا حقیقت رکھتا ہے؟ خود مولوی اللہ دتہ صاحب کے قلم ہی نے اس کے بخیئے ادھیڑ دیئے اور ٹھیک وقت پر ظاہر ہونے والہ بہاء اللہ کو ثابت کر دیا۔ جناب مرزا صاحب تو اس حساب سے ۲۸ برس لیٹ ہو گئے کیونکہ آپ کا دعوی مسیحیت ۱۳۰۸ء سے شروع ہوتا ہے۔ (اہل حدیث ۱۳ دسمبر ۱۹۲۹ء ص ۴۔۵ منشی محمد حسین صابری کا مضمون)

مسیح موعود

☆ مرزا غلام احمد فرماتے ہیں

میں نور ہوں ۔ مجدد مامور ہوں ۔ عبد منصور ہوں ۔ مھدی معھود ہوں ۔ مجھے کسی کے ساتھ قیاس مت کرو۔ اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ ۔ میں مغز ہوں ۔ جس کے ساتھ چھلکا نہیں ۔ اور روح ہوں جس کے ساتھ جسم نہیں ۔ اور سورج ہوں جس کو دھواں چھپا نہیں سکتا ۔ اور کوئی ایسا شخص تلاش کرو جو میری مانند ہو ۔ ہرگز نہیں پاؤ گے ۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر وہ جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر ہوگا ۔ اور میں اپنے خدا کی طرف سے تمام قوت اور برکت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں ۔ اور یہ میرا قدم ایک ایسے منارہ پر ہے جس پر ہر ایک بلندی ختم کی گئی ہے ۔ بس خدا سے ڈرو اور مجھے پہچانو ۔ اور نافرمانی مت کرو ۔...پس جو میری جماعت میں داخل ہوا درحقیقت میرے سردار خیرالمرسلین (محمد رسول اللہ ﷺ) کے صحابہ میں داخل ہوا ۔ (خطبہ الہامیہ)

☆ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت فاطمہ کی اولاد سے ایک بزرگ پیدا ہوگا ۔ جس کا نام محمد اور باپ کا نام عبداللہ ہوگا ۔ اس کا لقب مہدی ہوگا ۔ اس کی صفت ہوگی یملاء الارض قسطاً کما ملئت جوراً ۔ وہ زمین کو عدل سے بھر دیں گے ۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ مہدی میں ہوں ' (اشتہار معیار الاخیار ۔ ص ۱۱)

☆ حدیث شریف میں آیا ہے کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم من السماء (صحیح بخاری اور بیہقی) تم کیسے ہو گے جب حضرت عیسی ابن مریم آسمان سے اتریںگے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ یہ مسیح موعود میں ہوں ۔ (ازالہ اوہام طبع اول ص ۶۶۵) ۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں

. اس (اللہ) نے براہین احمدیہ کے تیسرے حصے میں میرا نام مریم رکھا ۔ پھر جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے دو برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی ۔ اور پردہ میں نشوونما پاتا رہا ۔ پھر جب اس پر دو برس گذر گئے تو جیسا کہ براہین احمدیہ کے

حصہ چہارم صفحہ ۴۹۶ میں درج ہے مریم کی طرح عیسی کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا۔اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے جو سب سے آخر براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۵۵۶ میں درج ہے مجھے مریم سے عیسی بنایا گیا۔پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔ اور خدا نے براہین احمدیہ کے وقت اس سر مخفی کی مجھے خبر نہ دی حالانکہ وہ سب خدا کی وحی جو اس راز پر مشتمل تھی میرے پر نازل ہوئی اور براہین میں درج ہوئی مگر مجھے اس کے معنوں اور اس ترتیب پر اطلاع نہ دی گئی۔

(کشتی نوح یا دعوۃ الایمان طبع اکتوبر ۱۹۰۲ء ص ۴۷ ۔خزائن ج ۱۹ ص ۵۰)

مرزا صاحب نے اپنے دعاوی کے اثبات کے لئے نقلی اور الہامی دلائل دیئے ہیں

☆ فرماتے ہیں

. خدا تعالی نے اس عاجز کو شرف مکالمہ اور مخاطبہ سے مشرف فرما کر اس صدی چہار دہم کا مجدد قرار دیا ہے اور ہر یک مجدد کا بلحاظ حالت موجودہ زمانہ کے ایک خاص کام ہوتا ہے جس کے لئے وہ مامور کیا جاتا ہے۔سو اس سنت اللہ کے موافق یہ عاجز صلیبی شوکت کے توڑنے کے لئے مامور ہے۔یعنی خدا تعالی کی طرف سے اس خدمت پر مامور کیا گیا ہے کہ جو کچھ عیسائی پادریوں نے کفارہ اور تثلیث کے باطل مسائل کو دنیا میں پھیلایا ہے اور خدائے وحدہ لاشریک کی کسر شان کی ہے یہ تمام فتنہ سچے دلائل اور روشن براہین کے ذریعہ سے فرو کیا جائے۔اس بات کی کس کو خبر نہیں کہ دنیا میں اس زمانہ میں ایک ہی فتنہ ہے جو کمال کو پہنچ گیا ہے اور الہی تعلیم کا سخت مخالف ہے۔یعنی کفارہ اور تثلیث کی تعلیم جس کو صلیبی فتنہ سے موسوم کرنا چاہیے کیونکہ کفارہ اور تثلیث کے تمام اغراض صلیب سے وابستہ ہیں۔سو خدا تعالی نے آسمان پر سے دیکھا کہ یہ فتنہ بہت بڑھ گیا ہے اور یہ زمانہ اس فتنہ کے تموج اور طوفان کا زمانہ ہے۔پس خدا نے اپنے وعدہ کے موافق چاہا کہ اس صلیبی فتنہ کو پارہ پارہ کرے۔اور اس نے ابتدا سے اپنے نبی مقبول ﷺ کے ذریعہ سے خبر دی تھی کہ جس شخص کی ہمت اور دعا اور قوت بیان اور تاثیر کلام اور انفاس کا فرکش سے یہ فتنہ فرو ہوگا اسی کا نام اس وقت مسیح اور عیسی موعود ہوگا۔اگرچہ وہ پیش گوئیاں بہت نازک اور لطیف ستعارات سے بھری پڑی

ہیں مگر ان میں جو نہائت واضح اور کھلا کھلا اور موٹا نشان مسیح موعود کے بارے میں لکھا گیا ہے وہ کسر صلیب ہے۔ یعنی صیب کو توڑنا۔ یہ لفظ ہر عقل مند کے لئے بڑی غور کے لائق ہے اور یہ صاف بتلا رہا ہے کہ وہ مسیح موعود عیسائیت کے موجزن فتنہ کے زمانہ میں ظاہر ہوگا نہ کسی اور زمانہ میں۔ کیونکہ صلیب پر سارا مدار نجات کا رکھنا کسی اور دجال کا کام نہیں ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جو صلیبی کفارہ پر زور دے رہا ہے اور اس کو فروغ دینے کے لئے ہر ایک دجل کو کام میں لا رہا ہے۔ دجال بہت گذرے ہیں اور شائد آگے بھی ہوں۔ مگر وہ دجال اکبر جن کا دجل خدا کے نزدیک ایسا مکروہ ہے کہ قریب ہے جو اس سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ یہی گروہ مشت خاک کو خدا بنانے والہ ہے۔ خدا نے یہودیوں اور مشرکوں اور دوسری قوموں کے طرح طرح کے دجل قرآن شریف میں بیان فرمائے مگر یہ عظمت کسی کے دجل کو نہیں دی کہ اس دجل سے آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتے ہیں پس جس گروہ کو خدا نے اپنے کلام میں دجال اکبر ٹھہرایا ہے ہمیں نہیں چاہیے کہ اس کے سوا کسی کا نام دجال اکبر رکھیں۔ نہائت ظلم ہوگا کہ اس کو چھوڑ کر اور کوئی دجال اکبر تلاش کیا جائے۔ یہ بات کسی پہلو سے درست نہیں ٹھہر سکتی کہ حال کے پادریوں کے سوا کوئی اور بھی دجال ہے جو ان سے بڑا ہے۔ کیونکہ جبکہ خدا تعالی نے اپنی پاک کلام میں سب سے بڑا یہی دجال بیان فرمایا ہے تو نہائت بے ایمانی ہوگی کہ خدا کے کلام کی مخالفت کر کے کسی اور کو بڑا دجال ٹھہرایا جائے. قرآن نے تو اپنے صریح لفظوں میں دجال اکبر پادریوں کو ٹھہرایا اور ان کے دجل کو ایسا عظیم الشان دجل قرار دیا کہ قریب ہے جو اس سے زمین آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور حدیث نے مسیح موعود کی حقیقی علامت یہ بتلائی کہ اس کے ہاتھ پر کسر صلیب ہوگا اور وہ دجال اکبر کو قتل کریگا۔ ہمارے نادان مولوی نہیں سوچتے کہ جب کہ مسیح موعود کا خاص کام کسر صلیب اور قتل دجال اکبر ہے۔ اور قرآن نے خبر دی ہے بڑا دجل اور بڑا فتنہ جس سے قریب ہے کہ نظام اس عالم کا درہم برہم ہو جائے اور خاتمہ اس دنیا کا ہو جائے وہ پادریوں کا فتنہ ہے تو اس سے صاف طور پر کھل گیا کہ پادریوں کے سوا اور کوئی دجال اکبر نہیں ہے۔ (انجام آتھم خزائن ج ۱۱ ص ۴۶ ۔ ۴۷)

☆ نیز فرماتے ہیں

. بہت دفعہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ پیغمبر ﷺ ایک بات بتلاتے ہیں میں اس کو سنتا ہوں ۔مگر آپ کی صورت نہیں دیکھتا ہوں ۔غرض یہ ایک حالت ہوتی ہے جو بین الکشف و الالہام ہوتی ہے ۔رات کو آپ نے مسیح موعود کے متعلق یہ فرمایا یضع الحرب و یصالح الناس (کاتب کی غلطی سے بین کا لفظ رہ گیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل الہام یصالح بین الناس ہے حاشیہ) یعنی ایک طرف تو جنگ و جدال اور حرب کو اٹھا دے گا ۔ دوسری طرف اندرونی طور پر مصالحت کرا دے گا ۔گویا مسیح موعود کے دو نشان ہوں گے ۔اول بیرونی نشان کہ حرب نہ ہو گی ۔ دوسرا اندرونی نشان کہ باہم مصالحت ہو جاوے گی ۔ پھر اس کے بعد فرمایا سلمان منا اہل البیت ۔ سلمان یعنی دو صلحیں ۔ اور پھر فرمایا علی مشرب الحسن یعنی حضرت حسن میں بھی دو ہی صلحیں تھیں ۔ایک صلح انہوں نے حضرت معاویہ کے ساتھ کر لی اور دوسری صحابہ کی باہم صلح کرا دی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح حسنی المشرب ہے ۔ اس کے بعد فرمایا حسن کا دودھ پیئے گا ۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ مہدی آپ کی آل میں سے ہو گا ۔ یہ مسئلہ اس الہام سے حل ہو گیا ۔ اور مسیح موعود کا جو مہدی بھی ہے کام بھی معلوم ہو گیا ۔ پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ وہ آتے ہی تلوار چلائے گا ۔اور کافروں کو قتل کرے گا ۔ جھوٹے ہیں ۔اصل بات یہی ہے جو اس الہام میں بتلائی گئی ہے کہ وہ دو صلحوں کا وارث ہو گا ۔یعنی بیرونی طور پر بھی صلح کریگا اور اندرونی طور پر بھی مصالحت ہی کراوے گا ۔

(الحکم ۱۰ نومبر ۱۹۰۰ ۔ تذکرہ ص ۳۸۲ ۔۳۸۳)

 مرزا صاحب فرماتے ہیں ۔

. طالب حق کے لئے میں یہ بات پیش کرتا ہوں کہ میرا کام جس کے لئے میں اس میدان میں کھڑا ہوا ہوں یہ ہے کہ میں عیسی پرستی کے ستون کو توڑ دوں اور بجائے تثلیث کے توحید پھیلاؤں ۔ اور آنحضرت ﷺ کی جلالت اور عظمت اور شان دنیا پر ظاہر کروں ۔ پس اگر مجھ سے کروڑوں نشان بھی ظاہر ہوں اور یہ علت غائی ظہور میں نہ آئے تو میں جھوٹا ہوں ۔ پس دنیا مجھ سے کیوں دشمنی کرتی ہے ۔ وہ میرے انجام کو کیوں نہیں دیکھتی ۔ اگر میں نے اسلام کی حمائت میں وہ کام کر دکھایا جو مسیح موعود اور

مہدی معہود کو کرنا چاہیے تو پھر میں سچا ہوں اور اگر کچھ نہ ہوا اور میں مر گیا تو سب لوگ گواہ رہیں کہ میں جھوٹا ہوں۔

(اخبار بدر قادیان ۱۸ جولائی ۱۹۰۶ء بدر ۱۹ جولائی ۱۹۰۲ء)

☆ . مرزا صاحب کہتے ہیں

. پہلی کتابوں اور احادیث صحیحہ میں بڑا نشان آخری مسیح کا یہ دیا گیا تھا کہ وہ دجال کے ظہور کے وقت آئے گا۔ اور قرآن شریف نے ظاہر کر دیا کہ وہ دجال پادریوں کا فرقہ ہے جن کا دن رات کام تحریف و تبدیل ہے کیونکہ دجال کے یہی معنی ہیں جو تحریف و تبدیل کر کے حق کو چھپانے والہ ہو اور ایسا ہی قرآن شریف کی اس آئت سے کہ جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامہ ثابت ہوتا ہے کہ دجال عیسائیوں کے سوا کوئی علیحدہ گروہ نہیں ہوگا (حاشیہ ۔ دجال کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ جو شخص دھوکہ دینے والہ اور گمراہ کرنے والہ اور خدا کے کلام کی تحریف کرنے والہ ہو اس کو دجال کہتے ہیں۔ سو ظاہر ہے کہ پادری لوگ اس کام میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ دوسروں کا دجل اور فریب تو کمزور درجہ پر ہے مگر ان لوگوں کا دجل اس قدر ہے ہے کہ خواہ مخواہ انسان کو خدا بنانے پر کروڑ ہا روپئہ خرچ کر رہے ہیں اور لاکھوں رسالے اور کتابیں دنیا میں شائع کی ہیں اور اسی غرض سے زمین کے کناروں تک سفر کرتے ہیں۔ پس اسی وجہ سے وہ دجال اکبر ہیں اور خدا تعالی کی پیش گوئی کے مطابق دوسرے کسی دجال کو قدم رکھنے کہ جگہ نہیں کیونکہ لکھا ہے کہ دجال گرجا سے نکلے گا اور جس قوم سے ہوگا وہ قوم تمام دنیا میں سلطنت کریگی (مرزا صاحب اسی قوم کا کاشتہ پودہ ہیں)۔ (خزائن ج ۲۲ ۔ تتمہ حقیقۃ الوحی ۔ص ۴۵۶)

☆ مولانا بٹالوی کو مخاطب کر کے مرزا صاحب کہتے ہیں

. میں چودھویں صدی کے سر پر آیا اور بفضلہ تعالی محدثین کی شرط قراداد کے مطابق چہارم حصہ صدی تک میری زندگی پہنچ گئی۔ مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ اور لکھا تھا کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی اور سخت پڑے گی مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط ۔... اور لکھا تھا کہ وہ مسیح موعود اسی امت میں سے ہوگا اور دمشق سے مشرق کی طرف وہ مبعوث ہوگا۔ مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ اور

لکھا تھا کہ مسیح کے وقت میں اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی اور اس میں یہ بھی اشارہ تھا کہ اس زمانہ میں مدینہ کی طرف سے مکہ تک ریل کی سواری ہو جائے گی مگر آپ کے نزدیک یہ حدیث بھی غلط۔ پس جب پیغمبر ﷺ کی حدیثیں آپ کے نزدیک غلط ہیں تو میری پیش گوئیوں کو غلط کہنے کے وقت آپ کیوں شرم کرنے لگے۔

(ضمیمہ براہین پنجم ص ۲۸۱)

☆ نیز لکھتے ہیں کہ حضرت محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ

. خاتم الخلفا صینی الاصل ہوگا یعنی مغلوں میں سے اور وہ جوڑا پیدا ہوگا۔

(تذکرہ الشہادتین ص ۳۵)۔

دوسری طرف مرزا صاحب خود کہتے ہیں کہ خدا نے انہیں بتا دیا ہے کہ وہ فارسی الاصل ہیں۔ اگر مرزا صاحب کو خدا کی بات پر ایمان ہے تو چینی الاصل والی پیش گوئی کے مصداق وہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ وہ تو فارسی ہیں۔ اور ابن عربی کی پیش گوئی کی حیثیت بھی کیا ہے؟

☆ .(ایک) خصوصیت جو پہلے مسیح میں تھی وہ یہ کہ اس کے زمانہ میں یہودیوں کا چال چلن بگڑ گیا تھا۔ بالخصوص اکثر ان کے جو علماء کہلاتے تھے وہ سخت مکار اور دنیا پرست اور دنیا کے لالچوں اور دنیوی عزتوں کی خواہشوں میں غرق ہو گئے تھے۔ ایسا ہی آخری مسیح کے وقت کے عام لوگوں اور اکثر علماء اسلام کی حالت ہو رہی ہے۔ مفصل لکھنے کی کچھ حاجت نہیں۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۳۲)۔

علماء اور عوام کی جو حالت مرزا صاحب کے وقت میں تھی وہ اس سے پہلے کئی صدیوں سے چلی آ رہی تھی اور آج بھی ویسی ہی ہے۔ اگر مسیح کے دور کی یہ خصوصیت ہے تو مرزا صاحب کو تیسری صدی ہجری کے بعد سے آج تک ہر وقت ہونا چاہیے تھا۔

☆ (ایک) خصوصیت یہ کہ مذہب عیسائی آخر قیصری قوم میں گھس گیا۔ سو اس خصوصیت میں بھی آخری مسیح کا (مسیح موسوی سے) اشتراک ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ میں میرے دعوے اور دلائل کو بڑی دل چسپی سے دیکھا جاتا ہے

(تذکرۃ الشہادتین ص ۳۳)

اس دعوی کا نقص ظاہر و باہر ہے کیونکہ رومی سلطنت کا مذہب عیسائیت ہو گیا تھا

اور رعایا کی غالب اکثریت عیسائی ہوگئی تھی۔ یہاں نہ تو برطانیہ عظمی کا مذہب مرزائیت ہوا اور نہ انگریز قوم مرزائی ہوئی۔

☆ (ایک) خصوصیت یسوع مسیح میں یہ تھی کہ جب اس کو صلیب پر چڑھایا گیا تو سورج کو گرہن لگا تھا سو اس واقعہ میں بھی خدا نے مجھے شریک کیا ہے کیونکہ جب میری تکذیب کی گئی تو اس کے بعد نہ صرف سورج بلکہ چاند کو بھی ایک ہی مہینہ میں جو رمضان کا تھا گرہن لگا تھا۔ (تذکرۃ الشہادتین۔ص ۳۳)۔

جہاں تک مسیح کی بات کی ہے تو ان کے دور میں گرہن کا وقت بقول مرزا صاحب ان کی صلیب کا موقع تھا۔ مرزا صاحب کے لئے اس کے مساوی موقع ان کی موت کا ہوگا جو ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء ہے۔ اس روز نہ سورج کو گرہن لگا نہ چاند کو۔ جہاں تک باقی ایام کی بات ہے تو سورج اور چاند کو گرہن مرزا صاحب سے پہلے بھی لگتا رہا ہے اور بعد میں بھی لگتا رہا۔ یہ کسی کی مسیحیت کی دلیل نہیں ہے۔

☆ .(ایک) خصوصیت یہ ہے کہ یسوع مسیح کو دکھ دینے کے بعد یہودیوں میں سخت طاعون پھیلی سو میرے وقت میں بھی سخت طاعون پھیل گئی۔

(تذکرۃ الشہادتین س ۳۳)۔

اگر مسیح کے دور میں یہودیوں میں طاعون آیا تھا تو اس طاعون میں مسیح کے کسی حواری کی موت نہیں ہوئی تھی۔ یہاں مرزا صاحب کے اپنے مریدوں کی لاشیں بھی طاعون سے اٹھتی رہیں۔ مشابہت تب ہوتی اگر صرف مخالفین ہی مرتے۔

☆ (ایک) خصوصیت یسوع مسیح میں یہ تھی کہ یہودیوں کے علماء نے کوشش کی کہ وہ باغی قرار پاوے اور اس پر مقدمہ بنایا گیا۔ اور زور لگایا گیا کہ اس کو سزائے موت دی جائے۔ سو اس قسم کے مقدمہ میں قضائے الہی نے مجھے بھی شریک کر دیا کہ ایک خون کا مقدمہ مجھ پر بنایا گیا اور اسی کے ضمن میں مجھے باغی بنانے کی کوشش کی گئی۔ یہ وہی مقدمہ ہے جس میں فریق ثانی کی طرف سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی گواہ بن کر آئے تھے۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۳۳۔۳۴)۔

یہاں جس مقدمے کی بات مرزا صاحب کر رہے ہیں وہ مولویوں (جنہیں مرزا صاحب اپنے دور کے یہودی قرار دیتے تھے) نے ان پر نہیں بنایا تھا کہ مسیح سے مشابہت

ہو ۔ وہ مقدمہ عیسائیوں یعنی مرزا صاحب کے قیصر کی قوم کے پادریوں مثل ڈاکٹر مارٹن کلارک وغیرہ نے قائم کیا۔ مشابہت کیا ہوئی ؟

مسیح کے خلاف مقدمہ کرنے والے یہودیوں کو مرزا صاحب کے بقول عدالت میں کرسیاں ملیں اور مسیح کو کھڑا رکھا گیا۔ یہاں کلارک والے مقدمے میں مرزا صاحب نے فخر سے کہا کہ انہیں کرسی پر بٹھایا گیا اور محمد حسین کو کھڑا کیا گیا۔ مشابہت کیا ہوئی ؟

(اور پھر دوسرے مقدموں میں مرزا صاحب کو کھڑا بھی رکھا گیا کہ کہیں وہ کرسی پر بٹھائے جانے کو اپنے حق میں کسی طرح استعمال نہ کرلیں ۔اور اگر ایسا کریں تو جھوٹے ثابت ہوں)۔

مسیح کو مجرم قرار دیا گیا تھا لیکن یہاں مارٹن کلارک والے مقدمے میں مرزا صاحب کو مجرم قرار نہیں دیا گیا ۔مشابہت کیا ہوئی ؟

مسیح کے خلاف اس دور کے یہودیوں کے اس فرقے نے گواہی دی جو بقول مرزا صاحب یہودیوں اہل حدیث تھے اس کی مشابہت میں مولانا بٹالوی نے (بقول مرزا صاحب) سردار کاہن کی طرح لمبا چوغہ پہن کر میرے خلاف گواہی دی ۔ یہ بات اس لئے غلط ہے کہ مولوی حسین صرف گواہ بن کر آیا تھا جب کہ مسیح کے خلاف مقدمہ ہی یہودیوں کا کھڑا کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں مسلمانوں کے تمام فرقوں نے آپ پر مقدمات قائم کر کے اور فتوی تکفیر پر دستخط کر کے مرزا صاحب خلاف گواہی دی تھی ۔مشابہت کیا ہوئی ؟

مسیح پر صرف ایک مقدمہ ہوا اور مرزا صاحب ساری عمر مقدموں کی یلغار سے پریشان رہے ۔مشابہت کیا ہوئی ؟

مسیح پر مقدمہ ہوا تو انہوں نے کوئی معافی نامہ یا امن برقرار رکھنے کا اقرار نامہ زبانی یا تحریری نہیں دیا۔ مرزا صاحب نے عدالتوں کو اقرار نامے لکھ کر دیئے کہ میں آئندہ یہ نہیں کروں گا اور وہ نہیں کرونگا۔ مسیح سے مشابہت کیا ہوئی ؟

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ (ایک) خصوصیت مسیح یسوع میں یہ تھی کہ وہ باپ کے نہ ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل میں سے نہ تھا۔مگر بایں ہمہ موسوی سلسلہ کا آخری پیغمبر تھا۔ جو موسی کے بعد چودھویں صدی میں پیدا ہوا۔ایسا ہی میں بھی قریش خاندان میں سے نہیں ہوں اور چودھویں صدی میں مبعوث ہوا ہوں اور سب سے آخر میں ہوں ۔ (تذکرۃ الشہادتین ص ۳۵ خزائن ۲۰)

☆ اور ازالہ اوہام میں فرمایا

. سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والہ ابن مریم یہی ہے جس نے عیسی بن مریم کی طرح اپنے زمانہ میں کسی ایسے شیخ والد روحانی کو نہ پایا جو اس کی روحانی پیدائش کا موجب ٹھہرتا۔ تب خدا تعالی خود اس کا متولی ہوا اور تربیت کی کنار میں لیا۔ اور اپنے اس بندہ کا نام ابن مریم رکھا کیونکہ اس نے مخلوق میں اپنی روحانی والدہ کا تو منہ دیکھا جس کے ذریعے سے اس نے قالب اسلام کا پایا لیکن حقیقت اسلام کی اس کو بغیر انسانوں کے ذریعہ کے حاصل ہوئی تب وہ وجود روحانی پاکر خدا تعالی کی طرف اٹھایا گیا کیونکہ خدا تعالی نے اپنے ماسوا سے اس کو موت دے کر اپنی طرف اٹھالیا اور پھر ایمان اور عرفان کے ذخیرہ کے ساتھ خلق اللہ کی طرف نازل کیا۔ سو وہ ایمان اور عرفان کا ثریا سے دنیا میں تحفہ لایا اور زمین جو سنسان پڑی تھی اور تاریک تھی اس کے روشن اور آباد کرنے کی فکر میں لگ گیا پس مثالی صورت کے طور پر یہی عیسی بن مریم ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا۔ کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ اس کا کوئی والد روحانی ہے۔ کیا تم ثبوت دے سکتے ہو کہ تمہارے سلاسل اربعہ میں سے کسی سلسلہ میں یہ داخل ہے؟ پھر اگر یہ ابن مریم نہیں تو کون ہے . (ازالہ اوہام ص ۶۵۸۔ منقول از تاریخ مرزا ص ۲۹۔۳۰)

☆ دوسری طرف مرزا صاحب کو خود اقرار ہے کہ انکے علاوہ دیگر مسیح بھی آسکتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ کوئی دمشق میں ہی آئے اور ہوسکتا ہے کہ وہ ظاہری شوکت کے ساتھ بھی آئے۔ پھر مرزا صاحب آخری کیوں کر ہوگئے۔ پھر مسیح تو چودھویں صدی کے بعد آیا تھا یعنی ۱۴۰۰ سال کے بعد۔ لیکن مرزا صاحب خود کہتے ہیں کہ وہ تیرھویں صدی میں آئے۔ اور چودھویں صدی کا صرف چوتھائی حصہ گذرا ہے۔ گویا مرزا صاحب تقریبا سو سال پہلے آگئے۔ مسیح موسوی سے مشابہت کیوں کر ہوئی۔ پھر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مسیح اس لئے بنی اسرائیل میں سے نہیں تھا ان کے باپ نہیں تھے اور صرف ماں تھی جو اسرائیلی تھی۔ یعنی حقیقی ماں کے خون کا جو معروف اسرائیلی عورت ہے مرزا صاحب کے ہاں کوئی اعتبار اور لحاظ نہیں۔ ادھر مرزا صاحب اپنے آپ کو اس لئے سید گردانتے ہیں کہ ان کے خون میں ان کی کسی دادی (جس کا کوئی ثبوت بھی موجود نہیں۔ نہ جانے وہ خاندانی تذکرے کہاں ہیں جن

میں لکھا ہے کہ ان کی ایک دادی سادات میں سے تھی ۔ اور اس عورت کا نام کیا تھا؟ اور وہ کتنی پشتیں اوپر جا کر کس دادا کی بیوی تھی؟) کے ذریعے بنی فاطمہ کے خون کی آمیزش تھی ۔ یہ تو مشابہت کا الٹ ہوا۔ مشابہت نہیں

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ

(ایک) خصوصیت حضرت مسیح میں یہ تھی کہ بن باپ ہونے کی وجہ سے حضرت آدم سے وہ مشابہ تھے ۔ ایسا ہی میں بھی توام پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت آدم سے مشابہ ہوں (تذکرۃ الشہادتین ۔ ص ۳۵)۔

☆ مرزا صاحب کہتے ہیں ۔

اللہ تعالی فرماتا ہے ان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون یعنی ایک دن خدا کے نزدیک تمہارے ایک ہزار سال کے برابر ہے ۔ پس جبکہ خدا تعالی کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دن سات ہیں پس اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ انسانی نسل کی عمر سات ہزار سال ہے جیسا کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ سورۃ العصر کے عدد جس قدر حساب جمل کی رو سے معلوم ہوتے ہیں اس قدر زمانہ نسل انسانی کا آنخضرت ﷺ کے عہد مبارک تک بحساب قمری گذر چکا تھا کیونکہ خدا نے حساب قمری رکھا ہے اور اس حساب سے ہماری اس وقت نسل انسانی کی عمر چھ ہزار برس تک ختم ہو چکی ہے اور اب ہم ساتویں ہزار میں ہیں ۔ اور یہ ضرور تھا کہ مثیل آدم جس کو دوسرے لفظوں میں مسیح موعود کہتے ہیں چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جو جمعہ کے دن کے قائم مقام ہے جس میں آدم پیدا ہوا اور ایسا ہی خدا نے مجھے پیدا کیا ۔ پس اس کے مطابق چھٹے ہزار میں میری پیدائش ہوئی اور یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میں معمولی دنوں کی رو سے بھی جمعہ کے دن پیدا ہوا تھا اور جیسا کہ آدم نر اور مادہ پیدا ہوئے تھے میں بھی توام شکل پر پیدا ہوا تھا۔ ایک میرے ساتھ لڑکی تھی جو پہلے پیدا ہوئی اور میں بعد اس کے پیدا ہوا .

(تتمہ حقیقۃ الوحی ۔ خزائن ۲۲ ۔ ص ۴۵۷ ۔ ۴۵۸)

یعنی عیسی بن باپ تھے ۔ لیکن مرزا صاحب تو بن باپ نہیں تھے ۔ آپ تو مرزا غلام مرتضی کے وارث تھے ۔ مشابہت کیا ہوئی؟ ۔ مسیح کا کوئی وارث نہیں ہوا جب کہ مرزا صاحب کے بیٹے مرزا محمود کہتے ہیں کہ اس کو اور اس کے بہن بھائیوں کو مرزا

صاحب سے وراثت حاصل ہوئی ہے۔ توام پیدا ہونے کو آدم سے مشابہ قرار دینا ہے تو اس معاملے میں دنیا میں لاکھوں افراد آج تک توام پیدا ہو چکے ہیں اور نہ جانے کتنے ابھی پیدا ہوں ۔اس میں مرزا صاحب کا کمال کیا ہوا؟

مرزا صاحب نے اپنی مسیحیت اور دیگر دعاوی ثابت کرنے کے لئے نقلی اور الہامی طریقے اختیار کئے۔ نقلی سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے آیات اور احادیث سے اس طرح استدلال کیا کہ حضرت عیسی چونکہ فوت ہو چکے ہیں وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے ۔اس لئے جس مسیح موعود کے آنے کی خبر ہے وہ مثیل مسیح ہے جو میں ہوں ۔ الہامی طریق سے یہ مراد ہے کہ آپ نے اپنے دعوی کے اثبات میں کئی ایک الہام شائع کئے جن میں آئندہ زمانے سے متعلق خبریں تھیں جن کی بابت کہا گیا کہ یہ خبریں مجھے خدا نے بتائی ہیں جن کا ظہور میری سچائی کا ثبوت ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۸)

آیئے دیکھتے ہیں کہ احادیث کے مطابق جناب مرزا صاحب مسیح موعود ہیں کہ نہیں؟ سب سے پہلے بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

☆ عن ابی ہریرة قال قال رسول الله ﷺ الذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیبب و یقتل الخنزیر و یضع الجزیة و یفیض المال حتی لا یقبله احد حتی تکون السجدة الواحدة خیراً من الدنیا وما فیها ثم یقول ابو ہریرة فاقرئوا ان شئتم و ان من اهل الکتاب لیئو منن به قبل موته الآیه متفق علیه (مشکوۃ شریف ص ۴۷۹ باب نزول عیسی علیہ السلام) یعنی ابو ہریرہ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قسم ہے اللہ پاک کی بہت جلد ابن مریم منصف حاکم ہو کر تم میں اتریں گے۔ پھر وہ عیسائیوں کی صلیب کو (جس کو وہ پوجتے ہیں) توڑ دینگے اور خنزیر کو قتل کرائینگے اور کافروں سے جو جزیہ لیا جاتا ہے اسے موقوف کر دینگے اور مال بکثرت لوگوں کو دینگے یہاں تک کہ کوئی اسے قبول کرنے والا نہ رہے گا۔لوگ ایسے مستغنی اور عابد ہوں گے کہ ایک ایک سجدہ انکو ساری دنیا کے مال ومتاع سے اچھا معلوم ہوگا (حدیث کے یہ الفاظ سنا کر) حضرت ابو ہریرہ کہتے تھے کہ تم اس حدیث کی تصدیق قرآن مجید سے چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو ان من اهل الکتاب ....(اسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسی کے اترنے کے وقت کل اہل کتاب ان پر ایمان لے آویں گے)۔

یہ حدیث اپنا مطلب بتانے میں کسی شرح کی محتاج نہیں ۔ صاف لفظوں میں حضرت عیسی موعود کو منصف حاکم یعنی بادشاہ قرار دیا ہے ۔ اور مرزا صاحب کو یہ وصف حاصل نہ تھا اور وہ حاکمانہ صورت میں نہیں آئے ۔ ان کا حال تو یہ تھا کہ گورداسپور کے ایک عام مجسٹریٹ کی عدالت میں گھنٹوں کھڑے رہتے تھے ۔ اور کتنے ہی مجسٹریٹوں نے ان سے حفظ امن کے اقرار نامے لکھوائے ۔ اور وہ خود کہتے ہیں ۔ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا ۔ (ازالہ اوہام طبع اول ص ۲۰۰)

کسر صلیب کی حدیث میں چھ نشان مسیح موعود بیان ہوئے ہیں ۔ عادل حاکم ہونا ۔ صلیب کو توڑنا ۔ خنزیر کو قتل کرنا ۔ مال و دولت کا عام ہونا یہاں تک کہ صدقہ لینے والی کوئی نہ ہوگا ۔ جذیہ کا معاف ہونا ۔ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہونا ۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۴۷۹) ۔ حدیث میں تمام صیغے مفرد ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ یہ تمام کام مسیح موعود کی عین حیات میں ہو جائیں گے ۔ جبکہ مرزا صاحب وفات پا چکے ہیں ۔

عادل حاکم ہونا تو ایک طرف مرزا صاحب حاکم ہی نہیں ہوئے ۔

جب وہ حاکم ہی نہ ہوئے تو جزیہ معاف کرنا بھی ثابت نہ ہوا ۔

صلیب کی پرستش ختم کرنا تو کجا مرزا صاحب عیسائیوں کے دور حکومت میں فوت ہوئے ۔ اسلامی دنیا میں غربت عام ہے کہ صدقہ لینے والہ کوئی نہ ہو ۔ اگر احمدی اس بات کے منکر ہوں تو اپنے مرکز کو چندہ دینا بند کردیں

☆ اس سے بھی زیادہ واضح اور فیصلہ کن وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں مروی ہے عن النبی ﷺ و الذی نفسی بیدہ لیہلن ابن مریم بفج الروحاء حاجاْ او معتمراْ او لیثنیھما (باب جواز التمتع فی الحج ۔ مسلم) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مسیح فج الروحاء سے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان جگہ ہے (نووی) حج کا احرام باندھیں گے ۔

یہ حدیث حضرت مسیح موعود کی تشریف آوری کے بعد ان کے حج کرنے اور ان کے احرام باندھنے کے لئے مقام کا بھی تعیین کرتی ہے ۔ مرزا صاحب کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ وہ حج کو نہیں گئے ۔ اور جب

. مولوی محمد حسین بٹالوی کا خط حضرت مسیح موعود کی خدمت میں سنایا گیا جس میں اس نے اعتراض کیا تھا کہ آپ حج کیوں نہیں کرتے ؟ اس کے جواب میں

حضرت مسیح موعود (مرزا) نے فرمایا کہ . میرا پہلا کام خنزیروں کا قتل اورصلیب کی شکست ہے۔ابھی تو میں خنزیروں کو قتل کر رہا ہوں۔ بہت سے خنزیر مر چکے ہیں اور بہت سخت جان ابھی باقی ہیں۔ان سے فرصت اور فراغت ہو لے.

(ملفوظات حصہ ۵ مرتبہ منظور الہی منقول از قادیانیت کا علمی محاسبہ۔ الیاس برنی۔ ص ۳۶۴)

ایک دوسری جگہ مرزا صاحب کہتے ہیں

. ہمارا حج تو اس وقت ہوگا جب دجال بھی کفراور دجل سے باز آ کر طواف بیت اللہ کرے گا کیونکہ بموجب حدیث صحیح کے وہی وقت مسیح موعود کے حج کرنے کا ہوگا ۔دیکھو وہ حدیث جو مسلم میں لکھی ہے کہ آنخضرت ﷺ نے مسیح موعود اور دجال کو قریب قریب حج کرتے دیکھا۔ یہ مت کہو کہ دجال قتل ہوگا کیونکہ آسمانی حربہ جو مسیح موعود کے ہاتھ میں ہے کسی کے جسم کو قتل نہیں کرتا بلکہ وہ اس کے کفراوراس کے باطل عذرات کوقتل کریگا اور آخر ایک گروہ دجال کا ایمان لاکر حج کریگا۔سو جب دجال کوایمان اور حج کے خیال پیدا ہوں گے وہی دن ہمارے حج کے بھی ہوں گے۔اب پہلا کام ہمارا جس پر خدا نے ہمیں لگا دیا ہے دجالی فتنہ کو ہلاک کرنا ہے۔کیا کوئی شخص اپنے آقا کی مرضی کے خلاف کام کرسکتا ہے۔ (ایام الصلح اردو۔ ص ۱۶۸۔۱۶۹)

اب اصل الفاظ فارسی میں بھی ملاحظہ فرمائیں خلاصہ چوں دجال راتمنائے ایمان و ہواء حج سرائد ہماں ایام ایام حج راباشد الخ (کتاب ایام صلح فارسی ص ۱۳۷) اس کا ترجمہ یہ ہے کہ دجال کے دل میں ایمان اور حج کی خواہش پیدا ہوگی تو وہ زمانہ ہمارے حج کا ہوگا۔سردست ہم دجال کی آتش کفر کوٹھنڈا کرنے میں مصروف ہیں۔

اور مرزائی کہتے کہ جب کہ حج کی ادائیگی کے لئے شریعت نے بعض شرائط مقرر کئے ہیں تو یہ اعتراض کرنے سے پیشتر کہ حضرت مرزا صاحب نے کیوں حج نہ کیا۔ مخالفین کو چاہیے کہ وہ غور کریں کہ وہ اس انسان پر تو اعتراض نہیں کر رہے جو بعض شرائط ضروریہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حج کے لئے نہیں گیا؟۔ (الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء ص ۵)۔

یعنی مرزائیوں کے خیال میں مرزا صاحب نے اس لئے حج نہیں کیا کہ ان میں بعض موانع موجود تھے جو خدا نے دور نہ کئے۔ لیکن مرزائی اس بات کو بھول جاتے ہیں اگر مرزا صاحب فی الحقیقت مسیح موعود ہوتے تو موانع بھی دور ہو جاتے اور خدا تعالی

انہیں حج کی سعادت بھی عطا فرما دیتا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ عدم ادائیگی حج بھی ایک ایسا امر ہے جس نے مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت کا جھوٹا ہونا ثابت کر دیا ہے۔

☆ اس کے بعد وہ حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں قال رسول اللہ ﷺ ینزل عیسی ابن مریم الی الارض فیتزوج و یولد له و یمکث خمساً و اربعین سنة ثم یموت فید فن معی فی قبری فاقوم انا و عیسی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر (مشکوة باب نزول عیسی)۔ (یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین کی طرف اتریں گے پھر نکاح کریں گے اور ان کے ہاں اولاد پیدا ہوگی اور آپ پینتالیس سال زمین پر رہیں گے پھر فوت ہوکر میرے مقبرہ میں میرے ساتھ دفن ہونگے۔ پھر میں اور حضرت عیسیٰ ایک ہی مقبرہ سے قیامت کو اٹھیں گے جبکہ ہم ابوبکر اور عمر کے درمیان ہوں گے)۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ موعود کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوگا۔ اس حدیث کو مرزا صاحب نے خود بھی نقل کر کے اپنے استدلال میں لیا ہوا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ اس میں جو حضرت عیسیٰ موعود کے تزوج (نکاح) کا ذکر ہے ان پر صادق آئے۔ انہوں نے اپنے نکاح کی بابت ایک الہامی پیش گوئی فرما رکھی تھی جس کو اعجازی نکاح کہتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ نکاح جو حضرت عیسیٰ بن مریم موعود کا مذکورہ حدیث میں آیا ہے اس سے وہی اعجازی نکاح مراد ہے جس کی بابت میں نے پیش گوئی کی ہوئی ہے۔ چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں انه یتزوج و ذالک ایماء الی آیة یظہر عند تزوجه من ید القدرة و ارادة حضرت الوتر و قد ذکرناها مفصلاً فی کتابنا التبلیغ و التحفه و اثبتنا فیها ان هذه الآیت سیظهر علی یدی ۔ (حمامۃ البشری صفحہ ۲۶)۔ یعنی حضرت عیسیٰ موعود نکاح کریں گے۔ یہ اس نشان کی طرف اشارہ ہے جو اس کے نکاح کے موقعہ پر قادر کی قدرت سے ظاہر ہوگا۔ اور ہم نے اس نشان کو مفصل اپنی دو کتابوں تبلیغ اور تحفہ میں ذکر کیا ہوا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ یہ نشان میرے ہاتھ پر ظاہر ہوگا یعنی یہ نکاح وہی ہے جو میرا ہوگا

یہ عبارت باآواز بلند کہہ رہی ہے کہ جناب مرزا صاحب کو اس حدیث کی تسلیم سے انکار نہیں بلکہ اسکو اپنی دلیل میں لایا کرتے تھے۔ اس لئے ہم بھی اس حدیث سے استدلال کرنے کا حق رکھتے ہیں جو یوں ہے کہ چونکہ مرزا صاحب مدینہ شریف میں فوت ہوکر روضہ

مقدسہ میں دفن نہیں ہوئے اس لئے وہ عیسی موعود نہیں ہیں۔

مرزا صاحب نے پیش گوئی کی تھی کہ محمدی بیگم بنت احمد بیگ ہوشیار پوری میرے نکاح میں ضرور آئے گی۔ اس کو آپ نے اپنے صدق یا کذب کا معیار قرار دیا تھا۔ چنانچہ آپ کسی سائل کے جواب میں لکھتے ہیں

' (یہ پیشگوئی) میرے صدق اور کذب کی شناخت کیلئے کافی شہادت ہے۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ خدا تعالی کذاب اور مفتری کی مدد کرے لیکن ساتھ اس کے میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اس پیشگوئی کے متعلق دو پیش گوئی اور ہیں جن کو میں اشتہار ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء میں شائع کر چکا ہوں جن کا مضمون یہی ہے کہ خدا تعالی اس عورت کو بیوہ کر کے میری طرف رد کریگا۔ اب انصاف سے دیکھیں کہ نہ کوئی انسان اپنی حیات پر اعتماد کرسکتا ہے نہ کسی دوسرے کی نسبت دعوی کرسکتا ہے کہ وہ فلاں وقت تک زندہ رہے گا یا فلاں وقت تک مر جائے گا۔ مگر میری اس پیشگوئی میں نہ ایک بلکہ چھ دعوی ہیں۔ اول نکاح کے وقت تک میرا زندہ رہنا۔ دوم نکاح کے وقت تک اس لڑکی کے باپ کا زندہ رہنا۔ سوم پھر نکاح کے بعد اس لڑکی کے باپ کا جلدی سے مرنا جو تین برس تک نہیں پہنچے گا۔ چہارم اس کے خاوند کا اڑھائی برس کے عرصہ تک مر جانا۔ پنجم اس وقت تک کہ میں اس سے نکاح کروں اس لڑکی کا زندہ رہنا۔ ششم پھر آخر یہ کہ بیوہ ہونے کی تمام رسموں کو توڑ کر باوجود سخت مخالفت اس کے اقارب کے میرے نکاح میں آجانا'

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۲۴ و ۳۲۵)

پھر مرزا صاحب نے ضمیمہ انجام آتھم میں بھی اس پیشگوئی کا ذکر کر کے مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً کے دربار میں گویا اس کی رجسٹری کرادی ہے۔ فرماتے ہیں۔

' اس پیشگوئی (یعنی محمدی بیگم سے میرے نکاح) کی تصدیق کیلئے جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی پہلے سے ایک پیشگوئی فرمائی ہے کہ یتزوج و یولد لہ یعنی وہ مسیح موعود بیوی کریگا اور نیز وہ صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں۔ کیونکہ عام طور پر شادی ہر ایک کرتا ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں۔ بلکہ تزوج سے مراد وہ خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے۔ گویا رسول

اللہ ﷺ ان سیاہ دل منکروں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی'۔ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۳)

مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں چل بسے۔ محمدی بیگم اس کے بعد کئی برس زندہ رہی اور ۱۹۶۶ء میں فوت ہوئی۔ اور بیوہ ہونے سے پہلے سلطان محمد کی موت یعنی ۱۹۴۹ء تک اس کے نکاح میں رہی۔ مرزا صاحب سے کبھی ان کا نکاح نہیں ہوا۔ اس بنا یہ کہنا ہمارا حق ہے کہ مرزا صاحب نے جس دلیل کو اپنی صداقت پر پیش کیا ہے اسی کو ہم بطور معارضہ ان کی تکذیب پر پیش کر سکتے ہیں کیونکہ عدم تزوج بزبان رسالت مرزا صاحب کی پوری تکذیب ہے۔

☆ اور مرزا صاحب فرماتے ہیں

. یہ بات عقل مندوں پر ظاہر ہے کہ بنی اسماعیل میں خدا تعالی نے بمقابل بنی اسرائیل کے ایک سلسلہ قائم کر کے یہ چاہا کہ ہر ایک طور سے اس سلسلہ کو اسرائیلی سلسلہ سے مشابہ اور مماثل کرے۔ پس اس نے اسی ارادہ سے ہمارے سید و مولی آنحضرت ﷺ کو مثیل موسی بنایا جیسا کہ وہ فرماتا ہے انا ارسلنا الیکم رسولًا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولًا۔ یعنی ہم نے اس رسول کو اس رسول کی مانند بھیجا جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور پھر آخر سلسلہ میں یہ ضرور تھا کہ خاتم الخلفاء اس امت کا عیسی کا مثیل ہو جو عیسی کی طرح چودھویں صدی میں مثیل موسی کے بعد ظاہر ہو۔ کیونکہ موسی کے سلسلہ کا آخری خلیفہ عیسی تھا جو چودہ سو برس بعد اس کے ظاہر ہوا۔ (خزائن ج ۲۱۔ ضمیمہ براہین پنجم۔ ص ۳۰۲)۔

☆ مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

' (ایک) مشابہت حضرت عیسی علیہ السلام سے میری یہ ہے کہ وہ ظاہر نہیں ہوئے جب تک حضرت موسی کی وفات پر چودھویں صدی کا ظہور نہیں ہوا ایسا ہی میں بھی آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے چودھویں صدی کے سر پر مبعوث ہوا ہوں'

(رسالہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۷)۔

اس دعوی کی تردید مرزا صاحب کی اس تحریر سے ہو جاتی ہے۔ '

اور منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز (مرزا) کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں پائی جاتی ہیں۔ وہ خدمات خاصہ ہیں جو اس عاجز کو مسیح ابن مریم کی خدمات

کے رنگ میں سپرد کی گئی ہیں۔ کیونکہ مسیح اس وقت یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا تھا۔ اور وہ زمانہ حضرت موسی سے ۱۴۰۰ برس بعد تھا کہ جب ابن مریم یہودیوں کی اصلاح کیلئے بھیجا گیا تھا۔ پس ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا۔ کہ جب قرآن کریم کا مغز اور بطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا۔ اور یہ زمانہ حضرت مثیل موسی (یعنی آنحضرت ﷺ) کے وقت سے اسی زمانہ کے قریب قریب گذر چکا ہے جو حضرت موسی اور عیسی کے درمیان میں زمانہ تھا'

(ازالہ اوہام۔ طبع اول۔ ص۶۹۳۔۶۹۲)

اس بیان میں مرزا صاحب نے موسی اور عیسی کے درمیانی زمانہ کو چودہ سو برس سے کچھ زیادہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ چودہ سو برس بعد کا لفظ چودہ سو پر اضافہ چاہتا ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی شہادت اس بارے میں (۱۴۵۱) ہے (دیکھو تقدیس اللغات) حالانکہ مرزا کے پہلے بیان میں تیرہ سو برس ختم ہو کر چودھویں صدی کے سر پر آنا لکھا ہے۔ اس دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ایک سو سال قبل از وقت تشریف لے آئے۔ کیونکہ اس بیان کے مطابق مسیح موعود کی تشریف آوری کا وقت چودہ سو سال کے بعد ہے اور آپ چودھویں صدی کے شروع میں آئے ہیں۔ اس لئے آپ موعود مسیح نہیں ہو سکتے۔

☆ درج بالا بیانات کے علاوہ مرزا صاحب ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں

' پیش گوئیوں میں ہمیشہ ابہام ہوتا ہے۔ صاف اور مفصل بیان نہیں ہوتا۔ کیونکہ پیش گوئیوں میں سننے والے کا امتحان (ابتلاء) کرنا منظور ہوتا ہے۔ چنانچہ توریت میں آنخضرت ﷺ کے حق میں پیش گوئی اسی قسم کی مبہم ہے۔ جس میں وقت ملک اور نام نہیں بتایا گیا۔ اگر خدا تعالی کو ابتلاء خلق اللہ منظور نہ ہوتا اور ہر طرح سے کھلے کھلے طور پر پیش گوئی کا بیان کرنا ارادہ الہی ہوتا تو پھر اس طرح پر بیان ہونا چاہیے تھا کہ اے موسی میں تیرے بعد بائیسویں صدی میں ملک عرب میں بنی اسماعیل میں ایک نبی پیدا کرونگا جس کا نام محمد ﷺ ہوگا'۔ (ازالہ اوہام طبع اول ص ۲۷۸)

اس تحریر میں مرزا صاحب نے صاف تسلیم کیا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کے بعد سرور کائنات ﷺ پوری اکیس صدیاں گذار کر بائیسویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عیسی اور سرور کائنات ﷺ کا درمیانی زمانہ کتنا ہے۔ کچھ شک نہیں

کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سنہ عیسوی کے حساب سے ۲۲۔اپریل ۵۷۱ء کو ہوئی اور بعثت (رسالت) ۱۲۔فروری ۶۱۰ء کو ہوئی تھی۔ یہ چھ سو سال اکیس صدیوں سے نکال دیں تو حضرت موسی اور حضرت عیسی کا درمیانی زمانہ پندرہ سو سال رہتا ہے۔ پس نتیجہ صاف ہے کہ مرزا صاحب اپنے ہی بیان کے مطابق مقررہ وقت پر نہیں آئے بلکہ بہت پہلے تشریف لے آئے لہذا آپ عیسی موعود نہیں ہیں۔

☆ جناب مرزا صاحب نے اپنا مسیح موعود ہونا ایک اور طریق سے بھی ثابت کیا ہے۔ آپ کا دعوے ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔' بالاتفاق تمام احادیث کے رو سے عمر دنیا کل سات ہزار برس قرار پایا تھا' (تحفہ گولڑویہ ص ۹۳)۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پانچویں ہزار میں پیدا ہوئے ہیں اور مسیح موعود کا چھٹے ہزار میں پیدا ہونا مقدر تھا۔ اس دعوی کو اس آئت سے ثابت کرتے ہیں جو سورۃ جمعہ میں ہے و آخرین منھم لما یلحقوا بھم پھر فرماتے ہیں کہ بس میں چونکہ چھٹے ہزار سال میں پیدا ہوا ہوں لہذا میں مسیح موعود ہوں۔ اب سنئے آپ کے اپنے الفاظ۔ فرماتے ہیں۔

' ہمارے نبی ﷺ کے دو بعث ہیں اور اس پر نص قطعی آیت کریمہ و آخرین منھم لما یلحقوا بھم ہے۔ تمام اکابر مفسرین اس آئت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس امت کا آخری گروہ یعنی مسیح موعود کی جماعت صحابہ کے رنگ میں ہونگے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنھم کی طرح بغیر کسی فرق کے آنحضرت ﷺ سے فیض اور ہدائت پائیں گے۔ پس جبکہ یہ امر نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہوا کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فیض صحابہ پر جاری ہوا ایسا ہی بغیر کسی امتیاز اور تفریق کے مسیح موعود کی جماعت پر فیض ہوگا۔ تو اس صورت میں آنحضرت ﷺ کا ایک اور بعث ماننا پڑا جو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں ہزار ششم میں ہوگا۔ اور اس تقریر سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہیں۔ یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی رنگ میں آنحضرت ﷺ کا دوبارہ آنا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا جو مسیح موعود اور مھدی موعود کے ظہور سے پورا ہوا۔ غرض جبکہ آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہوئے تو جو بعض حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ ہزار ششم کے اخیر میں مبعوث ہوئے تھے تو اس سے بعث دوم مراد ہے جو نص قطعی آئت کریمہ و آخرین منھم لما یلحقوا بھم

سے سمجھا جاتا ہے ۔ یہ عجیب بات ہے کہ نادان مولوی جن کے ہاتھ میں صرف پوست ہی پوست ہے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی انتظار کر رہے ہیں ۔ مگر قرآن شریف ہمارے نبی ﷺ کے دوبارہ آنے کی بشارت دیتا ہے کیونکہ افاضہ بغیر بعث غیر ممکن ہے اور بعث بغیر زندگی کے غیر ممکن ہے اور حاصل اس آئت کریمہ یعنی و آخرین منھم کا یہی ہے کہ دنیا میں زندہ رسول ایک ہی ہے یعنی محمد ﷺ جو ہزار ششم میں بھی مبعوث ہوکر ایسا ہی افاضہ کریگا جیسا کہ وہ ہزارہ پنجم میں افاضہ کرتا تھا اور مبعوث ہونے کے اس جگہ یہی معنی ہیں کہ جب ہزار ششم آئے گا اور مہدی موعود اس کے آخر میں ظاہر ہو گا تو گو بظاہر مہدی معہود کے توسط سے دنیا کو ہدائت ہوگی لیکن دراصل آنحضرت ﷺ کی قوت قدسی نئے سرے سے اصلاح عالم کی طرف ایسی سرگرمی سے توجہ کریگی کہ گویا آنحضرت ﷺ دوبارہ مبعوث ہوکر دنیا میں آگئے ہیں ۔ یہی معنی ہیں اس آئت کے کہ و آخرین منھم لما یلحقوا بھم ۔ پس یہ خبر جو آنحضرت ﷺ کی بعث دوم کے متعلق ہے جس کے ساتھ یہ شرط ہے کہ وہ بعث ہزار ششم کے اخیر پر ہوگا اسی حدیث سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہوتا ہے کہ ضرور ہے کہ مہدی معہود اور مسیح موعود جو مظہر تجلیات محمدیہ ہے جس پر آنحضرت ﷺ کا بعث دوم موقوف ہے وہ چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو کیونکہ یہی صدی ہزار ششم کے آخری حصہ میں پڑتی ہے‘ (تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۹۵ ۔ ۹۴)

مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بقول مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کا دو دفعہ نبی ہوکر ظاہر ہونا مقدر تھا ۔ ایک تو اس وقت جب آپ بصورت محمد مکہ معظّمہ میں ظہور پذیر ہوئے ۔ دوم اس وقت جب بشکل مرزا صاحب بہ عہدہ عیسی موعود قادیان میں رونق افروز ہوئے ۔ پہلی صورت میں آپ کا نام محمد تھا دوسری میں احمد ۔ محمدی صورت جلالی تھی یعنی جنگی اور احمدی صورت جمالی یعنی صلح جو ہے ۔ چنانچہ اس کتاب کے دوسرے مقام پر مرزا صاحب نے اس مضمون کو منجمانہ طریق میں یوں لکھا ہے ۔ فرماتے ہیں

’ آنحضرت ﷺ کے بعث اول کا زمانہ ہزار پنجم تھا جو اسم محمد کا مظہر تجلی تھا ۔ یعنی یہ بعث اول جلالی نشان ظاہر کرنے کیلئے تھا ۔ مگر بعث دوم جسکی طرف آئت کریمہ و آخرین منھم لما یلحقوا بھم میں اشارہ ہے وہ مظہر تجلی اسم احمد ہے جو اسم جلالی ہے جیسا کی آئت و مبشراْ برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد اسی کی طرف اشارہ

کر رہی ہے ۔اوراس آئت کے یہی معنی ہیں کہ مہدی معہود جس کا نام آسمان پر مجازی طور پر احمد ہے جب مبعوث ہوگا تو اس وقت وہ نبی کریم جو حقیقی طور پر اس نام کا مصداق ہے اس مجازی احمد کے پیرایہ میں ہوکر اپنی تجلی ظاہر فرمائے گا۔یہی وہ بات ہے جو اس سے پہلے میں نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھی تھی ۔یعنی یہ کہ میں اسم احمد میں آنحضرت ﷺ کا شریک ہوں (شریک نہیں بلکہ اصل مصداق تھا۔ دیکھو ازالہ اوہام طبع اول ص ۶۷۳) ۔اوراس پر نادان مولویوں نے جیسا کہ انکی ہمیشہ سے عادت ہے شور مچایا تھا۔ حالانکہ اگر اس سے انکار کیا جائے تو تمام سلسلہ اس پیش گوئی کا زیر و زبر ہو جاتا ہے ۔ بلکہ قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے جو نعوذ باللہ کفر تک نوبت پہنچاتی ہے ۔لہذا جیسا کہ مومن کے لئے دوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان فرض ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہیں ۔ایک بعث محمدی جو جلالی رنگ میں ہے جو ستارہ مریخ کی تاثیر کے نیچے ہے جسکی نسبت بحوالہ توریت قرآن شریف میں یہ آئت ہے محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ۔ دوسرا بعث احمدی جو جمالی رنگ میں ہے جو ستارہ مشتری کی تاثیر کے نیچے ہے جسکی نسبت بحوالہ انجیل قرآن شریف میں یہ آئت ہے و مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد ' (تحفہ گولڑویہ ص ۹۶)

مزید تشریح کیلئے مرزا صاحب اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں جو یوں ہے ' یہ باریک بھید یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعث دوم میں تجلی اعظم جو اکمل اوراتم ہے وہ صرف اسم احمد کی تجلی ہے ۔ کیونکہ بعث دوم آخر ہزار ششم میں ہے اور ہزار ششم کا تعلق مشتری کے ساتھ ہے جو کوکب ششم منجملہ خنس کنس ہے اوراس ستارہ کی یہ تاثیر ہے کہ مامورین کو خونریزی سے منع کرتا اور عقل اور دانش اور مواد استدلال کو بڑھاتا ہے ۔اس لئے اگرچہ یہ بات حق ہے کہ اس بعث دوم میں اسم محمد کی تجلی سے جو جلالی تجلی ہے اور جمالی تجلی کے ساتھ شامل ہے مگر وہ جلالی تجلی بھی روحانی طور پر جمالی رنگ کے مشابہ ہوگئی ہے کیونکہ اس وقت جلالی تجلی کی تاثیر قہر سیفی نہیں بلکہ قہر استدلالی ہے ۔ وجہ یہ کہ اس وقت کے مبعوث پر پرتوہ ستارہ مشتری ہے نہ پرتوہ مریخ ۔اسی وجہ سے بار بار اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ ہزار ششم فقط اسم احمد کا مظہر اتم ہے جو جمالی

تجلی کو چاہتا ہے۔' (تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۹۶)

یعنی مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ عیسی موعود دنیا کی عمر سے چھٹے ہزار سال میں آئیں گے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ چھٹا ہزار کہاں تک ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں

' آنحضرت ﷺ حضرت آدم سے قمری حساب کے رو سے چار ہزار سات سو انتالیس (۴۷۳۹) برس بعد پیدا ہوئے۔اور شمسی حساب کے رو سے چار ہزار پانچسو اٹھانوے (4598) برس بعد' (تحفہ گولڑویہ۔ ص۹۲)

پس ہجرت سے پہلے تیرہ سال آنحضرت مکہ معظّمہ میں رہے۔اس حساب سے پورے تیرہ سو ہجری ہونے کے وقت آنحضرت ﷺ کا سن نبوت ۱۳۱۳ ہوتا ہے یہ عدد قمری حساب سے ۴۷۳۹ میں ملائیں تو تیرھویں صدی کے اخیر پر دنیا کی عمر چھ ہزار باون سال ہوتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جناب مرزا صاحب کس سنہ میں مسیح موعود کے عہدہ پر مبعوث ہوئے۔۔اس کے متعلق بھی ہمیں کسی بیرونی شہادت کی ضرورت نہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں 'یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میری عمر کے چالیس سال پورے ہونے پر صدی کا سر بھی آ پہنچا۔تب خدا تعالی نے الہام کے ذریعہ میرے پر ظاہر کیا کہ تو اس صدی کا اور صلیبی فتنوں کا چارہ گر ہے۔ اور یہ اس طرف اشارہ تھا کہ تو ہی مسیح موعود ہے.

(تریاق القلوب۔ ص ۶۸)

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ مرزا صاحب چودھویں صدی کے شروع میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر مسیحیت پر مامور ہوئے تھے۔اسی مضمون کو دوسری کتاب میں مزید وضاحت سے لکھتے ہیں

. ۱۸۹۱۔ چند روز کا ذکر ہے کہ اس عاجز نے اس طرف توجہ کی کہ کیا اس حدیث کا جو الآیات بعد المائتین ہے ایک یہ بھی منشا ہے کہ تیرھویں صدی کے اواخر میں مسیح موعود کا ظہور ہوگا۔ اور کیا حدیث کے مفہوم میں یہ عاجز بھی داخل ہے تو مجھے کشفی طور پر اس مندرجہ ذیل نام کے اعداد حروف کی طرف توجہ دلائی گئی کہ دیکھ یہی مسیح ہے کہ جو تیرھویں صدی کے پورے ہونے پر ظاہر ہونے والا تھا۔ پہلے سے یہی تاریخ ہم نے نام میں مقرر کر رکھی تھی۔اور وہ نام یہ ہے غلام احمد قادیانی۔اس نام کے عدد پورے تیرہ سو ہیں اور اس قصبہ قادیان میں بجز اس عاجز کے اور کسی شخص کا نام غلام احمد

نہیں ۔ (ازالہ اوہام ص ۱۸۵ ۔۱۸۶ ۔ تذکرہ ۔ص ۱۴۴) ۔

مرزا صاحب کا نام تو ہے غلام احمد ۔ چنانچہ قصبہ میں ہم نام کی نفی کرتے ہوئے صرف غلام احمد ہی لکھتے ہیں ۔مگر جب ترقی کر کے دنیا بھر کی نفی کرتے ہیں تو نام کے ساتھ مقامی نسبت کو بھی داخل کر کے غلام احمد قادیانی پورا نام بتاتے ہیں ۔کہ میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا نام نہیں '

نیز فرماتے ہیں . ایک دفعہ میں نے آدم کے سن پیدائش کی طرف توجہ کی تو مجھے اشارہ کیا گیا کہ ان اعداد پر نظر ڈال جو سورۃ العصر کے حروف میں ہیں کہ انہیں میں سے وہ تاریخ نکلتی ہے (ازالہ اوہام ص ۱۸۵ ۔۱۸۶)

نیز . خدا تعالی نے مجھے ایک کشف کے ذریعہ سے اطلاع دی ہے کہ سورۃ العصر کے اعداد سے بحساب ابجد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد تک جو عہد نبوت ہے یعنی تئیس برس کا تمام وکمال زمانہ یہ کل مدت گذشتہ زمانہ کے ساتھ ملا کر ۴۷۳۹ برس ابتدائے دنیا سے آنحضرت ﷺ کے یوم وفات تک قمری حساب سے ہیں ۔(تحفہ گولڑویہ ص ۹۳ ۔ ۹۵) اور شمسی حساب کی رو سے ۴۵۹۸ برس بعد آدم صفی اللہ، حضرت نبینا محمد ﷺ خدا تعالی کی طرف سے ظاہر ہوئے (تحفہ گولڑویہ ص ۹۲ (تذکرہ ص ۱۷۹)

اس عبارت میں پہلی عبارت کی مزید تشریح ہے کہ جس کے مطابق مرزا صاحب کی بعثت چھٹا ہزار ختم ہو کر ساتویں ہزار میں سے باون سال گذر کر ہوئی ۔ لہذا بقول آپ کے آپ مسیح موعود نہیں ۔

اب ایک اور حساب سے اس معاملے کا جائزہ لیتے ہیں ۔ مرزا لکھتے ہیں کہ
'میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھ ہزار میں سے گیارہ برس رہتے تھے '
(تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص ۹۵)

اس عبارت سے صاف ثابت ہے کہ چھٹا ہزار مرزا صاحب کی گیارہ سال کی عمر پوری ہونے تک ختم ہو گیا ۔مگر گیارہ سال کی عمر میں تو مبعوث نہ ہوئے ہوں گے ۔ بلکہ بحکم بلغ اربعین سنۃ چالیس سال کو پہنچ کر مسیحیت کے درجہ پر مبعوث ہوئے تو

بھی ساتویں ہزار میں چلے گئے جو خلاف وقت مقررہ کے ہے ۔ مرزا صاحب اپنی تحریرات میں خود قمری حساب پر بنیاد رکھ رہے ہیں ۔ یہاں تک فرما چکے ہیں کہ میں 'چھٹے ہزار میں سے گیارہ سال رہتے میں پیدا ہوا تھا' ۔ اس لئے ان کے کسی مرید کو یہ حق نہیں کہ وہ شمسی حساب سے چھ ہزار کا شمار کرے ۔ کیونکہ ایسا کرنا ہم کو نہیں ان کو مضر ہوگا ۔ اس لئے کہ شمسی حساب سے چھ ہزار سال ۲۰۱۲ء میں پورے ہوں گے ۔ اس حساب سے مرزا صاحب کی پیدائش ۲۰۱۰ء میں ہونی چاہیے ۔ حالانکہ وہ ۱۹۰۸ء میں انتقال بھی کر گئے ۔

اس موضوع پر مرزا صاحب کی چند اور تحریریں پیش خدمت ہیں ۔ فرماتے ہیں
. بنی آدم کی عمر کا دور سات ہزار برس مقرر ہے ۔ اور اس میں سے ہمارے نبی ﷺ کے عہد میں پانچ ہزار کے قریب گذر چکا تھا.. جیسا کہ سورۃ والعصر میں یعنی اس کے حروف میں ابجد کے لحاظ سے قرآن شریف میں اشارہ فرما دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں جب وہ سورۃ نازل ہوئی تب آدم کے زمانہ پر اسی قدر مدت گذر چکی تھی جو سورۃ موصوفہ کے عددوں سے ظاہر ہے ۔ اس حساب سے انسانی نوع کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گذر چکے ہیں اور ایک ہزار برس باقی ہیں ۔ قرآن شریف میں بلکہ اکثر پہلی کتابوں میں بھی یہ نوشتہ موجود ہے کہ وہ آخری مرسل جو آدم کی صورت پر آئے گا اور مسیح کے نام سے پکارا جائے ضرور ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا.. پہلا ہزار نیکی اور ہدائت کے پھیلنے کا زمانہ ہے اور دوسرا ہزار شیطان کے تسلط کا زمانہ ہے اور پھر تیسرا ہزار نیکی اور ہدائت کے پھیلنے کا ۔ اور چوتھا ہزار شیطان کے تسلط کا اور پھر پانچواں ہزار نیکی اور ہدائت کے پھیلنے کا (یہی) وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سید و مولی حضرت محمد ﷺ دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے اور شیطان قید کیا گیا ۔ پھر چھٹا ہزار شیطان کے کھلنے اور مسلط ہونے کا زمانہ ہے جو قرون ثلاثہ کے بعد شروع ہوتا ہے اور چودھویں صدی کے سر پر ختم ہو جاتا ہے ۔ اور پھر ساتوں ہزار خدا اور اس کے مسیح کا اور ایک ہر خیر و برکت اور ایمان اور صلاح اور تقوی... اور ہدائت کا زمانہ ہے ۔ اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں ۔ اس کے بعد کس دوسرے مسیح کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ زمانے سات ہی ہیں ۔

(لیکچر لاہور۔خزائن جلد ۲۰ ص ۱۸۶)

اور لیکچر سیالکوٹ میں کہتے ہیں ۔ پھر ہزار پنجم آیا جو ہدائت کا دور تھا۔ یہ وہ ہزار ہے جس میں ہمارے نبی ﷺ مبعوث ہوئے... ہزار ششم ضلالت کا ہزار ہے اور وہ ہجرت کی تیسری صدی کے بعد شروع ہوتا ہے اور چودھویں صدی کے سر تک ختم ہوتا ہے ۔ اس ششم ہزار کے لوگوں کا نام آنحضرت ﷺ فیج اعوج رکھا ہے ۔ اور ساتواں ہزار ہدایت کا جس میں ہم موجود ہیں ۔ چونکہ یہ آخری ہزار ہے اس لئے ضرور تھا کہ امام آخر الزمان اس کے سر پر پیدا ہو اور اس کے بعد کوئی امام نہیں اور نہ کوئی مسیح ۔مگر وہ جو اس کے لئے بطور ظل کے ہو....خدا نے مسیح موعود کو ششم ہزار کے اخیر میں پیدا کیا

(لیکچر سیالکوٹ ۔خزائن ج ۲۰ ص ۲۰۸۔۲۰۹)

☆ قرآن مجید میں ارشاد ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ۔خدا نے اپنا رسول ہدائت اور دین حق کیساتھ بھیجا تاکہ اس کو سارے مذاہب پر غالب کرے ۔اس آئت کی تفسیر کے طور پر مرزا صاحب براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں

' هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیش گوئی ہے اور جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا ۔اور جب حضرت مسیح دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔' (براہین احمدیہ ۔ حاشیہ ص ۴۹۹۔۴۹۸)

مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ اس جگہ جناب مرزا صاحب نے مسیح موعود کیلئے آئت موصوفہ سے یہ بات بتائی کہ وہ باسیاست یعنی ظاہری حکومت کے ساتھ آئینگے ۔مگر جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعوی خود کیا تو باوجود سیاست اور حکومت حاصل نہ ہونے کے آپ نے اس آئت پر قبضہ رکھا اور اپنے ہی حق میں اسکو چسپاں کیا۔ فرماتے ہیں

' چونکہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا زمانہ قیامت تک ممتد ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوای آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی ۔یعنی شبہ گزرتا کہ آپ کا زمانہ ختم ہوگیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانہ میں انجام

تک پہنچ گیا۔اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح کی بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں ۔ زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈالدی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے۔اوراس تکمیل کیلئے اسی امت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اوراسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت ﷺ ہیں اوراس کے آخر میں مسیح موعود ہے۔اورضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا نہ ہولے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اوراسی کی طرف یہ آئت اشارہ کرتی ہے هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کوایک کامل ہدائت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا اسکو ہرایک قسم کے دین پر غالب کردے یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کوعطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیش گوئی میں کچھ تخلف ہواس لئے اس آئت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا۔

(چشمہ معرفت ۔ ص۸۳ ـ ۸۲)

اس عبارت کی تشریح یہ ہے کہ بقول مرزا صاحب زمانہ محمدی کی ابتدا رسالت محمدیہ علی صاحبها الصلوة و التحیة سے ہوئی پھر وہی زمانہ ممتد ہوکر مسیح موعود کے زمانہ تک ایک ہی رہا۔اس زمانہ کے ایک سرے پر آنحضرت ﷺ ہیں تو دوسرے سرے پر مسیح موعود ہیں۔ زمانہ محمدی سے اشاعت اسلام شروع ہوکر زمانہ مسیح موعود میں تکمیل کو پہنچ جائے گی۔یعنی دنیا کی کل قومیں مسلمان ہوکرایک واحد اسلامی قوم بن جائے گی۔ چونکہ یہ سب کام مسیح موعود کی معرفت ہوگا اس لئے آئت هو الذی ارسل، مسیح موعود کے حق میں چسپاں ہے

☆ مرزا صاحب فرماتے ہیں

’وہ پیشگوئی رسول اللہ ﷺ کی جو تواتر معنوی تک پہنچ گئی ہے جس کا مطلب یہ کہ خدا تعالی نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہرایک صدی کے سر پر وہ ایسے شخص کو مبعوث کریگا جو دین کو پھر تازہ کر دیگا اوراس کی کمزوریوں کو دور کر کے پھر اپنی اصلی طاقت اور قوت پر اس کو لے آویگا۔اس پیشگوئی کی رو سے ضرور تھا کہ کوئی شخص اس چودھویں صدی پر ہی خدا

تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوتا اور موجودہ خرابیوں کی اصلاح کیلئے پیش قدمی دکھلاتا۔ سو یہ عاجز عین وقت پر مامور ہوا ہے۔ اس سے پہلے صدہا اولیاء نے اپنے الہام سے گواہی دی تھی کہ چودھویں صدی کا مجدد مسیح موعود ہوگا اور احادیث صحیحہ نبویہ پکار پکار کر کہتی تھیں کہ تیرھویں صدی کے بعد ظہور مسیح ہے۔ پس کیا اس عاجز کا یہ دعویٰ اس وقت عین اپنے محل اور اپنے وقت پر نہیں ہے'۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ص ۳۴۰)

☆ پھر مرزا صاحب لکھتے ہیں

' اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھنا اس مصلحت پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اس مجدد کا عظیم الشان کام عیسائیت کا غلبہ توڑنا اور ان کے حملوں کو دفع کرنا اور ان کے فلسفہ کو جو مخالف قرآن ہے دلائل قویہ کے ساتھ توڑنا اور ان پر اسلام کی حجت پوری کرنا ہے کیونکہ سب سے بڑی آفت اس زمانہ میں اسلام کیلئے جو بغیر تائید الٰہی دور نہیں ہوسکتی عیسائیوں کے فلسفیانہ حملے اور مذہبی نکتہ چینیاں ہیں۔ جن کے دور کرنے کیلئے ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آوے اور جیسا کہ میرے پر کشفاً کھولا گیا۔ حضرت مسیح کی روح ان افتراؤں کی وجہ سے جو ان پر اس زمانہ میں کئے گئے اپنے مثالی نزول کیلئے شدت جوش میں تھی ...سو خدا تعالیٰ نے اس جوش کے موافق اس کی مثال کو دنیا میں بھیجا تا وہ وعدہ پورا ہو جو پہلے کیا گیا تھا'

(آئینہ کمالات اسلام ص ۳۴۱)

مسیح موعود ہونے کے لئے مرزا صاحب کی یہ دلیل اس لئے غلط ہے کہ آپ کی کتاب براہین احمدیہ ۱۲۹۷ھ میں طبع ہوئی۔ اثناء تصنیف میں آپ نے اس کتاب کا جو اشتہار دیا تھا اس میں لکھا ہے کہ 'مصنف کو اس بات کا علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات کے مشابہ ہیں۔' (تبلیغ رسالت جلد اول ص ۱۵)۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب چودھویں صدی کے مجدد نہیں کیونکہ مجدد صادق ہر صدی کے شروع میں آتا ہے اور جو شخص صدی کے اخیر میں مجددیت کا دعویٰ کرے اس کی تردید کیلئے خود اس کا دعویٰ ہی کافی ہے۔ اور جب وہ مجدد ہی نہیں تو مسیح کہاں سے ہوگئے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ چودھویں صدی کا مجدد مسیح ہوگا۔

☆ مرزا صاحب لکھتے ہیں

. تمام زمین کا ظلم سے بھر جانا اور ایمان کا زمین پر سے اٹھ جانا۔ اس قسم کی مصیبتوں کا زمانہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد ایک ہی زمانہ ہے جس کو مسیح کا زمانہ یا مہدی کا زمانہ کہتے ہیں ۔ اور احادیث نے اس زمانہ کو تین پیرایوں میں بیان کیا ہے ۔ رجل فارسی کا زمانہ ۔ مہدی کا زمانہ ۔ مسیح کا زمانہ ۔ اور اکثر لوگوں نے قلت تدبر سے ان تین ناموں کی وجہ سے تین علیحدہ علیحدہ شخص سمجھ لئے ہیں ۔ اور تین قومیں ان کے لئے مقرر کی ہیں ۔ ایک فارسیوں کی قوم ۔ دوسری اسرائیل کی قوم ۔ تیسری بنی فاطمہ کی قوم ۔ مگر یہ تمام غلطیاں ہیں ۔ حقیقت میں یہ تینوں ایک ہی شخص ہیں جو تھوڑے تعلق کی وجہ سے کسی قوم کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے ۔ مثلاً ایک حدیث سے جو کنز العمال میں موجود ہے سمجھا جاتا ہے کہ اہل فارس یعنی بنی فارس بنی اسحاق میں سے ہیں ۔ پس اس طرح پر وہ آنے والا مسیح اسرائیلی ہوا ۔ اور بنی فاطمہ کے ساتھ امہاتی تعلق رکھنے کی وجہ سے جیسا کہ مجھ کو حاصل ہے فاطمی بھی ہوا ۔ پس گویا وہ نصف اسرائیلی ہوا اور نصف فاطمی جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے ۔ ہاں میرے پاس فارسی ہونے کے لئے بجز الہام الٰہی کے اور کچھ ثبوت نہیں ۔ لیکن یہ الہام اس زمانہ کا ہے کہ جب اس دعویٰ کا نام ونشان بھی نہیں تھا ۔ یعنی آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں لکھا گیا ہے اور وہ یہ ہے خذوا التوحید خذوا التوحید یا ابناء الفارس ۔ یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو ۔ پھر دوسری جگہ الہام ہے ان الذین صدوا عن سبیل اللہ رد علیھم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ ۔ یعنی جو لوگ خدا کی راہ سے روکتے تھے ایک فارسی شخص نے ان کا رد لکھا ۔ خدا نے اس کی کوشش کا شکریہ کیا ۔ ایسا ہی ایک اور جگہ براہین احمدیہ میں الہام ہے لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس ۔ یعنی اگر ایمان ثریا پر اٹھایا جاتا اور زمین سراسر بے ایمانی سے بھر جاتی تب بھی یہ آدمی جو فارسی الاصل ہے اس کو آسمان پر سے لے آتا ۔ اور بنی فاطمہ ہونے میں یہ الہام ہے احمد اللہ الذی جعل لکم الصھر و النسب اشکر نعمتی رئیت خدیجتی یعنی تمام حمد اور تعریف اس خدا کے لئے جس نے تمہیں فخر دامادی سادات اور فخر علو نسب جو دونوں مماثل ومشابہ ہیں عطا فرمایا یعنی تمہیں سادات کا داماد ہونے کی فضیلت عطا کی

نیز بنی فاطمہ امہات سے پیدا کر کے تمہارے نسب کو عزت بخشی اور میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو پایا۔ (حاشیہ۔ یہ الہام براہین میں درج ہے۔ اس میں بطور پیش گوئی اشارۃً بتلایا گیا ہے کہ وہ تمہاری شادی جو سادات میں مقدر ہے ضروری طور پر ہونے والی ہے اور خدیجہ رضی اللہ کی اولاد کو خدیجہ کے نام سے یاد کیا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک بڑے خاندان کی ماں ہو جائیگی۔ اس جگہ یہ عجیب لطیفہ ہے کہ خدا نے ابتداء سلسلہ سادات میں سادات کی ماں ایک فارسی عورت مقرر کی جس کا نام شہر بانو تھا۔ اور دوسری مرتبہ ایک فارسی خاندان کی بنیاد ڈالنے کے لئے ایک سیدہ عورت مقرر کی۔ جس کا نام نصرت جہان بیگم ہے۔ گویا فارسیوں کے ساتھ یہ عوض معاوضہ کیا گیا کہ پہلے ایک بیوی فارسی الاصل سید کے گھر میں آئی اور پھر آخری زمانہ میں ایک بیوی سیدہ فارسی مرد کے ساتھ بیاہی گئی۔ اور عجیب تر یہ کہ دونوں نام بھی باہم ملتے ہیں اور جس طرح سادات کا خاندان پھیلانے کے لئے وعدہ الٰہی تھا اس جگہ بھی براہین احمدیہ کے الہام میں اس خاندان کے پھیلانے کا وعدہ ہے اور وہ یہ ہے

سبحان اللہ تبارک و تعالی زاد مجدک ینقطع آباءک و یبدء منک

(یعنی بنی اسحاق کی وجہ سے ایک تو آبائی عزت تھی اور دوسری بنی فاطمہ ہونے کی عزت اس کے ساتھ ملحق ہوئی۔ اور سادات کی دامادی کی طرف اس عاجز کی بیوی کی طرف اشارہ ہے جو سیدہ سندہ سادات دہلی میں سے ہیں۔ میر درد کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی فاطمی تعلق کی طرف اس کشف میں اشارہ ہے جو آج سے تیس برس پہلے براہین احمدیہ میں شائع کیا گیا جس میں دیکھا تھا کہ حضرات پنج تن سید الکونین حسنین فاطمہ الزہرا اور علی عین بیداری میں آئے۔ اور حضرت فاطمہ نے کمال محبت اور مادرانہ عطوفت کے رنگ میں اس خاکسار کا سر اپنی ران پر رکھ لیا اور عالم خاموشی میں ایک غمگین صورت بنا کر بیٹھے رہے۔ (عربی میں کشف کا ترجمہ از مرتب تذکرہ یوں ہے۔ پس (حضرت علی) نے مجھے کتاب اللہ کی تفسیر دی۔ اور کہا کہ یہ میری تفسیر ہے۔ اور اب آپ اس کے مستحق ہیں۔ آپ کو اس کتاب کا ملنا مبارک ہو۔ پھر میں نے ہاتھ بڑھا کر تفسیر لے لی۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں نے آپ کو خوب تنومند اور اعلی اخلاق کا مالک پایا۔ متواضع منکسر المزاج چمکتے ہوئے روشن چہرہ والہ۔ میں حلفاً کہتا

ہوں کہ آپ مجھ سے بڑی محبت اور شفقت سے ملے ۔ اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں ۔ اور آپ کو میرے عقیدہ کا بھی علم ہے ۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میرا مسلک اور مشرب شیعوں کے مخالف ہے لیکن آپ اس کا برا نہیں مناتے ۔ بلکہ آپ مجھ سے مخلص محبوں کی طرح ملے اور بڑی محبت کا اظہار کیا ۔ آپ کے ساتھ حسنین اور سید الرسل خاتم النبیین بھی تھے ۔ اور ان کے ساتھ ایک خوب صورت نوجوان عورت بھی جو صالحہ عالی مرتبہ نیک سیرت اور باوقار تھی جس کے چہرہ سے نور ٹپک رہا تھا ۔ اور میں نے اس کو غم سے بھرا ہوا پایا جسے وہ چھپا رہی تھی ۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ بی بی فاطمہ الزہراء ہیں ۔ آپ میرے پاس آئیں ۔ میں لیٹا ہوا تھا ۔ آپ بیٹھ گئیں اور میرا سر اپنی ران پر رکھا اور شفقت فرمانے لگیں ۔ میں نے دیکھا کہ میرے بعض غموں کی وجہ سے آپ غم گین اور پریشان تھیں جیسے مائیں اپنے بیٹوں کے مصائب کے وقت پریشان ہوتی ہیں ۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ میری حیثیت دینی تعلق کے لحاظ سے بمنزلہ بیٹے کے ہے ۔ اور میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ کے غم میں اس ظلم کی طرف اشارہ ہے جو مجھے قوم اور اہل وطن اور دشمنوں کی طرف سے پہنچنے والہ ہے ۔ پھر حسنین میرے پاس آئے اور دونوں مجھ سے بھائیوں کی طرح محبت کا اظہار کرتے تھے اور شفیق ہمدردوں کی طرح ملے ۔ اور یہ کشف بیداری والے کشوف میں سے تھا جس پر کئی سال گذر چکے ہیں . اصل عربی کشف سر الخلافہ ص ۳۴ ۔ ۳۵ پر ہے (تذکرہ حاشیہ ص ۲۲) اسی روز سے مجھ کو اس خونی آمیزش کے تعلق پر یقین کلی ہوا ۔ فالحمد للہ علی ذالک ۔ غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی ۔ اور میں دونوں مبارک پیوندوں سے مرکب ہوں ۔ اور احادیث و آثار کو دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ آنے والے مہدی آخر الزمان کی نسبت یہی لکھا ہے کہ وہ مرکب الوجود ہوگا ۔ ایک حصہ بدن کا اسرائیلی اور ایک حصہ محمدی .

(تحفہ گولڑویہ ۔ خزائن جلد ۱۷ ۔ ص ۱۱۶ ۔ ۱۱۸)

اس کشف پر بہت لے دے ہوئی ۔ اس کے دفاع میں مرزا غلام احمد کے برادر نسبتی میر اسحاق نے لکھا

. واقعہ میں اگر حضرت فاطمہ اس دنیا میں تشریف لے آئیں اور مرزا صاحب

زندہ ہوں تو گو امت کو ان سے کس قدر عقیدت کیوں نہ ہو۔ امت کے مردوں سے معصومہ بتول پردہ کریں گی۔ کیونکہ ان کے مقدس باپ کی شریعت یہی ہے کہ کوئی عورت کسی غیر محرم کے سامنے نہ ہو۔ مگر مرزا صاحب بھی شریعت اسلام کے مطابق یہ حق رکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ کا چہرہ دیکھیں۔ اور صدیقہ زہراء حضرت مرزا صاحب کو مادرانہ شفقت سے اپنے پاس بلا کر ان کے سر پر دست شفقت پھیریں۔ اور کیا تعجب ہے کہ وہ اپنے زانوئے مادرانہ پر پیار سے مرزا صاحب کا اپنے بیٹوں کی طرح سر رکھ دیں۔ کیونکہ مرزا صاحب گو سید نہیں مگر سید زادی سے بیاہ کر کے زہرا کے داماد بن چکے ہیں۔ اور خدا کی شریعت میں بیٹے کی طرح داماد بھی محرم ہوتا ہے۔ پس اس کشف کا مطلب تو یہ تھا کہ حضرت مرزا صاحب کی شادی ایک ایسی خاتون سے ہونے والی ہے جس سے نکاح کر کے آپ حضرت فاطمہ کے فرزند ہو جائیں گے۔ میں مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے مسلمان علماء سے پوچھتا ہوں کہ اگر فاطمہ زہرا اس وقت دنیا میں تشریف لے آویں تو کیا وہ ہر مسلمان سے پردہ کریں گی۔ یا سادات کے سامنے ہو سکیں گی۔ اور یہ کہ جو شخص کسی سید زادی سے بیاہا جائے وہ حضرت فاطمہ کا پوت داماد ہونے کی وجہ سے محرم بن جاتا ہے یا نہیں؟ (الفضل ۶ ستمبر ۱۹۴۰ء ص ۵)

مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ

راقم مضمون میر صاحب چونکہ ذی علم آدمی ہیں اور قوم کے سید بھی کہلاتے ہیں اس لئے اپنا جواب آپ کے جواب پر مبنی کرنے کو آپ سے ایک شرعی سوال کرتے ہیں۔ کہ دو سید زادے بھائی بھائی ہیں۔ ایک کا نام اسماعیل ہے اور دوسرے کا نام اسحٰق۔ اسماعیل کا بیٹا ہے اور اسحٰق کی بیٹی۔ آپ کے مرقومہ اصول کے مطابق اسماعیل کا بیٹا بھی حضرت فاطمہ کا بیٹا ہے اور اسحٰق کی بیٹی بھی حضرت فاطمہ کی بیٹی ہے۔ تو اب کیا فرماتے ہیں قادیانی علماء دین اور مفتیان شرع متین کہ سید اسماعیل کے بیٹے کا نکاح سید اسحاق کی بیٹی سے جائز ہے یا نہیں؟ مہربانی کر کے قادیانی علماء اس پر روشنی ڈالیں کہ ان کی شرع میں اس کا کیا حکم ہے۔؟ اگر جائز ہے تو اس سوال کو بھی حل کر دیں کہ بھائی بہن کا نکاح ایک دوسرے سے کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو یہ بھی بتا دیں کہ اس قسم کے رشتے آج تک سادات میں ہوئے بھی ہیں یا نہیں؟ اگر ایسے بے شمار رشتے ہو

چکے ہیں تو کیا یہ سب نکاح نا جائز ہوتے ہیں؟ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان سیدہ زادہ ہونے کی وجہ سے حضرت فاطمہ کے بیٹے ہوئے اور ڈاکٹر اسماعیل کی بیٹی سیدزادی ہونے کی وجہ سے فاطمہ زہرا کی بیٹی ٹھہری۔اب یہ دونوں اولاد فاطمہ ہونے کی وجہ سے آپس میں بہن بھائی ہوئے۔تو ان کا باہمی نکاح جائز ہے یا نا جائز؟ اگر یہ نکاح ہو چکا ہے تو اس کی بابت علماء قادیان کا کیا فتوی ہے؟ اگر کہیں کہ بعدنسل کی وجہ سے حرمت اصلیہ باقی نہیں رہی اس لئے اہل حدیث نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان سب صورتوں میں نکاح جائز ہےتو ہم کہیں گے ماھو جوابکم فھو جوابنا یعنی جس طرح بعدنسل کی وجہ سے سیدزادی کا خاوند حضرت فاطمہ کے لئے ان کے حقیقی داماد کی طرح محرم نہیں اسی طرح مرزا صاحب بھی خاتون جنت کے لئے حقیقی محرم نہیں ہو سکتے۔ پس آپ کا جواب تارعنکبوت سے زیادہ ضعیف ہے ۔ میر (اسحٰق) صاحب نے آپ نے اس مشکل مسئلہ کا جواب ہم سے طلب کیا ہے ہم نے آپ ہی کے خاندان سے مثال پیش کر دی ہے۔ (اہل حدیث ۲۷ستمبر۱۹۴۰ص۴۔۹۵)

☆ مرزائی کہتے ہیں کہ جولوگ کہتے ہیں کہ مسیح موعود (مرزا) کا وہ دعوی جو آپ نے عیسی پرستی کے ستون کوتوڑنے کے متعلق کیا ہےاسی صورت میں پورا ہوسکتا ہے کہ دنیا کے تختہ پرکوئی مسیحی باقی نہ رہے. انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بات سنت اللہ کے سراسر خلاف ہے ۔دنیا میں جوبھی نبی آیااس کی بعثت کی غرض یہی بتائی گئی کہ وہ دنیا میں ہدائت پھیلائے اور گمراہی دور کرے۔کیا دنیا میں کوئی ایک بھی ایسا نبی ہوا ہے جس نے آکر اپنے دائرہ عمل سے ضلالت اور گمراہی کا وجود ہی مٹا دیا ہو۔اورتو اورخود آنحضرت ﷺ کے وقت میں بھی ایسا نہیں ہوا۔آپ کے وصال کے وقت دنیا میں عیسائی بھی موجود تھے یہودی بھی ہندو اور بت پرست بھی۔..پھرنہیں معلوم مخالفین یہ کس طرح امید رکھتے ہیں کہ دنیا سے مسلمانوں کے سوا دوسرے تمام مذاہب کے لوگوں کا نام و نشان مٹ جائے۔ جبکہ قرآن میں خدا کا یہود اورنصاری کے متعلق یہ ارشادموجود ہے و اغرینا بینھم العداوۃ و البغضاء الی یوم القیامۃ یعنی یہود اور نصاری کے درمیان قیامت تک عداوت اوربغض رہے گا۔اور بغض اسی طرح رہ سکتا ہے کہ دونوں کا وجود باقی رہے (الفضل ۲۶مئی ۱۹۴۰ء)۔ لیکن الفضل کے اسی شمارے میں لکھا ہوا ہے. حضرت مسیح موعود نے اپنا جو مشن بیان فرمایا ہے وہ پورا ہو رہا

ہے ..اور حضرت مسیح موعود نے اس کی تکمیل کے لئے جو میعاد مقرر کی ہے وہ یہ ہے

. ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہو گی کہ عیسی کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نو مید اور بدظن ہو کر اس عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب اور ایک ہی پیشوا ہو گا۔ (الفضل ۲۶ مئی ۱۹۴۰ء ص ۲)۔

الفضل کو یہ لکھتے ہوئے کہ تین سو سال کے خاتمہ پر دنیا میں ایک ہی مذہب اور ایک ہی پیشوا ہو گا قرآن کریم کی آئت مذکرہ بالا یاد نہ رہی۔ نیز یہ کہنا کہ چونکہ پہلے کسی نبی کے زمانے میں ایسا نہیں ہوا۔ الفضل نے خود ہی اس کی تردید کر دی جب کہا کہ تین سو سال بعد ایسا ہو جائے گا۔ نیز مرزا صاحب بھی کہتے ہیں . خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں مسیح موعود کے زمانہ پر ڈال دی (چشمہ معرفت)۔ (اہل حدیث ۷ جون ۱۹۴۰ء ص ۵۔۶)

اور جب ایسا ہو گا، اس وقت اگر کسی کا دعوی ہوا تو شائد درست بھی ہو۔

☆ مرزا صاحب فرماتے ہیں

. براہین احمدیہ میں بھی اس وقت سے کئی سال پہلے اس پیش گوئی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو اس وقت میرے پر کھولا گیا ہے۔ اور وہ الہام یہ ہے جو براہین کے صفحہ ۴۹۶ میں مذکور ہے یا آدم اسکن انت و زوجک الجنۃ۔ یا مریم اسکن انت و زوجک الجنۃ۔ یا احمد اسکن انت و زوجک الجنۃ ۔ اس جگہ تین جگہ زوج کا لفظ آیا ہے۔ اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے۔ پہلا نام آدم۔ یہ وہ ابتدائی نام ہے جب کہ اللہ تعالی نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو روحانی وجود بخشا۔ اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر فرمایا (یعنی مرزا صاحب کی پہلی زوجہ جنت میں جائے گی۔ مرزا صاحب کی نبوت کے انکار کے باوجود۔ تو پھر مرزا صاحب اور مرزا صاحب کو نبی ماننے والے کہاں ہوں گے؟)۔ پھر دوسری زوجہ کے وقت نام مریم رکھا کیونکہ اس وقت مبارک اولاد دی گئی۔ جس کو مسیح سے مشابہت ملی (کیا مرزا صاحب کے بیٹے مثیل مسیح ہیں یا خود مرزا صاحب اس مریم نامی زوجہ کے فرزند ہیں؟) اور نیز اس وقت مریم کی طرح کئی ابتلاء پیش آئے جیسا کہ مریم کو حضرت عیسی کی پیدائش کے وقت یہودیوں کی بدظنیوں کا ابتلاء پیش آیا (کیا نصرت بیگم پر بھی بدظنیاں کی گئی تھیں اور ان کی نوعیت

کیا تھی؟)۔ اور تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ استعمال کیا گیا۔اور یہ لفظ احمد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت حمد اور تعریف ہوگی ۔ یہ ایک چھپی ہوئی پیش گوئی ہے جس کا سر (بھید) اس وقت خدا تعالی نے مجھ پر کھول دیا ۔غرض یہ تین مرتبہ زوج کا لفظ تین مختلف نام سے جو بیان کیا گیا ہے وہ اسی پیش گوئی کی طرف اشارہ تھا ۔ (انجام آتھم ص ۳۳۸ ۔خزائن ج ۱۱)

اب سوال یہ ہے کہ جب تیسری بیوی مرزا صاحب کے حبالہ عقد میں نہیں آئی تو آپ احمد یا بروز محمد کیونکر ہو سکتے ہیں اور آپ کو ماننے والے احمدی کیوں کہلاتے ہیں؟

☆ قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں ۔

مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو جابر سے صحیح مسلم میں ہے ۔ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا اور قیامت تک غالب رہے گا۔ عیسی بن مریم انہی میں نازل ہوں گے۔گروہ کا امیر کہے گا آیئے نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسی فرمائیں گے نہیں ۔تم آپس میں ایک دوسرے کے امیر ہو۔ یہ خدا نے اس امت کو اکرام دیا ہے.

یہ حدیث چاہتی ہے کہ حضرت عیسی کا نزول اس گروہ میں ہو جو شروع زمانہ اسلام سے لے کر مسیح کے آنے تک حق کے لئے جنگ وقتال کرنے والہ اور اپنے جنگ وغزا میں نصرت و فیروزی رکھنے والہ ہو۔ حدیث کا یہ بھی مطلب ہے کہ نزول عیسی سے پہلے ایک ایسا امیر مسلمانوں میں موجود ہو جس کی امارت تسلیم شدہ ہو۔

یہ حدیث یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس کی امارت کا حق ہونا حضرت عیسی بھی تسلیم فرمائیں گے۔اور یہی امر ظاہر کرنے کے لئے نماز میں اس امیر کا اقتداء کریں گے.

۔ مرزا صاحب جو مسیح موعود بنتے ہیں اول یہ فرمائیں کہ ان کا نزول کون سی جنگ جو فتحیاب فرقہ میں ہوا ہے ۔ دوم ان سے پہلے کون سا امیر المسلمین موجود تھا جس کی امارت کو انہوں نے تسلیم کر کے اس کی اقتداء کی ہے.

(تائید الاسلام ص ۱۱۴۔ ۱۱۵ طبع ۱۳۴۴ھ بار دوم)

☆ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ابن الجوزی کی حدیث بھی شاہد ہے جس کے الفاظ ہیں ۔ عیسی زمین میں اتر کر بیاہ کریں گے۔ان کی اولاد ہوگی . مرزا

صاحب جو قبل از دعوی مسیحیت کئی شادیاں کر چکے ہیں۔ وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کوئی شادی دعوی مسیحیت کے بعد جو ۱۸۹۱ء میں ہوا نہیں ہوئی۔

(تائید الاسلام ص ۱۱۵۔۱۱۶)۔

☆ ۱۹۶۳ء میں راولپنڈی میں ایک مرتبہ مرزائیوں سے حیات و وفات مسیح پر حافظ عنائت اللہ وزیر آبادی کی گفتگو ہوئی۔ حافظ صاحب نے پوچھا کہ وفات مسیح کی بابت آپ لوگوں کا خیال قرآن مجید میں منصوص اور مصرح ہے یا کہ استدلالی طریق ہے۔ مرزائیوں نے آئت فلما توفیتنی پڑھی تو حافظ صاحب نے پوچھا کہ یہ دعوی ہے یا اس کی دلیل۔ مرزائیوں نے کہا کہ یہ دلیل ہے۔ حافظ صاحب نے کہا کہ میں دعوی دریافت کرتا ہوں پھر اس کے بعد ضرورت ہوگی تو دلیل دریافت کرونگا۔ ایک گھنٹہ تک قادیانی، یہی آئت پڑھتے رہے اور مطالبہ کے باوجود دعوی پیش نہیں کیا۔ اگر وہ استدلال کا دعوی کرتے تو اشتباہ پڑ جاتا اور اگر نص وصراحت کا دعوی کرتے تو حافظ صاحب تحفہ بغداد سے مرزا صاحب کا بیان پیش کر دیتے کہ قرآن حدیث اور میرے الہاموں میں اگرچہ وفات مسیح کا ذکر ہے مگر چونکہ صریح اور واضح نہیں اس لئے وفات مسیح کو تسلیم نہیں کیا اور حیات ہی مانتا رہا۔ اور انتظار کرتا رہا کہ اللہ پاک صریح اور واضح طور پر وفات بتائے گا تو میں تسلیم کر لوں گا۔ اور کامل دس سال تک انتظار کی۔ حافظ صاحب نے دریافت کیا کہ اس دس سال کے عرصہ میں قرآن وحدیث اور اپنے سابقہ الہاموں کے علاوہ جو صریح اور واضح الہام نازل ہوا جس کی بنا پر مرزا صاحب نے حیات مسیح کا خیال چھوڑا وہ کونسا ہے؟۔ مگر قادیانیوں نے کوئی بھی شق اختیار نہیں کی کہ جو بھی اختیار کریں گے خیر نہیں (العطر البلیغ۔ ص ۱۰۷)

☆ شائد کسی صاحب کو خیال ہو کہ جو الفاظ حضرت عیسی موعود علیہ السلام کی بابت آئے ہیں ان سے انکی حقیقت مراد نہیں بلکہ مجاز مراد ہے۔ مثلاً بقول ان کے عیسی مسیح سے خاص حضرت عیسی مراد نہیں بلکہ مثل عیسی مراد ہے۔ یا 'حکم عدل' سے ظاہری حاکم مراد نہیں بلکہ روحانی مراد ہے۔ غرض یہ کہ ان جملہ اوصاف مسیحیہ میں سے جو وصف جناب مرزا صاحب میں نہیں پایا جاتا اس سے مجازی وصف مراد ہے۔ مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ اس کا جواب آسان ہے۔ علماء بلاغت کا قانون ہے کہ مجاز وہاں لی جاتی ہے جہاں حقیقت محال ہو (ملاحظہ ہو مطول بحث حقیقت مجاز)۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ ان الفاظ کی حقیقت کی بابت

جو حضرت عیسی موعود علیہ السلام کے حق میں آئے ہیں مرزا صاحب کیا فرماتے ہیں۔ کیا ان کی حقیقت کو محال جانتے ہیں یا ممکن۔ پس مرزا صاحب کی عبارت مندرجہ ذیل کو بغور ملاحظہ کریں۔ فرماتے ہیں

'بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ صادق آسکیں۔ کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔ درویشی اور غربت کے لباس میں آیا ہے۔ اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر علماء کیلئے اشکال ہی کیا ہے۔ ممکن ہے کسی وقت انکی مراد بھی پوری ہو جائے۔'

(ازالہ اوہام طبع اول ص ۲۰۰)۔

. اس عاجز کی طرف سے بھی یہ دعوی نہیں کہ مسیحیت کا میرے وجود پر ہی خاتمہ ہے اور آئندہ کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ میں تو مانتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ ایک کیا دس ہزار سے بھی زیادہ مسیح آسکتا ہے اور ممکن ہے کہ ظاہری جلال اور اقبال کے ساتھ بھی آوے۔ اور ممکن ہے کہ اول وہ دمشق میں ہی نازل ہو.

(ازالہ اوہام حصہ اول۔ خزائن ج ۳ ص ۲۵۱)

گویا مرزا صاحب کو تسلیم ہے کہ حقیقت مسیحیہ محال نہیں بلکہ ممکن ہے اور انہیں یہ بھی تسلیم ہے کہ مسیح کی حقیقت حکومت ظاہریہ ہے جو مجھ میں نہیں۔ پس جب حقیقۃ ممکنہ ہے تو امکان حقیقت کے وقت مجاز کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ اور عیسی موعود علیہ السلام کا اپنی اصل حقیقت کے ساتھ آنا ممکن ہے۔ لہذا مرزا صاحب عیسی موعود نہیں ہیں۔

☆ قادیانی لوگ صدق و کذب مرزا کی بحث سے بچنے کے لئے حیات و وفات مسیح پر بحث کرنے چیلنج مسلمانوں کو دیا کرتے ہیں اور اس کا آغاز خود مرزا صاحب نے اس وقت کیا تھا جب انہوں نے ہزار روپیہ انعام کے وعدے کے ساتھ توفی کے معانی متعین کرنے پر اشتہار شائع کیا۔ اس چیلنج کو مسلمان علماء نے بارہا قبول کیا اور قادیانیوں کو شکست سے دوچار کیا لیکن قادیانی حضرات کی لغت میں شکست بھی ان کی عظیم الشان فتح کہلاتی ہے۔ اس لئے وہ اس مسئلے پر ہونے والے جوابی چیلنجوں اور مناظروں کو بھول کر مسلمانوں کو کہا کرتے ہیں کہ دیکھو ہمارے مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں توفی کے معانی کے بارے میں چیلنج دیا تھا اور مسلمانوں نے ابھی تک اس کا جواب نہیں دیا۔ قادیانی

حضرات نے اپنی اسی پرانی عادت کے تحت کچھ عرصہ قبل نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ پاکستان میں مسلمانوں کو چیلنج دیا اور پھر ۱۴ جنوری ۱۹۹۰ء کو قادیانیوں اور مسلمانوں کے درمیان حیات مسیح پر مناظرہ ہوا جو ٹیپ بھی ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولوی داؤد ارشد اور قادیانیوں کی طرف سے مولوی سجاد احمد فاضل جامعہ احمدیہ ربوہ تھے۔ مولوی داؤد صاحب نے وفات مسیح کے ثبوت میں آئت اذ قال اللہ یعیسی انی متوفیک و رافعک الی ... پیش کر کے کہا کہ اس آئت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے عیسی کو اپنی طرف پورا پورا اٹھا لیا ہے۔ اور توفی کا لفظ قرآن میں مختلف مقامات پر آیا ہے اور اس کا معنی آئمہ لغت اور مفسرین نے اخذ الشیء وافیاً یعنی کسی چیز کو پورا پورا لینا کیا ہے ۔جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا اللہ یتوفی الانفس حین موتھا (الزمر آئت ۴۲) اس کا ترجمہ پیر صلاح الدین قادیانی نے یوں کیا ہے اللہ لوگوں کی روحوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے۔ اب دیکھو یہاں اللہ نے توفی کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی ہے قبض کرنا۔ اور کس چیز کو قبض کرنا؟ روح کو۔ اور روح کو قبض کیا ہے وفات کے وقت اور اس کے لئے اللہ نے موتہا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اگر لفظ توفی کا معنی (ہی) قبض روح ہوتا تو لفظ نفس کی ضرورت نہ تھی۔ اور اگر اس کا معنی وفات ہوتا تو لفظ موتہا بے معنی ہے اور یہ قرآن کی فصاحت اور بلاغت پر دھبہ ہے۔ اور دیکھو یہاں لفظ اللہ فاعل ہے اور مفعول ذی روح ہے اور باب تفعل سے توفی ہے۔ لیل و نوم کا قرینہ بھی نہیں ہے۔ لیکن بایں ہمہ اللہ نے فرمایا اللہ یتوفی الانفس حین موتہا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس آئت میں توفی قبض کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ اگر قرآن میں کسی جگہ توفی کا معنی موت ہو تو وہاں موت کا قرینہ ہوتا ہے۔ اب آیئے لغت کی طرف ۔ توفی مادہ وفا سے ہے اور وفا کا معنی ہے پورا کرنا۔ مثلا اوفوا الکیل (انعام آئت ۱۵۲) ۔کہ ماپ کو پورا کرو۔ اوفوا بعھدی کہ میرے عہد کو پورا کرو۔ الغرض وفا کا یہی معنی ہوتا ہے کہ پورا کرنا اور جس طرح ہر باب اور صیغے میں جا کر مادہ کے اصل حروف باقی رہتے ہیں اسی طرح ہر باب اور صیغے میں مادہ کے اصل معنی بھی باقی رہتے ہیں ۔لسان العرب میں ابن منظور کہتے ہیں الوفا ضد الغدر یعنی وفا غدر کی ضد ہے ۔(ج ۱۵۔ص ۳۹۴) ۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ توفاہ ھو منہ و استوفاہ لم یدع منہ

شیئا (ج ۱۵ص ۴۰۰)۔ یعنی باب تفعل اور استفعال کا ایک ہی معنی ہوتا ہے کہ اس نے پورا پورا لے لیا اور کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ علامہ زمحشری جس کے بارے میں مرزا صاحب براہین پنجم (ص ۲۰۸) میں فرماتے ہیں کہ یہ شخص لسان عرب کا علامہ تھا اور اس کے آگے کسی کو چوں چرا کرنے کی بھی گنجائش نہیں توفی کے معنی میں کہتا ہے توفاہ استکملہ یعنی توفی کا معنی ہے پورا پورا لینا۔ آگے چل کر فرماتے ہیں و من المجاز توفی فلان و توفاہ ادرکتہ الوفا (اساس البلاغہ ص ۵۰۵) یعنی توفی کا معنی موت کرنا مجازی معنی ہے۔ . اور علامہ زبیدی فرماتے ہیں و من المجاز ادرکتہ الوفاۃ ای الموت و المنیۃ و توفی فلان اذا مات و توفاہ اللہ عز و جل اذا قبض روحہ (تاج العروس ج ۱۰ص ۳۹۴)۔ اور مجاز میں سے ہے ادرکتہ الوفاہ یعنی موت نے اسے پا لیا یا پکڑ لیا اور توفی فلان وہ پورا ہو گیا کے معنی ہیں وہ مر گیا۔ اور توفاہ اللہ خدا نے اسے پورا کر لیا کے معنی ہیں خدا نے اس کی روح قبض کر لی۔ مرزا صاحب نے تاج العروس کی عبارت میں سے مجاز کا لفظ کاٹ کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ گویا علامہ زبیدی نے توفی کا قبض روح اور موت معنی اصلی اور حقیقی قرار دیا۔ (براہین احمدیہ ج ۵ص ۲۰۶)

جواب میں قادیانی مناظر نے کہا کہ توفی کا لفظ باب تفعل سے ہے باب تفعیل سے نہیں۔ اور مرزا صاحب کا چیلنج ہے کہ اگر باب تفعل ہو اور اللہ تعالی فاعل ہو اور مفعول ذی روح ہو تو وہاں سوائے قبض روح کے اور کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ نیز اس نے کہا کہ قرآن میں توفی کا لفظ کم از کم ۲۵ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ صرف ایک ہی مقام نہیں جہاں اللہ تعالی مارنے والا ہے اور ذی روح مفعول ہے جو مرنے والا ہے اور موت کا قرینہ موجود نہیں وہاں سوائے وفات کے اور کوئی معنی بنتا ہی نہیں۔ مثلاً سورہ یوسف میں ہے توفنی مسلماً کہ مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دے۔ اس آئت میں اللہ فاعل ہے اور ذی روح مفعول ہے۔ اور توفی باب تفعل ہے۔ دوسری جگہ اللہ فرماتے ہیں یتوفی الانفس حین موتھا (زمر) سورہ سجدہ میں فرمایا قل یوفکم سورہ نساء میں فرمایا حتی یتوفھن الموت۔ تاج العروس میں ہے توفاہ اللہ اللہ عز و جل اذا قبض نفسہ یعنی اللہ جب کسی کو توفی کرے تو اس کا مطلب ہے اذا قبض روحہ یعنی اس کی روح کو قبض کر لیا۔ پھر اس کے علاوہ حضرت عائشہ فرماتی

ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے حجرے میں تین چاند گرے ہیں اور فرمایا کہ لما توفی رسول اللہ کہ جب محمد ﷺ وفات پا گئے ۔ یہاں اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور محمد ﷺ مفعول ذی روح ہیں ۔ باب تفعل ہے اور معنی وفات ہے ۔ و فی الگ باب ہے اور توفی الگ صیغہ ہے جہاں تک وفی کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا معنی پورا پورا لینا ہے ۔ لیکن اگر یہی لفظ و فی باب تفعل میں چلا جائے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور مفعول ذی روح ہو تو سوائے قبض روح کے کوئی اور معنی قرآن کی کسی آئت میں نہیں کئے گئے ۔ اور جو آئت مولوی داؤد نے پڑھی ہے یا عیسی انی متو فیک وہ باب وفی نہیں بلکہ تفعل ہے اور معنی اس کا یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت دونگا و رافعک الی اس کے بعد تیرا رفع خدا کی طرف ہوگا ۔ آسمان اور جسم کا لفظ نہیں ۔ مولوی داؤد نے جواب میں کہا کہ قادیانی مناظر نے تاج العروس کی عبارت کانٹ چھانٹ کر پیش کی ہے ۔ اصل عبارت یہ ہے و من المجازا ادرکتہ الوفاۃ ای الموت و توفی فلان اذا مات و توفاہ اللہ عز و جل اذا قبض روحہ (تاج العروس ۔ ج ۱۰۔ ص ۲۹۴) (ترجمہ ۔ اور مجاز میں سے ہے کہ ادرکتہ الوفاۃ یعنی اسے موت نے پالیا یا پکڑ لیا اور (اسی طرح) توفی فلان وہ پورا ہو گیا کے معنی ہیں وہ مرگیا ۔ اور (اسی طرح) توفاہ اللہ خدا نے اسے پورا کرلیا کے معنی ہیں کہ خدا نے اس کی روح قبض کرلی)۔ قادیانی مناظر نے و من المجاز کے الفاظ اڑا دیئے ۔ اور رہی یہ بات کہ خدا فاعل ہو اور مفعول ذی روح ہو اور باب تفعل سے لفظ توفی ہو لیل و نوم کا قرینہ بھی نہ ہو تو وہاں قبض روح کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہوتے ۔ تو سنئے حدیث کی کتاب الترغیب والترھیب میں حدیث ہے ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اذا رمی الجمار لا یدری احد ما لہ حتی یتوفاہ اللہ یوم القیامہ (الترغیب والترہیب طبع مصر ۱۹۷۱ء ج ۲ ص ۳۳۷) ۔ یعنی حاجی جب جمار کرتا ہے تو کوئی نہیں جانتا کہ اس کا اجر و ثواب کیا ہے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حاجی کو قیامت کے روز پورا پورا بدلہ دیں گے ۔ مولوی داؤد کہتے ہیں کہ میں نے توفی کا معنی پورا پورا لینا ثابت کر دیا ہے ۔ اور یہ بھی دکھا دیا ہے کہ موت اس کا مجازی معنی ہے ۔ اب آپ ثابت کریں کہ توفی کا معنی لغت میں قبض روح ہے اور یہ قبض روح اس کا اصلی اور حقیقی معنی ہے مجازی نہیں اور جو آپ نے قرآنی آیات پیش کر کے توفی کا معنی قبض روح ثابت کرنے کی کوشش

کی ہے ان سب میں قرائن موجود ہیں ۔

☆ اور مولانا عبداللہ معمار بتاتے ہیں کہ

مرزا صاحب اپنی کتاب براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۱۹ کے حاشیہ پر انی متوفیک و رافعک الی کا ترجمہ یوں کرتے ہیں ۔ میں تجھ کو پوری نعمت دونگا اور اپنی طرف اٹھاؤنگا۔ یعنی مرزا صاحب نے متوفیک کے معنی پوری نعمت دونگا کئے ہیں ۔ اور قادیانی حضرات کہتے ہیں کہ براہین میں مرزا صاحب نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ لکھ دیا تھا اس لئے اب یہ عبارت ان کے نزدیک حجت نہیں ہے ۔ مولانا معمار کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کا دعوی تھا کہ میں براہین احمدیہ کے وقت بھی عند اللہ رسول تھا (دیکھئے ایام الصلح ص ۷۵) اور یہ براہین احمدیہ بقول مرزا صاحب رسول اللہ ﷺ کے دربار میں پیش ہوکر رجسٹرڈ بھی ہوگئی تھی ۔ اور قطب ستارہ کی غیر متزلزل اور مستحکم ہے (براہین حاشیہ ص ۲۴۸ ۔ ۲۴۹) ۔ اس لئے ہم پوچھتے ہیں کہ جب کشف میں بقول مرزا صاحب یہ کتاب رسول اللہ کے دربار میں پیش ہوکر قبولیت حاصل کر رہی تھی کیا اس وقت توفی کی بحث جس کے معنی یہاں پوری نعمت دونگا کئے گئے ہیں رسول اللہ ﷺ کی نظر سے نہ گذرے ؟ اگر گذرے تو بقول مرزائیوں کے غلط ہونے کی وجہ سے کیوں رسول اللہ ﷺ نے کاٹ نہ دیئے ۔ (محمدیہ پاکٹ بک ۔ ص ۶۸۴ ۔ ۶۸۵)

اس کے علاوہ مرزا صاحب نے ایک اور جگہ بھی توفیک کے معنی اتمام نعمت کئے ہیں ۔ سنئے فرماتے ہیں

. رات کو ایک اور عجیب الہام ہوا اور وہ یہ ہے قل لضیفک انی متوفیک قل لاخیک انی متوفیک ۔ اس کے معنی بھی دو ہیں ۔ ایک تو یہ کہ یہ جو تیرا مورد فیض یا بھائی ہے اس کو کہہ دے کہ میں تیرے پر اتمام نعمت کرونگا ۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ میں وفات دونگا ۔ مگر معلوم نہیں کہ یہ شخص کون ہے ۔ اس قسم کے تعلقات کے کم وبیش کئی لوگ ہیں ۔

(۔ بحوالہ ارشاد مرزا صاحب مندرجہ حیات احمد از یعقوب علی عرفانی جلد دوم نمبر ۲ ص ۲۷ منقول از قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ۔ ص ۲۹۴)

دجال

مرزا غلام احمد کہتے ہیں کہ پادریوں کے سوا اور کوئی دجال اکبر نہیں ہے (اشتہار مباہلہ ۱۸۹۶ء انجام آتھم ۔خزائن ۔ج ۱۱ ص ۴۷)۔ اور آپ نے اپنی کتاب حمامۃ البشری کے صفحہ ۱۸ پر برطانیہ روس وغیرہ اقوام کو یاموج ماجوج لکھا ہے اور آپ کے خلیفہ اول حکیم نوردین صاحب نے اپنی کتاب مقدمہ اہل الکتاب حصہ اول کے صفحہ ۲۲۸ پر انگریزوں اور روسیوں کو یاجوج ماجوج لکھا ہے۔ اور لاہوری مرزائیوں کے اخبار پیغام صلح میں لکھا ہے . کہ مرزا صاحب نے انگریزوں کو دجال اور یاموج ماجوج قرار دینے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ریل کو جو ان کی ایجاد ہے خر دجال (دجال کا گدھا) قرار دیا اور مسلمانوں کو دجالی فتن سے نہائت زور سے کے ساتھ متنبہ کیا۔(پیغام صلح ۹ جولائی ۱۹۲۹ء۔ص ۶)۔

یعنی مرزائیوں کے نزدیک انگریز جرمن روسی اقوام یاجوج ماجوج ہیں اور انگریز پادری دجال اکبر ہیں اور ریل گاڑی دجال کا گدھا ہے۔ دوسری جانب حدیث شریف میں آیا ہے کہ دجال مسیح موعود کو دیکھ کر ذاب کما یذوب الملح فی الماء اسی طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ ان باتوں کو ملحوظ رکھ کر مرزائیوں کی یہ تحریر پڑھیں

☆ آنحضرت ﷺ کی صداقت کے بے شمار دلائل میں سے ایک پیش گوئیاں ہیں ۔جو آپ کی زندگی میں بھی پوری ہوئیں ۔آپ کے بعد بھی پوری ہوئیں۔ اور کچھ آخری زمانہ کے متعلق تھیں جو آج پوری ہو رہی ہیں ۔آخری زمانہ کی پیش گوئیوں میں سے ایک خروج دجال سے متعلق تھی ۔اور دجال کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ حضرت نوح سے لے کر آنحضرت ﷺ تک سب انبیاء اپنی امتوں کو ڈراتے چلے آئے ہیں ۔آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں (ترمذی ج ۲ ص ۴۶) ۔احادیث میں مذکور ہے کہ فتنہ دجال سے بچنے کے واسطے ہر جمعہ کو سورہ کہف کی پہلی اور پچھلی دس آئیتیں پڑھی جائیں ۔ان آیات کی

تلاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کون ہے اور اس کی کیا صفات ہیں اور اس سے بچنے کی کیا صورت ہے۔ غیر احمدی دوست سورۃ کہف کی ابتدائی اور آخری آیات کو دجال کے لئے جنتر منتر سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جو شخص ان آیات کو پڑھے گا اس کے پاس دجال نہیں پھٹکے گا۔ مگر ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان آیات میں دجال کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ سورۃ کہف کی ابتدائی آیات میں تو دجال کے مذہب کا ذکر ہے اور آخری آیات میں اس کی صنعت وحرفت اور کاریگری کا۔ اور جو شخص ان آیات پر ذرا بھی تدبر کی نظر کریگا وہ جان لے گا کہ دجال سے مراد وہ مغربی اقوام ہیں جو جزائر میں رہتی ہیں۔ جو قوم کے لحاظ سے یاجوج ماجوج اور عقیدہ کے لحاظ سے صلیب پرست اور دجل وفریب کے لحاظ سے دجال ہیں۔ ہمارے ملک (بر صغیر ہند) میں عیسائی مشنریوں کے ذریعہ جو مذہبی دنیا میں دجل وفریب کیا گیا وہ ظاہر ہے۔ اسی طرح ایجادات میں جو ترقی ہوئی ہے اسے دیکھ کر انسان کی عقل ورطۂ حیرت میں پڑ جاتی ہے۔ سورۃ کہف کی آخری آیات میں انہی امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اور یہ سب کام مغربی اقوام کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح (نور دین) کے تفسیری نوٹوں میں یاجوج ماجوج کے متعلق لکھا ہے

. خدا نے انشراح صدر سے مجھے یقین دلایا ہے کہ یہ وہ قوم ہے جو بخارا سے لے کر شمال تک رہتی تھی۔ گاتھ نارمنڈی وزی گاتھ سکسن۔ یہ لوگ جرمن فرانس اور انگلینڈ وغیرہ ممالک میں آباد ہوئے (ص۳۷۲)۔ اور بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج جزائر میں رہنے والے لوگ ہیں اور ماجوج ماسکو اور ٹوبالسک کا سردار ہے۔ چنانچہ لکھا ہے . خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا۔ اور اس نے کہا کہ تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے کی طرف اپنا مونہہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے جوج مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں. (حزقیل باب ۳۸: آیات ۱۔۲)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ دجال اور یاجوج یعنی جزائر میں رہنے والے لوگ ایک ہی ہیں۔ اور ماجوج روش مسک اور ٹولسک کا سردار ہے۔ حضرت مسیح موعود نے اپنی تصانیف میں بڑی شرح و بسط کے سے اس بارہ میں لکھا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ

مغربی اقوام ہی دجال ہیں۔اور آنحضرت ﷺ نے جو آخری زمانہ کی علامتوں میں سے ایک علامت خروج دجال بتائی تھی وہ انہی اقوام کا خروج تھا۔گویا پہلے جزائر میں بند تھیں مگر آخری زمانہ میں مقدر تھا کہ یہ وہاں سے نکل کر تمام ممالک میں پھیل جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

قرآن کریم میں جہاں دجال اور یاجوج ماجوج کا ذکر ہے وہاں یہ بھی ذکر ہے کہ آخری زمانہ میں جب یہ اقوام تمام ممالک کا احاطہ کرلیں گی تو ایک بہت بڑی اور سخت جنگ ہوگی۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے و ترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض و نفخ فی الصور کہ ان آخری ایام میں ہم بعض کو بعض پر ایسا لگا دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں سمندر کی لہروں کی طرح ٹھاٹھیں مارتے ہوئے گھسنے کی کوشش کریں گے۔اور اپنے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے پر سخت حملہ کریں گے۔پھر ایسا ہوگا کہ گویا بگل بجا دیا جائے گا اور سب کو جمع کر دیا جائے گا اور سخت جنگ ہوگی۔اور کافروں اور خدا کے منکرین کے سامنے جہنم پیش کر دیا جائے گا۔اس میں یہ پیش گوئی ہے کہ اس وقت جنگ اسلحہ آتش بار سے ہوگی۔آگے فرمایا یہ جنگ بطور سزا اور عذاب ان لوگوں کے لئے ہوگی الذین کانت اعینھم فی غطاء عن ذکری و کانوا لا یستطیعون سمعاً (کہف) کہ جن کی آنکھیں ہمارے ذکر سے غفلت کے پردے میں تھیں اور حق کی طرف سے ان کے کانوں میں بوجھ تھا کہ وہ اس کو سن نہ سکتے تھے۔

حزقیل کے بیان سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ یہ عذاب ان لوگوں پر ان کی لاپرواہی کی وجہ سے آئے گا کہ وہ خدا کی طرف توجہ نہیں کرتے ہونگے۔ لکھا ہے

. میں ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پرواہی سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجوں گا اور وہ جانیں گے کہ میں خداوند ہوں (حزقیل باب ۳۹)۔

نیز یوحنا کے مکاشفہ باب ۲۰ میں لکھا

. اور جب ہزار سال ہو چکیں گے شیطان اپنی قید سے چھوٹے گا اور نکلے گا تا کہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں کونوں میں ہیں یعنی جوج ماجوج کو فریب دے اور انہیں لڑائی کے لئے جمع کرے.

جو لوگ اخبارات پڑھتے ہیں یا ریڈیو پر روزانہ مغربی اقوام کی باہمی جنگ (عظیم

دوم) کی خبریں سنتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ موجودہ جنگ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی ذاب کما یذوب الملح فی الماء (مسلم) کس طرح حرف بحرف پوری ہو رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دجال کے ذکر میں فرمایا تھا کہ اول تو اسے مسیح قتل کریگا۔ ورنہ وہ پگھل جائے گا۔ اور فرمایا ذاب کما یذوب الملح فی الماء۔ (مشکوۃ ص ۴۵۸) ۔ کہ اس طرح پگھلے گا جس طرح نمک پانی میں پگھلتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نمک پانی میں آہستہ آہستہ پگھلتا ہے۔ فرمایا دجال کا پگھلنا اور ہلاک ہونا بھی آناً فاناً نہ ہوگا بلکہ آہستہ آہستہ ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کا مندرجہ بالا ارشاد موجودہ جنگ (جنگ عظیم دوم) کی رفتار اور اس کے طریق کو دیکھ کر بالکل واضح ہو رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود (مرزا) جو آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق اس زمانہ کی ہدائت اور قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مبعوث ہوئے فرماتے ہیں

کیوں غضب بھڑ کا خدا مجھ سے پوچھو غافلو ہوگئے ہیں اس کا موجب میرے جھٹلانے کے دن

(قمرالدین مولوی فاضل ۔ الفضل قادیان ۔ ۴ فروری ۱۹۴۰ء)

مولانا ثناءاللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ

مرزائیوں کی اس تحریر کا ایک حصہ دوسرے سے متناقض ہے ۔ ایک غلطی تو یہ ہے کہ دجال اور یاجوج ماجوج دونوں کو ایک قوم بنا دیا ہے۔ حالانکہ دجال ایک شخص ہے اور یاجوج ماجوج دو قومیں ہیں۔ علم نحو کے قاعدے سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ الفاظ یاجوج ماجوج غیرمنصرف ہیں۔ ملاحظہ ہو آئت حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج ۔ اس کے برخلاف دجال منصرف ہے کیونکہ یہ مبالغے کا صیغہ ہے۔ ہم اس سے بے خبر نہیں ہیں کہ مرزا صاحب نے دجال سے مراد باطل پسند لوگوں (آریوں) کی جماعت سمجھی ہے۔ لیکن ان کے اتباع سے بعض اہل علم نے دجال کو صیغہ مبالغہ بمعنی مفرد قرار دیا ہے (پیغام صلح ۴ جنوری ۱۹۳۹ء) جو بالکل صحیح ہے۔ لفظی تحقیق کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ انگریز روسی جرمن وغیرہ اقوام یورپ اگر یاجوج ماجوج اور دجال ہیں تو قادیانی مسیح موعود (مرزا) کے ہاتھ سے فنا کیوں نہیں ہوئے ۔ جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کا ایک فقرہ خود نامہ نگار نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے

پورے الفاظ یوں ہیں اذا رآہ عدو اللہ ذاب کما یذوب الملح فی الماء۔(مشکوۃ کتاب الفتن) یعنی دجال جب مسیح موعود کو دیکھے گا تو دیکھتے ہی اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ یہ الفاظ اپنا مضمون صاف بتارہے ہیں کہ دجال کی ہلاکت مسیح موعود کی زندگی میں ہوگی۔ حالانکہ قادیانی مسیح کو دجال نے دیکھا بلکہ مسیح قادیانی اس کے گدھے پر سوار بھی ہوتے رہے تاہم وہ نمک کی طرح پگھلا نہیں۔ یہاں تک کہ آپ (مرزا) دنیا سے رخصت ہوگئے اور دجال ابھی بارعب و داب برابر ڈینگیں مارہا ہے۔ ہماری حیرت کی حد نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ اقوام یورپ کو یاجوج ماجوج اور دجال کہہ کر اور اس جنگ عظیم (دوم) کو حدیث مذکور کا مصداق بتا کر خلیفہ قادیان یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس جنگ میں انگریزی حکومت کی امداد کے لئے پچیس ہزار آدمی دیں گے... کوئی دیانت دار عالم ہمیں بتائے کہ وہ پچیس ہزار آدمی میدان جنگ میں جاکر کس گروہ کے ساتھ شریک ہوں گے؟ اور ان کی موت میدان جنگ میں حدیث مذکور کے تحت ہوگی یا کچھ اور؟ اور وہ جنگ میں مرجانے پر قادیانی اصطلاح میں شہید کہلائیں گے یا کچھ اور ؟

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ مسیح موعود جس کا آنا دجال اور اقوام یاجوج ماجوج کے قتل اور فنا کے لئے مقدر تھا اسی کا لخت جگر اور خلیفہ دجال اور یاجوج ماجوج کی جنگی خدمت کیلئے اپنے مخلص مریدوں کو پیش کرتا ہے۔

علمائے اسلام مرزا صاحب کو ادعائے نبوت اور افتراء علی اللہ کے باعث ان تیس دجالوں میں شمار کرتے رہے جو نبوت کے مدعی ہوں گے۔ جن کی بابت حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کلھم یزعم انه نبی اللہ (ان میں سے ہر ایک دعوی کریگا کہ وہ اللہ کا نبی ہے)۔ علمائے اسلام کے اس فتوی کو مرزا صاحب اور ان اتباع ہمیشہ غلط کہتے رہے۔ مگر الفضل کے مذکورہ مضمون نے ایک گونہ اس کی تائید کی ہے۔ کیونکہ اتباع مرزا میں سے پچیس ہزار یا اور ان کے علاوہ بھی جتنے آدمی خلیفہ قادیان کے حکم سے میدان جنگ میں بھیجے جائیں گے تو اس وقت علماء اسلام اگر یہ کہیں کہ کنند ہم جنس باہم جنس پرواز تو ان کی اس آواز کو کون غلط قرار دے گا۔

ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم قادیانیوں کو آدمی بھیجنے سے منع کریں.... بلکہ ہم دل سے

خوش ہیں کہ وہ بھیج دیں تاکہ دوامور میں سے ایک امر صحیح ثابت ہو

ا۔ علمائے کرام کے فتوی کی تائید

۲۔ قادیانیوں کے اس خیال کی تردید کہ اقوام یورپ ہی دجال وغیرہ ہیں۔

اگر وہ اب بھی اس پر اصرار کریں کہ نہیں ہمارا خیال صحیح ہے تو پھر یہ بتائیں کہ دجال کی حمائت کرنے والہ کون ہوا؟۔ (اہل حدیث ۱۶ فروری ۱۹۴۰ء ص ۵۔۷)



مولانا امرتسری ایک جگہ لکھتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسیح موعود حج کریگا۔ مرزا صاحب متوفی کی زندگی میں ان پر اعتراض ہوتا رہا کہ آپ نے حج نہیں کیا۔ آپ اس کا نہائت شریفانہ جواب دیتے کہ بھیا ابھی میں اشاعت اسلام میں مشغول ہوں۔ فارغ ہو کر حج کروں گا۔ ساری عمر اسی لیت ولعل میں گذری یہاں تک کہ آپ جب اس دار فانی سے تشریف لے گئے تو اعتراض مذکور اور مضبوط ہو گیا..... اس کے جواب میں مرزا صاحب کو معذور قرار دے کر الفضل میں ایک جواب نکلا کہ

. احادیث میں مسیح موعود کے متعلق رسول کریم نے جو یہ خبر دی ہے کہ وہ طواف کعبہ کریگا۔ اس سے مراد ظاہری طواف نہیں کیونکہ اگر ظاہری طواف مراد ہو تو یہ دجال کے لئے بھی تسلیم کرنا پڑے گا حالانکہ دجال کا طواف کعبہ کرنا محال ہے. (الفضل ۲۷ اگست ۱۹۳۶ ص ۶)

مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں حدیث میں جو آتا ہے کہ مسیح موعود اور دجال حج کریں گے (دیکھو وہ حدیث جو مسلم میں لکھی ہے کہ آنخضرت ﷺ نے مسیح موعود اور دجال کو قریب قریب حج کرتے دیکھا) اس سے مراد یہ ہے کہ مسیح موعود کی تعلیم سے دجال مسلمان ہو کر مسیح موعود اور دجال دونوں حج کو جائیں گے۔ اور دجال پادری لوگ ہیں۔ ان کو مسلمان کر کے اور ساتھ لے کر ہم حج کو جائیں گے۔ تم مسلمان تسلی رکھو۔ اب اصل الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں

خلاصہ چوں دجال راتمنائے ایمان وہواء حج سرائد ہماں ایام ایام حج راباشد الخ (کتاب ایام صلح فارسی ص ۱۳۷) یہ فارسی کچھ مشکل نہیں تاہم اس کا ترجمہ بھی سن لو کہ دجال کے دل میں ایمان اور حج کی خواہش پیدا ہوگی تو وہ زمانہ ہمارے حج کا ہوگا۔

سر دست ہم دجال کے آتش کفر کو ٹھنڈا کرنے میں مصروف ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا دجال مسلمان ہو گیا؟ کیا مرزا صاحب کے ساتھ حج کو گیا؟ کیا مرزا صاحب نے دجال کو مسلمان کر کے فریضہ حج ادا کیا؟

☆ اور مرزائی یہ کہتے ہیں کہ حج کی ادائیگی کے لئے جب شریعت نے بعض شرائط مقرر کئے ہیں تو یہ اعتراض کرنے سے پیشتر کہ حضرت مرزا صاحب نے کیوں حج نہ کیا۔ مخالفین کو چاہیے کہ وہ غور کریں کہ وہ اس انسان پر تو اعتراض نہیں کر رہے جو بعض شرائط ضروریہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حج کے لئے نہیں گیا؟ (الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۶ء ص ۵)۔ یعنی مرزا صاحب نے اس لئے حج نہیں کیا کہ ان میں بعض موانع موجود تھے جو مرتے دم تک موجود رہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا نے موانع دور نہ کئے اور اگر آپ فی الحقیقت مسیح موعود ہوتے تو موانع بھی دور ہو جاتے اور حج بھی کر آتے

☆ اور

. احادیث میں دجال اور یاجوج ماجوج کے واقعات کا ذکر اس ترتیب سے ملتا ہے کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام دجال کو قتل کر کے فارغ ہوں گے تو خدا ان کو اطلاع دے گا کہ میں ایسے انسان بھیجنے والا ہوں کہ تم میں سے کسی کو ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے فحرر عبادی الی الطور و یبعث اللہ یاجوج و ماجوج و ھم من کل حدب ینسلون (مشکوۃ کتاب الفتن باب علامات بین یدی الساعۃ)۔ پس میرے فرمانبردار بندوں کو کوہ طور پر لے جاؤ۔ اس وقت اللہ تعالی یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلندی سے نیچے اتر آئیں گے۔ یہ حدیث جو بحوالہ ترمذی شریف مشکوۃ شریف میں ملتی ہے اس سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج اس وقت خروج کریں گے جب مسیح موعود دجال کے قتل سے فارغ ہو جائیں گے۔ لیکن ان کے خروج سے پہلے مسیح موعود کو حکم ہو گا کہ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جاؤ اور وہ ان کو لے جائیں گے۔ یہ ترتیب تو حدیث میں مذکور ہے۔ اس کے مقابلہ میں مرزا صاحب کی تصریحات یہ ہیں کہ مسیح موعود میں ہوں دجال سے مراد عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پادری لوگ ہیں اور یاجوج ماجوج سے مراد جرمنی روس انگریز وغیرہ ہیں (حمامۃ البشری)۔

اب سوال یہ ہے کہ مرزا صاحب نے دجال یعنی پادریوں کو کب قتل کیا؟ وہ تو اب تک زندہ پھرتے ہیں۔ ہاں مرزا صاحب کو وفات پائے ایک صدی ہونے کو ہے۔

☆ مرزا صاحب نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کو بھی دجال قرار دیا ہے۔ ہوا یوں کہ جب آپ مرزا سے مباحثہ کے لئے قادیان گئے اور اس سلسلے میں دونوں کی رقعہ بازی ہوئی تو مرزا صاحب نے اردو میں رقعات تحریر فرمائے اور مباحثے سے کنارہ کشی اختیار کی۔ بعد میں ان کی فارسی اور عربی جوش مارنے لگی تو مواہب الرحمٰن میں اس واقعہ کو عربی اور فارسی میں بیان کرتے ہوئے مولانا امرتسری کو دجال قرار دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں

ترجمة ما کتبنا الی ثناء الله الامرتسری اذ جاء قادیان و طلب رفع اشبهات بعطش فریہ۔ و کان ہذا عاشر شوال ۱۳۲۰ھ اذ جاء ہذا الدجال۔

ترجمہ خطے کہ سوئے ثناء اللہ امرت سری نوشتم وقتے کہ بہ قادیان آمد۔ بہ تشنگی دروغ ازالہ شبہات خود بخواست و بود ایں تاریخ دہم شوال چوں ایں دجال بہ قادیان آمد

(مواہب الرحمٰن۔ خزائن ج ۱۹ ص ۳۲۹)

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

بلغنی مکتوبک و ظهر مطلوبک انک استدعیت ان ازیل شبهاتک التی صلت بها علی بعض انبائی الغیبیة۔ فاعلم انک ان کنت جئتنی بصحة النیة و لیس فی قلبک شیء من المفسدة فلک ان تقبل بعض شروطی قبل ہذا الاستفسار۔ و لا تخرج منها بل تثبت علیها کالاخیار۔ و ان کنت لا تقبل تلک الشرائط فدعنی و امض علی وجهک۔ و خذ سبیل رجعک۔ فمن الشروط ان لا تباحثنی کالمباحثین۔ بل اکتب ما حاک فی صدرک ثم ادفع الی ما کتبت کالمسترشدین۔ و لیکن کتابک سطراً او سطرین و لا تزد علیه کالمتخاصمین۔ ثم علینا ان نجیبک ببیان مفصل و ان کان الی ثلث ساعات۔ فان بقی فی قلبک شیء بعد السماع و رئیت فیه من شناعة۔ فلک ان تکتب الشبهة الباقیة کمثل ما کتبت فی المرتبة الاولی۔ و هلم جرا حتی یجلو الحق و تجد السکینة و یتبین ما کان علیک یخفی۔ و ما فعلت ذالک لتسکیتک و تبکیتک و لا لحیلة اخری۔ بل انی عاهدت الله تعالی بحلفة لا تنسی۔ ان لا اباحث احدا من

کرا م کا ن اولئا م ۔ بعد کتا بی انجام ۔ فلا ارید ان انکث عهدی الا جلی و اعصی ربی الاعلی ۔ و قد قرئت کتا بی فتقبل عذری و اسلک وفق شر طی ان کنت من اہل التقوی و اولی النہی ۔ و کتبت فی رقعتک ان طلب الحق استخر جک من کنا سک و ر حلک عن انا سک ۔فا ن کا ن ہذا ہو الحق فلم تعا ف طر یقاً یعصمنی من نکث العهد و نقض الوعد ...

(مواہب الرحمن ۔ خزائن ج ۱۹ ۔ ص ۳۲۹۔۳۳۱)

اور یہ خطاب اصل مواہب کے ص ۱۱۳ سے ۱۴۴ تک مولانا امرتسری کو ہے ۔ اور چلتے چلتے یہ بھی سنتے جایئے کہ مباحثہ نہ کرنے کا عہد ایک ایسا بہانہ تھا جس سے وہ ضرورت کے مطابق مخالفین سے جان چھڑاتے تھے ۔ ورنہ انہیں خود بھی معلوم تھا کہ واقعہ وہ نہیں ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ۔ مثلاً لیکچر لاہور (جو ۳ ستمبر ۱۹۰۴ء کو ہوا ۔ اور جب اسے رفاہ عام سٹیم پریس لاہور سے چھپوایا گیا) کے شروع میں ایک اشتہار شائع ہوا جو یوں ہے

.آج پرچہ پیسہ اخبار ۲۷ ۔ اگست ۱۹۰۴ء کے پڑھنے سے معلوم ہوا کہ حکیم مرزا محمود نامی ایرانی ... مجھ سے مقابلہ کے خواہش مند ہیں میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے اس قدر شدت کم فرصتی ہے کہ میں ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کرسکتا (یہاں عہد کا ذکر نہیں ۔ بلکہ عدیم الفرصتی کا بہانہ کیا ہے ۔ بہا) ۔ کیونکہ کل ہفتہ کے روز جلسہ کا دن ہے جس میں میری مصروفیت ہوگی ۔ اور اتوار کے دن علی الصباح مجھے گورداسپور میں ایک مقدمہ کے لئے جانا جو عدالت میں دائر ہے ضروری ہے (کیا پھر کبھی واپس لاہور نہیں آنا ؟ اور مخاطب کو قادیان یا کسی اور جگہ بھی بلایا جاسکتا ہے ۔ بہا) میں قریباً بارہ دن سے لاہور میں مقیم ہوں ۔ اس مدت میں کسی نے مجھ سے ایسی درخواست نہیں کی ۔اب جب کہ میں جانے کو ہوں اور ایک منٹ بھی مجھے کسی اور کام کے لئے فرصت نہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس بے وقت کی درخواست سے کیا مطلب اور کیا غرض ہے ...

راقم مرزا غلام احمد

مواہب الرحمٰن کی درج بالا عبارت درج کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جسے مرزا صاحب دجال کہتے ہیں وہ مقابلے کے لئے قادیان بھی آیا لیکن اسے قتل کرنے کی بجائے مرزا صاحب اس کے مقابلے میں بھیگی بلی بنے رہے ۔

☆ دجال کی بحث میں مرزا نے حدیث میں تحریف کا جرم بھی کیا ہے۔لکھا ہے

. نسائی نے ابو ہریرہ سے دجال کی صفت میں آنحضرت ﷺ سے یہ حدیث لکھی ہے

یخرج آ خر الزمان دجال یختلون الد نیا با لدین یلبسون للناس جلود الضان السنتھم احلی من العسل و قلو بھم قلوب الذئا ب یقول اللہ عز و جل ابی یفترن ام علی یجترون (مختصر مطلب یہ کہ آخری زمانہ میں ایک گروہ دجال نکلے گا)۔(حاشیہ ۳۷ تحفہ گولرویہ طبع اول ۱۹۰۲ء)

اس عبارت کی نسبت کئی دفعہ کہا گیا کہ حدیث کی کسی کتاب سے بصحت کتابت دکھائی جائے کہ دجال حرف دال کے ساتھ ہے آج تک مرزائی اس جھوٹ پر پردہ نہیں ڈال سکے۔

واقعہ یوں ہے کہ مرزا صاحب کا دعوی ہے کہ دجال ایک شخص نہیں بلکہ ایک گروہ ہے۔اس دعوی کے ثبوت کے لئے انہوں نے وہ حدیث بیان کی ہے جس میں ذکر ہے کہ قرب قیامت ایسے رجال (لوگ) ہوں گے جو دنیا کو دین پر ترجیح دیں گے۔مرزا صاحب نے اس لفظ رجال کو دجال بنایا۔اور ترجمہ بھی کمال جرئت سے کام لے کر گروہ ہی کیا۔ اور یہ کہنا تو مرزائی حضرات مرزا صاحب کی توہین قرار دیں گے کہ دجال مفرد کا صیغہ ہے اور یختلسون صیغہ جمع مفرد کی طرف مسند نہیں ہوسکتا۔

☆ آخر میں ہم مرزا صاحب کی ایک تحریر پیش کرتے ہیں جو اس معاملے میں فیصلہ کن ہے کہ دجال کون ہے۔ لکھا ہے

. اگر ہم سچے ہیں تو خدا تعالی ان پیش گوئیوں کو پورا کردے گا۔اور اگر یہ باتیں خدا تعالی کی طرف سے نہیں ہیں تو ہمارا انجام نہائت بد ہوگا۔اور ہرگز یہ پیش گوئیاں پوری نہیں ہوں گی ربنا افتح بیننا و بین قو منا با لحق و انت خیر الفاتحین اور میں بالآخر دعا کرتا ہوں کہ اے خدا قادر و علیم اگر آتھم کا عذاب مہلک میں گرفتار ہونا اور احمد بیگ کی دختر (محمدی بیگم) کا اس عاجز کے نکاح میں آنا یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے ہیں تو ان کو ایسے طور پر ظاہر فرما جو خلق اللہ پر حجت ہو اور کور باطن حاسدوں کا منہ بند ہوجائے۔اور اگر اے خداوند یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے نہیں ہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر۔اگر میں تیری نظر میں مردود اور ملعون اور دجال ہی ہوں جیسا کہ مخالفوں نے سمجھا ہے اور تیری وہ

رحمت میرے ساتھ نہیں جو تیرے بندہ ابراہیم کے ساتھ اور اسحاق کے ساتھ اور اسماعیل کے ساتھ اور یعقوب کے ساتھ اور موسی کے ساتھ اور داؤد کے ساتھ اور مسیح ابن مریم کے ساتھ اور خیرالانبیاء محمد ﷺ کے ساتھ اور اس امت کے اولیاء کرام کے ساتھ تھی تو مجھے فنا کر ڈال اور ذلتوں کے ساتھ مجھے ہلاک کر اور ہمیشہ کی لعنتوں کا نشانہ بنا اور تمام دشمنوں کو خوش کر اور ان کی دعائیں قبول فرما۔ لیکن اگر تیری رحمت میرے ساتھ ہے اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا انت وجیہ فی حضرتی اخترتک لنفسی اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا یحمدک اللہ من عرشہ اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا یا عیسی الذی لا یضاع وقتہ اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا الیس اللہ بکاف عبدہ اور تو ہی ہے جس نے مجھ کو مخاطب کر کے کہا قل انی امرت وانا اول المؤمنین اور تو ہی ہے جو غالباً مجھے ہر روز کہتا رہتا ہے انت معی وانا معک تو میری مدد کر اور میری حمائت کے لئے کھڑا ہو جا۔ وانی مغلوب فانتصر۔ راقم خاکسار غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء۔ (خزائن ج ۹ ص ۱۲۴۔۱۲۵۔ انوار الاسلام)۔

یہ بڑی جامع دعا ہے۔ مرزائی حضرات بتائیں کہ یہ دعا قبول ہوئی ہے کہ نہیں؟ اس میں مرزا صاحب نے بتایا ہے کہ اگر محمدی بیگم سے میری (مرزا غلام احمد) شادی نہ ہو تو میں مردود ملعون اور دجال ہوں اور پیش گوئی تیری طرف سے نہیں ہے اور درج بالا الہامات بھی تیری طرف سے نہیں ہیں۔

محمدی بیگم سے مرزا صاحب کی شادی دنیا میں نہیں ہوئی۔ اس لئے مرزا صاحب کی آہ و زاری سے کی ہوئی اس دعا اور وعدہ خداوندی اجیب کل دعائک کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مرزا صاحب قادیانی دجال ہیں

غلام علی قصوری

مولانا ابو عبداللہ غلام علی (ولادت ۱۲۴۱ھ یا ۱۲۴۲ھ وفات ۱۳۰۶ھ) نے اپنی تحقیق سے مسلک حق اپنایا اور ساری عمر اشاعت قرآن و حدیث میں گذاری۔ بتایا جاتا ہے کہ متوکل اتنے تھے کہ کبھی کسی دنیا دار کی ملاقات کیلئے نہیں گئے۔ بڑے موحد اور متبع سنت تھے اور امرتسر میں تحریک اہل حدیث کے اول استاد تھے۔ صبح کے وقت درس قرآن دیتے۔ بلکہ امرتسر میں درس و ترجمہ قرآن کے اول مروج وہی تھے۔ آپ نے ایک تفسیر بھی لکھنا شروع کی تھی لیکن ابھی صرف تین پارے مکمل ہوئے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ تفسیر کے دیباچہ میں آپ فرماتے ہیں

متقدمین نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ میں ملک پنجاب میں پیدا ہوا۔ یہاں کی رسم رسوم خلاف سنت کی اصلاح کرنے کے لئے میں نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ تفسیر میں شاہ ولی اللہ شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر کے تراجم ملحوظ رکھونگا۔ کتب حدیث میں جو صحیح ہوا اس اس کی پابندی کرونگا جس آئت کی تفسیر کسی صحیح حدیث میں آئی ہو اس پر تعویق (اعتماد) کرونگا۔ شان نزول جو صحیح روائت میں آیا ہو اسی کو ذکر کرونگا (ملخص دیباچہ تفسیر)۔ ۔ ۔ ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے دو صاحبزادے مولوی عبید اللہ اور خلیفہ عبدالرحمٰن تھے۔ آپ کی کتاب تذکرۃ الحق ۱۲۹۳ھ۔ ۱۸۷۸ء میں شائع ہوئی

مولا غلام علی مرحوم کو غزنویوں سے بیعت کے مسئلہ پر اختلاف تھا۔ مگر اس مخلصانہ اختلاف کی حالت یہ تھی کہ حضرت عبداللہ غزنوی کے پاس اگر کوئی حضرت مولانا غلام علی کے اختلاف کا ذکر کرتا تو آپ فرماتے برائے خدا مے گوئد۔ اور دوسری طرف جب مولوی غلام العلی صاحب مرحوم نے عدم جواز بیعت پر ایک رسالہ لکھا اور مولانا عبدالجبار مرحوم نے جواز بیعت پر ایک رسالہ لکھا تو مولانا غلام العلی صاحب سے لوگوں نے کہا کہ اس کی تردید بھی ہونی چاہیے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ میرے نزدک جو حق

بات تھی میں نے لکھ دی۔ ان کے نزدیک جو حق بات تھی انہوں نے لکھ دی اور بس۔ یہ ان کا اختلاف تھا اور پھر آپس میں ملنا جلنا غرض پیار و محبت کے تمام مراسم موجود تھے۔ مولانا غلام علی فوت ہوئے تو غزنوی بزرگان اور سارا شہر ان کے جنازے میں شامل تھا۔

مولانا ابوعبداللہ غلام علی ان علمائے متقدمین میں سے ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کی ابتدائی تحریروں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کا لکھنے والا آئندہ کسی وقت امت مسلمہ کے لئے فتنہ بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب نے آپ کا نام ان اکابر میں شامل کیا ہے جو ابتدا ہی میں اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے تھے۔ (دیکھئے براہین ج ۴ ص ۵۴۴۔۵۴۵)۔ (اہل حدیث ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء اور ۱۹ فروری ۱۹۳۷ء الاعتصام ۱۳ اپریل ۲۰۰۱ء)

اور مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں کہ

. دور اندیش علمائے اسلام مرزا صاحب سے خوفزدہ تھے۔ مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی سے میں نے خود سنا کہ مجھے شبہ ہوتا ہے کہ کسی دن یہ شخص (مرزا) نبوت کا دعوی کرےگا۔ ایسا ہی حضرت مولوی ابوعبداللہ غلام العلی صاحب امرتسری سے سننے والوں کا بیان ہے کہ مرحوم بھی مرزا صاحب سے خوف زدہ تھے کہ کسی دن نبوت کا دعوی کریں گے.

(تاریخ مرزا ص ۱۳)

احمد اللہ امرتسری

مولانا احمد اللہ مولانا غلام علی کے شاگرد اور عالم باعمل تھے۔ امرتسر کے رؤساء میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور امرتسر کی مسجد مبارک آپ نے ہی بنوائی تھی۔ امرتسر میں درس قرآن بھی دیتے تھے۔ان کے زمانے میں مسلک اہل حدیث کو امرتسر میں بہت فروغ ہوا۔ مسجد قدس بھی اہل حدیث کی ذمہ داری میں آئی۔ امام عبدالجبار غزنوی کے ہم عصر اور دوست تھے۔ ۱۹۰۶ء میں وفات ہوئی۔ کلام المسعود فی مسئلة المولود ان کی مشہور تصنیف ہے۔ (حاشیہ سیرۃ ثنائی ص ۸۷) مولانا ثناءاللہ آپ کے شاگرد تھے۔ جو بیان کرتے ہیں کہ

.میں ابتدائی کتب فارسی پڑھ کر مولانا مولوی احمد اللہ صاحب مرحوم رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔ دستکاری (رفوگری) کا کام بھی کرتا رہا اور مرحوم سے سبق بھی پڑھا کرتا۔ شرح جامی اور قطبی تک مولوی صاحب مرحوم سے پڑھیں

(خودنوشت سوانح حیات ص ۵۷)۔

بعد میں جب مولانا ثناءاللہ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو مولانا احمد اللہ نے انہیں امرتسر بلا کر اپنے مدرسے میں تدریسی ذمہ داریاں سونپیں۔

مولانا احمد اللہ ان علماء میں سے ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کی ابتدائی تحریروں سے ہی ان کے آئندہ عزائم کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب خود لکھتے ہیں

. شہاب الدین نامی ایک شخص .....نے آ کر بیان کیا کہ مولوی غلام علی صاحب امرتسری اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالعزیز صاحب اور بعض دوسرے صاحبان اس قسم کے الہاموں سے جو رسولوں سے مشابہ ہے باصرار تمام انکار کر رہے ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض مولوی صاحبان مجانین (پاگلوں) کے خیالات سے اس کو منسوب کرتے ہیں۔ (براہین احمدیہ ج ۴ ص ۵۴۴-۵۴۵)

اس سے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد اللہ ان علمائے کبار میں سے ہیں جو تحریک ختم نبوت کے ابتدائی کارکنوں میں سے تھے۔

۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب لدھیانہ میں مولانا بٹالوی سے مباحثہ کرنے کے بعد امرتسر گئے اور ہال بازار کے قریب کنہیا لال کے تھیٹر کے قریب ایک گلی میں ایک مکان میں ٹھہرے۔ قیام امرتسر کے دوران ان کا سامنا ایک مرتبہ کسی امرتسری کے گھر میں مولانا احمد اللہ سے ہو گیا۔ مولانا نے مرزا صاحب سے کہا کہ آپ کی تحریروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مرزا صاحب نے جواب دیا کہ ان کا مطلب ایسی نبوت سے ہے جو ختم نبوت کے منافی نہ ہو اور ان کی مراد نبوت سے دراصل محدثیت ہے۔ مرزا صاحب نے اس مضمون کی ایک تحریر بھی مولانا کو لکھ کر دی۔ (تاریخ احمدیت جلد دوم ص ۲۴۷)

۱۸۹۲ء میں جاری ہونیوالے فتوی تکفیر مرزا پر آپ نے دستخط فرماتے ہوئے لکھا

اس (مرزا) کی عبارات مجھ کو دکھائی گئی ہیں۔ ان کا ظاہری مفہوم خلاف عقائد اہل سنت معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف ان ظاہری عبارات کا لحاظ کر کے عقیدہ رکھے گا تو وہ خطا کار مخالف اہل سنت والجماعت کا ہے۔

(علمائے اسلام اولین متفقہ فتوی۔ ص ۱۰۱)

۱۸۹۶ء کے چیلنج مباہلہ میں مرزا صاحب نے آپ کو بھی مخاطب کیا ہے۔ اور بہت سے دوسرے اشتہارات میں بھی مرزا صاحب انہیں مخاطب کرتے رہے ہیں۔

حفیظ اللہ خان

ابو یحی امام خان نے لکھا ہے کہ آپ کا مولد و وطن دہلی تھا۔ ۹ برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا تو آپ کے والد گاماں خان آپ کو شاہ عبدالقادر کے پاس لے گئے۔ انہیں آپ نے قرآن سنایا تو شاہ صاحب نے خوش ہوکر دعا دی جس کی برکت سے آپ مشہور زمانہ واعظ اور عالم باعمل ہوئے۔آپ کو شاہ محمد اسحاق سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مولوی سید عبدالخالق سے کتب علوم پڑھیں۔اور حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث سے بھی پڑھا۔ خود بھی پڑھاتے تھے مگر وعظ کا مشغلہ زیادہ تھا اور اس فن میں یگانہ تھے۔ زور بیان ایسا تھا کہ قرآن وحدیث کے چشمے ابل رہے ہیں۔

آپ کی وفات اکتوبر ۱۹۰۶ء میں ہوئی۔(تراجم علماء حدیث۔ ص۱۶۴)۔

آپ حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین کے سمدھی تھے اور فتوی تکفیر مرزا پر میاں صاحب کے بعد آپ ہی کے دستخط ہیں (علماء اسلام کا متفقہ فتوی ص ۸۶) یوں آپ کا شمار تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں ہوتا ہے۔

محمد بشیر سہسوانی

مولانا محمد بشیر فاروقی کے دادا شیخ محمد صدر الدین عمری رنجیت سنگھ کے عہد میں پنجاب (موجودہ ہریانہ کے مقام کروکشیتر) سے ترک وطن کر کے سہوان ضلع بدایوں (یوپی) تشریف لائے۔ یہاں مولانا شرف علی صاحب کی بیٹی سے ان کی شادی ہوئی۔جن سے چار بیٹے ہوئے جن میں سے دو کم سنی میں فوت ہو گئے یالا ولد رہے۔ باقی دو بیٹوں کے نام سے نسب چلا جن کے نام نیاز احمد اور بدرالدین تھے۔محمد بشیر، ثانی الذکر کے بیٹے تھے

شیخ نیاز احمد اور شیخ بدرالدین نے دہلی کے علماء وفضلاء سے اکتساب علم کیا۔ قانون شیخ کا درس دونوں بھائیوں نے مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی سے لیا اور فن طب کی تکمیل کے بعد طبابت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ شیخ نیاز احمد نے دہلی میں مطب کا سلسلہ شروع کیا۔فن طب میں آپ سے استفادہ کرنے والوں میں سید نذیر حسین محدث کا نام بطور خاص قابل ذکر ہے۔ شیخ بدرالدین نے لکھنو کا رخ کیا اور وہاں مطب شروع کر کے بہت جلد اہل شہر سے اپنی مہارت اور حذاقت کا لوہا منوا لیا۔ اردو کے شاعر جوش ملیح آبادی کے پردادا نواب فقیر محمد خان گویا (ف ۱۲۶۸ھ) کی قدردانی اور شرف مصاحبت کے باعث لکھنو کے رؤسا اور عمائدین کے حلقے میں بحیثیت طبیب انہیں کافی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ مطب کے ساتھ ساتھ درس کا سلسلہ بھی جاری رہا اس سلسلہ میں قانون شیخ پر حواشی اور تعلیقات بھی تحریر فرمائے۔۱۲۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا محمد بشیر حکیم محمد بدرالدین کے چار بیٹوں میں تیسرے نمبر پر تھے۔آپ ۱۲۵۴ھ کے لگ بھگ سہسوان میں پیدا ہوئے۔تعلیم وتربیت کے ابتدائی مراحل وطن

ہی میں طے کیئے ۔ بعد ازاں لکھنو آ گئے اور مفتی واجد علی اور بعض دوسرے علماء فرنگی محل سے درسیات کی تکمیل کی ۔ پھر متھرا کا رخ کیا اور برادر عم زاد حکیم نور الحسن فاروقی (ف ۱۲۹۷ھ) سے فن طب اور معالجات کی اصولی و عملی تعلیم حاصل کی ۔ اس کے بعد دہلی گئے جہاں آپ نے سید امیر حسن محدث سہسوانی (ف ۱۸۷۴ء) سے استفادہ کیا ۔ ان کے فیضان صحبت سے آپ کو علوم حدیث و تفسیر سے دل چسپی پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں آپ نے ترک تقلید اور عمل بالحدیث کی راہ اختیار کر کے تحقیق و اجتہاد کو اپنا دستور العمل بنا لیا۔ مولانا سید امیر حسن مولانا نذیر حسین محدث کے شاگرد تھے اور غالباً انہیں کی ترغیب سے آپ بھی محدث موصوف کے حلقہ درس میں شامل ہو کر ان سے سند یاب ہوئے۔

تحصیل علم کے بعد آپ نے درس و تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا۔ پہلے ایک سال سلہٹ میں قیام فرمایا۔ پھر ایک سال سہسرام (بہار) میں تدریسی خدمات سر انجام دیں ۔ اس کے بعد سینٹ جانسن کالج آگرہ میں عربی و فارسی کے استاد مقرر ہوئے جہاں تقریبا ۱۵ سال تک طلبہ کو مستفید کرتے رہے ۔ کالج کے علاوہ صبح و شام گھر پر بھی سلسلہ درس جاری رہا جس میں منطق فلسفہ تفسیر حدیث اور زبان و ادب کے علاوہ فن طب میں استفادہ کرنے والے بھی نہائت ذوق و شوق سے شریک ہوتے ۔ چنانچہ آگرے کے مشہور اطبا حکیم مبارک علی اور حکیم معصوم علی نے آپ ہی کے حلقہ درس میں رہ کر فراغت حاصل کی تھی ۔ آگرہ کے قیام کے دوران آپ نے پہلی مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی اور وہاں شیخ محمد بن عبد الرحمٰن سہارنپوری اور احمد بن ع یسی سے کتب حدیث کی سند بھی حاصل کی ۔ ۱۸۷۸ء میں نواب سید صدیق حسن کی دعوت پر آپ آگرے سے بھوپال آ گئے جہاں پہلے مدرسہ سلیمانیہ کے مہتمم اور پھر مدارس ریاست کے افسر اعلی مقرر ہوئے ۔ بھوپال میں دوران قیام آپ نے شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی کے حلقہ درس میں شامل ہو کر ان سے باقاعدہ سند حدیث بھی حاصل کی ۔ علاوہ ازیں اصلاح عقائد اور تربیت اخلاق کی غرض سے قاضی صاحب کی مسجد میں ہر جمعہ وعظ کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ ریاست میں قیام کے دوران آپ نے دوسری مرتبہ حج کیا۔

۱۸۹۰ء میں نواب صدیق حسن کا انتقال ہوگیا تو ان کی بیگم کے اصرار پر آپ نے قصر شاہی میں وعظ کا اہتمام کیا۔ ۱۹۰۱ء میں بیگم صاحبہ کی وفات کے بعد آپ بھوپال سے دہلی چلے آئے اور حوض والی مسجد میں تفسیر قرآن کا درس دینے لگے۔ دہلی میں تقریبا ۵ سال پڑھاتے رہے۔ اس دوران جن لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ان میں پروفیسر عبدالعزیز میمن مولانا عبدالستار عمرپوری مولانا ابوسعید شرف الدین مولانا محمد عثمان علی گڈھی مولانا عبدالتواب غزنوی اور مولانا احمد اللہ محدث پرتاپ گڈھی شامل ہیں۔ عمر کے بہترویں سال ۲۹ جون ۱۹۰۸ء کو دہلی میں انتقال کیا اور شیدی پورہ کے قبرستان میں اپنے استاد سید نذیر حسین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کی تصانیف میں صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الدحلان مشہور کتاب ہے جو شیخ احمد بن زینی دحلان مفتی مکہ (ف ۱۳۰۴ھ) کی تصنیف الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ (طبع رجب ۱۲۹۹ھ) کا جواب ہے جو اصل کتاب کی مناسبت سے عربی میں لکھا گیا ہے۔ فاضل مصنف جب دوسری بار حج کے لئے گئے تو مکہ مکرمہ میں مفتی صاحب سے توحید کے موضوع پر آپ کا ایک مناظرہ ہوا تھا۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد آپ نے مفتی صاحب کے رد میں یہ بسیط کتاب تصنیف فرمائی۔ پہلا ایڈیشن مطبع فاروقی دہلی سے علامہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم سندھی کے اہتمام سے شائع ہوا۔ ۶۱۵ صفحات کی اس کتاب پر سن طباعت درج نہیں۔ مصر وحجاز و دیگر عرب ممالک میں اس کتاب کو بہت شہرت ملی۔ چنانچہ ۱۳۵۱۔۱۳۵۲ھ میں علامہ رشید رضا نے تصحیح و تقدیم کے ساتھ مطبع المنار مصر سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔ اس کے بعد یہ کتاب تین بار شائع ہوچکی ہے۔ پانچواں ایڈیشن شیخ اسماعیل انصاری کی تعلیقات کے ساتھ ۱۳۹۵ھ میں مطبعہ النجد التجاریہ ریاض سے شائع ہوا تھا۔

البرہان المعجم علی ان الضحایا الی ہلال محرم۔ قیام بھوپال کے زمانے مولانا نے ایام نحر کے تعین کے سلسلے میں ایک فتوی تحریر فرمایا تھا جس میں آخر ماہ ذوالحج تک قربانی کے جواز کا ثبوت فراہم کیا تھا۔ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ میں مطبع وحید المطابع دارانگر بنارس سے بطور اشتہار شائع ہوا تھا۔

القول المحمود فی رد جواز السود۔ یہ مختصر رسالہ سود کے جواز پر ڈپٹی نذیر احمد کے دلائل کے رد میں لکھا گیا تھا۔ ڈپٹی صاحب نے الحقوق و الفرائض (طبع ۱۳۲۴ھ) کی دوسری جلد میں اس مسئلے میں جن شواہد سے استدلال کیا تھا آپ نے ان کی تردید کر کے ثابت کیا ہے کہ سود کی جملہ اقسام حرام ہیں۔ جامعیت کے خیال سے اس موضوع سے متعلق مولوی سید عبدالصمد بلندشہری کے ایک رسالے کو بھی شامل بحث کر لیا گیا ہے۔ مولانا بشیر کا یہ رسالہ پہلی بار ۱۳۲۷ھ میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا۔ اس کے بعد برقی پریس بلی ماراں دہلی سے ۱۳۵۸ھ میں اور ایک مرتبہ ناظر پرنٹنگ پریس کراچی سے شائع ہوا۔

البرہان العجاب علی فرضیۃ ام الکتاب۔ یہ قرأت فاتحہ خلف الامام پر آپ کی جامع تصنیف ہے جس میں بحث کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دہلی میں قیام کے دوران روزانہ درس قرآن میں متواتر تین ماہ تک آپ نے اس مسئلے کے دلائل بیان فرمائے تھے۔ بعد ازاں اس کو کتابی صورت میں قلم بند فرمایا۔ اس کی کتابت و تصحیح آپ کی وفات کے بعد مکمل ہوئی اور طباعت و اشاعت آپ کے شاگرد احمد اللہ محدث کی کوشش سے ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔ البرہان العجاب۔ کی زبان اردو ہے لیکن دعوی کے اثبات میں جو دلائل و براہین ہیں ان کا اردو ترجمہ نہیں جو باعتبار حجم کتاب کا تین چوتھائی ہے۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے آپ کے شاگرد مولانا ابوسعید شرف الدین نے کشف الحجاب عما فی البرہان العجاب کے نام سے اس کا اردو ترجمہ کر دیا جو غالباً شائع ہو چکا ہے۔

مولانا بشیر علم و فضل کے ساتھ صلاح و تقوی اور اتباع کتاب و سنت کے اعتبار سے بھی بلند مقام پر فائز ہیں۔ حسن خلق کا یہ حال تھا کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے ساتھ نظریاتی اختلاف کے باوجود دوستانہ مراسم تھے۔ بھوپال میں نواب صدیق حسن صاحب آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور دہلی میں سید نذیر حسین کے بعد علمی حلقوں میں جو عزت و تکریم آپ کو حاصل وہ کسی شرح و بیان کی محتاج نہیں۔ صاحب نزھۃ الخواطر آپ کے نام کے ساتھ شیخ فاضل علامہ اور محدث کا التزام کرتے تھے۔

(ڈاکٹر حنیف نقوی کا مقالہ۔ محدث بنارس مارچ اپریل ۱۹۸۹ء)

مولانا محمد بشیر نے دہلی میں مرزا صاحب سے تحریری مباحثہ کیا تھا جس کی کیفیت پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ ذیل میں اس مباحثے کا حال مولانا محمد بشیر کی اپنی زبانی درج کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں

یہ کیفیت ہے اس مناظرہ کی جو میرے اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی مسیحیت کے درمیان میں بمقام دہلی واقع ہوا۔ مرزا صاحب نے دہلی میں آ کر دو اشتہار مطبوعہ دوم اکتوبر ۱۸۹۱ء دوسرا ششم اکتوبر ۱۸۹۱ء بمقابلہ جناب مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مداللہ ظلہم العالی کے شائع کیے اور طالب مناظرہ ہوئے۔ وہ دونوں اشتہار خاکسار کے بھی دیکھنے میں آئے۔ خاکسار نے محض بنظر نصرت دین وسنت و ازالہ الحاد و بدعت قصد مناظرہ مصمم کر کے جواب اشتہار مرزا صاحب کے پاس بوساطت جناب حاجی محمد احمد صاحب دہلوی کے بھیجا۔ اور اس جواب میں مرزا صاحب کے سب شروط کو تسلیم کر کے صرف شرط ثالث میں قدرے ترمیم چاہی۔ مرزا صاحب نے بھی اس ترمیم کو قبول کیا۔ بعد ترمیم کے یہ تین شرطیں قرار پائیں۔ اول یہ کہ امن قائم رہنے کے لئے سرکاری انتظام ہو۔ دوسرے یہ کہ فریقین کی بحث تحریری ہو۔ ہر ایک فریق مجلس بحث میں سوال لکھ کر اور اس پر اپنے دستخط کر کے پیش کرے اور ایسا ہی فریق ثانی جواب لکھ کر دے۔ تیسرے یہ کہ اول بحث حیات مسیح پر ہو۔ اگر حیات ثابت ہو جاوے تو مرزا صاحب مسیح موعود ہونے کا دعوی خود چھوڑ دیں گے۔ اور اگر وفات ثابت ہو جائے تو مرزا صاحب کا اصل دعوی یعنی عدوم نزول حضرت عیسی اور مرزا صاحب کا مسیح موعود ہونا ثابت نہ ہوگا پھر حضرت مسیح کے نزول اور مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے میں بحث کی جاوے گی۔ اور جو شخص طرفین میں سے ترک بحث کرے گا اس کا گریز سمجھا جاوے گا۔

جب تصفیہ شروط کا ہو گیا تو جناب حاجی محمد احمد صاحب نے حسب ایماء مرزا صاحب کے خاکسار کو طلب کیا۔ چنانچہ شب شانزدہم ربیع الاول ۱۳۰۹ھ کو میں بھوپال سے روانہ ہو کر روز سہ شنبہ تاریخ شانزدہم ماہ مذکور دہلی میں داخل ہوا۔ اور مرزا صاحب کو اطلاع اپنے آنے کی دی تو مرزا صاحب نے مختلف رقعوں کے ذریعہ سے شروط میں تبدیلی ذیل فرمائی کہ حیات مسیح کا ثبوت آپ کو دینا ہوگا۔ بحث اس عاجز

کے مکان پر ہو۔ جلسہ عام نہیں ہوگا۔ صرف دس آدمی تک جو معزز خاص ہوں آپ ساتھ لا سکتے ہیں مگر شیخ بٹالوی (محمد حسین) اور مولوی عبدالمجید ساتھ نہ ہوں۔ پرچوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہو اور پہلا پرچہ آپ کا ہو۔ ان شرائط کا قبول کرنا نہ تو خاکسار پر لازم تھا اور نہ میرے احباب کی رائے ان کے تسلیم کرنے کی تھی۔ مگر محض اس خیال سے کہ مرزا صاحب کو کوئی حیلہ مناظرہ سے گریز کا نہ ملے۔ یہ سب باتیں منظور کی گئیں۔ بعد اس کے تاریخ نوز دہم ربیع الاول روز جمعہ بعد نماز جمعہ مناظرہ شروع ہوا۔

خاکسار نے ان کے مکان پر جا کر مجلس بحث میں پانچ ادلہ حیات مسیح کے لکھ کر حاضرین کو سنا دیئے اور دستخط اپنے کر کے مرزا صاحب کو دے دیئے۔ مرزا صاحب نے مجلس بحث میں جواب لکھنے سے عذر کیا۔ ہر چند جناب حاجی محمد احمد صاحب وغیرہ نے ان کو الزام نقض عہد و مخالفت شروط کا دیا مگر مرزا صاحب نے نہ مانا اور یہ کہا کہ میں جواب لکھ رکھونگا آپ لوگ کل دس بجے آیئے۔ ہم لوگ دوسرے روز دس بجے گئے۔ مرزا صاحب مکان کے اندر تھے۔ اطلاع دی گئی تو مرزا صاحب باہر نہ آئے اور کہلا بھیجا کہ ابھی جواب تیار نہیں ہوا۔ جس وقت تیار ہوگا آپ کو بلا لیا جائے گا۔ پھر غالباً دو بجے کے بعد ہم لوگوں کو بلا کر جواب سنایا اور یہ کہا کہ اب مجلس بحث میں جواب لکھنے کی ضرورت نہیں آپ مکان پر لے جاویں۔ چنانچہ میں اس تحریر کو مکان پر لے آیا۔ اسی طرح چھ روز تک یہ سلسلہ مباحثہ جاری رہا۔ چھٹے روز کہ تین پرچے میرے ہو چکے تھے اور تین پرچے مرزا صاحب کے۔ مرزا صاحب نے پہلی ہی بحث کو ناتمام چھوڑ کر مباحثہ قطع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ اب مجھے زیادہ قیام کی گنجائش نہیں ہے اور زبانی فرمایا کہ میرے خسر بیمار ہیں۔ اس وقت ایک مضمون جو پہلے سے بنظر احتیاط لکھ رہا تھا اور وہ متضمن تھا اس امر پر کہ مرزا صاحب کی جانب سے نقض عہد و مخالفت ہوئی مرزا صاحب کی موجودگی میں حاضرین کو سنا دیا گیا۔ حاضرین جلسہ مرزا صاحب کو الزام دیتے تھے مگر مرزا صاحب نے ایک نہ سنی۔ اسی روز تہیہ سفر کر کے شب کو دہلی سے چلے گئے۔ مرزا صاحب کے یہ افعال اول دلیل ہیں اس پر کہ انکے پاس اصل مسئلہ یعنی ان کے مسیح موعود ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اصل

بحث کے لئے دو سدیں انہوں نے بنا رکھی ہیں ۔ ایک بحث حیات و وفات مسیح ۔ دوسرے نزول عیسی ۔ جب دیکھا کہ ایک سد جو ان کے زعم میں بڑی راسخ تھی ٹوٹنے کے قریب ہے اس کے بعد دوسری سد کی جو ضعیف ہے نوبت پہنچے گی ۔ پھر اصل قلعہ پر حملہ ہو گا وہاں کچھ ہے ہی نہیں ۔ تو قلعی کھل جاوے گی اس لئے فرار مناسب سمجھا ۔ بعد انقطاع مباحثہ دو روز دہلی میں متوقف رہ کر روز شنبہ کو ڈاک گاڑی میں روانہ ہو کر بھوپال وارد ہوا ۔

(الحق الصریح ص ۲ منقول از تاریخ مرزا ۔ ص ۴۷ ۔ ۴۹)

یہ ۱۸۹۱ء کی بات ہے جب مرزا صاحب اپنے دعوی مسیحیت پر مولانا محمد بشیر کے ساتھ مباحثے سے فرار ہو کر گھر آ گئے تھے ۔ اس کے بعد جب اکتوبر ۱۹۰۵ء میں وہ پھر دہلی گئے تو یہی مسئلہ ایک ناگ کی طرح پھن پھیلائے دوبارہ ان کا منتظر تھا ۔ ہوا یہ کہ مرزا حیرت دہلوی نے آپ کو مناظرے کا چیلنج دے دیا لیکن آپ نے رسید ہی نہیں دی ۔ تاریخ احمدیت میں لکھا ہے

. یکم نومبر ۱۹۰۵ء کو مرزا حیرت دہلوی نے کرزن گزٹ میں حضرت مرزا صاحب کے خلاف سخت زہر اگلا اور مناظرہ کا چیلنج بھی دیا ۔ حضرت نے ان کی گذشتہ آزاد اسلامی اور نمائشی طبیعت کو دیکھ کر اعراض ہی مناسب سمجھا (یعنی فرار) البتہ جماعت دہلی کی طرف سے اشتہار دیا گیا کہ مرزا حیرت صاحب محض ایک اخبار نویس ہیں لہذا ان کے ساتھ حیات و وفاۃ مسیح کے موضوع پر ایڈیٹر الحکم مناظرہ کرنے کو تیار ہیں ۔ مرزا حیرت نے جوابی اشتہار دیا کہ میں ایسی بحثوں کو بے کار سمجھتا ہوں ۔ حضرت مسیح ایک بار نہیں سو بار فوت ہو جائیں (اس سے مرزا صاحب کی مسیحیت کیسے ثابت ہو گی ؟) .. ہاں ایک شخص (مرزا) کو خواہ مخواہ ابن مریم تسلیم کر لینا بحث طلب ہے (اس لئے مرزا صاحب اس موضوع پر بحث کیلئے آئیں) .. مرزا صاحب اپنے آپ کو مثیل مسیح کہتے ہیں ۔ اچھا ہم تسلیم کر لیتے ہیں آپ مثیل مسیح ہی سہی جبکہ حضور ﷺ کی مرحوم امت کا ہر فرد مثیل انبیاء بنی اسرائیل ہو سکتا ہے پھر اگر مرزا صاحب مثیل مسیح ہو گئے تو کیا غضب ہو گیا ۔ ہمیں اس کی تردید کی کیا ضرورت ہے (ہاں مرزا کی مسیحیت موعودہ پر بحث کرنا ہے تو آؤ) ۔ (الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ ص ۲ ۔ تاریخ

احمدیت ج ۲ص ۴۳۹)۔لیکن مرزا صاحب دامن بچا کر دہلی سے چلے آئے۔
اورمولانا بشیر نے مرزا صاحب کی تکفیر کے فتوی پر لکھا

. اسلام خصوصاً مذہب اہل سنت میں یہ عقائد ومقالات داخل نہیں ہیں ۔مرزا قادیانی ان عقائد ومقالات کی نظر سے مانند وجودیہ وغیرہ اہل بدعت کے دجالین کذابین میں داخل ہے۔اور مرزا کے ان عقائد ومقالات میں پیروان وہم مشربوں کو ذریات دجال کہہ سکتے ہیں ۔اور ایسے عقائد و مقالات کے ساتھ کوئی شخص شرعاً اور عقلاً ولی اور ملہم اور محدث ومجدد نہیں ہوسکتا۔دلیل اس کی حدیث ابو ہریرۃؓ ہے۔ قال رسول الله یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباءکم فایاکم لا یضلونکم ولا یفتنونکم ۔رواہ مسلم۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کذاب پیدا ہوں گے جوتم کو ایسی باتیں کہیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے بزرگوں نے ۔ان سے بچے رہنا وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور بہکا نہ دیں۔

محمد بشیر سہسوانی ۔

سلامت اللہ جیراج پوری

آپ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے اور سوائے والدہ کے کوئی سر پرست نہ تھا۔ بکریاں چرایا کرتے تھے مگر دل میں علم کا شوق تھا۔ ۱۰۔۱۱ سال کی عمر تھی کہ جون پور پہونچے اور مدرسہ میں داخل ہو کر پڑھنا شروع کیا۔ ابتداء ہی سے ذہانت کی شہرت ہو گئی۔ کتب درسیہ کا زیادہ حصہ مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محلی سے جو وہاں مدرس اعلی تھے پڑھا۔ پھر دہلی جا کر میاں صاحب سے حدیث کی تکمیل کی۔ اس کے بعد نہائت انہماک سے توحید کی اشاعت اور تبلیغ کرنے لگے۔ بنارس جون پور غازی پور گونڈہ اور بالخصوص اعظم گڑھ میں ان کی ذات سے توحید و سنت کی بہت اشاعت ہوئی۔ اور کئی مواضعات سے شرک و بدعات ناپید ہو گئے۔ مناظرہ میں اپنے عہد کے امام تھے اور وعظ میں بے نظیر۔

ایک زمانہ تک بنارس میں قیام رہا۔ وہاں کتب علوم اور حدیث وتفسیر کا درس دیتے رہے پھر نواب صدیق حسن صاحب نے آپ کو بھوپال بلا لیا اور مدرسہ وقفیہ کا مہتمم مقرر کر دیا۔ شاہجہان بیگم والیہ بھوپال آپ کا بہت احترام کرتی تھیں۔ ان کے عہد میں آپ بھوپال کے واعظ شہر تھے اور کوئی عالم مسجد میں آپ کی اجازت کے بغیر وعظ نہیں کہہ سکتا تھا۔ مولانا سلامت اللہ جہیر الصوت تھے اور آواز میں لوچ اور بیان میں تسلسل۔ بھوپال کے میر واعظ کی جادو بیانیاں جو سنتا رام ہو جاتا۔ اس کام کے معاوضہ کے لئے بیگم صاحبہ موصوفہ نے کئی بار کہا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔ کچھ زمانہ بعد آپ مدرسہ سلیمانیہ کے نائب مہتمم مقرر ہوئے اور مولانا بشیر سہسوانی کے پنشن لینے کے بعد بیگم صاحب نے آپ کو مدرسہ سلیمانیہ کا مہتمم اور جملہ مدارس کا افسر مقرر کر دیا۔

لوازمات علم کے ساتھ آپ محاسن اخلاق کے بھی منبع اور نہائت وجیہہ تھے۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد ہی سلسلہ تدریس شروع کیا جو تا زیست جاری رہا۔ تفسیر و حدیث کے علاوہ کتب فنون بھی پڑھاتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ مہتمم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مولوی حبیب اللہ چاند پوری مولوی اسداللہ مولوی فتح اللہ مہتمم سلیمانیہ بھوپال۔ مولانا احمداللہ شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ دہلی شامل ہیں۔

آخر میں آپ کا منصب ریاست بھوپال کی طرف سے مقرر ہو گیا تھا اور وہیں رہتے تھے۔ ۵۳ سال کی عمر میں ربیع الاول ۱۳۲۲ھ۔ ۱۵ جون ۱۹۰۴ء کو انتقال ہوا اور تکیہ محبت شاہ میں دفن ہوئے۔ (تراجم علماء حدیث ہند ص ۳۸۷۔۳۸۸ اور ۴۱۹)

مولانا سلامت اللہ نے فتویٰ تکفیر مرزا ۱۸۹۲ء پر دستخط کئے ہیں اور اس طرح وہ تحریک ختم نبوت کے ابتدائی کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے دستخط کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مجھ کو مولوی محمد بشیر کی تحریر سے اتفاق ہے۔ بے شک یہ لوگ ایسے ہی ہیں جیسا مولوی صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے۔

عبدالوہاب دہلوی

ضلع جھنگ پنجاب کے موضع واسوآستانہ میں ۱۸۶۴ء کے پس و پیش ایک زمین دار گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ سلسہ نسب یوں ہے عبدالوہاب بن حاجی محمد بن میاں خوشحال بن میاں فتح بن میاں قائم ۔ آپ کے بچپن میں آپ کے والد اپنے آبائی گاؤں سے ضلع ملتان کے ایک موضع مبارک آباد میں آبسے جہاں آپ نے ناظرہ قرآن پاک ختم کیا۔ پھر اپنے بھائی نور محمد کے ساتھ لکھو کے پہونچے اور لکھوی اساتذہ سے فیض پایا جن میں حافظ محمد لکھوی (ف ۱۳۱۱ھ ۔۱۸۹۴ء) شامل ہیں ۔وہاں صرف نحو اور بعض مروجہ علوم کی کتابیں پڑھیں اور قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر آپ امرتسر آگئے اور مولانا عبداللہ غزنوی (ف ۱۲۹۸ھ ۔۱۸۸۱ء) سے استفادہ کیا۔ پندرہ سولہ سال کی عمر میں آپ دہلی چلے گئے اور سید نذیر حسین محدث کے حلقہ درس میں شامل ہوئے ۔ بعدازاں یہیں سے سند فراغ حاصل کی ۔ اس دوران آپ نہر سعادت خان پر ایک مسجد میں قیام رکھتے تھے جس کو مسجد حفیظ اللہ خان کہا جاتا تھا۔اس مسجد میں نماز کی امامت کرتے اور صبح کے وقت درس مشکوۃ دیتے ۔ مسجد کے کنویں سے پانی کھینچ کر نمازیوں کے وضو کا انتظام کرتے اور اس کام کی اجرت مہینے کے بارہ آنے ملتی جس میں اپنے کھانے کا بندوبست کرتے ۔ پھر یوں ہوا کہ دہلی میں ایک مسجد تھی جس کا نام سرائے حافظ بنہ کی مسجد تھا۔ وہاں کے لوگ جو حنفی المسلک تھے میاں صاحب کی خدمت میں آئے کہ ہمیں کوئی امام دیا جائے ۔ میاں صاحب نے مولوی عبدالوہاب صاحب کو وہاں بھیج دیا۔ آپ نے اس مسجد میں صبح کے وقت مشکوۃ شریف کا درس اور جمعہ کے روز خطبہ جمعہ کے سلسلے کا آغاز کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تھوڑے عرصے میں وہاں کے تقریباً سب لوگ عامل بالحدیث ہوگئے ۔اس پر بعض حلقوں کی جانب سے آپ کی مخالفت بھی ہوئی اور ایک دن آپ کی غیر حاضری میں مخالفوں نے آپ کی سب

کتابیں کنویں میں گرادیں۔

میاں صاحب کے علاوہ آپ نے امام شوکانی کے شاگرد مولانا منصور الرحمٰن سے بھی استفادہ کیا۔ اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ نے ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) میں مدرسہ دارالکتاب والسنہ کے نام سے دہلی کے محلّہ کشن گنج کی مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ پھر اس مدرسے کو منتقل کر کے صدر کے علاقے میں لے آئے جہاں آپ کے ایک عقیدت مند نے کچھ جگہ خرید کر ایک مسجد بنوادی تھی جس کا نام مسجد کلاں مشہور ہوا۔ کچھ عرصہ بعد حج کو گئے تو آپ کی غیر حاضری میں حالات بدل گئے۔ اور واپسی پر آپ نے مسجد کلاں کے قریب ہی جگہ خرید کر صدر میں ایک مدرسہ اور مسجد بنوائی۔ آپ کے شاگردوں میں موانا عبدالجلیل سامرودی مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی۔ مولانا محمد جوناگڑھی امام حرم شیخ ابوالسمح مکی مولانا عبدالستار کلانوری مولانا عبداللہ اوڈ مولانا عبداللہ لائل پوری۔ حافظ عنائت اللہ وزیر آبادی اور مولانا محمد سورتی جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔

آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دہلی میں سنت کے مطابق ۱۲ تکبیروں سے عید کی نماز کھلے میدان میں ادا کی۔ اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے عورتوں کو عید گاہ میں لے جانے کا کہا اور اپنے گھر کی مستورات کو نماز عید کیلئے عید گاہ لے گئے۔ جمعہ کے روز آپ نے دہلی کے سامعین کی زبان اردو میں خطبہ شروع کیا۔ پھر اہل حدیث کی تمام مساجد میں ایسا ہونے لگا۔ دہلی میں نماز جنازہ احناف کی طرح سری (خاموشی سے) پڑھی جاتی تھی۔ آپ نے بالجہر شروع کی اور اب تمام اہل حدیث یوں ہی پڑھتے ہیں جو سنت سے ثابت ہے۔

مولانا عبدالوہاب نے ۱۹۲۰ء میں ایک اخبار جاری کیا جس کا نام اہل حدیث رکھا۔ پھر اس کا نام ہمدرد اہل حدیث ہوا۔ پھر صحیفہ اہل حدیث ہوا۔ جو اب کراچی سے پندرہ روزہ سے نکلتا ہے اور برصغیر کے تمام رسائل و جرائد سے زیادہ عمر کا ہے۔

آپ کی تصانیف میں

☆ ہدایۃ النبی المختار۔

☆ امر الکلی فی قول الرسول صلوا کما رئیتمونی اصلی (یہ شائع نہیں ہوئی۔ مسودہ ضائع ہوگیا)

☆ اقامۃ الحجۃ علی ان لافرق بین صلوۃ المرء والمرئۃ۔

☆ الدلائل الواثقة فی مسائل الثلاثہ شامل ہیں

اولاد میں سے مولانا حافظ عبدالستار آپ کے جانشین ہوئے۔

۱۳۱۳ھ (۱۸۹۶ء) میں آپ نے غرباء اہل حدیث کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ اور جب رجب ۱۳۵۱ھ (جولائی ۱۹۳۲ء) میں آپ کی وفات ہوئی تو دہلی کے تمام مدارس میں چھٹی کا اعلان ہوا اور سب لوگ جنازے میں شریک ہوئے۔آپ کو سید نذیر حسین محدث کے مشرقی جانب دفن کیا گیا (کاروان سلف۔اسحاق بھٹی۔صفحہ ص ۱۵۔۳۵)

آپ تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دور میں اس تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور مرزا غلام احمد نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ جن علمائے امت کو ۱۹۰۰ء میں لاہور میں تفسیری مقابلے کی دعوت دی تھی آپ بھی ان میں شامل ہیں۔

قاضی احتشام الدین

محقق کبیر محدث وفقیہ قاضی احتشام الدین کی ولادت مراد باد میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل ہوئی ۔ کتب درسیہ انہوں نے قاضی بشیرالدین قنوجی سے مرادآباد میں اور علامہ سید امیر حسن سہسوانی سے میرٹھ میں پڑھیں ۔اس کے بعد دہلی جا کر سید نذیر حسین محدث سے حدیث پڑھی اور سند و اجازہ سے مستفید ہوئے

تکمیل کے بعد آپ اعلائے کلمۃ اللہ میں ہمہ تن مصروف رہے ۔ آپ ابتدا میں حنفی المسلک تھے لیکن آہستہ آہستہ عمل بالحدیث کو اپنا شعار بنالیا اور مرادآباد میں آپ کی ذات دعوت قرآن وحدیث کے فروغ کا سبب بنی۔آپ نے درس وتدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا۔ اور سرزمین مرادآباد کے مشہور اہل حدیث عالم مولانا حافظ عزیز الدین مرادبادی صاحب اکمل البیان (ف ۱۳۶۷ھ) کو بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔

آپ کی تصانیف میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں

☆ اکسیر الاعظم تفسیر قرآن پاک اردو۔ تیس پاروں کی تقسیم کے مطابق ایک جامع تفسیر لکھنا شروع کی ۔ پہلا حصہ ۱۳۰۳ھ میں مطبع احتشامیہ مراد باد سے طبع ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر نامکمل رہی ۔

☆ اختیار الحق ۔آپ کی قابل قدر تصنیف ہے اور اپنے موضوع پر نہائت اہم تصنیف شیخ الکل کی مشہور تالیف معیار الحق کی تائید اور مولانا ارشاد الحق رام پوری کی انتصار الحق کی تردید میں لکھی گئی ہے جس کا مبحث اجتہاد و تقلید ہے۔

☆ نصیحۃ الشیعہ ایک عمدہ کاوش اور ردشیعیت میں اہم تصنیف ہے۔

☆ ترجمہ فتاوی عالمگیری ۔آپ نے ترجمہ شروع کیا لیکن صرف پہلی جلد کا ترجمہ ہوا

☆ ترجمہ منتخب التواریخ۔ ملا عبد القادر بدایونی کی مشہور زمانہ کتاب کا اردو ترجمہ

☆ کتاب العقائد۔ یہ عقائد میں مختصر رسالہ ہے۔

آپ کا انتقال ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں مراد باد میں ہوا۔ (الاعتصام لاہور ۲۸ جنوری ۲۰۰۰ء)

قاضی صاحب تحریک ختم نبوت کے ابتدائی کارکنوں میں سے ہیں اور آپ نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ نیز آپ نے فتوی تکفیر مرزا پر دستخط بھی فرمائے اور لکھا ہے

. مرزا غلام احمد کے بہت سے اقوال عقائد اسلام کے خلاف ہیں۔ مثلا وہ آخر زمانہ میں حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کے منکر ہیں۔ حالانکہ یہ مضمون احادیث صیحہ سے ثابت ہے۔ اوران میں مجاز اور استعارے کی کوئی ضرورت نہیں اور بلا ضرورت مجاز ماننا ضلالت کا دروازہ کھولنا ہے۔ علاوہ اس کے بعض روائتیں ایسی بھی ہیں جو استعارے کو رد کرتی ہیں۔ علاوہ اس کے انہوں نے ازالہ اوہام میں ایسی تقریر کی ہے جس سے متبادر یہی ہے کہ وہ حضرت عیسی کے معجزات کے منکر ہیں۔ قرآن میں جو مذکور ہے کہ حضرت عیسی نے کہا تھا کہ میں مٹی کے جانور بناتا ہوں اوران میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتے ہیں۔ اس کی تاویل مرزا غلام احمد نے یہ کی ہے کہ حضرت عیسی نے اپنے باپ یوسف نجار کے ساتھ مدت تک نجاری کا کام کیا تھا اور وہ کچھ ایسی کلیں سیکھ گئے تھے جن کے ذریعہ سے جانور اڑاتے تھے جیسے آج کل کے صناع انگریز بنالیتے ہیں۔ اور حضرت عیسی جو مردہ کو زندہ کرتے تھے وہ مسمریزم کا عمل تھا جو آج کل انگریزوں میں بھی ہے۔ ان اقوال میں حضرت عیسی کے معجزوں کا انکار بھی ہوا اور یوسف نجار کو حضرت عیسی کا باپ بھی بنادیا۔ اس قسم کے اقوال ان کی کتابوں میں بہت ہیں جو درحقیقت بدعت ہیں اور بعض کفر کے مرتبہ تک بھی پہنچے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب راقم محمد احتشام الدین مراد آبادی۔

قاضی صاحب کا اسم گرامی ۱۸۹۶ء میں مباہلہ کے مدعووین میں مرزا صاحب نے شامل کیا ہے۔ اور چونکہ مرزا صاحب ان مدعووین کو جو ان کی زندگی میں فوت ہوگئے تھے اپنی صداقت کے نشان کے طور پر بیان فرمایا کرتے تھے اس لئے قاضی صاحب کا مرزا صاحب کی موت کے وقت زندہ ہونا مرزا صاحب کے کذب کا نشان ہے

شاہ علی نعمت

سید نذیر حسین کے شاگرد اور اپنے دور کے جید عالم تھے۔ پھلواری شریف بہار میں خانقاہ مجیبیہ کے مدرسہ مجیبیہ میں پڑھاتے تھے۔ شاہ علی حبیب سجادہ نشین پھلواری شریف کے بیٹے شاہ عین الحق نے کتب درسیہ کی تحصیل آپ سے کی اور آپ کے زیر اثر وہ عامل بالحدیث ہوگئے تھے۔ شاہ عین الحق اپنے بڑے بھائی شاہ عبدالحق کی وفات کے بعد ۱۸۸۵ء میں ۱۵ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوگئے تھے۔ اور چونکہ انہیں شریعت کی سخت پابندی تھی اس لئے چاہتے تھے کہ خانقاہ میں کوئی کام خلاف شریعت نہ ہو۔ مخالفین نے تنگ کیا تو ۱۸۹۲ء میں آپ نے سجادہ نشینی ترک کر دی۔

شاہ علی نعمت کے دیگر شاگردوں میں حافظ پیر محمد ساکن کھگوال داناپوری۔ مولانا حکیم ابوحبیب (برادر کبیر سید سلیمان ندوی) اور حافظ انور علی مونگیری شامل ہیں۔ شاہ علی نعمت نے اس فتوی تکفیر مرزا پر تصدیقی دستخط فرمائے ہیں جو سید نذیر حسین نے دیا تھا۔ آپ نے لکھا

الجواب صحیح و الرای نجیح کہ (سید نذیر حسین کا) جواب صحیح اور رائے موجب رستگاری ہے

عبدالجبار غزنوی

آپ مولانا عبداللہ غزنوی کے صاحبزادے تھے اور ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) کو غزنی کے اطراف میں ایک مقام صاحبزادہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بھائیوں مولانا محمد (جن کا تفسیر جامع البیان پر مقبول عربی حاشیہ مولانا عبداللہ غزنوی کے ایما پر میاں فیروز دین ساکن جموں نے چھپوا کر مفت تقسیم کیا تھا) اور مولانا احمد سے حاصل کی۔ والد صاحب سے بھی علمی و روحانی فیض پایا۔ پھر دہلی چلے گئے اور سید نذیر حسین سے کتب حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔

مولانا عبدالجبار نے توحید وسنت کے لئے ان تمام مصائب کو برداشت کیا جو بعض آئمہ دین کی زندگیوں میں نظر آتی ہیں۔ آپ کو جلاد کے دروں سے پٹوایا گیا اور کئی سال کے لئے کابل کے جیل خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں دھکیلا گیا۔ تشہیر و تذلیل کے لئے کابل کے بازاروں میں پھرایا گیا۔ پھر آپ پر وطن کے دروازے بند کر کے جلاوطن کیا گیا۔ باپ کے ساتھ امرتسر کی طرف ہجرت کی اور امرتسر میں طلبہ کو علوم پڑھاتے رہے۔ آخری عمر میں دنیاوی امور سے بے تعلق ہو گئے تھے۔ ۲۵ رمضان ۱۳۳۱ھ کو امرتسر میں فوت ہوئے مولانا احمد علی مولانا داؤد حافظ سلیمان اور مولانا عبدالغفار آپ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ کے ایک شاگرد کا نام مولانا محمد حسین ہزاروی ہے جو حضرت میاں صاحب کے بھی شاگرد تھے اور اپنے دور کے جید عالم ہوئے۔ سیرت و کردار کے لحاظ سے نمونہ سلف تھے۔ مدرسہ غزنویہ میں پڑھاتے رہے۔ ایک دن نماز عصر کے وقت مولانا عبدالجبار نے ان سے فرمایا مولوی محمد حسین میں اپنی بیٹی تمہارے عقد میں دینا چاہتا ہوں۔ اگر تمہیں یہ رشتہ منظور ہو تو نماز کے بعد ٹھہر جانا۔

اللہ نے آپ کو علم وفضیلت سے نوازا تھا۔ اور ہزارہا افراد نے اپنے مسائل کے حل کے لئے ان کی طرف رجوع کیا اور جواب باصواب پایا۔ الا ما شاء اللہ۔

آپ مسلک وعقیدے کے لحاظ سے سلفی نقطہ نظر کے علم بردار تھے۔ صفات الٰہی کے باب میں تاویل اور توجیہ کے سخت مخالف تھے۔ مسائل توحید سے خاص دلچسپی تھی اور اس ضمن میں مسلک سلف نہائت مدلل انداز میں بیان فرماتے۔ فروعی مسائل میں بھی تاعمر عمل بالحدیث پر کاربند رہے اور لوگوں کو بھی اسی کی دعوت دی۔ زہد وتصوف میں بھی ان کا دامن متاخر صوفیا کے مبتدعانہ افعال واعمال سے پاک رہا۔ فتوی نویسی میں بھی یہی رجحانات غالب تھے۔ مختصر تحریری سرمایہ باقیات میں چھوڑا ہے۔ جن میں یہ کتابیں شامل ہیں

☆ سبیل النجاۃ فی مباینۃ الرب عن المخلوقات اردو

☆ عقیدہ اہل السنہ و الجماعۃ فی مسئلۃ الاستوا عربی

☆ سوانح عمری مولانا عبداللہ غزنوی

☆ بستان المحققین بشارۃ السائلین معروف بہ مجموعہ الفتاوی دو جلد

جب مولانا ثناء اللہ کی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن پہلے پہل طبع ہوکر ۱۹۰۳ء۔ ۱۳۲۱ھ میں منظر عام پر آئی تو اس میں بعض مسائل میں علمائے اہل حدیث نے مولانا کی مخالفت کی۔ مخالفین کی قیادت مولانا عبدالجبار کے پاس تھی۔ آپ کی تحریک پر مولانا عبدالحق غزنوی نے الاربعین فی ان ثناء اللہ لیس علی مذہب المحدثین لکھی۔ اس کے جواب مولانا امرتسری نے الکلام المبین لکھی۔ پھر یہ مسئلہ محاکمہ کے لئے جلسہ مذاکرہ علمیہ آرہ کے موقع پر تین بڑے علماء کے سامنے پیش ہوا جنکے نام یہ ہیں مولانا شمس الحق ڈیانوی۔ حافظ عبداللہ غازی پوری۔ شاہ عین الحق پھلواروی۔ ان علماء نے غور وفکر کے بعد فیصلہ دیا کہ اربعین کے ۱۴ اعتراض بجا ہیں لیکن ان کی وجہ سے مولانا امرتسری جماعت اہل حدیث سے خارج نہیں ہوسکتے۔ یہ محاکمہ فیصلہ آرہ کے نام سے موسوم ہوکر پہلی مرتبہ مجلّہ ضیاء السنہ کلکتہ بابت رجب شعبان ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوا۔ اس فیصلے کے بعد مولانا عبدالجبار کا مولانا امرتسری سے نزاع ختم ہوگیا (اگرچہ بعض دوسرے علماء مخالفت کرتے رہے) مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ

. بانی فتوی مولانا عبدالجبار غزنوی مرحوم نے بمقدمہ میاں دیدار بخش مرحوم عدالت میں حلفیہ بیان دیا تھا کہ ہم مولوی ثناءاللہ کو کافر نہیں کہتے۔ چند آیات کے معنی اس نے ہمارے اصول کے خلاف کئے ہیں اور بس۔ (اہل حدیث ۱۳ نومبر ۱۹۳۶ء ص ۵)

. فیروز وٹواں پنجاب کے ملک احمد خان نمبردار نے مولانا اسحاق بھٹی کو بتایا کہ وہ اٹھارہ سال کے تھے اور گنٹھیا کے مرض میں مبتلا۔ ان کے والد نے جو بڑے خوشحال زمین دار تھے ان کا بہت علاج کرایا مگر کوئی آفاقہ نہ ہوا۔ پھر وہ انہیں امام عبدالجبار کے پاس امرتسر لے گئے۔ اس زمانے میں گھوڑے کے سوا اس گاؤں سے امرتسر جانے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ شام کے وقت والد نے انہیں گھوڑی پر ڈالا اور رات سفر کرتے ہوئے صبح امرتسر پہنچ گئے۔ مسجد غزنویہ میں صبح کی نماز ہو رہی تھی۔ والد نے انہیں گھوڑے کی پیٹھ سے اٹھا کر صحن میں بٹھا دیا۔ گھوڑی کو باہر باندھا اور نماز میں شریک ہو گئے۔ جو بزرگ جماعت کرا رہے تھے وہ اس قدر سوز سے قرآن پڑھتے تھے کہ دل ان کی طرف کھنچا جاتا تھا۔ نماز کے بعد اس بزرگ نے میری طرف دیکھا اور پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ والد صاحب نے کھڑے ہو کر تمام صورتحال بیان کی۔ اور دعا کی درخواست کی۔ بزرگ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ جیسے جیسے وہ دعا مانگ رہے تھے مریض کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے جوڑوں کی بندش کھل رہی ہے۔ تین دن اور تین راتیں باپ بیٹا وہاں رہے۔ کھانا بزرگ کے گھر سے آتا تھا اور گھوڑی کے چارے کا انتظام بھی وہی کرتے تھے۔ تین دن کے بعد مریض اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ہو چکا تھا۔ اور خود گھوڑی پر سوار ہو کر واپس فیرز وٹواں آیا۔ یہ بزرگ مولانا عبدالجبار غزنوی تھے (نقوش عظمت رفتہ)

مولانا بھٹی، مولانا داؤ غزنوی سے روائت کرتے ہیں کہ ۱۹۱۰ء کے پس وپیش مدراس سے دو تاجر امرتسر آئے۔ ان کے ساتھ ایک ملازم بھی تھا جو روزانہ فجر کی نماز مسجد غزنویہ میں مولانا عبدالجبار کی اقتدا میں ادا کرتا۔ ایک روز مولانا نے اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ اور یہاں کس غرض سے آئے ہیں۔ اس نے بتایا کہ مدراسی ہوں اور اپنے سیٹھوں کے ساتھ ادھر آیا ہوں جو بغرض کاروبار ادھر آئے ہوئے ہیں۔ اس کی بات سن کر امام صاحب نے اس کے لئے دعا شروع کر دی۔ یہ ملازم بعد میں کہا کرتا تھا کہ امام صاحب دعا کر رہے تھے اور مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ دولت میری جھولی میں گر رہی ہے۔ نماز اور دعا کے بعد وہ واپس گیا تو اس کے سیٹھوں نے اسے کہا کہ تم ایک عرصہ سے ہمارے لئے کام کر رہے ہو۔ ہم نے تم کو دیانتدار اور محنتی پایا ہے۔ آج سے ہم تمہیں اپنے کاروبار میں شریک کر رہے ہیں۔ تمہارا ایک حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اپنے

حصے کی رقم تم ادا نہیں کرو گے۔ وہ رقم تمہارے منافع میں سے وضع ہوتی رہے گی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وہ اس درجہ کا امیر ہو گیا کہ کاکا (سیٹھ) بن گیا۔ اس نے صوبہ مدراس کے ضلع ارکاٹ میں کئی ایکڑ زمین خریدی۔ اسے آباد کیا اور اس کا نام عمر آباد رکھا۔ اور جامعہ دارالسلام کے نام سے وہاں ایک بہت بڑا دارالعلوم قائم کیا۔ جو کامیابی سے چل رہا ہے اور اس کا شمار ہندوستان کی مشہور اسلامی درسگاہوں میں ہوتا ہے۔ (نقوش عظمت رفتہ)

مولانا شمس الحق محدث ڈیانوی ایک خط میں مولانا عبدالجبار کو لکھتے ہیں

. اللہ تعالی نے میرے دل میں آپ کی محبت ومودت اور عظمت اس قدر بھر دی ہے کہ جس کی حالت خود اللہ تعالی جانتا ہے۔ اور جو جملہ امام بخاری نے بحق امام علی بن المدینی کہا تھا کہ مااستصغرت نفسی الا عند ابن المدینی ویسا ہی ہم آپ کی شان میں کہتے ہیں کہ ما استصغرت نفسی الا عند عبد الجبار۔ فہم کتاب وسنت جو آپ کو حق تعالی کی طرف سے عطا ہوا ہے وہ فہم حضرت شیخ دہلوی (میاں صاحب) کے کسی اور تلمیذ کو عطا نہیں ہوا۔

مولانا عبدالجبار ابتدا ہی میں تحریک ختم نبوت میں شامل ہو گئے تھے اور آپ نے فتوی تکفیر مرزا پر دستخط فرماتے ہوئے لکھا ہے

رب سدد لسانی و اسلل سخیمة قلبی و اجر قلمی بما تحب و ترضی۔ اے پروردگار میری زبان کو سیدھا رکھ اور میرے دل کا کینہ کھینچ لے اور میری قلم کو اس بات سے جاری کر جو تو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ لا ریب فیه ان مدعی الامور المذکوره فی السوال مخالف رسول رب العالمین یتبع غیر سبیل المؤمنین و من یشاقق الرسول بعد ما تبیین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی و نصله جهنم و ساءت مصیرا۔ متبع فی الاسلام طریقة الجاهلیة و من یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه و هو فی الآخرة من الخاسرین۔ من الذین قال فیهم رسول الله ﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم و لا آباءکم فایاکم و ایاهم لا یضلونکم و لا یفتنونکم۔ رواه مسلم۔ قال

علی القا ری فی شرح ا لا کبر و دعوی النبوۃ بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع و افرا خه مخا نیث الھنود و النصا ری اکثر ھم فمن اضلھم اللہ علی علم فمن یھدیم بعد اللہ اسئا ل اللہ الھد ی لی و لھم و سا ئر المسلین اللھم اھد نا لما اختلف فیه من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم ۔

اس میں شک نہیں کہ ان امور کا مدعی جو سوال میں مذکور ہیں رسول خدا کا مخالف ہے۔ اس راہ کا پیرو ہے جو مومنوں کی نہیں۔ اور اللہ فرماتا ہے جو شخص رسول خدا کی مخالفت کرے۔ بعد اس کے کہ اس کو ہدائت معلوم ہو چکی ہو۔ اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر اور راہ پر چلے ہم اس کو ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر کو وہ پھرتا ہے اور اس کو آگ میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے پھرنے کی۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا تین شخصوں سے خدا بہت ناخوش ہے۔ ایک وہ جو اسلام میں رہ کر کافروں کا طریق اختیار کرتا ہے۔ اور (خدا تعالی فرماتا ہے) جو شخص بجز اسلام کے کوئی اور دین اختیار کرے اس سے وہ قبول نہ ہوگا۔ اور وہ آخرت میں ٹوٹا پانے والوں میں ہوگا۔ (یعنی) ان لوگوں میں سے جن کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں دجال کذاب پیدا ہوں گے۔ وہ تمھیں ایسی باتیں سنائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے بزرگوں نے۔ ان سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور بہکا نہ دیں۔ یہ مسلم کی روائت ہے۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت کا دعوی کرنا بالاتفاق کفر ہے۔ اس (قادیانی) کے چوزے (اتباع) ہنود اور نصاری کے مخنث ہیں۔ بہتیرے ان میں ایسے ہیں کہ خدا نے باوجود عالم ہونے کے گمراہ کر رکھا ہے۔ خدا کے سوا ان کو ہدائت کون کرے۔ میں خدا سے ان کے لئے اور اپنے لئے اور باقی مسلمانوں کے لئے ہدائت کا سوال کرتا ہوں۔ اے خدا تو ہم کو اپنی مرضی سے حق کی راہ دکھا جس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ تو جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ عبدالجبار ابن شیخ عبداللہ الغزنوی

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتوی۔ ص ۱۰۴۔۱۰۵)۔

پیر مہر علی شاہ نے تحریک ختم نبوت کے کاروان میں شامل ہو کر ردقادیانیت کیلئے

قلم اٹھایا تو مولانا عبدالجبار کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے ان کی کتاب کا مطالعہ کیا اور ان کی خدمات کے اعتراف اور حوصلہ افزائی کے لئے پیر صاحب کو ایک خط لکھا جو درج ذیل ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ مجمع خیرات و برکات منبع حسنات و فیوضات حضرت پیر مہر شاہ صاحب لا زال للدین و الاسلام ناصراً و للالحاد و الزندقۃ کاسراً ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ بعد از سلام مسنون و ادعیہ اجابت مقرون۔ معروض خاطر انوار مظاہر آنکہ ہر چند لقائے جسمانی و ملاقات ظاہری بحکم الامور مرہونۃ باوقاتہا بالفعل در زاویہ تعطیل و ناحیہ تاویل است ۔مگر تعارف روحانی یوم میثاق بحکم الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف و ما تناکر منہا اختلف موجب الفت و مورد محبت است ۔کتاب شمس الہدائت در رد ملاحدہ دہر و زنادقہ عصر خذلھم اللہ از نظر احقر گذشت ۔از مطالعہ اش حظ وافر و خیر ظاہر برداشتم ۔ کثر اللہ تعالی امثالکم و نور بالکم و جعل الی کل خیر مالکم ۔رسالہ فارسی آن مکرم راظمآن وتشنہ لبانم (ترجمہ۔ ہر چند ظاہری ملاقات نہیں ہوئی مگر روز میثاق کا روحانی تعارف بمصداق حدیث شریف موجب محبت ہے۔کتاب شمس الہدائت کے مطالعہ سے میں نے حظ وافر اور خیر ظاہر حاصل کیا ہے ۔آپ کے فارسی رسالہ (تحقیق الحق) کے مطالعہ کا اشتیاق ہے) (مہر منیر ص ۲۰۷)

جب مرزا صاحب نے ۱۹۰۰ء میں علمائے اسلام کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا اور اس کے جواب میں لاہور میں علماء کا اجتماع ہوا تھا جس میں پیر صاحب گولڑہ بھی آئے تھے اس اجلاس میں مولانا عبدالجبار نے شریک ہو کر تقریر بھی فرمائی تھی۔

آپ ان علماء میں بھی شامل ہیں جن کو مرزا صاحب نے مباہلے کا چیلنج دیا تھا اور چونکہ آپ کی وفات مرزا صاحب کی موت کے بعد ہوئی ہے اس لئے ۱۹۰۸ء کے بعد آپ کی زندگی اسی طرح مرزا صاحب کے کذب کا نشان ہے جس طرح مرزا صاحب اپنی زندگی میں مرجانے والے مدعووین مباہلہ کی وفات کو اپنی صداقت کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔

مرزا نے آپ اور دیگر غزنویوں کی شان میں شاعری بھی فرمائی ہے۔ کہتے ہیں

اے پئے تحقیر من بستہ کمر نیست جز ہجو من کار دگر

مے کشائی ہر دمے برمن زباں　　چوں نترسی از خدائے راز داں

از سر تقوی ہمے باید جدال　　تا کجا دشنامہا اے بدخصال

نیستی گرگ بیابانی نہ مار　　ترک کن ایں خومی و از حق شرم دار

اے عجب از سیرتت اے پرغضب　　از حقیقت بے خبر دور از ادب

دل شود از بدزبانی ہا سیاہ　　بدزباناں را در آنجا نیست راہ

روز و شب بد گفتنم کار تو شد　　لعنت و تحقیر کردار تو شد

لعنت آں باشد کہ از رحمٰن بود　　لعنت نا اہل و دوں آساں بود

گر سفیہے لعنتے بر ما کند　　او نہ بر ما خویش را رسوا کند

(درثمین ص ۲۶۷-۲۶۸)

غلام حسن سیالکوٹی

آپ کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں ہوسکی لیکن آپ حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی کے ہم عمر تھے۔آپ شیخ فاروقی ہیں ۔آپ کے آباء واجداد مدت سے موضع ساہووالہ ضلع سیالکوٹ میں مقیم تھے۔آبائی پیشہ طبابت وخوش نویسی تھا۔چھوٹی عمر میں شہر سیالکوٹ میں مولانا غلام مرتضی صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہوئے ۔جن کا حلقہ درس شہر سیالکوٹ اور گردونواح میں مشہور تھا۔آپ کی طبیعت نہائت ذکی اور حافظہ نہائت قوی تھا ۔تھوڑی ہی مدت میں نصاب تعلیم ختم کرلیا اور اپنے استاد معظم کی وفات کے بعد ان کی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے۔ علم حدیث کی سند آپ نے کتابتاً حضرت نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی سے حاصل کی۔

طبیعت نہائت بردبار اور با مذاق تھی ۔ جو شخص آپ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتا اور ایک نماز بھی آپ کے ساتھ پڑھ لیتا مدتوں اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ اور آرزو کرتا رہتا کہ کاش یہ سعادت پھر بھی حاصل ہو۔حافظہ کی قوت ایسی تھی کہ جس کتاب کا بھی کوئی صفحہ ایک دفعہ دیکھ لیا پھر عمر بھر اس کو دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔طلبہ کے سبق کے وقت کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے ۔البتہ صبح کی نماز کے بعد درس قرآن کے وقت تفسیر جامع البیان سامنے رکھتے اور بڑے بڑے مشکل مسائل سادہ الفاظ میں سمجھا دیتے۔ آپ کے طریقہ تعلیم اور حلقہ درس کی شہرت عام تھی ۔آپ کے شاگرد دور دراز تک پھیلے ہوئے تھے جن میں مولانا ابراہیم میر بھی شامل ہیں۔

بعض متشدد لوگ آپ کی خدمت میں آتے ۔اور باوجود آپ سے علم حاصل کرنے کے نماز میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہوتے مگر مولانا ان سے کچھ تعرض نہ کرتے ۔لیکن کچھ مدت کے بعد ان پر ایسا رنگ چڑھتا کہ وہ سنت کے پورے تابعدار ہو جاتے۔

خوش طبع اور بے تعصب تھے ۔اتباع سنت میں آپ کا عمل نہائت پختہ تھا۔تمام

بزرگان دین کا نہائت ادب کرتے تھے اور اختلافی مسائل میں یا تو صورت جامعہ پر عمل کرتے یا اس صورت پر جو اقرب الی السنہ ہو۔اور معرکہ آراء اختلافی مسائل جن میں نص صریح سے فیصلہ نہ ہوسکتا ہو اپنی طرف سے اجتہاد کرنے سے بہت گریز کرتے تھے۔اور اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے سائل کے سامنے اختلاف آئمہ بیان کر کے ہر ایک کی دلیل بیان کر دیتے اور اس کو انہی کے ذمہ چھوڑ دیتے اور فرماتے کہ اپنی طرف سے قول پیدا کر کے ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کی نسبت آئمہ کا قول ذکر کر دینے میں اپنی سبک دوشی ہے اور بس۔

فتوی میں حق گوئی یہاں تک مسلم تھی کہ دیگر فرقوں کے لوگ بھی اپنے علماء کی نسبت مولانا غلام حسن کی طرف زیادہ رجوع کرتے۔اور آپ کا طریق تفہیم اس قدر مؤثر تھا کہ شدید مخالف لوگ بھی آپ کی مجلس سے معتقد ہوکر اٹھتے۔ سیالکوٹ کے لوگوں کی زبان پر عام طور پر مشہور تھا کہ اگر مولانا صاحب اس درجہ متقی نہ ہوتے تو اہل حدیث کا مسلک سیالکوٹ میں اتنی جلدی نہ پھیلتا۔

آپ کی تصانیف میں درج ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆ کتاب الصلوۃ۔ جو سادہ طور پر سنت کے مطابق نماز کی تعلیم ہے۔اس کے حاشیہ پر ایک رسالہ نابالغ حافظ قرآن کی اقتداء میں نماز تراویح کے جواز میں لکھا ہے

☆ لوامع الانوار فی عقائد الابرار۔بعض معترضین نے اہل حدیث کے عقائد و اعمال پر جو اعتراض کئے ہیں اس رسالے میں ان کا جواب دیا گیا ہے۔

☆ شمس الضحی۔بعض معترضین کے اعتراضات کے جواب میں ہے۔

☆ شہاب ثاقب۔شاہ اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان کی بعض عبارتوں پر جو اعتراض کئے گئے ہیں ان کے جواب میں ہے

☆ القول الفصیح۔اس کتاب میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت کیا گیا ہے۔ یہ عربی زبان میں ہے۔حاشیہ پر اس کا اردو ترجمہ ہے۔امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے متعلق اہل حدیث اور احناف کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔مولانا ابراہیم میر کہتے ہیں کہ طرفین کی جو کتابیں اس موضوع پر میرے دیکھنے میں آئی ہیں ان میں مولانا غلام حسن کی یہ کتاب سب سے زیادہ نافع اور مفید ہے۔

☆ انیس الغریب ۔(غیر مطبوعہ)۔ اس میں خطبہ جمعہ کا جواز غیر عربی زبان میں ثابت کیا گیا ہے

آپ پر ذوق تصوف غالب تھا۔اور آپ کے چہرہ پر اتنا جلال تھا کہ اہل ثروت بلکہ حکام تک آپ کو اپنی مجلسوں میں بلانے کی بجائے خود آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کو سعادت سمجھتے تھے ۔آپ کا انتقال ۱۸ جنوری 1918ء کو ہوا ۔ (تاریخ اہل حدیث ص ۴۳۹۔۴۴۱)

مولانا غلام حسن سیالکوٹی تحریک ختم نبوت کے ابتدائی کارکنوں میں شامل ہیں اور آپ نے فتوی تکفیر مرزا پر دستخط کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی و علی آلہ اہل التقوی اما بعد۔ اس عاجز کو سیدنا ومولانا سید محمد نذیر حسین صاحب کی تحریر سے اس سوال کے جواب میں کلی اتفاق ہے۔و اللہ اعلم و علمہ اتم۔

ابوعبداللہ عبیداللہ معروف بمولوی غلام حسن

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتوی۔ ص ۱۴۶)

سید عبدالسلام

آپ حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث کے پوتے اور سید شریف حسین کے بیٹے ہیں۔ منجملہ دیگر حضرات کے مولوی محمد اسحاق رام پوری سے علوم پڑھنے کے بعد حدیث وتفسیر آپ نے جناب میاں صاحب سے پڑھی۔ قرآن مجید بھی حفظ کیا۔ طلبہ کو ترجمہ قرآن بلا ناغہ پڑھاتے تھے اور بعض اوقات حدیث بھی۔ شفقت اور ترحم کا منبع تھے۔ علم میراث پر دسترس تھی۔ ۴ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں چھوڑ کر نومبر ۱۹۱۶ء میں فوت ہوئے۔ (تراجم علماء حدیث ص ۱۶۷)

جب دہلی میں جماعت اہل حدیث کی تنظیم کا کام کیا گیا تو وہاں صدر مولانا سید احمد حسن تعلقہ دار پنشنر اور نائب سکرٹری مولانا سید عبدالسلام مقرر ہوئے تھے۔

مرزا صاحب کی تکفیر کے فتوی پر آپ نے بھی دستخط فرمائے ہیں۔ بنا بریں آپ تحریک ختم نبوت کے ابتدائی کارکنوں میں شامل ہیں۔

عبدالواحد غزنوی

عبداللہ ملک لکھتے ہیں

' میرے دادا منشی نورالٰہی بڑے متشدد اہل حدیث تھے۔ وہ انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ڈسٹرکٹ ناظر ہوئے اور پھر ۱۹۰۱ء میں سول جج مقرر ہوئے۔ اسی وجہ سے وہ منشی کہلانے لگ گئے تھے۔ وہ اہل حدیث کی لاہور شہر میں سب سے بڑی مسجد چینیانوالی واقع کوچہ چابک سواراں کے ٹرسٹی تھے اور مرتے دم تک (مارچ ۱۹۴۲ء) وہ اس عہدے پر فائز رہے۔ وہ غزنوی خاندان کے بہت معتقد تھے۔ اس وقت اہل حدیث کے مشہور عالم مولانا عبدالواحد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ مسجد چینیانوالی میں خطابت کے فرائض ادا کیا کرتے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ستر برس سے متجاوز تھی۔ لیکن مجھے ان کی امامت میں نمازیں ادا کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے۔ میں نے ان کے پیچھے فجر کی نمازیں ادا کی ہیں جو کہ خاصا مشکل کام تھا اور اس وقت میری عمر یہی کوئی پانچ یا چھ برس ہوگی۔ کیونکہ اہل حدیث کی نماز بہت ہی علی الصبح جب ابھی صبح کاذب بھی نہیں ہوچکتی ادا کی جاتی ہے۔ اور اس وقت نیند سے بیدار ہونا خاصا دقت طلب ہوتا تھا۔ لیکن دادا مرحوم مجھے ساتھ لے جایا کرتے تھے اور سحر خیزی کی عادت اسی بچپن کی عادت کی مرہون منت ہے ..مولانا عبدالواحد نمازیں بہت ہی خشوع خضوع سے ادا کیا کرتے تھے لیکن فجر کی نماز میں تو وہ باالالتزام کافی طویل آیات تلاوت فرماتے اور بعض اوقات انسان کھڑے کھڑے تھکنے لگتا اور تلاوت میں شدید رقت طاری رہتی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ سجدوں میں بھی کافی دیر لگاتے اور مسلسل ان کے رونے اور گریہ و زاری کی آوازیں آتی رہتیں۔ ..مولانا عبدالواحد غزنوی کے جمعہ اور عیدین کے خطبے مجھے اب بھی یاد ہیں وہ ہمیشہ اللہ کے ساتھ عزوجل کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ ان کی کھنک دار اور بارعب آواز کی گونج نصف صدی گزر جانے کے بعد بھی میرے کانوں میں محفوظ ہے۔ ان کا نورانی چہرہ سفید و شفاف رنگ سفید دودھیا داڑھی قد آدم عصا سفید لباس تنگ پائنچے کی شلوار اور ٹخنوں

تک عربوں کا سا کرتہ اور جمعہ کے دن عربی عبا زیب تن کرنا یہ مجھے اب تک یاد ہے
۔مولانا سے میرے خاندان کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب مولانا بیمار پڑے اوران کی
بیماری شدت اختیار کرگئی تو میرے داد مولانا کو اپنے گھر لے آئے اور خود ان کی دیکھ
بھال کرتے رہے۔ .چینیا نوالی مسجد کوچہ چابکسواراں اندرون شہر لاہور میں ایک بہت
ہی تاریخی مسجد ہے۔ چونکہ اس پر کانسی کا بہت شاندار کام کیا گیا تھا اور اس کے
چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے اسے منقش کیا گیا تھا اس لئے اس کا نام چینیا نوالی مسجد پڑ
گیا۔ تاریخ لاہور کے مصنف عبد اللطیف کے مطابق یہ مسجد ۱۰۵۱ھ میں تعمیر ہوئی
تھی لیکن تحقیقات چشتی کے مصنف مولوی نور احمد اس مسجد کی تعمیر کا سال ۱۰۸۱ھ
بتاتے ہیں ....مولانا عبدالواحد غزنوی بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں لاہور منتقل
ہوئے اور مسجد چینیا نوالی میں امامت و خطابت کے فرائض ادا کرنے لگے۔ وہ مرتے
دم تک یہ فرائض ادا کرتے ہے اور وفات کے بعد ان کے بھتیجے یعنی مولانا عبدالجبار
کے بیٹے مولانا داؤد غزنوی ان کی جگہ امام وخطیب مقرر ہوئے اور وہ بھی مرتے دم تک
یہ فرائض سرانجام دیتے رہے‘

(ملخص از داستان خانوادہ مولانا احمد علی لاہوری فروری ۱۹۸۶ء لاہور ص ۶۔۱۰)

ایک مرتبہ کسی نے شکائت کر دی کہ مولانا عبدالواحد مجاہدین کی مالی مدد فرماتے ہیں۔سی آئی ڈی کے ایک افسر شیخ عبد العزیز کو ہدائت ہوئی کہ وہ معاملے کی تحقیقات کرے۔ مولانا ان دنوں چینیا نوالی مسجد میں خطیب تھے۔عبدالعزیز آپ کو ملنے آئے لیکن ملاقات نہ ہوسکی۔ دوسری مرتبہ بھی ملاقات نہ ہوسکی تو وہ آپ کے لئے پیغام چھوڑ گئے کہ فلاں مقام پر ان کے گھر ملنے آئیں۔ مولانا ان کے گھر گئے۔ وہ احترام سے پیش آئے اور مجاہدین کی امداد کے متعلق سوال کیا۔ مولانا نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ شیخ صاحب اللہ سے ڈر جاؤ۔ یہ لفظ گھر میں شیخ صاحب کی بیوی کے کان میں پڑے تو اس نے اپنے خاوند کو اندر بلایا اور کہا کہ اس شخص سے کچھ نہ پوچھو بلکہ اس سے اپنے لئے دعا کراؤ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ پریشان ہو جائے اور ہم پر کوئی آفت آ جائے۔ (نقوش عظمت رفتہ)

مولانا عبدالواحد کے سعودی عرب کے شاہی خاندان سے گہرے روابط تھے۔
مولانا محمد اسحاق بھٹی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالواحد اپنے بھائی عبدالرحیم

کے ساتھ بسلسلہ تجارت کویت گئے جہاں ان دنوں امیر عبدالرحمٰن اور سلطان عبدالعزیز مقیم تھے ۔کویت میں ان امراء کی ملاقات ان علماء سے ہوئی اور ان کے علم و فضل سے متاثر ہوئے ۔ان سے قرآ نے چند مشکل تفسیری مقامات کو سمجھا اور حدیث کی چند کتابیں پڑھیں ۔جب سلطان عبدالعزیز نے نجد و حجاز پر قبضہ کرلیا تو اس نے ان علماء کو سعودی عرب میں قیام کی دعوت دی جو ان بزرگوں نے قبول نہیں کی۔ پھر حکومت سعودیہ نے عبدالواحد کے بیٹے اسماعیل کو ہند میں حجاج کا نمائندہ مقرر کیا جس کی حیثیت اس دور میں وزیر حج کی سی تھی۔

مولانا اسحاق بھٹی کہتے ہیں کہ

لاہور میں باقاعدہ درس قرآن کا آغاز چینیا نوالی مسجد میں مولانا عبدالواحد نے کیا۔ ۱۹۱۰ء کے گردو پیش کی بات ہے کہ اس مسجد کی انتظامیہ کے چند افراد مولانا عبدالجبار کے پاس امرتسر گئے اور ان سے لاہور تشریف لانے کی درخواست کی۔ مولانا آئے اور جمعہ پڑھایا۔اگلا جمعہ بھی انہوں نے پڑھایا۔ پھر فرمایا کہ امرتسر میں ہمارا تبلیغ و تدریس کا سلسلہ جاری ہے اور میں وہاں مصروف ہوں اس لئے میں خود تو نہیں آسکتا لیکن آپ اگر آپ پسند کریں تو اپنے بھائی عبدالواحد کو یہاں بھیج دیتا ہوں۔ چنانچہ مولانا عبدالواحد یہاں آگئے ۔ اور انہوں نے خطبہ جمعہ کے علاوہ درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ وہ سادہ اور عام فہم انداز میں روزانہ نماز صبح کے بعد درس دیتے تھے اور لوگ ان کے طرز بیان سے متاثر تھے۔ یہ لاہور میں درس قرآن کا پہلا حلقہ تھا۔ دوسرا حلقہ خواجہ عبدالحی فاروقی نے قائم کیا۔ پھر مولانا احمد علی نے شیرانوالے دروازے میں ۔اس کے بعد شاہی مسجد کے خطیب مولانا غلام مرشد نے جو سنہری مسجد میں درس دیتے تھے۔ پانچواں حلقہ مولانا محمد حنیف ندوی نے قائم کیا جو اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے متصل مسجد میں درس دیتے تھے۔ (الاعتصام لاہور ۱۵ اگست ۱۹۹۷ء)

چوہدری ظفر اللہ قادیانی نے لکھا ہے کہ

۱۹۱۷ء میں امرتسر میں ایک شخص سراج دین کے سلسلہ احمدیہ میں بیعت ہونے پر اس کی بیوی کی طرف سے دعوی دائر کیا گیا کہ میرا خاوند سلسلہ احمدیہ میں بیعت ہونے کی وجہ سے مرتد ہوگیا ہے اس لئے قرار دیا جائے کہ میرا نکاح فسخ ہوگیا ہے۔ مدعیہ کی طرف سے مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب ایڈیٹر اہل حدیث مختار خاص پیروی کرتے

تھے اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو بیرسٹر ایٹ لاء وکیل تھے۔ مقدمے کی سماعت مسٹر سیمور سب جج درجہ اول امرتسر نے کی۔ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (مرزا محمود) کے ارشاد پر مدعا علیہ کی طرف سے پیروی کے لئے امرتسر جایا کرتا تھا۔ مدعیہ کے گواہان کے زمرے میں مولانا عبد الاحد (عبد الواحد) غزنوی صاحب والد ماجد مولانا اسماعیل غزنوی صاحب بھی اپنے تحریری فتوے کی تصدیق کے لئے پیش ہوئے۔ ان کا فتوی تھا

مرزائے قادیان کافر است وہمہ مریدان او کافر انند وہر کہ در کفر ایشاں شک آرد او ہمہ کافر است (چوہدری ظفر اللہ کہتے ہیں کہ) میں نے سوال کیا کہ جناب اگر کوئی شخص ایسے شخص کو کافر شمار نہ کرے جو جناب مرزا صاحب کے مریدان کے کفر میں شک کرتا ہو تو اس کے حق میں کیا ارشاد ہے۔ مولانا نے فرمایا. وہ بھی ویسا ہی کافر ہے . ظفر اللہ صاحب نے پوچھا اور جو اس کے کفر میں شک کرے اس کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ مولانا نے فرمایا۔ وہ بھی ویسا ہی کافر ہے . (تحدیث نعمت از ظفر اللہ ص ۱۹۲-۱۹۳)

اس مقدمے کا فیصلہ پٹنہ ہائی کورٹ کے ایک فیصلے کی بنا پر مرزائیوں کے حق میں ہوا۔

° اس سلسلے میں چند سال بعد سابق ریاست بہاولپور میں ایک مقدمہ ہوا جس میں شوہر کے سلسلہ احمدیہ میں بیعت ہونے پر اس کے ارتداد اور تنسیخ نکاح کا سوال اٹھایا گیا۔ ابتدائی عدالت سے عدالت عالیہ ریاست بہاولپور نے طور پر قرار دیا گیا کہ مطابق فیصلہ جات پٹنہ ہائی کورٹ و مدراس ہائی کورٹ جماعت احمدیہ کے افراد مسلمان ہیں اور دعوی خارج ہوا۔ مدعیہ کی طرف سے وزیر اعظم جان بہادر نبی بخش محمد حسین کی خدمت میں درخواست نظر ثانی گذاری گئی۔ وزیر اعظم صاحب نے حکم صادر فرمایا کہ ریاست کی عدالتیں برطانوی ہند کی عدالت ہائے عالیہ کے فیصلوں کی پابند نہیں ہیں۔ یہ مسئلہ شرعی ہے۔ ریاست کی عدالتوں کو شریعت کے اصولوں کے مطابق اس کا فیصلہ کرنا چاہیے۔ اس لئے فیصلہ زیر نظر منسوخ کیا جاتا ہے اور عدالت کو ہدائت کی جاتی ہے کہ ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں اس قضیئے کی از سر نو سماعت ہو۔ چنانچہ محمد اکبر خان صاحب ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں مقدمے کی از سر نو سماعت ہوئی۔°

(تحدیث نعمت۔ص ۱۹۶)۔

ریاست بہاولپور والا یہی وہ مقدمہ ہے جس کے نتیجے میں قادیانی حضرات پہلی

مرتبہ عدلیہ کی طرف سے کافر قرار دیئے گئے ۔ چوہدری ظفر اللہ کی یہ تحریر درج کرنے سے یہ بتانا ہمارا مقصود تھا کہ مولانا عبدالواحد تحریک ختم نبوت کے ایسے کارکن تھے جو عدالتوں میں بھی مرزا صاحب کے خلاف امت اسلامیہ کا مقدمہ لڑتے رہے ۔ مرزا صاحب کے زمانہ حیات میں آپ اپنے بڑے بھائی مولانا عبدالجبار کے ساتھ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر جاں فشانی سے لڑتے رہے اور آپ کا نام ان علماء میں بھی شامل ہیں جنہوں ۱۸۹۱ء میں مرزا کی تکفیر کا فتوی دیا تھا اور ان بزرگوں میں بھی آپ شامل ہیں جن کو مخاطب کر کے مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء والہ اشتہار مباہلہ شائع کیا تھا۔اور مرزا صاحب اس اشتہار کے مدعووین میں سے اپنی زندگی میں مرجانے والے بزرگوں کی موت اپنی صداقت کی علامت کے طور پر پیش کیا کرتے تھے۔ اس پس منظر میں مولانا عبدالواحد کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ چونکہ آپ مرزا صاحب کی موت کے وقت زندہ تھے ۔اس لئے بعداز حیات مرزا آپ کی زندگی جناب مرزا صاحب کے کذب کا نشان قرار پاتی ہے۔ آپ کی وفات ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔

مولانا عبدالواحد نے فتوی تکفیر مرزا پر دستخط کرتے ہوئے لکھا ہے

یہ مسئول عنہ شخص اپنی ابتدائی حالت میں اچھا معلوم ہوتا تھا۔ دین کی نصرت میں ساعی اللہ تعالی کا مددگار تھا۔ دن بدن فیوضع لہ القبول فی الارض کا مصداق بنتا جاتا تھا۔لیکن اس سے اس نعمت کی قدردانی نہ ہوئی۔نفس پروری وزمانہ سازی شروع کی ۔ زمانے کے رنگ دیکھ کر اس کے موافق کتاب وسنت میں تحریف و الحاد و یہودیت اختیار کی ۔ پس اللہ تعالی نے اس کو ذلیل کیا۔ فیوضع لہ البغضاء فی الارض کا مصداق بن گیا ۔ قال اللہ تعالی فی امثالہ و اتل علیھم نباء الذی آتیناہ آیاتنا فانسلخ منہا فاتبعہ الشیطان فکان من الغاوین ۔ ولو شئنا لرفعناہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ہواہ ۔ الایۃ ۔ اللھم انی اعوذ بک من الحور بعد الکور ۔ یا مصرف القلوب صرف قلوبنا و قلوبھم علی طاعتک ۔ آمین و ﷺ وآلہ واصحابہ وسلم **عبدالواحد بن عبداللہ الغزنوی۔**

(علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتوی۔ ص ۱۰۵)

عبدالغفور غزنوی

مولانا عبداللہ غزنوی کے فرزند مولانا محمد کے بیٹے اور مولانا عبدالاول غزنوی کے بھائی ہیں۔ آپ کے والد محمد کا شمار ممتاز علمائے کرام میں ہوتا تھا اوران کی عمر کا بیشتر حصہ اپنے گرامی قدر والد کے ساتھ گذرا تھا۔ وہ سید نذیر حسین محدث سے استفادہ کر کے توحید و سنت کی اشاعت میں مشغول رہے اور تفسیر جامع البیان کا حاشیہ ان کی علمی یادگار ہے اور ان کا انتقال بھی راہ حق ہوا۔ علامہ اقبال نے اپنے ایک خط مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۳۳ء میں جو انہوں نے محمد دین فوق صاحب کو لکھا انہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مولانا عبداللہ غزنوی درس دے رہے تھے کہ ان کو اپنے بیٹے کے قتل کئے جانے کی خبر ملی ۔آپ نے ایک منٹ تامل کیا پھر طلبا کو مخاطب کر کے فرمایا

ما بہ رضائے او راضی ہستیم بیاید کہ کار خود بکنیم

یہ کہہ کر درس میں مشغول ہو گئے۔

(بحوالہ اقبال کے ممدوح علما قاضی افضل حق قریشی۔ لاہور ۱۹۷۷ء ص ۱۳۳۔ (الاعتصام لاہور ۱۲۔ اگست ۱۹۹۴ء)

مولانا عبدالغفور نے اپنے خاندان کے علماء کے علاوہ سید نذیر حسین دہلوی سے کسب فیض کیا۔ اور آپ اپنے دور کے جید عالم دین تھے۔ اور مرزا صاحب کی تکفیر کے فتوی پر بھی آپ کے دستخط ہیں اور بنا بریں آپ تحریک ختم نبوت کے اولین کارکنوں میں شمار ہوتے ہیں۔آپ کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبدالعظیم انصاری ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۲ء کے الاعتصام لاہور میں لکھتے ہیں کہ جب وہ (عبدالعظیم) ۱۹۳۱ء۔۱۹۳۲ء میں مدرسہ غزنویہ امرتسر میں زیر تعلیم تھے اس وقت ان کے اساتذہ میں مولانا نیک محمد، مولانا محمد حسین ہزاروی اور مولانا اصحاب الدین شامل تھے۔اس وقت مولانا عبدالغفور کافی عمر رسیدہ تھے ۔فجر کی نماز کی اذان سے چند منٹ پہلے ہی مسجد غزنویہ میں آجاتے ۔آپ کے پاس اپنے قد کے برابر بانس کا موٹا سا ڈنڈہ ہوتا تھا جس کے سہارے چلتے تھے۔ہم سب طالب علم مسجد کے صحن میں چارپائیاں ڈال کر سوتے تھے۔حضرت غزنوی جب تشریف لاتے تو ہر طالب علم کی چارپائی کے بازو پر آہستہ سے ڈنڈا مارتے ۔ساتھ ہی کہتے اٹو (اٹھو)۔آپ سفید

شلوار قمیص پہنے ہوتے سر پر بڑی بھاری پگڑی ہوتی۔ خوبصورت چہرہ۔ براق داڑھی اور بارعب۔موٹی موٹی آنکھیں۔اتنا معصوم اور متین چہرہ کہ دیکھنے کو آنکھیں خود بخود ان کی طرف اٹھ جاتیں۔

آپ نے عبدالاول غزنوی کے ساتھ مل کر ایک پریس لگایا تھا اور اس میں دینی کتابیں شائع کرتے تھے جن میں مسائل غزنوی مشکوۃ شریف ذئبان جائعان اور امام ابن تیمیہ کی تصانیف شامل تھیں۔

مولانا عبدالغفور کے دور میں مدرسہ غزنویہ دوحصوں میں منقسم تھا۔ایک کا نام مدرسہ غزنویہ سلفیہ تھا جس کے مہتمم مولانا عبدالغفور تھے اور دوسرا تقویۃ الاسلام غزنویہ تھا جو مولانا احمد علی غزنوی کے زیراہتمام تھا۔مسجد غزنویہ امرتسر کے ڈپٹی محمد شریف کے بزرگوں نے بنائی تھی جو مولانا عبداللہ کے مرید تھے۔انہوں نے ہی اس خاندان کو اس محلے میں آباد کیا تھا۔ (الاعتصام ۲۵ اکتوبر ۲۰۰۲ء)

آپ سے مدرسہ غزنویہ میں استفادہ کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے اور حافظ محمد گوندلوی بھی آپ کے شاگردوں میں شامل ہیں۔

فتوی تکفیر مرزا پر آپ نے لکھا ہے۔ لا ریب ان المرزا القادیانی زندیق باطنی قرمطی و انہ من الذین قال فیھم رسول اللہ ﷺ یخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم تلک الاہواء کما یتجاری الکلب بصاحبہ لا یبقی منہ عرق و لا مفصل الا دخلہ و انہ من الذین قال فیھم رسول اللہ ﷺ ان بین یدی الساعۃ کذابین فاحذروھم۔ اس میں شک نہیں کہ قادیانی ایک دجال ہے۔ بڑا جھوٹا۔ چھپا ہوا مرتد۔ باطنی قرمطی۔ اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں رسول اللہ نے فرمایا ہے میری امت میں سے ایسے لوگ نکلیں گے جن میں نفسانی خواہشات (بدعات) ایسا اثر کر جائیں گی جیسا دیوانہ کتا اس شخص میں اثر کرتا ہے جس کو وہ کاٹتا ہے کہ اسکی کوئی رگ یا جوڑ اس اثر سے نہیں بچتا اور وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے کذاب پیدا ہوں گے ان سے بچو۔ ابوادریس عبدالغفور بن محمد بن عبداللہ الغزنوی (علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتوی۔ ص ۱۰۴)

آپ کی وفات ۲۸ جون ۱۹۳۵ء کو ہوئی (اہل حدیث امرتسر۔ ۵ جولائی ۱۹۳۵ء ص ۱۴)

سید ابوالحسن تبّتی

مولانا ابوالحسن تبّتی بڑے سرگرم مبلغ اور پکے متبع سنت متدین پاک باز اور عالم باعمل تھے۔تبّتی کی نسبت تبت خورد کی طرف ہے جو علاقہ بلتستان کا ایک ٹکڑا ہے۔آپ نے اس دور افتادہ علاقے میں توحید وسنت اور مسلک اہل حدیث پھیلانے میں بڑی خدمات انجام دی ہیں۔آپ کی سب سے بڑی خوبی یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ نہ دشمن کی طاقت سے دبنے والے تھے اور نہ ان کی سازشوں سے گھبراتے تھے۔ایک ماہ کی علالت کے بعد بتاریخ ۱۱ ذی قعد ۱۳۵۹ھ آپ کا انتقال ہوا تو موحدین تبت کی حالت ایسی ہوئی کہ جس طرح باپ کا سایہ اٹھ جانے سے بچوں کی ہوتی ہے(اہل حدیث امرتسر ۱۰ جنوری ۱۹۴۱ء)

ردقادیانیت میں آپ بہت زیادہ سرگرم تھے۔ بلکہ اس سلسلے میں مولانا بٹالوی کے قریبی رفیق کار تھے۔مرزا صاحب کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والہ جانتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے شدید ترین مخالفین کو گالیوں اور بددعاؤں سے نوازتے رہے ہیں اسی طرح مولانا تبّتی پر بھی ان کی طرف سے ان نوازشات کی بارش ہوتی رہی ہے۔ مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی کے متعلق ۱۳ مہینوں میں ذلت کی جو پیش گوئی کی تھی اس میں مولانا تبّتی بھی داخل تھے اور مرزا صاحب نے اس سلسلے میں حضرت بٹالوی کے ساتھ مباہلے کے لئے جو اشتہار اپنے مریدوں کی طرف سے شائع کروایا تھا اس کا جواب بھی مولانا تبّتی کی طرف سے ہی لکھا گیا تھا۔ جب تیرہ ماہیہ پیش گوئی کی مدت گذرگئی اور اللہ نے آپ کو مرزا صاحب کی پیش گوئی سے محفوظ رکھا تو لوگوں نے پوچھا کہ سید صاحب کی کیا ذلت ہوئی؟ مرزا صاحب نے کہا کہ تبّتی کی الگ سے ذلت کی ضرورت نہیں۔ محمد حسین کی ذلت ہی اس کی ذلت ہے کیونکہ یہ شخص محمد حسین کا دوست اور تابع ہے۔یعنی مرزا صاحب اور ان کے مرید تیرہ مہینوں کے دوران کوئی ایک بات بھی ایسی نہ تلاش کرسکے جسے وہ ابوالحسن کی ذلت قرار دے سکیں۔ اور یہ بات مرزا صاحب کی پیش گوئی کے جھوٹا ہونے اور مرزا صاحب کے مفتری علی اللہ ہونے کا ثبوت ہے۔

ثناء اللہ امرتسری

مولانا ثناء اللہ جون ۱۸۶۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔آبائی وطن کشمیر کے ضلع اسلام آباد (اننت ناگ) کا علاقہ ڈور تھا۔آپ کا خاندان کشمیری النسل برہمنوں کی شاخ منٹو سے تعلق رکھتا تھا اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کے آباء میں سے کون سب سے پہلے مسلمان ہوا۔آپ کے والد کا نام محمد خضر یا خضر جو تھا۔ وہ پشمینہ کے تاجر تھے اور غالباً ۱۸۶۰ء سے امرتسر متوطن ہو گئے تھے۔ نو سال کی عمر میں مولانا کے سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا اور گھر میں غربت نے ڈیرہ ڈال دیا۔ آپ نے رفو گری کا فن سیکھا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ چودہ سال کی عمر تھی کہ والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور یہی عمر تھی جب آپ نے رفو گری کے ساتھ ساتھ حصول علم کا سلسلہ شروع کیا۔ ابتدائی تعلیم مولانا احمد اللہ امرتسری سے حاصل کی۔ پھر استاد پنجاب مولانا حافظ عبد المنان محدث کے پاس وزیر آباد چلے گئے اور ان سے ۱۸۸۹ء میں سند فراغ حاصل کی۔ وہاں سے دہلی گئے اور میاں صاحب سید نذیر حسین کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ پھر چند روز سہارنپور قیام کر کے دیوبند چلے گئے جہاں مولانا محمود حسن کے شاگرد ہوئے۔ وہاں سے مدرسہ فیض عام کانپور گئے اور مولانا احمد حسن سے کسب فیض کر کے ۱۸۹۲ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔کان پور کے دوران قیام کا ایک واقعہ آپ نے مولانا ابراہیم میر کو یوں سنایا۔

. جن ایام میں میں کان پور میں مولانا احمد حسن صاحب کان پوری سے علم منطق کی تحصیل کرتا تھا۔اختلاف مذاق ومشرب کے سبب احناف سے میری گفتگو رہتی تھی۔ ان لوگوں نے مجھ پر الزام تھوپا کہ تم اہل حدیث لوگ آئمہ کے حق میں بے ادبی کرتے ہو۔میں نے اس کے متعلق حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ہم ایسے شخص کو جو آئمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے چھوٹا رافضی جانتے ہیں۔ علاوہ بریں میاں صاحب مرحوم معیار الحق میں حضرت امام ابو حنیفہ صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں امامنا وسیدنا ابوحنیفہ ..ان کا مجتہد ہونا متبع

سنت ہونا اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ان کے فضائل میں اور آیہ کریمہ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم زینت بخش مراتب ان کے لئے ہے۔

(تاریخ اہل حدیث۔طبع لاہور ۱۹۵۳ء۔حاشیہ ص ۷۳)

درس نظامی کے علاوہ آپ نے علم طب بھی حاصل کیا اور اس فن میں آپ کے استاد فضل اللہ کانپوری تھے۔۱۹۰۳ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کی ڈگری لی۔

مولانا ثناء اللہ خود بتاتے ہیں کہ

مولوی احمد اللہ صاحب صدر مجلس منتظمہ مدرسہ تائید الاسلام نے بمنظوری مجلس مجھے عربی طلبا کو درس دینے کے لئے کانپور سے بلایا۔ پہلا سبق جو ممبران مجلس مذکور کی موجودگی میں میرے سامنے رکھا گیا وہ صحیح بخاری کا تھا۔جس کا پڑھنے والہ ایک نوجوان طالب علم مسمی غلام رسول تھا جو مولوی غلام احمد مرحوم مدرس اول مدرسہ نعمانیہ لاہور کا برادر زادہ تھا۔ علاوہ اس کے میاں عبدالرحمٰن خلف مہر رحیم بخش امرتسری معروف قاری صاحب اور خلیفہ عبدالرحمٰن ابن مولانا غلام علی قصوری مرحوم مجھ سے کتب عربیہ پڑھتے تھے۔ان کے علاوہ حکیم مرزا عبدالرحیم مرزا عبدالقادر۔ٹیلر ماسٹر محمد یوسف مولوی داؤد وکیل قصور شیخ عبدالواحد اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ وغیرھم بھی عربی کتب پڑھتے تھے۔ ۱۸۹۸ء میں میں امرتسر کا مدرسہ چھوڑ کر مالیر کوٹلہ مدرس عربی ہوکر چلا گیا۔ وہاں سے جب دوبارہ امرتسر آیا تو خوجہ برادری نے اپنی مسجد میں جمعہ پڑھانے کی مجھ سے خواہش ظاہر کی جو میں نے منظور کر لی۔اس زمانہ میں (۱۹۰۰ء) خواجگان میں سے شیخ فضل الدین اور شیخ عبدالرحیم وغیرہ ثنائی درس میں شریک ہوتے رہے۔

(اہل حدیث امرتسر ۹ اکتوبر ۱۹۳۶ء)۔

۱۹۰۴ء میں آریوں کی طرف سے امرتسر میں ایک آرین ڈی بیٹنگ کلب قائم تھی جس میں ان کے چھوٹے چھوٹے لڑکے بطور مشق اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ ہمارے محلے کے چند نوجوانوں کو بھی شوق ہوا کہ ہم بھی اسی طرز پر ایک مجلس مناظرہ قائم کر کے مشق کیا کریں ان لڑکوں میں میرا لڑکا عطاء اللہ بھی تھا۔ میں ان کو مشورے اور مدد دیتا رہا۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

غرض تعلیم سے فارغ ہوکر آپ نے اسلامی علوم کی ترویج اور اسلام اور مسلمانوں کے

دفاع کا کام شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے آریہ عیسائی اور قادیانیوں کے خلاف بڑے بڑے معرکے سرانجام دیئے۔

مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں جن علمائے اسلام کو مباہلے کا چیلنج دیا تھا ان میں مولانا امرتسری بھی شامل تھے۔ آپ کی عمر اس وقت صرف ۲۸ سال تھی اور تعلیم سے فراغت حاصل کئے ابھی ۴ سال ہی ہوئے تھے۔ آپ کا نام ایک سو سے زائد علماء اور مشائخ کی فہرست مدعووین میں گیارھویں نمبر پر اور بڑے بڑے معروف بزرگوں کے ناموں سے پہلے درج ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی چھوٹی عمر میں ہی آپ تحریک ختم نبوت کے حلقوں میں اپنی خدمات کے باعث ایک ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے۔

مولانا ثناء اللہ نے اس چیلنج کو قبول کیا تو مرزا نے بات بدل دی اور فرمایا

'میں نے سنا ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں اس طور کے فیصلہ کیلئے بدل خواہشمند ہوں کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں کہ جو شخص ہم سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہی مر جائے .... ہم موت کے مباہلہ میں اپنی طرف سے کوئی چیلنج نہیں کر سکتے کیونکہ حکومت کا معاہدہ ایسے چیلنج سے ہمیں مانع ہے۔ ہاں مولوی ثناء اللہ صاحب اور دوسرے مخالفوں کو منع نہیں کرتے کہ ایسے چیلنج سے ہمیں جواب دینے کیلئے مجبور کریں۔ ...اور چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنی تحریر کی رو سے ایسے چیلنج کے لئے طیار بیٹھے معلوم ہوتے ہیں پس ہمیں اس سے کوئی انکار نہیں کہ وہ ایسا چیلنج دیں۔ مگر شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کی رو سے واقع نہ ہو بلکہ محض بیماری کے ذریعے سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا کسی اور بیماری سے ... پس اگر مولوی ثناء اللہ صاحب ایسے چیلنج کیلئے مستعد ہوں تو صرف تحریری خط کافی نہ ہوگا بلکہ ان کو چاہیے کہ ایک چھپا ہوا اشتہار اس مضمون کا شائع کریں کہ اس شخص کو میں کذاب اور دجال اور کافر سمجھتا ہوں اور جو کچھ یہ شخص مسیح موعود ہونے اور صاحب الہام اور وحی ہونے کا دعوی کرتا ہے اس دعوی کا میں جھوٹا ہونا یقین رکھتا ہوں ...اگر یہ شخص فی الواقع مسیح موعود ہے اور فی الواقع عیسی فوت ہو گئے ہیں تو مجھے اس شخص سے پہلے موت دے اور اگر میں اس عقیدہ میں صادق ہوں اور یہ شخص درحقیقت دجال بے ایمان کافر مرتد ہے اور حضرت عیسی آسمان پر زندہ موجود ہیں جو کسی نا معلوم

وقت میں پھر آئیں گے تو اس شخص کو ہلاک کر۔ ... یہ چیلنج جو درحقیقت ایک مباہلہ کا مضمون ہے اس کو لفظ بلفظ نمونہ مذکورہ کے مطابق لکھنا ہوگا جو اوپر میں نے لکھ دیا ہے۔ ایک لفظ کم یا زیادہ نہ کرنا ہوگا ... پھر ایسے اشتہار مباہلہ پر کم سے کم پچاس معزز آدمیوں کے دستخط ہونے چاہییں اور کم سے کم اس مضمون کا سات سو اشتہار ملک میں شائع ہونا چاہیے اور بیس اشتہار بذریعہ رجسٹری مجھے بھی بھیج دیں۔ ... مجھے کچھ ضرورت نہیں کہ میں انہیں مباہلہ کیلئے چیلنج کروں۔ یا ان کے بالمقابل مباہلہ کروں'۔

(روحانی خزائن جلد ۱۹ ضمیمہ نزول المسیح المعروف اعجاز احمدی۔ص ۱۲۱۔۱۲۳)

مباہلہ دو فریقوں کے درمیان اس وقت ہوتا ہے جب وہ ایک دوسرے کیلئے بد دعا کرتے ہیں۔ مرزا نے چیلنج تو دے دیا تھا لیکن جب مولانا نے اس کے قبول کرنے کا اعلان کیا تو وہ سرے سے مکر گئے اور حکومتی معاہدے کی آڑ لے کر میدان سے بھاگ گئے۔

مباہلے کی بات کرنے کے بعد ہم آپ کو ایک اور چیلنج کا حال بتاتے ہیں جو مولانا امرتسری۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور بہت سے علماء عصر کو ۱۹۰۰ء میں مرزا صاحب نے اپنے مقابلے میں تفسیر لکھنے کے لئے دیا تھا۔ جس کے بارے میں مرزائی یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں (جیسا کہ مولانا امرتسری کی زندگی میں ایک مرزائی نے پیغام صلح۔ لاہور۔۱۲ دسمبر ۱۹۴۰ء کے شمارے میں لکھا) کہ علماء اسلام مقابلے میں آنے سے کتراتے رہے ہیں۔ مولانا امرتسری مرزائیوں سے پوچھتے تھے کہ جن علماء کو مرزا صاحب نے اپنے بالمقابل تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا انہوں نے اس کا کیا جواب دیا۔کیا وہ مرزا صاحب سے ڈر کر ہندوستان سے باہر چلے گئے تھے؟ کیا وہ صم بکم ہو کر بیٹھے رہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ کیونکہ ان مخاطبوں میں میرا نام بھی تھا اور پیر مہر علی صاحب گولڑہ والے بھی مخاطب تھے۔ میں نے مرزا صاحب کے اشتہار مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کے جواب میں ۲۶ جولائی ۱۹۰۰ء کو اپنی آمادگی کا اشتہار دیا۔ پیر صاحب نے تو یہاں تک آمادگی ظاہر کی کہ آپ حسب اعلان گولڑہ سے چل کر لاہور پہنچ گئے۔ پیر صاحب گولڑہ کی تشریف آوری کی تقریب پر علماء اسلام بھی لاہور میں جمع ہو گئے تھے۔ مولانا عبد الجبار غزنوی۔ مولوی محمد علی بھوپڑوی قاضی عبد الاحد خانپوری۔ پیر جماعت علی شاہ علی پوری اور یہ خاکسار اور دوسرے علماء بکثرت شریک مجلس ہوئے۔ جب لوگ مرزا صاحب کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو انہوں نے جامع مسجد لاہور میں ایک

جلسہ منعقد کیا جس میں دس علماء نے تقاریر فرمائی تھیں۔ پہلی تقریر حضرت امام عبدالجبار غزنوی کی تھی اور ساتویں تقریر مولانا امرتسری نے فرمائی۔ مہر منیر میں لکھا ہے کہ مولانا ثناء اللہ نے مرزا صاحب کی تمام پیشگوئیوں کے غلط ہونے کی نسبت زبردست دلائل بیان فرمائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے شخص کو مخاطب کرنا یا اس کی کسی تحریر کا جواب دینا بھی گویا علماء کرام کی ہتک اور ان کی شان سے بعید ہے۔ (مہر منیر۔ از مولوی فیض احمد۔ ص ۲۳۶)

بادشاہی مسجد لاہور میں ہونے والے اس جلسے کے بعد ایک قرارداد بھی پاس ہوئی جس میں کہا گیا کہ مرزا غلام احمد شرمناک دروغ گوئی سے اپنی دکان چلانا چاہتا ہے۔ اس نے شرفاء کی پگڑیاں اتارنے اور بازاری و عامیانہ حرکات سے اپنی روزی کمانے کا پاکھنڈ بنا رکھا ہے۔ اس کے عقائد وغیرہ بالکل خلاف اسلام ہیں۔ اس قراداد پر انسٹھ علماء و مشائخ کے دستخط ہیں اور ان میں نانویں نمبر پر مولانا امرتسری کا اسم گرامی ہے۔ (مہر منیر۔ ص ۲۳۷۔ ۲۳۸)

تفسیر نویسی اور مباہلے کے چیلنج قبول کرنے کے ساتھ مولانا امرتسری نے مرزا غلام احمد کے خلاف تحریر کے محاذ پر بھی اپنی علمی عمر کے ابتدائی دور میں ہی کام شروع کر دیا تھا۔ اور آپ نے ۱۹۰۱ء میں دو رسالے شائع کئے۔ ایک کا نام 'ہفوات مرزا' ہے۔ جو دس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس میں مرزا غلام احمد کے کچھ عقائد اور تناقضات بیان کئے اور دلائل کے ساتھ بتایا کہ اس قسم کے اختلافات کا رونما ہونا ایک نبی کے ہاتھوں ممکن نہیں۔ دوسرے رسالے کا نام آپ نے 'الہامات مرزا' رکھا اور بعد میں اس کے کئی ایڈیشن اضافات کے ساتھ شائع ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں اس کا جو تیسرا ایڈیشن شائع ہوا تھا وہ ۱۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کتاب میں آپ نے مرزا قادیانی کے الہامات اور پیشگوئیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ بناوٹی ہیں اور مرزا قادیانی اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔

قادیانی عام طور پر کہا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب سلطان القلم تھے اور ان کی عربی تحریریں بھی فصاحت اور بلاغت کا شاہکار ہیں۔ اور یہ کہ مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں چیلنج دیئے تھے کہ ان کی عربی تحریروں کے مقابلے میں عربی میں لکھا جائے۔ اس قسم کے چیلنج دیکھ کر علماء مسکرا دیتے کہ صرف و نحو اور عربی گرامر کی قیود سے آزاد عبارت کا کیا جواب لکھیں پیر مہر علی صاحب نے اپنی کتاب میں مرزا صاحب کی عربی انشا پردازی کا پوسٹ مارٹم کیا۔ ان کے ایک عقیدت مند مولوی محمد حسن فیضی جو مدرسہ انجمن نعمانیہ لاہور

میں نائب مدرس تھے اور بے نقطہ نظم ونثر لکھنے کے باعث فیضی مشہور ہو گئے تھے ایک مرتبہ ایک طویل بے نقط قصیدہ لکھ کر مرزا غلام احمد کے پاس پہنچ گئے۔ مگر مرزا صاحب اوران کے حاشیہ نشین تو اس قصیدے کی املاء تک پر قادر نہ ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ صاحب کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تو محمد حسن صاحب نے جواباً چیلنج کیا کہ آپ میرے ساتھ اپنی ہی تمام شرائط پر تفسیر نویسی کا مقابلہ کر لیجئے۔ (مہر منیر ص ۵۵)

ادھر مولانا امرتسری نے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن کے نام سے عربی میں تفسیر لکھی جو عرب ملکوں میں بھی مقبول ہوئی ۔ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء کو بذریعہ کھلی مطبوعہ چٹھی مولانا امرتسری نے مرزا غلام احمد کو خطاب کر کے فرمایا اگر قرآنی لطائف ومعارف دکھانے منظور ہوں تو میری عربی تفسیر کے مقابلہ پر ایک عربی تفسیر اسی طرز کی لکھیں ۔ بعد تیار ہو جانے کے منصف مسلم الطرفین سے فیصلہ کرایا جائے گا۔ مرزا صاحب نے ساری عمر اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔اور وہ عربی میں لکھنا تو ایک طرف، اردو میں بھی کوئی تفسیر نہ لکھ سکے۔

تفسیر نویسی پر مولانا امرتسری کی چیلنج بازی مرزا محمود کے ساتھ بھی چلتی رہی ہے ۔ جیسا کہ لاہوری مرزائیوں نے ایک مرتبہ مرزا محمود صاحب کو طعنہ دیتے ہوئے لکھا تھا

. کیا آپ کو علم نہیں کہ جناب میاں (محمود) صاحب نے تمام دنیا کو ازراہ لاف زنی اپنے مقابل تفسیر نویسی کے لئے بلایا اور کہا کہ خدا تعالی مجھے تمام معارف خود بتائے گا اور سب کے سب معارف ایسے ہوں گے جو پہلی تفاسیر میں موجود نہ ہوں گے ۔ مگر جب مولوی ثناء اللہ بالمقابل ڈٹ گیا اور یہاں تک میاں (محمود) صاحب کو اجازت دی کہ آپ مقابلہ کے وقت جو کتاب چاہیں ساتھ رکھ لیں میں سادہ کاغذ اور قلم لے کر مقابل میں ہوں گا تو بھی جناب میاں صاحب خاموش ہی رہے اور اب تک مولوی ثناء اللہ شرمندہ کر رہا ہے

(مضمون از مولوی عمر الدین شملوی قادیانی لاہوری مندرجہ پیغام صلح لاہور ۹ جون ۱۹۳۴ء)

قادیانیوں کے تعاقب میں مولانا امرتسری نے عدالتوں میں بھی اپنی آواز بلند کیئے رکھی ۔ گورداسپور کی ایک عدالت میں شہادت کے لئے کئی روز تک جاتے رہے ۔ مرزا صاحب بھی عدالت میں موجود ہوتے تھے۔ اہل حدیث میں لکھا ہے

. مرزا قادیانی کا مقدمہ گورداسپور میں روز ہوتا ہے۔ صرف ۲۸ اور ۲۹ کی تعطیل

کی وجہ سے ناغہ رہا۔ مولوی ابوالوفا ثناء اللہ کی شہادت ہفتہ عشرہ میں بصد مشکل ختم ہوئی۔مرزائی وکیل نے مولوی صاحب اور انجمن نصرت السنۃ امرتسر کی تحریروں سے ثابت کرنا چاہتا تھا کہ مولوی صاحب موصوف ہمارے قدیمی سخت مخالف ہیں۔انجام کیا ہوا۔ و العلم عند اللہ۔مرزاجی بدستور گھنٹوں بحیثیت ملزمان عدالت کے کمرے میں کھڑے رہتے ہیں. (اہل حدیث ۵ اگست ۱۹۰۴ء)۔

ایک دوسرے شمارے میں حکیم محمد دین نامی شخص نے اس مقدمے کی روئداد یوں شائع کروائی ہے

. خوش قسمتی سے خاکسار ۱۵ اگست کو گورداسپور پہنچا۔اور زہے قسمت کہ عدالت کے کمرے میں بینچ پر بیٹھ کر مرزا صاحب کی زیارت سے بہرہ ور ہوا۔ مرزا صاحب بحیثیت ایک ملزم کے کچہری میں ایک خاص ممتاز جگہ پر کھڑے تھے اور ان کے مقابل ان کے حریف مستغیث۔دونوں زبان حال سے کہہ رہے تھے خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ اتنے میں تیسرے حریف یعنی ابوالوفا ثناءاللہ صاحب امرتسری بلائے گئے۔مولوی صاحب موصوف پر مکرر جرح جو بعد فرد جرم لگنے کے ملزم کا حق ہوتا ہے باقی ہے۔اس لئے حاکم نے ان سے پہلی دفعہ کہا تھا کہ ایک دفعہ آپ کو پھر آنا ہوگا۔ چنانچہ ۱۵ اگست کو مولوی صاحب بذریعہ سمن حاضر عدالت ہوئے تو حاکم نے خوش اخلاقی سے پوچھا کہ آپ کتنے دنوں کا ارادہ کر کے آئے ہیں مولوی صاحب نے ... نہائت ہی عمدگی سے جس وقت دائیں جانب ان کے مرزا صاحب تھے اور بائیں ان کے دو وکیل خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی... حاکم کو جواب دیا کہ جب آپ اجازت دیں جاؤنگا۔ یہ کہہ کر یہ لطیفہ کہا کہ میرا آنا تو آپ کی پیش گوئی تھی جو سچی ہوگئی۔ اگر بیٹے کی پیش گوئی ہوتی تو پوری نہ ہوتی۔بس یہ کہنا تھا کہ کمال الدین وکیل نے بڑے زور سے فریاد کی کہ حضور دیکھئے عدالت میں کھڑا ہو کر ہم پر طنز کرتا ہے۔ہم یہ کریں گے اور وہ کریں گے۔ہم پر ذاتی حملہ کرتا ہے۔ جب بہت ہی اونچے بولنے لگے ہم حیران تھے کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ خواجہ صاحب کو اتنا طیش ہوا۔آخر معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب نے یہ سمجھا کہ مولوی صاحب نے مرزاجی کی اس پیش گوئی کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ذکر اہل حدیث مورخہ ۱۵ جولائی میں ہوا تھا کہ مرزاجی نے بیٹے کی

ولادت کی پیش گوئی کی تھی جو آخر کار بیٹی سے متبدل ہو گئی ۔ آخر جب وکیل صاحب بہت ہی جھلائے تو عدالت نے نہائت ہی انصاف سے مگر بڑی سختی کے ساتھ خواجہ صاحب کو ڈانٹ پلائی کہ انہوں نے میرے سوال کا جواب دیا تمہیں اس سے کیا؟ نہ تمہارا نام لیا نہ تمہارا ذکر کیا۔ اس لطیفے کے علاوہ اور ایک واقعہ یہ ہوا کہ خواجہ کمال الدین نے کہا کہ اربعین غزنویہ پیش ہونی چاہیے۔ اس پر مستغیث نے عذر کیا کہ اس کا مقدمے سے کوئی تعلق نہیں ۔ چنانچہ بعد کسی قدر بحث کے حاکم نے فیصلہ دیا کہ وہ پیش نہیں ہوسکتی ۔ غرض میرے سامنے مرزا جی اور مرزائی پارٹی کو کئی ایک پے در پے فاش ذلتیں ہوئیں اس کا سبب سوچا تو معلوم ہوا کہ انی مہین من اراد اہانتک یعنی مرزا جی کا الہام مولوی صاحب کے حق میں سچا ثابت ہوا کہ جو تیری اہانت کرنا چاہے گا خدا اس کی اہانت کریگا۔ اب گنتے جاؤ۔ اربعین پیش نہ ہوئی ۔ ایک ذلت ہوئی۔ بیٹے کی پیش گوئی پوری نہ ہونے کا عدالت میں ذکر ہوا ۔ یہ دوسری ذلت ہوئی ۔ تمہارے وکیل نے شور مچایا تیسری ذلت ۔ حاکم نے اس پر ڈانٹ پلائی یہ چوتھی ذلت ہوئی (اہل حدیث امرتسر ۱۵ اگست ۱۹۰۴ء) اور مرزا صاحب عدالت میں گھنٹوں کے حساب سے کھڑے رہتے تھے ۔ یہ سب سے بڑی ذلت ہوئی ۔ واضح ہو کہ مرزا صاحب نے قادیانی اخبار الحکم ۱۷ مئی میں الہامی پیش گوئی شائع کروائی تھی کہ شوخ وشنگ لڑکا پیدا ہوگا۔ چنانچہ مرزائیوں نے اس کو شہرت دے کر پبلک کی توجہ کو اس پیش گوئی کی جانب پھیرا ۔ خدا خدا کر کے ایام حمل پورے ہوئے اور خبر آئی کہ ۲۵ جون کو امۃ الحفیظ پیدا ہوئی ہے

(اہل حدیث امرتسر ۱۵ جولائی ۱۹۰۴ء منقول از الاعتصام لاہور ۲۱ نومبر ۲۰۰۳ء)

(مرزا صاحب اس مقدمے میں ہی ذلیل نہیں ہوئے بلکہ زندگی بھر ان کا یہی حال رہا۔ جیسا کہ مرزا محمود نے اقرار کیا ہے کہ ۔ مرزا صاحب کئی قسم کے مقدمات میں الجھے رہے ۔ سخت تکالیف اٹھائیں ۔ عدالت میں کھڑا رہنے پر مجبور تھے ۔ پانی پینے تک کی اجازت نہ ملتی تھی (ملاحظہ ہو القول الفصل میاں محمود ص ۵۵ ۔ سیرمسیح موعود ص ۴۵ ۔ منقول از محمدیہ پاکٹ بک ۔ ص ۵۵۰)

مرزا صاحب کے مریدوں سے مولانا امرتسری نے ۱۹۰۰ء میں مد نامی ایک گاؤں میں ایک معرکہ آرا مناظرہ کیا۔ جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں ۔

انہی دنوں ایک مرتبہ نماز میں مرزا صاحب کی امامت کے جائز ہونے کے بارے میں علماء سے سوال ہوا تو مولانا امرتسری نے لکھا

. کچھ شک نہیں کہ مرزا قادیانی دہریہ معلوم ہوتا ہے۔ مفتری علی اللہ ہے۔اس کے الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خدا پر بھی ایمان نہیں۔ کیونکہ خدا پر ایمان رکھنے والہ اس قسم کے افتراء نہیں کیا کرتا۔اس لئے میرا یقین ہے کہ مرزا قادیانی جو کچھ کرتا ہے سب دنیا سازی کے لئے کرتا ہے۔پس اس کی امامت جائز نہیں۔

(علمائے اسلام کا متفقہ فتوی۔ص ۱۶۳۔۱۷۹)۔

اور ایک مرتبہ ان سے سوال ہوا کہ مرزا غلام احمد کے حق میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے۔آپ نے جواب دیا کہ مرزا قادیانی مدعی نبوت کاذبہ ایک دجال ہے۔

یہ سوال جواب ۱۶ اگست ۱۹۰۷ء کے اہل حدیث امرتسر میں شائع ہوا۔ بعد میں لوگ کہتے رہے کہ مولانا نے مرزا صاحب کو کافر نہیں کہا۔تو آپ نے اس سوال جواب کو (جو مرزا صاحب کی زندگی کا واقعہ ہے) درج کر کے معترضین کو مخاطب کیا اور لکھا

. حدیث شریف میں مدعیان نبوت کو دجال کہا گیا ہے پڑھو حدیث ثلا ثون دجالون کلھم یز عم انہ نبی اللہ ۔ جو لفظ حدیث میں ہے وہی ہم نے کہہ دیا۔ تمہیں پسند نہ آئے تو اپنے ایمان کی خیر مناؤ۔ کیا دجال کافر سے کم ہے؟ کیا دجال کافر سے بدتر نہیں؟ پھر یہ کیا ستم ہے جو ان بہتان گردوں نے روا رکھا ہے قاتلھم اللہ انی یئوفکون (اہل حدیث ۲۳ اگست ۱۹۳۵ء۔ص ۴)

اس سلسلے میں مرزائیوں کی روائت سے مولانا امرتسری کی یہ تحریر حسب حال ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے اخبار اہل حدیث میں لکھا. ہمارا اور مرزائیوں کا فرق عیسائیوں اور محمدیوں یا موسائیوں اور عیسائیوں کا ہے جس طرح ان دونوں میں یہ تمیز ہے کہ ایک دوسرے سے ایک رسول زیادہ مانتا ہے اسی طرح قادیانی امت ہم مسلمانوں سے (ایک رسول) زیادہ مرزا صاحب کو مانتے ہیں.

(رسالہ احمدی جنوری ۱۹۱۲ء ص ۵ ۔ اہل حدیث ۲۸ اپریل ۱۹۱۱ء ۔منقول از تاریخ احمدیت ۔ ج ۳ ص ۳۸۳۔۳۸۴)

یعنی مولانا ثناء اللہ مرزائیوں کو اسی طرح اسلام سے باہر اور کافر سمجھتے ہیں جس

طرح مسلمان عیسائیوں کو غیر مسلم سمجھتے ہیں۔

مرزا صاحب کے آخری فیصلہ والے اشتہار سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ جس طرح مولانا امرتسری نے مرزا کا محاسبہ کیا ان سے پہلے کسی نے نہ کیا۔ کیونکہ وہ خود ہی لکھتا ہے کہ میں ان کے ہاتھوں سے بہت ستایا گیا اور صبر کرتا رہا۔ مولانا نے اس کے دجل و کذب کا پول اس طرح کھولا کہ بیرون ہند بسنے والے لوگوں کو بھی اس کے دجال اور کذاب ہونے کی خبر مل گئی۔ جس پر مرزا خود ہی گواہی دیتا ہے کہ دور دور ملکوں تک میری نسبت یہ پھیلا دیا کہ یہ شخص در حقیقت مفسد ٹھگ اور دکاندار اور کذاب اور مفتری اور نہائت درجہ کا بدآدمی ہے۔ نیز ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کا انداز تبلیغ ایسا کامیاب تھا کہ مرزا کو جو کامیابی ہو رہی تھی وہ رک گئی اور لوگ اس کے جال میں پھنسنے سے بچ گئے۔ اور مرزا کو اپنے دجل اور کذب کا قلعہ مسمار ہوتا نظر آنے لگا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے . اگر ایسے کلمات حق کے طالبوں پر بداثر نہ ڈالتے تو میں ان تہمتوں پر صبر کرتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ انہی تہمتوں کے ذریعے میرے سلسلے کو نابود کرنا چاہتا ہے اور اس عمارت کو منہدم کرنا چاہتا ہے .

مولانا امرتسری اپنے دور کے ایک کامیاب مناظر تھے۔ آپ سے پہلے انیسویں صدی کے اواخر میں میاں صاحب سید نذیر حسین کے شاگرد مولانا سعید بنارسی ایک کامیاب مناظر تھے جن کی زندگی میں ہی مولانا ثناء اللہ نے مناظروں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ پھر مد وغیرہ کے مناظروں میں مولانا امرتسری کی کامیابی نے آپ کو شہرت عام عطا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مسلم لوگ بھی آل ورلڈ مذہبی کانفرنس اور آریہ سبھا و غیرہ کے جلسوں میں آپ کو تقریر کے لئے بلانے لگے۔ جب مولانا محمد سعید صاحب بنارسی کا انتقال ہو گیا تو مولانا ثناء اللہ امرتسری کے لئے مناظرہ اور مباحثہ کا میدان اور وسیع ہو گیا ۔ اور سارے ہندوستان کی نظریں آپ کی طرف اٹھنے لگیں۔ اور تمام ہندوستان سے آپ کے نام دعوت نامے آنے لگے۔ دیوریا اور نگینہ میں مسلم اور غیر مسلم پبلک نے خراج تحسین پیش کیا۔ رام پور کے مناظرہ میں نواب رام پور نے سرٹیفکیٹ دیا۔ اور لدھیانہ میں تین سو روپیہ انعام پایا۔

☆ ضلع بجنور میں نگینہ کے مقام پر آریہ کا بہت زور تھا۔ وہ لوگ ہر جلسہ میں مسلمانوں کو چیلنج کر دیتے تھے۔ بالآخر ان کا چیلنج قبول کر لیا گیا اور مولانا محمود حسن۔ مولانا

احمد حسن مولانا محمد حسن مولانا علی احمد۔ مولانا ابو رحمت میرٹھی اور مولانا ابو الفرح پانی پتی جیسے بزرگ وہاں پہنچ گئے لیکن مناظرہ کی ذمہ داری مولانا ثناء اللہ کو سونپی گئی۔ آریہ کی طرف سے ماسٹر آتما رام مناظر مقرر ہوئے۔ پنڈت کرپا رام اور لالہ وزیر چند ایڈیٹر آریہ مسافر اس کی مدد کے لئے موجود تھے۔ یہ تحریری مناظرہ الہام کے موضوع پر تھا اور حسب شرائط ۵ جون ۱۹۰۴ء سے ۱۴ جون تک جاری رہنا قرار پایا تھا۔ لیکن دو آریہ مناظر تیسرے ہی دن بھاگ کھڑے ہوئے اور پانچویں دن آخری آریہ مناظر نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ اللہ نے مولانا امرتسری اور مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی اور گیارہ ہندو مسلمان ہو گئے۔ محمد عمر کرت پوری جو مرتد ہو کر آریہ سماج میں داخل ہو گیا تھا واپس اسلام میں چلا آیا

☆ خورجہ ضلع بلند شہر یو پی میں ۱۹ تا ۲۱ مارچ ۱۹۱۸ء مناظرہ ہوا۔ مولانا مبارک حسین سنبھلی صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم کی آریہ گزٹ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر پنڈت چندر پرکاش سے بات ہوتی رہتی تھی اور وہ اسلام کی حقیقت پا کر مسلمان ہو گئے اور عبدالرحمٰن نام رکھا جس سے آریہ کو آگ لگ گئی اور مناظرہ کی تیاری شروع ہو گئی۔ وہاں مولانا مرتضے حسن۔ سید انور شاہ کشمیری اور مولانا ابراہیم دہلوی آئے۔ مناظر مولانا ثناء اللہ امرتسری کو مقرر کیا گیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۱۸ء کو تحریری مناظرہ ہوا جس میں آریہ کو شکست ہوئی۔

☆ دو مناظرے مونگ میں ہوئے۔ آپ خود لکھتے ہیں کہ

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء مقام مونگ ضلع گجرات پنجاب مرزائیہ سے مباحثہ تھا۔ مضمون مباحثہ حیات مسیح تھا جو مولانا ابراہیم سیالکوٹی نبھاہ رہے تھے۔ اثناء گفتگو میں فریق مخالف نے مولانا ابراہیم کو للکارا کہ جس صورت میں توفی کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو اس کے معنی سوائے موت کے کوئی دوسرے بتا دو تو حسب اشتہار مرزا صاحب ایک ہزار روپیہ وہ اور ایک سو روپیہ میں از خود دونگا۔ دوسرا وقت میرا تھا۔ اس لئے مولانا ابراہیم نے استغنا سے اتنا فرمایا کہ میں انعام نہیں لیتا۔ انعام لینے والا بھی آجائے گا۔ چنانچہ میں نے صدر جلسہ کو کہا کہ یہ سودا میرے ساتھ کرا یئے۔ بعد گفتگو فریق ثانی کا بالفاظ ذیل چیلنج آیا

. حضرت مسیح موعود (مرزا) نے اپنی کتاب ازالہ اوہام حصہ دوم طبع سوم کے صفحہ

۳۷۵ میں جو چیلنج توفی کے لفظ کی نسبت ہزار روپئے کا اشتہار کے ماتحت دیا ہے۔
اگر مولوی ثناء اللہ صاحب اس کے متعلق آج بھی حوالہ پیش کر دیں تو علاوہ ایک ہزار روپئے کے یک صد روپیہ زائد میں آج دے دونگا۔

خاکسار محمد یار مولوی فاضل مبلغ جماعت احمدیہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء۔

اس کا جواب فوراً وہیں دیا گیا

. چیلنج منظور ہے۔مولوی یار محمد صاحب کا چیلنج مجھے منظور ہے۔حسب قاعدہ گیارہ سو روپیہ کسی مسلمہ امین کے پاس رکھوا کر منصف منظور کریں۔

خادم دین ابوالوفا ثناء اللہ۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء۔

مولانا ثناء اللہ کہتے ہیں کہ مطلع بالکل صاف تھا۔کیونکہ مدعی کے کہنے سے دعوی ثابت نہیں ہوتا۔منکر کے انکار سے غلط نہیں ہوتا۔اس لئے کسی مسلمہ منصف کا تقرر ضروری ہے۔ لیکن کیا ہوا؟ اس کے بعد ایک دن اور دو شب وہاں رہے۔انعامی پارٹی کی طرف سے صدائے برنخواست چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند

(اہل حدیث ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء ص ۴۔۵)

☆ مونگ میں دوسرے مناظرے کی روئداد مولانا معمار نے یوں بیان کی ہے
مباحثہ صداقت مرزا پر ہوا۔ مولوی اللہ دتہ قادیانی نے صداقت مرزا پر تقریر کی جس میں مرزا صاحب کی (بعثت سے) پہلی زندگی کو بطور ثبوت پیش کیا اور اس بات پر زور دیا کہ مرزا صاحب اگر جھوٹے ہوتے تو ہماری اتنی ترقی نہ ہوتی۔مولانا ثناء اللہ نے فرمایا ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مرزا جی نے اشتہار دیا جس کی سرخی تھی

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ۔ اس میں مرزا صاحب نے لکھا کہ ہم دونوں میں سے جو اللہ کے نزدیک جھوٹا ہے وہ پہلے مر جائے۔خدا نے یہ دعا قبول کرنے کا وعدہ بھی کیا۔پھر وہ فوت ہو گئے۔بس فیصلہ ہو گیا اب جھگڑا کیا ہے؟

اس کے جواب میں مرزائی مناظر نے گھبراہٹ میں کہا کہ یہ دعا دراصل مباہلہ کی دعا تھی۔ چونکہ آپ (ثناء اللہ) نے اسے پسند نہ کیا اس لئے مباہلہ منعقد نہ ہوا۔ پس آپ اس کو پیش کرنے کا حق نہیں رکھتے۔مولانا نے کہا کہ تمہارے اخبار بدر میں مرزا صاحب کی زندگی میں ہی ایک مضمون نکلا تھا جس میں یہ فقرہ بھی تھا

. حضرت مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ کیا تھا وہ دعا کے طور پر تھا نہ کہ مباہلہ کے طور پر .

یہ حوالہ جیسا فیصلہ کن تھا مرزائی مناظر کے حق میں ویسا ہی پریشان کن ثابت ہوا ۔ اخیر مباحثہ تک وہ اس کا جواب نہ دے سکا ۔ پھر مولانا نے مرزا صاحب کے آسمانی نکاح کا ذکر بھی کیا اور فرمایا کہ مرزا صاحب ازالہ اوہام میں کہتے ہیں آسمانی منکوحہ ہمارے نکاح میں ضرور آئے گی ۔ بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نہ آئی تو خدا کا کلام ناقص ہو جائے گا ۔ پھر وہ عورت مرزا صاحب کے نکاح میں نہیں آئی ۔ اس کا جواب مرزائی مناظر نے یہ دیا کہ نکاح کا ہونا مرزا سلطان محمد کے مرنے پر موقوف تھا ۔ وہ چونکہ نہ مرا اس لئے نکاح نہ ہوا ۔ مولانا نے فرمایا انجام آتھم میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ سلطان محمد کا میری زندگی میں مرنا تقدیر مبرم ہے ۔ وہ میری زندگی میں نہ مرے تو میں جھوٹا ۔ پس سلطان محمد کا حیات مرزا میں نہ مرنا مرزا صاحب کا ایک کذب ہے تو منکوحہ آسمانی کا مرزا صاحب کے نکاح میں نہ آنا دوسرا کذب ہے ۔ اس کا جواب بھی مرزائی مناظر نہ دے سکا . (اہل حدیث امرتسر ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء ص ۸)

☆ اس کے علاوہ مولانا امرتسری نے امرتسر میں مولوی غلام رسول راجیکی قادیانی (تاریخ احمدیت جلد ۵ ص ۲۱۸) سے ایک محدود اجتماع میں ۲۹ ۔ ۳۰ اپریل ۱۹۱۶ء کو تحریری مباحثہ کیا ۔ پہلے دن حیات و وفات مسیح کے موضوع پر بحث تھی ۔ دونوں طرف سے تین تین پرچے لکھے گئے ۔ دوسرے دن تصدیق و تکذیب دعاوی مرزا پر بحث ہوئی ۔ اس مباحثہ میں فیصلہ کے لئے منصفین کا تقرر نہیں ہوا تھا اور نہ عوام اس میں شرکت کے مجاز تھے ۔ اس لئے کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا تھا اور عوام کی خواہش تھی کہ بعد میں تقریری شکل میں بھی ایک مباحثہ ہو جائے لیکن قادیانیوں نے اسے منظور نہیں کیا ۔ اس مناظرہ کی بابت اخبار بلیٹن لاہور نے لکھا

. اس مباحثہ کا نتجہ یہ ہوا کہ مولوی ثناء اللہ کو مولوی غلام رسول پر فتح ہوئی اور مرزائی ہار گئے ۔ جلسہ میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی تھے اور سب نے بالاتفاق مرزائیوں کے خلاف فیصلہ دیا ۔ (بلیٹن لاہور ۳ مئی ۱۹۱۶ء ۔ اہل حدیث امرتسر ۱۲ مئی ۱۹۱۶ء منقول از فتنہ قادیانیت اور مولانا امرتسری ۔ ص ۱۲۱)

☆ اور سرگودھا میں مولوی میر محمد اسحاق قادیانی ۳۔۴ دسمبر ۱۹۱۶ء ختم نبوت اور نبوت مرزا پر مباحثہ کیا۔اس کی روئداد حال ہی میں فیصل آباد سے شائع ہوئی ہے۔

☆ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں انجمن اہل حدیث بھوانی ضلع حصار کا جلسہ تھا جس میں قدامت روح و مادہ پر آریوں سے مولانا ثناء اللہ کا مناظرہ ہوا۔آپ نے فرمایا کہ پہلے میں اپنا مسلک کتاب سے پڑھ کے سناتا ہوں۔ پھر آپ اس پر اعتراض کریں۔ چنانچہ آپ نے پڑھ کر سنایا کہ . اللہ پاک نے فلاں کو فلاں سے اور فلاں کو فلاں سے پیدا کیا اور پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا . . . اس پر مناظر پنڈت نے اعترض کیا اور کہا کہ یہ غلط ہے۔قدرت سے کوئی شے پیدا نہیں ہوسکتی۔اس پر مولانا نے فرمایا کہ میں آپ کے پاس کتاب بھیجتا ہوں اس پر خط کھینچ دیجئے کہ یہ غلط ہے تاکہ ہم اور آپ ایک ہوں اور اختلافات دور ہو جائیں۔پنڈت صاحب نے کتاب سے عبارت پڑھ کر کتاب رکھ دی کہ وہ رگ وید ہے۔اگر غلط کہتے ہیں تو آریہ ناراض ہوتے ہیں اور اگر ٹھیک کہتے ہیں تو مسلمان ٹھہرتے ہیں۔اس لئے اس مناظرے کا بہت اچھا اثر رہا. (الجسر البلیغ ص ۲۶)

☆ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء کو بٹالہ میں مولوی ابو العطا سے مولانا ثناء اللہ صاحب کا ایک مناظرہ ہوا۔(تاریخ احمدیت ج ۶۔ص ۲۸۰)۔اس مناظرہ کے متعلق ۱۳۔جنوری ۱۹۳۱ء کے اہل حدیث امرتسر میں مرقوم ہے

> ' گذشتہ نومبر میں بٹالہ کے جلسہ اہل حدیث میں ان (مرزائیوں) سے گفتگو ہوئی جس کی پوری کیفیت حاضرین ہی بتا سکتے ہیں کہ آسمان و زمین سے بھت کی آواز آتی تھی مگر قادیانی پریس نے حلفیہ شائع کیا کہ ہم جیتے '

☆ آریہ کے خلاف مولانا امرتسری کا تحریری کام بہت قابل قدر ہے۔ آریہ سماج کے دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کا اردو ترجمہ جس کے چودھویں باب میں قرآن کریم پر ۱۵۹ اعتراضات کیئے تو مولانا امرتسری نے اس کے جواب میں حق پرکاش لکھی اور تمام اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے۔

☆ اس کے بعد ایک مسلمان عبدالغفور مرتد ہوگیا اور آریہ مذہب اختیار کر کے اپنا نام دھرم پال رکھ لیا۔اس نے اپنا مذہب چھوڑنے پر ترک اسلام لکھی۔اس کتاب کے شائع ہونے پر مسلمانوں میں بڑی بے چینی پھیلی۔مولانا نے اس کے جواب میں ترک اسلام لکھی

جس سے مسلمانوں کو قلبی راحت ہوئی۔ اس کے بعد دھرم پال نے تہذیب الاسلام کے نام سے چار جلدوں میں اسلام کے خلاف کتاب لکھی۔ اس میں اس نے اسلام پر ۶۸ اعتراض کئے۔ مولانا نے اس کا چار جلدوں میں تغلیب الاسلام کے نام سے جواب دیا۔ اس کے بعد دھرم پال نے ایک اور کتاب نخل اسلام لکھی جس کا مولانا نے تبراسلام کے نام سے جواب دیا۔ اس کے بعد دھرم پال نے چپ سادھ لی اور کچھ عرصہ بعد قاضی سلیمان منصور پوری کی تبلیغ سے مسلمان ہوگیا اور مسلمانوں کے خلاف لکھی ہوئی اپنی کتابیں جلا دیں۔

دھرم پال کی کتاب ترک اسلام کے جواب میں ایک کتاب حکیم نور دین قادیانی نے بھی تالیف کی تھی اور اس کا نام نورالدین رکھا تھا۔ دھرم پال نے مولانا امرتسری اور حکیم صاحب کے جوابات کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے

. جب مولوی نور الدین نے رسالہ نورالدین کے ذریعے اور مولوی ثناء اللہ نے ترک اسلام وغیرہ کے ذریعے اسلام اور ملا ازم (یعنی اقوال الرجال یا تقلید علماء) کے درمیان خط ممیّز کھینچ دیا تو میری تصانیف کی قیمت ایک دیا سلائی کے برابر رہ گئی۔ میرے اعتراضات کا جواب دینے میں نورالدین کے مصنف کا نشانہ علمی معلومات کی بدولت بے خطا ہوتا تھا مگر ترک اسلام کا وار زیادہ ستم ڈھاتا تھا جبکہ وہ میرے قلعہ کو جو میں سخت جد و جہد کے ساتھ تفسیروں کی بنا پر تعمیر کرتا تھا صرف اتنا سا فقرہ لکھ کر مسمار کر ڈالتا تھا کہ . تفسیر کا جواب تفسیر لکھنے والوں سے لو قرآن اس کا ذمہ دار نہیں . ۔ اس فقرہ نے ترک اسلام اور تہذیب الاسلام کو چھلنی کر ڈالا۔ میں نے نتیجہ نکال لیا کہ نورالدین کے مصنف کے ساتھ تو بحث چل سکتی ہے مگر ترک اسلام کے مصنف کے ساتھ جو ملا ازم کا سرے سے ہی منکر ہے بحث کا چلنا مشکل ہے۔ مگر لطف یہ ہوا کہ نورالدین کے مصنف نے میرے مقابلہ پر دوبارہ قلم نہ اٹھایا حالانکہ میں آرزومند تھا کہ اس کے ساتھ بحث کا سلسلہ جاری رہے۔ لیکن ترک اسلام کے مصنف نے تہذیب الاسلام کے جواب پر پھر قلم اٹھایا۔ مگر میں اس کے ساتھ بحث کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نورالدین کے مصنف نے میرے مقابلہ پر پھر قلم نہ اٹھایا اور میں نے ترک اسلام کے مصنف کے مقابلہ میں قلم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور اس طرح ہماری پہلی جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔

مگر کچھ عرصہ کے بعد ملا ازم کو دو بارہ رگڑ نے کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا۔ اس دفعہ میں نے تواریخ سے مدد لی۔اور نخل اسلام کے نام سے جلی سڑی کتاب شائع کی۔آریہ سماج کے اخبارات نے اس کتاب کا نہائت زوردار الفاظ میں ریویو کیا۔ مسلم اخبارات نے اس کے برخلاف شور مچایا۔میں چاہتا تھا کہ پرانے ٹائپ کے ملا لوگ میرے مقابلے پر آئیں۔تاکہ مجھے اس بات کے جاننے کا موقع ملے کہ وہ ان باتوں کا کیا جواب رکھتے ہیں۔لیکن بدقسمتی سے اس دفعہ بھی وہی ترک شیرازی (ثناء اللہ) میدان میں کودا اور یہ کہہ کر کہ قرآن مجید یا اسلام تواریخ یا تفاسیر کا جواب دہ نہیں۔نخل اسلام پر تبرا اسلام مار کر چلتا ہوا۔ اس طرح پرانے ٹائپ کے جن ملانوں کو رگڑنے کے لئے میں نے یہ دوسری کوشش کی تھی وہ پھر بچ گئے۔ آخرکار..میں نے اس تمام بحث کا قطعی فیصلہ کر ڈالا۔اور ترک اسلام سے لے کر اپنی آخری تصنیف تک جس قدر کتابیں تھیں ان سب کو میں نے ۱۴ جون ۱۹۱۱ء کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

(المسلم۔ص ۲۹۲۔ دسمبر ۱۹۱۴ء۔اہل حدیث ۱۱۔۱۸ دسمبر ۱۹۳۶ء۔ منقول از فتنہ قادیانیت اور مولانا امرتسری ص ۲۹۳۔۲۹۴)

☆ ایک آریہ مبلغ نے ایک کتاب بنام کتاب اللہ وید ہے یا قرآن؟ شائع کی۔ مولانا ثناء اللہ نے کتاب الرحمٰن کے نام سے اس کا جواب دیا۔اس کے بعد آریوں نے رنگیلا رسول کے نام سے کتاب لکھی جس کے جواب میں مولانا نے مقدس رسول ﷺ کے نام سے یادگار کتاب لکھی۔

☆ مسیحیت کے خلاف بھی آپ کا کام بہت قابل قدر ہے۔آپ نے عیسائی پادریوں سے مناظرے بھی کئے اور ان کے عقائد کی تردید بذریعہ تحریر بھی فرمائی۔آپ کی کتاب اسلام اور مسیحیت کو قبول عام حاصل ہوا۔اور نواب محمد جہانگیر والی ریاست مانگرول علاقہ کاٹھیاواڑ نے ایک خط میں کو آپ کو لکھا۔

مانگرول ۱۳ اگست ۱۹۴۱ء۔حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب زاد لطفہ

بعد سلام گذارش ہے کہ جہاں تک میری معلومات ہیں آپ کی ذات بابرکات کو ہند میں لاثانی عالم سمجھتا ہوں۔اور آپ جو اسلام کی خدمت کر رہے ہیں قابل تعریف ہے۔آپ نے جو کتاب اسلام اور مسیحیت لکھی ہے واقعی اسلام کی

بہت خدمت کی ہے۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ ویسے تو کوئی بھی شئے بے عیب نہیں ہوسکتی بجز ذات خداوندی کے۔ مگر یہ کتاب ہر طرح قابل قدر ہے۔ اللہ تعالی آپ کی عمر میں برکت دے تا کہ آپ صد و سی سال اسلام کی خدمت کرتے رہیں۔

والسلام نیاز مند محمد جہانگیر۔ (اہل حدیث ۲۹ اگست ۱۹۴۱ء ص ۷)

ہند کی تحریک آزادی میں بھی آپ حصہ لیتے رہے اور محمد میاں نے بتایا ہے . ثناء اللہ جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے۔ یہی شخص مولوی ثناء اللہ امرتسری ہے انجمن اہل حدیث پنجاب کا صدر ہے۔ ہندوستان میں شائد سب سے ممتاز وہابی ہے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے اردو اخبار اہل حدیث کو مرتب کرتا ہے۔ وہ ایم ابراہیم سیالکوٹی کا بڑا گہرا اور مخلص دوست ہے .

(تحریک شیخ الہند محمد میاں کراچی ۔ ۱۹۸۸ء ص ۴۷۵)

ندوہ کے قیام کے سلسلے میں مولانا محمد علی مونگیری مولانا لطف اللہ علی گڈھی اور علامہ شبلی نعمانی نے جو اجلاس کان پور میں طلب کیا تھا اس میں مولانا امرتسری بھی شامل تھے۔ اور علماء میں سب سے کم عمر۔ آپ اس کی تاسیسی مجلس کے ۱۹۴۷ء تک رکن رہے۔ اور اس کی اصلاحی کمیٹی کے رکن بھی رہے... حکیم اجمل خان کی دعوت پر ندوہ کا جو اجلاس ۱۹۱۲ء میں دہلی میں ہوا تھا مولانا شبلی کی تحریک پر مولانا امرتسری اس کے صدر قرار پائے تھے۔

مجلس خلافت ۱۹۱۹ء میں قائم ہوئی اس کا پہلا اجلاس لکھنو میں ہوا تھا۔ مولانا امرتسری اس میں شریک تھے

۱۹۱۹ء میں جمیعۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بانیوں میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی ۔ مولانا آزاد۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ مولانا احمد سعید دہلوی۔ مولانا کفائت اللہ۔ مولانا آزاد سبحانی مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا امرتسری شامل تھے۔ اور مولانا ثناء اللہ کی تحریک پر اس کا پہلا اجلاس مسلم ہائی سکول امرتسر میں مولانا عبدالباری کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس کی مجلس منتظمہ میں مولانا امرتسری ۔ مولانا سلامت اللہ جیراج پوری مولانا محمد اکرم خان مولانا ابراہیم سیالکوٹی مولانا داؤد غزنوی اور مولانا محمد فاخر الہ آبادی شامل تھے

ادھر حضرت میاں سید نذیر حسین محدث صاحب کی وفات کے بعد ضرورت

محسوس ہورہی تھی کہ جماعت اہل حدیث کی بھی تنظیم ہو۔اس ضرورت کومحسوس کر کے مولانا امرتسری نے ۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء کے اہل حدیث میں ایک مضمون لکھا کہ جماعت اہل حدیث کی اجتماعی ضرورت کے لئے ایک مجلس ہونی چاہیے جس کا نام ہو اہل حدیث کانفرنس۔اور یہ تجویز پیش کر کے انہوں نے ان علماء سے رائے دریافت کی۔مولوی محمد حسین بٹالوی مولوی احمد اللہ امرتسری، مولوی محمد حسن لدھیانوی، مولوی الٰہی بخش ہشیار پوری، حافظ عبد المنان وزیرآبادی، مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی، سید عبدالسلام دہلوی، مولوی محمد بشیر سھسوانی، مولوی عبدالمجید دہلوی، مولوی محمد حسین دہلوی کوئلہ فروش، مولوی عبدالعزیز رحیم آبادی، حافظ عبداللہ آروی، شاہ محمد عین الحق ساکن چھپرہ، مولوی عبدالجبار عمر پوری، مولوی عبدالعزیز قلعہ میہاں سنگھ، مولوی عبدالحکیم پٹنوی۔مولوی محمد ادریس آروی۔مولوی عبدالتواب غزنوی وغیرہ۔اوران سے التماس کی کہ اگروہ اس تحریک کے مئوید ہیں تو اس سلسلہ میں اپنی آراء سے جلد مطلع کریں تاکہ آرہ کے جلسہ میں جو ماہ شوال میں ہونے والہ ہے اور جس میں علما اہل حدیث کی خاصی جمعیت ہوتی ہے یہ تجویز پیش ہوکر پاس ہوجائے۔اس آواز کی عرصہ تک تائید ہوتی رہی اور پھر دسمبر ۱۹۰۶ء میں بموقع جلسہ احمدیہ آرہ آل انڈیا اہل حدیث کا نفرنس قائم ہوئی جس کے صدر حافظ غازی پوری اور سکرٹری مولانا امرتسری مقرر ہوئے۔اس کے بعد مولانا امرتسری ۱۹۲۸ء تک اس تنظیم کے ناظم اعلی رہے۔۱۹۲۸ء کے انتخابات میں قاضی سلیمان صدر اور مولانا عبدالمجید سوہدروی ناظم منتخب ہوئے۔

۱۹۲۰ء میں انجمن اہل حدیث پنجاب کا قیام عمل میں آیا تو اس کے پہلے صدر مولانا عبدالقادر قصوری اور ناظم اعلی مولانا ثناءاللہ امرتسری منتخب ہوئے۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اور مولانا محمد مستقیم سلفی نے اپنی تصانیف میں مولانا امرتسری کی رقادیانیت پر کتابوں کی ایک فہرست مع مختصر تعارف مرتب کی ہے۔ہم ان بزرگوں سے استفادہ کرتے ہوئے ذیل میں ایک فہرست پیش کرتے ہیں۔جو یوں ہے

☆ ہفوات مرزا۔ ۱۰ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ کلکتہ سے شائع ہوا۔اس رسالہ میں مرزا صاحب کے کچھ عقائد اور تناقضات بیان کئے گئے ہیں اور بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ اس قسم کے اختلافات کا رونما ہونا ایک نبی سے ممکن نہیں۔یہ رسالہ پہلی مرتبہ الہامات مرزا کی اشاعت اول کے فورا بعد شائع ہوا تھا۔دوسری بار ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا۔

☆ علم کلام مرزا۔ ۸۰ صفحات پر اردو میں پہلی بار ۱۹۳۲ء میں امرتسر سے شائع ہوئی۔ اس میں براہین احمدیہ کا علم کلام کی حیثیت سے جائزہ لیا گیا۔ اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے اس پر تقریظیں لکھیں۔

☆ تاریخ مرزا۔ ۶۴ صفحات پر پہلی بار لاہور سے اردو میں ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی۔ اس میں مرزا کے سوانح خود انہی کے اشتہارات اور تالیفات کی روشنی میں لکھے گئے ہیں اور اس کی زندگی کے بہت سے گوشوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔

☆ بہاء اللہ اور میرزا قادیانی۔ ۷۶ صفحات پر اردو میں امرتسر سے پہلی مرتبہ ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دکھایا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے دعوی میں وہی صورت اختیار کی ہے جو بہاء اللہ ایرانی نے اختیار کی تھی کتاب میں دونوں کے حالات و سوانح کا ذکر کرتے ہوئے دونوں کے دلائل اکٹھا کر کے ان پر بحث کی گئی ہے۔

☆ فاتح قادیان۔ امرتسر سے ۱۹۱۲ء میں ۷۰ صفحات پر اردو میں شائع ہوئی۔ یہ اس مناظرے کی روئداد ہے جو آپ نے اپریل ۱۹۱۲ء میں منشی قاسم علی سے لدھیانہ میں کیا تھا۔ اس میں فریقین کی تحریریں اور منصف کا فیصلہ دیا گیا ہے

☆ فیصلہ مرزا (عربی و اردو) ۴۰ صفحات پر پہلی مرتبہ امرتسر سے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس میں مرزا صاحب کی آخری فیصلے والی دعا اور پھر اس دعا کے نتیجے کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں قادیانیوں کی طرف سے جو ہیرا پھیریاں کی جاتی ہیں ان کی تردید فرمائی ہے یہ رسالہ انگریزی کشمیری پنجابی اور بنگالی زبانوں میں بھی شائع ہوا

☆ تعلیمات مرزا۔ یہ کتاب ۷۲ صفحات پر اردو میں پہلی بار امرتسر سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں مرزا صاحب کی تعلیم کے چار ابواب (اختلافات مرزا۔ کذب مرزا۔ نشانات مرزا۔ اخلاق مرزا) کو نقل کر کے ان کا تضاد دکھایا گیا ہے

☆ نکاح مرزا۔ اردو میں ۲۰ صفحات پر پہلی بار امرتسر سے ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا۔ اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کی آسمانی منکوحہ (محمدی بیگم) سے متعلق پیش گوئیاں غلط ہیں۔

☆ نکات مرزا۔ ۴۰ صفحات پر اردو میں ۱۹۲۶ء میں پہلی بار لاہور سے شائع ہوئی۔ مارچ ۱۹۲۵ء میں قادیان میں مسلمانوں کا ایک جلسہ ہوا تھا جس بعض علمائے دیو بند نے

دوران تقریر مرزا صاحب کے ' معارف قرآنیہ ' پر کچھ تنقید کی۔ اس پر مرزا محمود احمد نے علمائے دیو بند کو اپنے مقابل تفسیر لکھنے کا چیلنج دیا۔ مولانا امرتسری نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے مرزا محمود کو لکھا

' آپ اسی میدان میں تشریف لائیے جس میں مرزا صاحب نے امرتسر میں مباہلہ کیا تھا۔ میں آپ کی طرف سے تقرر تاریخ اور جواب باصواب کا منتظر ہوں۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۱ اگست ۱۹۲۵ء)۔

مرزا محمود حیلہ بازیاں کرنے لگے تو آپ نے پھر لکھا

' آپ بتراضی فریقین کوئی تاریخ مقرر کر کے بٹالہ کی جامع مسجد میں آجائیں۔ جہاں صبح آٹھ بجے سے بارہ بجے تک مجلس ہوگی۔ جس میں میں اور آپ تفسیر لکھیں گے۔ اس طرح سے کہ مجھ سے اور آپ سے قریب دس دس گز تک کوئی آدمی نہ بیٹھے گا۔ ہمارے ہاتھ میں صرف سادہ بے ترجمہ قرآن سادہ کاغذ اور آزاد قلم ہوگا '

(اہل حدیث امرتسر ۱۳ نومبر ۱۹۲۵ء)

مرزا محمود میدان میں نہ آئے تو آپ نے یہ کتاب لکھی۔ اور آیات قرآنی کے اندر مرزا صاحب کی نکات آفرینیوں کے نہائت دلچسپ نمونے اپنے تبصروں کے ساتھ جمع کر دیئے

☆ عجائبات مرزا ۔ ۲۴ صفحات پر اردو میں پہلی بار ۱۹۳۳ء میں امرتسر سے شائع ہوئی۔ اس میں مرزا صاحب اور ان کے بیٹے مرزا محمود احمد کی تحریرات متعلقہ عمر دنیا اور مرزا صاحب کی پیدائش پر تبصرہ کیا گیا۔

☆ فتح ربانی در مباحثہ قادیانی ۔ ۸۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۱۲ء میں پہلی بار امرتسر سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اس مناظرے کی روئداد ہے جو مولانا امرتسری اور مولوی غلام رسول راجیکی مرزائی کے مابین ۲۹ ۔ ۳۰ اپریل ۱۹۱۲ء بمقام امرتسر حیاۃ و وفاۃ مسیح اور صداقت مرزا پر ہوا تھا۔ رسالے کے آخر میں ایک بسیط ریویو بھی ہے

☆ مراق مرزا ۔ ۱۴ صفحات پر اردو میں یہ رسالہ پہلی بار امرتسر سے ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ اس میں مرض مراق کی تشریح اور مرزا غلام احمد کے اپنے اقوال سے خود اس کا اور اسکی بیوی اور بیٹے کا مراقی ہونا ثابت کیا گیا۔

☆ محمد قادیانی ۔ ۲۴ صفحات پر اردو میں ۱۹۲۸ء میں پہلی بار امرتسر سے شائع ہوئی۔

مرزا صاحب اپنے آپ کو بروز محمد کہا کرتے تھے۔اس لئے اس رسالہ کا نام محمد قادیانی رکھا ۔اس میں یہ دکھایا ہے کہ محمد ﷺ نے کیا کیا کام کئے اور ان کے بروز نے کیا کئے۔تاکہ ان کاموں کی مطابقت یا عدم مطابقت سے مرزا صاحب کے صدق وکذب معلوم ہو۔

☆ ہندوستان کے دو ریفارمر ۔ اس رسالہ میں دو مدعیان اصلاح یعنی دیانند سوامی اور مرزا غلام احمد کی بدزبانیوں کے نمونے دکھا کر فیصلہ قارئین پر چھوڑا گیا ہے کہ کیا ایسے تلخ گو حضرات بھی مصلح اور ریفارمر ہو سکتے ہیں ؟

☆ فسخ نکاح مرزائیاں ۔ ۲۴صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۹۱۸ء میں مرتب ہوا اور ۱۹۲۴ء میں امرتسر سے شائع ہوا۔ اس رسالہ میں مرزائیوں سے میل جول اور شادی غمی میں شرکت سے متعلق سے ۱۸۹ علماء کا فتوی مولانا ثناء اللہ کی سر پرستی میں مرتب ہوکر شائع ہوا۔ مفتیوں میں شیعہ بریلوی دیوبندی اوراہل حدیث شامل ہیں ۔فتوی میں بتایا گیا ہے کہ مرزائی خارج عن الاسلام ہیں کسی مسلمان مرد یا عورت کا نکاح ان سے صحیح نہیں ۔اگر نکاح ہو جانے کے بعد کوئی مرزائی عقائد قبول کرلے تو نکاح فسخ ہو جائے گا ۔

☆ شاہ انگلستان اور مرزا قادیانی ۔ ۱۲صفحات پر یہ رسالہ پہلی بار امرتسر سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ جب لارڈ کرزن وائسرائے ہند نے ۱۹۰۶ء میں صوبہ بنگال کو مشرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم کیا اور اس کی منسوخی کا علان جارج پنجم شاہ انگلستان نے ۱۹۱۱ ء میں اپنے دورہ ہند کے دوران کیا تو اس سے خدا کی جانب سے مرزا کی تکذیب ہوئی ۔

☆ عقائد مرزا ۔ ۸صفحات پر اردو میں یہ رسالہ ۱۹۱۶ء میں شائع ہوا۔اس میں چند قادیانی عقائد کو مع حوالہ جات پیش کیا گیا ہے۔

☆ چیستان مرزا ۔ ۸صفحات پر یہ رسالہ پہلی بار ۱۹۲۸ء میں امرتسر سے شائع ہوا۔ اس میں مرزا صاحب کے الہامات واقوال میں تضاد ثابت کرتے ہوئے تین سو روپیہ کا چیلنج کیا گیا ہے۔ اس عنوان سے مولانا نے کئی مرتبہ مرزا صاحب کے الہامات وفرمودات میں اختلافات و تضادات کا مرقع پیش کیا تھا اور انہیں حل کرنے پر انعامات دینے کا بھی اعلان کیا تھا ۔چنانچہ دسمبر ۱۹۰۷ء میں مرقع قادیانی میں اس عنوان سے لکھے گئے ایک مضمون کوایک ماہ میں حل کرنے پر ۵۰۰ روپیہ دینے کا وعدہ کیا گیا۔ ۱۵ جون ۱۹۱۷ء اہل حدیث

میں اس عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس میں آپ نے لکھا

'اس کا جواب لاہوری پارٹی کے سرگروہ دیں تو ایک صد روپیہ اور قادیانی پارٹی کے رئیس میاں محمود جواب دیں تو دو صد روپیہ کے انعام کے مستحق ہوں گے۔ فیصلہ کی صورت یہ ہوگی کہ تین اصحاب منصف ہوں گے۔ایک ایک فریقین کا اور تیسرا سرپنچ غیر مسلم مسلمہ طرفین ہوگا'

لیکن کسی نے جواب پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ جب آپ نے ان مضامین کو رسالے کی صورت میں شائع کیا تو دو معاملات پر بحث تھی

۱۔ مرزا صاحب کا سن بعثت۔ آپ نے بتایا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اوہام صفحہ ۱۸۵۔تریاق القلوب صفحہ ۱۶ ' ۶۸ اور تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں صفحہ ۱۷ پر اپنا سن بعثت پورے ۱۳۰۰ھ بتایا ہے۔اس کے بعد تتمہ حقیقت الوحی کے صفحہ ۱۹۹ سے ایک عبارت نقل کی ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ مرزا صاحب کی بعثت ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں ہوئی۔ پھر ازالہ اوہام صفحہ ۶۵۷ اور صفحہ ۶۷۵ سے دو اقتباسات نقل کئے جن کا اقتضا یہ ہے کہ مرزا صاحب کی بعثت ۱۲۷۴ھ میں ہوئی۔

۲۔ دوسرا مضمون مرزا صاحب کی موت کا ہے۔ان کی پیش گوئی یہ تھی کہ میری عمر ۸۰ سال کے گرد و پیش ہوگی اور مولانا نے خود مرزا صاحب ہی کی تحریروں سے بتایا ہے کہ ان کی عمر ۶۴ سال ہوئی۔

☆ شہادات مرزا ملقب بہ عشرہ مرزائیہ۔ امرتسر سے پہلی بار ۱۹۰۹ء میں ۳۲ صفحات پر اردو میں شائع ہوا۔اس رسالہ میں دس شہادتوں سے مرزا غلام احمد کے مسیح موعود ہونے کی تردید کی گئی ہے۔ یہ دس شہادتیں ایسے مآخذ سے فراہم کی گئی ہیں جو قادیانی حضرات کے نزدیک واجب التسلیم ہیں۔ یعنی احادیث صحیحہ۔مرزا صاحب کی وحی و الہام اور مرزا صاحب کے اپنے معیار و اقوال۔ یہ رسالہ رد مرزائیت میں لا جواب ہے۔آپ نے اس کے جواب پر بفیصلہ منصف ایک ہزار روپیہ دینے کا اعلان کیا تھا اور اسے امپیریل بنک امرتسر میں جمع بھی کروادیا تھا۔لیکن کسی کو اس کا جواب لکھنے کی جرئت نہ ہوئی۔

☆ مرقع قادیانی ۔ ۵۸ صفحات پر اردو میں امرتسر سے پہلی بار ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں ان خاص خاص مضامین کو منتخب کر کے شائع کیا گیا ہے جو آپ کے رسالہ مرقع

قادیانی میں شائع ہو چکے تھے۔

☆ زار قادیان ۔ ۸ صفحات پر اردو میں ۱۹۱۷ء میں امرتسر سے پہلی بار شائع ہوا۔ ۱۹۰۷ء میں روس میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو زار روس کے متعلق مرزا صاحب کی ایک عبارت کو سہارا بنا کر قادیانیوں نے پروپیگنڈہ کیا کہ یہ انقلاب مرزا صاحب کی پیش گوئی کے مطابق ہے جس سے آپ کے مامور من اللہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس رسالہ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خود مرزا صاحب کی تصریح کے مطابق اس عبارت کا تعلق انقلاب روس سے نہیں ہے

☆ نا قابل مصنف مرزا ۔ یہ کتاب ۶۰ صفحات پر اردو میں پہلی مرتبہ امرتسر سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں مرزا صاحب کے استدلال پر متکلمانہ طرز سے نظر ڈالی گئی ہے ۔ انداز حکیمانہ ہے اور اس میں مرزا صاحب کی تین کتابوں (براہین احمدیہ۔ آئینہ کمالات اسلام۔ چشمہ معرفت) کتابوں پر تنقید کر کے بتایا ہے کہ مرزا صاحب ایک نا قابل مصنف تھے۔

☆ مکالمہ احمدیہ ۔ ۵۲ صفحات پر اردو میں پہلی بار امرتسر سے ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ یہ مرزائیوں کے دو فریقوں یعنی قادیانی اور لاہوری گروہوں کی تحریریں ہیں جو ان کے باہمی اختلافات پر ہیں کہ مرزا صاحب مجدد اور مسیح موعود تھے یا نبی و رسول۔

☆ لیکھرام اور مرزا۔ ۱۶ صفحات پر اردو میں یہ رسالہ پہلی بار ۱۹۴۲ء میں امرتسر سے شائع ہوا۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ پنڈت لیکھرام پشاوری کے قتل سے متعلق مرزا صاحب کی پیش گوئی غلط تھی۔

☆ محمود مصلح موعود ۔ مرزا صاحب نے ایک پیشگوئی مصلح موعود کے عنوان سے کی تھی ۔ پہلے انہوں نے اپنے بیٹے بشیر کو اس کا مصداق ٹھہرایا ۔ وہ مرگیا۔ پھر اپنے بیٹے مبارک کو اس کا مصداق ٹھہرایا۔ وہ بھی مر گیا۔ ۱۹۴۴ء میں مرزا محمود نے ہوشیار پور کے جلسے میں اپنے آپ کو اس کا مصداق ٹھہرایا تو مولانا امرتسری نے اس بات کی تردید میں اگست ۱۹۴۴ء میں یہ رسالہ لکھا۔

☆ اباطیل مرزا ۔ ۱۶ صفحات پر اردو میں امرتسر سے پہلی بار ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔ یہ رسالہ مولانا کے ۵ مضامین کا مجموعہ ہے جو یہ ہیں ۔ آہ نادر شاہ کہاں گیا۔ حلف مئوکد بعذاب ۔ زلزلہ بہار۔ نکاح آسمانی ۔ تقریر لائل پور ۔ ان مضامین میں مرزا صاحب کا کذب ثابت کیا گیا ہے۔

☆ تحفہ احمدیہ ۔ یہ کتاب ۵۲ صفحات پر اردو میں امرتسر سے پہلی مرتبہ ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی ۔ اس میں مرزا صاحب نے آسمانی نکاح کے بارے میں جو پیش گوئی کی ہے اسکے جھوٹا ہونے کا ثبوت قادیانی امت کے اکابرین مثل حکیم نور دین مولوی محمد علی ڈاکٹر بشارت احمد ڈاکٹر میر اسماعیل وغیرہ کی تحریرات سے دیا گیا ہے۔

☆ صحیفہ محبوبیہ ۔ اردو میں ۷۶ صفحات پر یہ کتاب باراول ۱۹۰۹ء میں امرتسر سے شائع ہوئی ۔ یہ کتاب قادیانی رسالہ صحیفہ آصفیہ مصنفہ حکیم نورالدین کا جواب ہے جس میں انہوں نے نواب حیدرآباد کو یہ تبلیغ کی تھی کہ ہندوستان بھر میں جو طاعون قحط اور وبا پیش آئے تھے اور ۱۹۰۸ء میں آپ کے علاقے میں جو طوفان وغیرہ آیا تھا ان تمام حوادث کی خبر ہمارے مرزا صاحب نے پہلے سے دے رکھی تھی ۔ مولانا نے اس کتاب میں مرزا صاحب کے صدق و کذب کو موضوع گفتگو بنایا۔

☆ ثنائی پاکٹ بک ۔ مارچ ۱۹۳۴ء میں تالیف ہوئی ۔ پھر ۹۶ صفحات پر یہ کتاب دہلی سے بار دوم ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی ۔ یہ پاکٹ بک نہ صرف قادیانیت بلکہ ہندو اور بہائی کے عقائد کی تردید پر بھی نہائت مختصر مگر جامع کتاب ہے۔

☆ آفت اللہ ۔ ۸ صفحات پر یہ کتابچہ بار پنجم ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا ۔ قادیانیوں کے لاہوری گروپ کے امیر مولوی محمد علی نے ایک رسالہ آئت اللہ لکھا تھا جس میں مرزا صاحب کے آخری فیصلہ والے اشتہار سے متعلق بہت سی تاویلیں کی تھیں ۔ مولانا نے ان کا جواب آفت اللہ میں دیا۔

☆ قادیانی مباحثہ دکن ۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ پہلی مرتبہ امرتسر سے ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا ۔ اس میں اس مناظرہ کی روئداد ہے جو مولانا امرتسری اور قادیانی علماء کے درمیان سکندرآباد دکن میں ۳۱ جنوری ۱۹۲۳ء کو ہوا تھا

☆ عشرہ کاملہ ۔ ۱۵۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی بار امرتسر سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی ۔ اس کتاب میں دس فصلیں قائم کر کے ہر فصل میں دس دس دلائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح سو دلائل سے عام فہم پیرایہ میں قادیانی مذہب کی حقیقت انہی کی کتابوں سے بے نقاب کی گئی ہے۔

☆ تفسیر بالرائے ۔ یہ تالیف مئی ۱۹۳۹ء کی اور اس میں آپ نے مرزا قادیانی

کی تفسیر آیات مختلفہ ۔ مولوی مقبول احمد شیعہ ۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی ۔ مولوی محمد علی لاہوری مولوی احمد دین نیچری (امرتسری) مرزا محمود کے تفسیری نوٹ ۔ تحریرات شیخ بہاء اللہ ۔ تفسیر خواجہ حسن نظامی ۔ ترجمہ قرآن مولوی احمد رضا خان کا جائزہ لیا ہے

☆ الہامات مرزا ۔ پہلی مرتبہ ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی ۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۰۴ء میں ۱۳۲ صفحات پر شائع ہوا ۔ اس میں مرزا صاحب کے مقرر کئے ہوئے معیار پر ان کا صدق و کذب جانچا گیا ہے اور اس میں مرزا صاحب کی درج ذیل پیش گوئیوں پر بحث کی گئی ہے متعلقہ ڈپٹی عبداللہ آتھم عیسائی ۔ متعلقہ پنڈت لیکھرام پشاوری ۔ متعلقہ محمدی بیگم واحمد بیگ و سلطان محمد ۔ متعلقہ مولانا محمد حسین بٹالوی ملا محمد بخش لاہوری اور مولانا ابوالحسن تبّتی ۔ متعلقہ نشان آسمانی میعادی سہ سالہ ۔ متعلقہ طاعون پنجاب ۔ متعلقہ حفاظت قادیان ۔ مولانا امرتسری کے قادیان نہ جانے کی پیش گوئی ۔ اور عجیب پیش گوئی ۔ بعد کے ایڈیشنوں میں آپ نے مرزا قادیانی کی اپنی عمر سے متعلق پیش گوئی اور آخری فیصلہ کے عنوانات کو بھی اس میں شامل کر دیا ۔ پہلے دوسرے اور تیسرے ایڈیشنوں میں جو مرزا صاحب کی زندگی میں شائع ہوئے تھے جواب دینے پر ۵۰۰ ' ۱۰۰۰ ' اور ۲۰۰۰ روپئے کے انعامات کا اعلان کیا گیا تھا ۔

☆ تفسیر نویسی کا چیلنج اور فرار ۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ پہلی بار ۱۹۳۱ء میں امرتسر سے شائع ہوا ۔ ۱۹۲۵ء میں مرزا محمود احمد نے علمائے دیوبند کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا تھا ۔ علمائے دیوبند نے کسی وجہ سے اسے منظور نہ کیا تو مولانا امرتسری سامنے آگئے اور چیلنج قبول کر لیا ۔ جواب میں مرزا محمود حیلوں بہانوں سے راہ فرار اختیار کر گیا ۔

☆ بطش قدیر ۔ مرزا محمود نے تفسیر کبیر کے نام سے قرآن کی تفسیر لکھی جس میں اس قدر غلطیاں تھیں کہ مولانا لکھتے ہیں ان کو دیکھکر میرے دل میں خوف پیدا ہوا کہ ان کی نشان دہی کا کام کئے بغیر میں مر گیا تو خدا مجھ سے جواب طلبی کریگا ۔ اور پھر آپ نے ایک رسالہ مرتب کیا جس میں بطور نمونہ دس غلطیاں درج کر کے ان کی وضاحت کی ۔

☆ مرزا محمود کے ساتھ مولانا کا بسلسلہ تفسیر عرصہ تک معاملہ چلتا رہا ۔ اور دونوں طرف سے اخبارات میں مضامین نکلتے ۔ اس سلسلے میں مولانا کا ایک مضمون حسب ذیل ہے

' قادیان سے جب کبھی یہ آواز نکلی کہ ہم قرآن مجید کے معارف اور دقائق

ایسے جانتے ہیں جن کو کوئی نہیں جانتا۔ کوئی ہے جو ہمارا مقابلہ کر سکے۔ ادھر سے جواب دیا گیا کہ 'ہم'۔ اس لئے کہ دوسرے علماء تو قادیان کے بڑے میاں کو قابل خطاب ہی نہ جانتے تھے چھوٹے بھیئے کو کون پوچھتا۔ مگر ہمیں تو قادیان سے خاص تعلق ہے کیونکہ ہم نے تو ان سے سہ صد روپیہ انعام لیا ہوا ہے جو کسی اور نے نہیں لیا۔ ...(مرزا محمود کے تفسیر نویسی کے چیلنج کے جواب میں) ہماری پہلی تیاری کے خاتمہ پر سالانہ جلسہ قادیان میں ایک پرانے احمدی بابو عمر الدین شملوی نے خلیفہ صاحب قادیان کو دو مرتبہ رقعہ لکھا کہ مولوی ثناء اللہ کی آمادگی بابت تفسیر نویسی کا جواب دیجئے مگر خلیفہ صاحب نے ایک ہی بات کہی کہ 'ہم نے پی ہی نہیں'۔ اس کے بعد قادیان میں پھر جوش اٹھا تو ہم نے اہل حدیث مورخہ یکم جون ۱۹۳۴ء میں پھر للکارا کہ خبردار ہم جاگتے ہیں۔ بس اتنا کہنا تھا کہ چور بھاگ گیا۔ اب پھر ایک پکا احمدی تنخواہ حلال کرنے کو سامنے آیا.....اور وہی لکھتا ہے جو ایک پکے احمدی کے شایان شان ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ بطور نمونہ درج ذیل ہیں

'مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو تلبیس اور باطل آرائی میں اس درجہ کمال حاصل ہے کہ یہودیوں میں بھی شائد ہی اس کی کوئی نظیر مل سکے۔ حضرت مسیح موعود یا آپ کے خدام میں سے کسی کے مقابلہ پر آنے کی آج تک آپ کو کبھی جرئت نہیں ہوئی۔ لیکن شہرت پسندی اور جاہ طلبی آپ کو نچلا بھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ اس لئے ہر معاملہ میں خواہ مخواہ ٹانگ اڑا لیتے ہیں۔ مگر جب اظہار حقیقت کا وقت آتا ہے تو نہائت ہوشیاری اور کمال عیاری کے ساتھ پہلو بچا کر نکل جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی ابتدائی شورا شوری کو دیکھنے والہ جب انتہائی بے نمکی کا مشاہدہ کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے'۔ (الفضل ۸ جولائی ۱۹۳۴ء ص ۵)

(مولانا امرتسری کہتے ہیں) ہمارے خیال میں ایک فقرہ (قادیانی) راقم مضمون سے رہ گیا۔ وہ اگر لکھ دیتا تو ساری عبارت مزین ہو جاتی اور وہ تھا بھی بالکل صحیح۔ یعنی مولوی ثناء اللہ مقابلہ سے بھاگتا ہے تو سیدھا قادیان میں جا پہنچتا ہے (جیسا کہ جنوری ۱۹۰۳ء بڑے مرزا صاحب کے چیلنج کے جواب میں پہنچا تھا)۔

(اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں) ناظرین تکلیف کر کے یکم جون ۱۹۳۴ء کا اہل

حدیث ملاحظہ کریں۔ اس میں ہم نے کیا کمی رکھی ہے۔ صاف لکھا ہے کہ بلا شرط چلے آؤ۔ جو کتاب چاہو ساتھ لے آؤ۔ ہاں آخری فیصلہ پر گفتگو کرنے کی منظوری طلب کی تھی۔ پس اگر خلیفہ قادیان خود کہیں گے کہ میں آپ سے بحث نہیں کر سکتا تو ہم اس ضمیمہ کو چھوڑ دیں گے اور محض تفسیر نویسی میں مقابلہ کریں گے۔ لیکن خلیفہ صاحب کی تازہ تفسیر دیکھ کر ہمارے دل میں ایک ضروری شرط آئی ہے وہ بھی اس لئے کہ فیصلہ ہو سکے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مقابلہ ادھورا رہ جائے۔ وہ تفسیر آپ کی اس قابل ہے کہ عربی اور فارسی اور ترکی وغیرہ اسلامی زبانوں میں ترجمہ کر کے اسلامی ممالک میں بھیج دی جائے کہ دیکھئے ہمارے ہندوستان میں ایسے ایسے بلند پایہ مفسر ہیں جو قرآن کی تفسیر میں ایسے نکات بتاتے ہیں جو بقول نواب محسن الملک (مرحوم) خدا تعالی کو بھی معلوم نہیں (نواب صاحب نے سر سید احمد خان کو ایک خط میں لکھا تھا کہ آپ ایسی تفسیر کرتے ہیں جو خدا کو بھی معلوم نہیں۔ یعنی آپ غلط تفسیر لکھتے ہیں)

حضرات خلیفہ صاحب قادیان سے سوال ہوا کہ حضرت ابراہیم نے جو مردے زندہ ہونے کا سوال کیا تھا۔ اس کا کیا مطلب تھا؟ خلیفہ صاحب نے جواب دیا اور کیا اچھا دیا ' فرمایا کہ حضرت ابراہیم کا ایمان تھا کہ خدا تعالی احیائے موتی کر سکتا ہے۔ مگر وہ اپنی اولاد کے متعلق یہ اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے کہ اس پر بھی فضل ہو گا اور وہ بھی زندہ قوم بن سکے گی۔ اس کے متعلق خدا نے ان کو بتایا کہ تماری اولاد کو چار دفعہ زندہ کیا جائے گا۔ اور چار بار اس پر خاص فضل نازل ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک دفعہ حضرت موسی علیہ السلام کے وقت۔ دوسری دفعہ حضرت عیسی علیہ السلام کے وقت۔ تیسری دفعہ رسول کریم ﷺ کے وقت اور چوتھی دفعہ حضرت مسیح موعود (مرزا) کے وقت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر خدا تعالی نے خاص فضل کیا۔ چار پرندوں کی تمثیل سے یہی بات بتائی گئی تھی ' (الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۳۴ء ص ۶)

ماشاء اللہ چشم بد دور۔ اس تفسیر پر مفصل ریمارک تو لاہوری پیغامی کریں گے ہمیں تو صرف یہ پوچھنا ہے کہ مرزا صاحب قادیانی برلاسی حضرت ابراہیم کی اولاد کب سے بنے ہیں۔ یہ تو برلاس مغل کی اولاد سے ہیں۔ چنانچہ حال میں جو ایڈریس وائسرائے بہادر کو احمدیوں نے دیا ہے اس میں مرزا صاحب بانی سلسلہ کو برلاس مغل

کی اولاد سے بتایا ہے لیکن آج وہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے سنے جاتے ہیں ۔ حالانکہ مرزا صاحب خود آپ ابراہیم بنتے رہے ہیں ۔ چنانچہ آپ کا ایک شعر ہے

میں کبھی آدم کبھی موسی کبھی یعقوب ہوں نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اگر اولاد ابراہیم سے مراد امت محمدیہ پنجابیہ ہے جن کی طرف مرزا صاحب مبعوث ہوئے ہیں تو کیا پنجابی قوم ابراہیمی ہے؟ ... اس قسم کی اعجب العجائب تفسیر کے مصنف کی قدر کرنے والا اگر کوئی نہ ہو تو بے قدری میں لطف کیا آئے گا۔ اس لئے تفسیر نویسی کی صحت اور عمدگی کے فیصلے کے لئے کوئی غیر جانبدار عربی دان منصف ہونا چاہیے ۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۰ جولائی ۱۹۳۴ء ص ۷ ۔ ۸)

☆ قادیانی کی تحریر فیصلہ کن یا میری حلف؟ یہ رسالہ عبداللہ الہ دین مرزائی کے انعامی چیلنج کے جواب میں لکھا گیا ۔ اس کے علاوہ انجمن اہل حدیث سکندر آباد نے بھی قادیانی حلف کی حقیقت کے عنوان سے ایک کتابچہ (شائد ۱۹۳۴ء میں) شائع کیا تھا ۔ افادیت کے پیش نظر ہم اس موضوع پر مولانا کا ایک مضمون یہاں نقل کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں

☆ جناب مرزا صاحب قادیانی (متوفی) نے میرے مئواخذات سے تنگ آکر ۱۵ ۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو آخری فیصلہ کا اعلان کیا تھا ۔ اس کے بعد آج کل حیدر آباد دکن سے ایک اعلان آخری فیصلہ کا نکلا ہے ۔ ناظرین کی اطلاع کے لئے ہم دونوں مضامین بالمقابل لکھتے ہیں ۔ (اس کے بعد ایک طرف مرزا صاحب کا اشتہار آخری فیصلہ درج کر کے اس کے ساتھ نیا حیدر آبادی اشتہار درج کیا ہے جو یوں ہے)

مولوی ثناءاللہ صاحب کو دس ہزار روپیہ انعام

مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری نے مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء کو ایک خاص مجلس میں جس میں کہ ہمارے شہر کے ایک معزز و محترم باوقار انسان یعنی عالی جناب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر بالقابہ بھی رونق افروز تھے ۔ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میرے حیدر آباد آنے کا اصل مقصود سیٹھ عبداللہ الہ دین ہیں تا کہ ان کو ہدائت ہو جائے ۔ اس لئے میں اپنے ذاتی اطمینان اور تسلی کے لئے بذات خود یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ اگر مولوی ثناءاللہ صاحب کے اس سفر کی مقدم غرض یہی ہے کہ مجھ کو ہدائت ہو جائے تو مولوی ثناءاللہ صاحب اس حلف کے مطابق جو میں اس اشتہار میں درج کرتا ہوں قسم

کھا جائیں ۔مگر قبل اس کے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب حلف اٹھائیں ضروری ہوگا کہ ایک اشتہار کے ذریعہ صاف طور پر حیدر آباد وسکندر آباد میں شائع کر دیں کہ میں اس حلف کو جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور اپنے عقائد کے درمیان حق و باطل کے تصفیہ کا فیصلہ کن معیار قرار دیتا ہوں ۔اور یہ کہ اس حلف کے بعد سال کی میعاد کے اخیر دن تک میں اس اقرار معیار فیصلہ کن کے مخالف کوئی تحریر یا تقریر نہ شائع کرونگا اور نہ بیان کرونگا۔ ہاں ویسے مولوی صاحب کو اختیار ہے کہ مرزا صاحب کی تردید بڑے زور سے کرتے رہیں ۔مگر اس حلف کے فیصلہ کن معیار ہونے سے حلف کے بعد سال بھر تک انکار نہ کریں ۔ میری طرف سے یہ اقرار ہے کہ اگر اس حلف کے بعد مولوی صاحب ایک سال تک صحیح سلامت زندہ رہے یا ان پر کوئی عبرت ناک وغضب ناک عذاب نہ آیا تو اہل حدیث ہو جاؤنگا۔ یا مولوی صاحب کے حسب خواہش مبلغ دس ہزار روپیہ مولوی صاحب موصوف کو بطور انعام کے ادا کرونگا۔

حلف کے الفاظ یہ ہیں جو مولوی ثناء اللہ صاحب جلسہ عام میں تین مرتبہ دہرائیں گے اور ہر دفعہ خود بھی اور حاضرین بھی آمین کہیں گے

’ میں ثناء اللہ ایڈیٹر اہل حدیث خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس بات پر حلف کرتا ہوں کہ میں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعاوی و دلائل کو بغور دیکھا سنا اور سمجھا۔اور اکثر تصانیف ان کی میں نے مطالعہ کیں ۔ اور عبداللہ الہ دین کا چیلنج انعامی دس ہزار کا بھی بغور پڑھا۔مگر میں نہائت وثوق اور کامل ایمان اور یقین سے یہ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے تمام دعاوی والہامات جو چودھویں صدی کے مجدد وامام وقت و مسیح موعود ومھدی موعود وامتی نبی ہونے کے متعلق ہیں وہ سراسر جھوٹ و افترا اور دھوکہ و فریب اور غلط تاویلات کی بنا پر ہیں ۔ برخلاف اس کے عیسی علیہ السلام وفات نہیں پائے ۔ بلکہ وہ بجسد عنصری زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور ہنوز اسی خاکی جسم کے ساتھ موجود ہیں ۔اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اتریں گے۔ اور وہی مسیح موعود ہیں ۔اور مہدی علیہ السلام کا ابھی تک ظہور نہیں ہوا۔ جب ہوگا تو وہ اپنے منکروں کو تلوار سے قتل کر کے اسلام کو دنیا میں پھیلا دیں گے ۔ مرزا صاحب نہ مجدد وقت ہیں نہ مہدی ہیں نہ مسیح موعود ہیں ۔ نہ امتی نبی ہیں ۔ بلکہ ان تمام دعاوی کے سبب

میں ان کو مفتری اور کافر اور خارج از اسلام سمجھتا ہوں۔ اگر میرے یہ عقائد خدا تعالی کے نزدیک جھوٹے اور قرآن شریف وصحیح احادیث کے خلاف ہیں۔ اور مرزا غلام احمد صاحب درحقیقت اپنے تمام دعاوی میں خدا تعالی کے نزدیک سچے ہیں تو میں دعا کرتا ہوں کہ اے قادر ذوالجلال جو تمام زمین وآسمان کا واحد مالک ہے اور ہر چیز کے ظاہر وباطن کا تجھے علم ہے۔ پس تمام قدرتیں بھی تجھی کو حاصل ہیں۔ تو ہی قہار اور غالب و منتقم حقیقی ہے۔ اور تو ہی علیم وخبیر وسمیع وبصیر ہے۔ اگر تیرے نزدیک مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے دعاوی و الہامات میں صادق ہیں اور جھوٹے نہیں۔ اور میں ان کے جھٹلانے اور تکذیب کرنے میں ناحق پر ہوں۔ تو مجھ پر ان کی تکذیب اور ناحق مقابلہ کی وجہ سے ایک سال کے اندر موت وارد کر۔ یا کسی ایسے غضب ناک و عبرت ناک عذاب میں مبتلا کر کہ جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔ تا لوگوں پر صاف ظاہر ہو جائے کہ میں ناحق پر تھا۔ اور حق و راستی کا مقابلہ کر رہا تھا جس کی پاداش میں خدا تعالی کی طرف سے یہ سزا مجھے ملی ہے۔ آمین۔ آمین '

خاکسار عبداللہ الہ دین۔ الہ دین بلڈنگس۔ سکندر آباد۔ ۱۲ فروری ۱۹۲۳ء

(مولانا امرتسری فرماتے ہیں) ناظرین ان دونوں عبارتوں (اشتہار مرزا بسلسلہ آخری فیصلہ اور حیدر آبادی اشتہار) کو دیکھ کر غور فرمائیں کہ فیصلہ کی جو صورت بانی مذہب مدعی وحی والہام نے قرار دی ہے وہ زیادہ مفید اور انسب ہے یا جو صورت ایک امتی نے قرار دی ہے وہ فیصلہ کن ہو سکتی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بانی مذہب صاحب وحی کا فیصلہ سب پر ناطق ہوگا بر خلاف امتی کے جس کا فیصلہ دوسرے شخص بلکہ اپنی اولاد پر بھی نافذ نہ ہوتا ہو۔ پھر کیوں نہ بانی مذہب کی پیش کردہ صورت فیصلہ پر غور کیا جائے۔ اور کیوں نہ اس کی تحقیق کی جائے۔ یا سابقہ تحقیق جو شہر لدھیانہ میں ہو چکی ہے کافی سمجھی جائے۔ بہر حال جدید صورت کی ضرورت نہیں۔

باوجود اس کے ہم بتاتے ہیں کہ یہ صورت فیصلہ بھی ہم نے منظور کر کے بارہا کامیابی حاصل کی ہوئی ہے۔ ابھی حال ہی میں ہم نے اہل حدیث ۲۶ جنوری ۱۹۳۴ء میں ایک بسیط مضمون اس کے متعلق لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

۱۔ منکر نبوت (کافر) پر از روئے قرآن وحدیث حلف نہیں رکھی گئی۔ ثبوت

دیجیئے تو حلف لیجئے

۲۔ باوجود اس کے ہم بارہا حلف بھی اٹھا چکے ہیں

یہاں تک کہ قادیان کے اسلامی جلسہ میں بھی ایک دفعہ حلف اٹھائی جو قادیان کے اخبار الفضل میں بایں الفاظ درج ہوئی تھی۔

' میں (ثناء اللہ) خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے ایمان میں حضرت عیسی آسمان پر زندہ ہیں اور مرزا صاحب جھوٹے ہیں ' (الفضل ۴۔اپریل ۱۹۲۱ء)

غور کیجئے کہ کسی سچے نبی کا انکار خدا کی نافرمانی ہے۔ جس کا ارتکاب کرنے والہ یقیناً خدا کا مجرم ہے۔ وہ قسم کھائے یا نہ کھائے اس کا محض انکار ہی اس کو سزا دینے کے لئے کافی ہے۔ خاصکر جب وہ اپنے انکار پر حلف بھی اٹھائے تو کیوں سزایاب نہ ہو۔ قابل غور ہے۔ اس کے علاوہ پھر میں نے بذریعہ اشتہار مجریہ ۲ اپریل ۱۹۲۶ء اعلان کیا جس کی سرخی یہ تھی

خدا کی قسم میں مرزا صاحب قادیانی کو الہامی دعوے میں سچا نہیں جانتا

اس مضمون کو بڑی تفصیل سے پہلے اخبار اہل حدیث میں لکھا پھر اشتہاری صورت میں شائع بھی کیا۔ ۱۹۲۳ء میں جب میں حیدر آباد دکن گیا تو انہی دنوں انہی مشتہر صاحب (حاجی عبداللہ الہ دین) نے دس ہزار روپیہ انعام کا اشتہار دیا جس کے جواب میں میں نے وہیں اشتہار شائع کر دیا کہ

میں آپ کا روپیہ نہیں لیتا ہاں یہ چاہتا ہوں کہ چونکہ آپ نے بحکم خلیفہ صاحب قادیان ایسا لکھا ہے اس لئے خلیفہ محمود احمد سے یہ اعلان کرادیں کہ بعد حلف مولوی ثناء اللہ اگر ایک سال تک زندہ رہا تو میں (محمود امرزا صاحب متوفی کو چھوڑ جاؤنگا

اس مطالبہ کا جواب نفی میں ملا۔ اب بھی میرا یہی مطالبہ ہے کیونکہ خطاب دراصل بانی مذہب بڑے مرزا صاحب سے تھا۔ وہ اس وقت موجود نہیں تو ان کے قائم مقام محمود احمد کو بحیثیت خلیفہ مخاطب کرتا ہوں پس وہ اعلان کر دیں کہ مولوی ثناء اللہ تکذیب مرزا صاحب پر حلف اٹھائیں تو سال کی مدت معتبر ہوگی۔ اگر سال کے اندر اندر مر جائیں تو وہ جھوٹے سمجھے جائیں گے۔ اور اگر سال تک زندہ رہیں تو دوسرے سال کے پہلے ہی روز میں اپنے والد کو دعوی مسیحیت میں جھوٹا جانوں گا۔

کیسی سادی شرط ہے کیونکہ یہ کوئی انصاف ہے کہ میں ایک مدت پوری کر کے ایک احمدی کا تقاضا پورا کروں ۔ پھر دوسرے کا ۔ پھر تیسرے کا ۔علی ہذا القیاس ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کی خواہشات پوری کرتے کرتے کسی نہ کسی مدت میں تو مروں گا اور ضرور مرونگا ۔اس لئے آئے دن کے نزاعات ختم کرنے کو ضروری ہے کہ مثل سابق کسی تابع (امتی) سے فیصلہ نہ ہو بلکہ باپ کے قائم مقام میاں محمود احمد سے معاہدہ ہو کر فیصلہ ہو جائے کیونکہ آپ مدعی کے بیٹے اور قائم مقام خلیفہ ہیں ۔

پس میں منتظر ہوں کہ حاجی عبداللہ سکندر آبادی انعامی رقم تو قادیان کے قرضہ ۶۰ ہزار میں جمع کرادیں اور میرے ساتھ فیصلہ کرنے کو خلیفہ صاحب کو تکلیف دیں پھر دیکھیں خدا کی تائید کس کو حاصل ہوتی ہے ۔

گو ہم مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ موت وحیات کا کسی کو علم نہیں تاہم خدا کی تائید پر بھروسہ ہے کہ اگر میاں محمود احمد خلیفہ قادیان نے مذکورہ اعلان کیا تو خدا ہماری اسی طرح مدد کریگا جس طرح اس نے ان کے باپ کے خلاف ہمیں مدد دی تھی ۔

☆ اور جب آپ نے اس سلسلے میں مرزا محمود کو سامنے آنے کی دعوت دی تو انہوں شرطیں لگانا شروع کر دیں ۔اس پر مولانا امرتسری نے لکھا

ہمارے مخاطب قادیانی دوست ایسے کچھ قسم کھائے بیٹھے ہیں کہ ٹلتے ہی نہیں ۔ بڑے میاں (مرزا غلام احمد) اپنے اعلان کے موافق (کہ جھوٹا سچے سے پہلے مریگا) انتقال فرما گئے ۔اس کے بعد یہ لوگ مباحثہ میں مغلوب ہوئے ۔ سہ صد جرمانہ دیا ۔ تاہم آج بھی اکڑ کر بڑے زور سے اعلان کر رہے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ مئوکد بعذاب حلف اٹھائے تو دس ہزار بلکہ اکیس ہزار انعام لے ۔اس کے جواب میں کہا گیا کہ بندہ خدا جدید شریعت نہ بناؤ بلکہ شریعت محمدیہ میں دکھاؤ کہ منکر (کافر) پر حلف آتی ہے؟ اور حلف بھی مئوکد بعذاب ۔ بھلا ان باتوں کا کیا جواب دیں گے ۔ پھر بھی ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر ہمارا مطالبہ ثابت کر دیں تو ہم ان کو مبلغ ایک سو روپیہ نقد انعام دیں گے جو مسلمہ منصف کے فیصلے کے بعد ان کے حوالے کیا جائے گا ۔

آج جس مضمون پر ہم نوٹ لکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم تقاضہ کرتے ہیں کہ ہم تمہاری مطلوبہ حلف اٹھانے کو تیار ہیں بشرطیکہ تم خلیفہ قادیان سے اعلان کرادو کہ بعد

حلف مولوی ثناء اللہ اگر ایک سال تک زندہ رہا تو دوسرے سال کے پہلے ہی روز میں (محمود احمد) اپنے والد کو دعوی مسیحیت میں جھوٹا جانوں گا۔ اس کے جواب میں ایک نئی پیچ نکالی گئی ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ لوگ میرے مقابلے سے واقعی اتنا دوڑتے ہیں جتنا شیر کے مقابلے سے نہتا انسان بلکہ گیڈر دوڑتا ہے۔ ناظرین بغور پڑھیں کہ جواب کیا دیتے ہیں اور کس عقل و فہم سے دیتے ہیں۔

' تم (مولوی ثناء اللہ) کم سے کم ۶۶ ہزار اہلحدیثوں کے دستخط کرا کر ہم کو بھیج دو کہ مولوی ثناء اللہ اگر ایک سال کے اندر مر گئے تو ہم سارے اہل حدیث احمدی ہو جائیں گے (الفضل یکم مئی ۱۹۳۴ء ص ۸ کالم ۳)

مگر ان عقلمندوں نے یہ نہ سمجھا کہ ہم کن دو میں دخل دیتے ہیں اور کس سے ۶۶ ہزار کا مطالبہ کرتے ہیں ، او عقلمندو سنو۔ میں وہ شخص ہوں جس (اکیلے) کو تمہارا نبی مخاطب کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری فیصلہ کی پیش گوئی میں خاص اپنی اور صرف میری شخصیت کی موت کو مدار فیصلہ قرار دیا تھا۔ کسی ایک بھی متنفس کا میرے ساتھ ضمیمہ نہیں لگایا۔ بس میں تو وہی ہوں اور میری حیثیت اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی کہ بحکم (ان ابراہیم کان امۃً) میں اکیلا 'سب' ہوں۔ دوسری طرف اس وقت وہ شخصیت نہیں رہی جو پہلے تھی۔ اس لئے بطور نیابت ان کے گدی نشین کو میں مخاطب کر کے وہی نسبت تسلیم کرتا ہوں جو پہلے ہم دونوں (مرزا غلام احمد و ثناء اللہ) میں تھی۔ اس کی یہ مثال بالکل واضح ہے کہ ایڈورڈ بادشاہ انگلستان دوسرے بادشاہوں کے مخاطب ہوتے تھے۔ اب ان کے انتقال کے بعد بعینہ بلا کسی مزید شرط کے موجودہ بادشاہ جارج پنجم ان کے قائم مقام ہیں۔ نہ کسی بادشاہ کی طرف سے کوئی مزید شرط ہوئی نہ ان کی طرف سے ہوئی۔ بلکہ محض قائم مقامی کافی سمجھی گئی۔ ٹھیک اسی طرح بفضلہ تعالی میری طرف سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اس لئے میں تو اب بھی وہی ہوں جو پہلے تھا۔ چونکہ قادیانی پارٹی میں میرا اصل مخاطب نہیں رہا اس لئے ان کا قائم مقام بغیر کسی شرط کی کمی بیشی کے میرا مخاطب سمجھا جائے گا۔ جو کوئی مزید شرط لگاتا ہے وہ ان دو باتوں میں سے ایک کا اعلان کرے تو جواب لے

۱۔ مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ نے غلطی کی جو مجھ سے ۶۶ ہزار دستخط نہیں مانگے

۲ ۔ میاں محمود کا درجہ اپنے باپ سے بڑا ہے اس لئے تمہاری (ثناء اللہ) شخصیت ان کے لئے کافی نہیں ہوسکتی ۔ بلکہ اس کی تلافی کے لئے ۶۶ ہزار اشخاص کے دستخطوں کا اقرارنامہ ہونا چاہیے ۔

اگران دوصورتوں میں سے کوئی بھی منظورنہیں تو پھرایسی پچ لگانے کا سبب سوائے بزدلی اورخوف قلبی کے کیا ہوسکتا ہے ۔ قادیانیو ۔ اپنے خلیفہ سے ہمارے مطالبہ کا اعلان کھلے کھلے الفاظ میں کراؤ اور میدان عیدگاہ امرتسر میں آکر کافر (منکر) پر حلف کا ثبوت پیش کرو اور ساتھ ہی ہم سے حلف لے لو ۔

(اہل حدیث امرتسر ۱۸۔مئی ۱۹۳۴ء ص ۴ ۔ ۵)

☆ پھر مولانا نے لکھا

ہمارے قادیانی دوستوں کی عادت ہے کہ ایک غلط بات کواتنی بار کہتے ہیں کہ سننے والہ یا تو اس کو سچ سمجھ لے یا کم ازکم اس کے کذب میں متامل ہوجائے ۔لیکن یہ جادو ان کا ناواقفوں پر چل جاتا ہے واقف کار تو ان کی اس چال کو خوب سمجھتے ہیں ۔ چنانچہ آج ہم ایک تازہ مثال پیش کرتے ہیں ۔عرصہ مدیدہ سے ان کی عادت ہے کہ جب ایک پہلو سے صاف چت گرتے ہیں تو نئی طرح ڈال کر کہتے ہیں ' پھرآؤ تو مزہ چکھو ' ۔ ڈپٹی آتھم عیسائی جب مرزا صاحب متوفی کی پندرہ ماہی پیشگوئی کے مطابق نہ مرا تو اس کو نئے دام میں پھنسانے کے لئے مرزا غلام احمد نے قسم کا بہانہ پیش کیا کہ آتھم قسم کھائے کہ میں مرزا کی پیشگوئی سے ڈرا نہیں ۔ پھراس کی موت کیلئے ایک سال کی مدت ہوگی ۔ وہ خرانٹ جو سالہا سال تک مجسٹریٹ رہ چکا تھا ان کے دام میں کیسے آتا ۔ اس نے کہا منہ سنوار کر چلتے بنو ۔ ایک دفعہ جس کو پچھاڑ دیا پھر اس کومنہ لگانا اچھا نہیں ۔ اس کے بعد جس کسی سے بھی از راہ معجزہ یا کرامت نمائی آپ مغلوب ہوئے جھٹ کہہ دیا کہ مئوکد بعذاب حلف اٹھاؤ ۔ چنانچہ ہم سے آخری فیصلہ کا جو اعلان پندرہ اپریل ۱۹۰۷ءکومرزا صاحب نے کیا تھا کہ ہم دونوں (مرزا غلام احمد اور ثناءاللہ) میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے سے پہلے مریگا۔اس اعلان کے مطابق آپ خود ہی اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اب ان قادیانیوں کو وہی پرانی راگنی سوجھی کہ ' مئوکد بعذاب حلف اٹھاؤ ۔ پھرایک سال تک دیکھنا کیا ہوتا ہے '

بہت عرصہ تک ہم ان کی یہ لغو کہانی سنتے رہے ۔آخر بدیں خیال کہ کب تک ہم ان کو پروپا گنڈہ کا موقع دینگے ہم نے جواب دیا کہ ہماری حیثیت منکر دعوی مرزا کی ہے ۔کسی نبی کے منکر کو انکار پر قسم دینی شرع میں ثابت نہیں ۔ اگر ہے تو کوئی آئت یا حدیث پیش کرو ہم حلف اٹھالیں گے ۔ کیسا صاف راستہ اور کیسا صریح انصاف ہے مگر انہوں نے نہ تو اپنے مطالبہ کا ثبوت دیا اور نہ اپنے دعوے کو ترک کیا ۔بعد انتظار بسیار قادیانی اخبار الفضل (۲۴ جون ۱۹۳۴ء) دیکھنے میں آیا جس میں مولوی اللہ دتا جالندھری کا مضمون دیکھا جس میں لکھا ہے

’ میں (اللہ دتا) نے مولوی (ثناء اللہ) صاحب کا یہ چیلنج منظور کرلیا ہے اور اللہ تعالی کے فضل سے اس مطالبہ کا ایسا زبردست اور نا قابل انکار ثبوت دیا جائے گا کہ مولوی صاحب کے لئے مئوکد بعذاب حلف کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا ‘ (الفضل ۲۴ جون ۱۹۰۷ء ص ۶) ۔ اس نوٹ کے پڑھنے سے ہمیں مسرت بھی ہوئی اور حیرت بھی ۔ مسرت یوں ہوئی کہ اچھا ہے روز کا ناواجب تقاضا ختم ہو جائے گا ۔حیرت اس لئے کہ قرآن وحدیث ہمارے سامنے ہیں ۔ہمیں تو ان میں یہ حکم ملتا نہیں کہ منکر نبوت کو حلف خاص کر مئوکد بعذاب حلف دیا کرو بلکہ کافر تو محض سادے سادے لفظوں میں کہا کرتے تھے لست مرسلاً تو رسول نہیں ہے ۔ یہ نہ کہتے تھے کہ واللہ باللہ تو رسول نہیں ہے ۔ نہ ان سے حلف کا مطالبہ ہوتا تھا پھر ہم سے یہ مطالبہ کیوں ہوتا ہے ۔ کیا قادیان میں کوئی نیا قرآن اترا ہے یا نئی شریعت بن گئی ہے؟ اس لئے ہمیں مولوی اللہ دتہ کے اس دعوے سے حیرت ہوئی ۔لیکن ہم بڑی بے قراری سے آئت یا حدیث دیکھنے کے شائق رہے ۔ یہاں تک کہ سارا اخبار پڑھ لیا اور ایک حرف بھی اس دعوی کے ثبوت پر نہ پایا۔ جس طرح قادیانی نبی نے براہین احمدیہ میں وعدہ ہی وعدہ رکھا دلیل ایک بھی نہ دی (وعدہ یہ تھا کہ حقانیت اسلام پر تین سو دلائل دیں گے) ۔اسی طرح مولوی اللہ دتہ نے محض لفاظی میں وقت ضائع کر کے اپنے ناظرین کی آنکھوں میں دھول اور کنکریاں ڈال دیں اس کے سوا کچھ بھی نہ کیا۔ ہم الفضل کے ناظرین سے خواہ وہ احمدی ہوں یا محمدی اللہ جل شانہ کے نام کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ وہ بتائیں مولوی اللہ دتا جالندھری نے اس مضمون میں کس صفحہ اور کس کالم میں ثبوت دیا

ہے۔ وہ عبارت نقل کر کے قلمی یا بذریعہ کسی مطبوعہ اخبار کے بھیج دیں۔

چونکہ حق تو یہ ہے کہ جب تک مدعی اپنے دعوے کا ثبوت پیش نہ کرے نہ اس پر نقض ہوتا ہے نہ معارضہ۔ اس لئے ہم ابھی خاموش ہیں۔ مگر مولوی اللہ دتہ صاحب کی علمی اور دیانتی کیفیت بتانے کو اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں '' آپ (مولوی ثناء اللہ) منکر نبوت کے لئے حلف مئوکد بعذاب کے عدم جواز کے مدعی ہیں اس کی دلیل پیش کرنا آپ پر واجب ہے '' (الفضل مذکور ص ۷ کالم ۱)

(مولانا امرتسری کہتے ہیں کہ مولوی اللہ دتہ صاحب آپ) محض تعصب اور گئو سالہ پرستی کی حمائت میں علم و دیانت کے خلاف کہہ رہے ہیں۔ ہمارا دعوی منکر کے حق میں قسم کے عدم جواز کا نہیں بلکہ از جانب شریعت عدم مطالبہ قسم کا ہے۔ نہ سمجھے ہو تو ایک مثال میں سمجھ لو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ انبیاء علیھم السلام کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔ اس حدیث کے ماتحت ہم قادیانی گئو سالہ پرستوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب کی قبر کھود کر دکھاؤ۔ جسم کو مٹی نے نقصان پہنچایا ہے یا نہیں؟ نہیں پہنچایا تو وہ حدیث مذکور کے تحت آجائیں گے۔ قادیانی اس کے جواب میں کہیں گے کہ ایسا مطالبہ کرنے کا ثبوت شرع میں نہیں۔ اگر ثبوت ہے تو دکھاؤ ہم قبر کھود کر زیارت کرادیں گے۔ ہم اس جواب کی تائید کریں گے حالانکہ یہ مطالبہ ایک معنی سے حدیث پر متفرع ہے۔ اسی طرح ہم تمارے مطالبہ حلف کو از روئے شریعت اسلام غیر واجب العمل جانتے ہیں کیونکہ منکر نبوت سے مطالبہ حلف قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔

جب اس صورت میں ان کو کامیابی نظر نہ آئی تو دوسری صورت سے آئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ '' ہم مولوی ثناء اللہ سے ان کے عقائد پر مئوکد بعذاب حلف مانگتے ہیں '' (الفضل مذکور ص ۱۲ کالم ۲)

(مولانا فرماتے ہیں) اس مطالبہ کا ثبوت بھی شرع میں دکھایئے کہ ایک منکر اسلام اپنا اعتقاد ظاہر کرے تو مسلمان اسے حلف دے۔ یہ دعوی بھی ثبوت طلب اور محض بے بنیاد اور لغو ہے۔ اس امر کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی حکم نہیں۔ پھر جدید شرع بنانے والے تم کون؟

اب ہم آپ کی آگاہی کے لئے گذشتہ واقعات یاد دلاتے ہیں

۱۔ ایک دفعہ قادیان کے اسلامیہ جلسہ میں میں قسم کھا چکا ہوں جس کا اعتراف قادیانی اخبار الفضل ۴۔اپریل ۱۹۲۱ء ص ۹ پر موجود ہے ۔۔

۲۔ پھر ایک دفعہ اخبار اہل حدیث ۲ اپریل ۱۹۲۶ء میں حلف اٹھا چکا ہوں

۳۔ پھر بذریعہ اشتہار کلاں جس کی سرخی ہے ' خدا کی قسم ' حلف اٹھا چکا ہوں۔ قادیانیوں نے جب دیکھا کہ مولوی ثناء اللہ تو حلف اٹھا گیا اور مرا بھی نہیں تو ایک پخ نکالی کہ مؤکد بعذاب قسم کھاؤ۔ سچ تو یہ ہے کہ میں مؤکد بعذاب قسم کھانے سے بھی نہیں ڈرتا۔ لیکن سنیئے کہ قادیانی نبی کی عادت تھی کہ جس کسی مخالف کے حق میں عذاب کی پیشگوئی کرتے اگر اس کو ذرہ سی تکلیف بھی پہنچتی جو عموماً ہر انسان کو پہنچ جاتی ہے تو آپ اس کو پیش گوئی کی زد میں لے آتے۔ چنانچہ ڈپٹی آتھم جب پندرہ ماہی پیشگوئی کی مدت گذار رہا تھا اس کی نرینہ اولاد نہ تھی۔عمر رسیدہ بوڑھا عرصہ سے پنشن خوار تھا۔ اس کی خدمت کے لئے گھر میں کوئی نہ تھا۔اس کی لڑکی اس کو فیروز پور لے گئی۔پس مرزا صاحب نے اس کی اتنی سی حرکت کو ' ہاویہ کا عذاب ' قرار دے کر اپنی پیش گوئی کا مصداق بنا دیا۔ اور مولانا محمد حسین بٹالوی اور مولوی ابوالحسن تبّتی کے حق میں ذلت کی پیشگوئی شائع کی تھی ۔ اس عرصہ میں گورنمنٹ کی طرف سے پنجاب کی نو آبادیوں میں مولانا موصوف کو چار مربع زمین برعائتی قیمت مل گئی تھی۔ میعاد گذرنے پر جب سوال ہوا کہ مولانا بٹالوی پر کیا ذلت ہوئی تو مرزا صاحب نے ... شائع کر دیا کہ زمین داری کا شغل ایک عالم کے لئے کمال ذلت ہے۔ مولوی محمد حسین کو جو زراعتی زمین ملی ہے یہی عذاب ہے (جل جلالہ) اس پر بھی سوال باقی رہا کہ مولانا ابوالحسن تبّتی کو تو زمین بھی نہیں ملی۔ جواب دیا کہ مولوی محمد حسین کے توابع میں سے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کو الگ ذلت کی ضرورت نہیں تھی محمد حسین کو پہنچنے والی ذلت ان لوگوں کی ذلت ہے۔ اس لئے ہم ان قادیانیوں کے مکر سے بچتے ہیں ایسا نہ ہو کہ کسی روز زکام شدید یا بخار شدید یا کوئی اور تکلیف ہو جائے یا عیال کثیر میں سے کوئی فرد خدائی حکم کو لبیک کہہ دے تو جھٹ سے یہ لوگ شور مچا دیں گے کہ وہ دیکھو مولوی ثناء اللہ عذاب میں مبتلا ہو گیا اس لئے ہم کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جو ازروئے شرع ہم پر واجب نہیں اور قادیانیوں کو اس میں جھوٹی

بات بنانے کا موقع ملے

مختصر یہ ہے کہ جس چیز کا ہم سے مطالبہ کرو محض حلف کا یا مئوکد بعذاب حلف کا۔ اس کا ثبوت قرآن حدیث سے پہلے پیش کرو پھر ہم سے اس پر عمل کراؤ۔'

(اہل حدیث امرتسر ۱۳۔ جولائی ۱۹۳۴ء ص ۴۔۶)

مولانا ثناء اللہ کا انتقال سرگودھا میں مارچ ۱۹۴۸ء میں ہوا۔ سید سلیمان ندوی نے اس موقع پر لکھا ہے

کہ مولانا ثناء اللہ فن مناظرہ کے امام تھے۔ خوش بیان مقرر تھے۔ وہ سال میں ایک دو دفعہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں آتے جاتے لکھنو آتے تھے اور دار العلوم ندوہ میں تشریف لاکر احباب سے ملتے تھے۔ اسی سلسلہ میں مجھے بھی نیاز حاصل ہوا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مرحوم مدرسہ میں تشریف لائے۔ میں مدرسہ میں تھا۔ ان کو آتا دیکھ کر ان کی طرف لپکا۔ مگر مرحوم نے میرے بجائے سبقت استاذی شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ کی طرف کی اور حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا کبر الکبر یعنی بڑے کو بڑائی دو

یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوؤں سے پنجاب میں فتنہ پیدا ہو گیا تھا انہوں نے مرزا صاحب کے خلاف صف آرائی کی اور اس وقت سے لیکر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف کر دی ...

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا۔ اس کے حملے کو روکنے کے لئے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا۔ اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی۔ فجزاه الله عن الاسلام خير الجزاء ۔ وہ مصنف بھی تھے۔ مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جواب میں ان کے اکثر رسالے ہیں۔ ان کی تصنیفات میں دو تفسیریں خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ تفسیر ثنائی اردو میں اور تفسیر القرآن بالقرآن عربی میں۔ مرحوم کو خود بھی یہ تفسیریں پسند تھیں۔ مرحوم چونکہ مناظر تھے اس لئے پہلی تفسیر میں آیات صفات کے باب میں انہوں نے شاہ ولی اللہ کی پیروی میں تاویل کی راہ اختیار کی۔ اس سے امرتسر کے غزنوی علماء اہل حدیث نے ان کی بشدت مخالفت کی۔ ۱۹۲۶ء میں جب حج کی تقریب سے خاکسار اور مرحوم اور دیگر علمائے اہل حدیث کا حجاز جانا ہوا تو یہ نزاع سلطان ابن سعود کے سامنے بھی

پیش ہوا۔اور سلطان نے کوشش کر کے فریقین میں صلح کرادی ۔مرحوم مجھ سے فرماتے تھے کہ افسوس ہے نجد کے علماء حضرت شاہ ولی اللہ کی قدر و قیمت سے واقف نہیں اور مجھ سے چاہتے تھے کہ میں اس باب میں سلطان سے کچھ عرض کروں۔

۱۹۳۵ء کے جمعیت علماء کے اجلاس کلکتہ میں جس میں اس خاکسار کی صدارت تھی مرحوم (ثناء اللہ) موجود تھے اور خاص طور سے اس لئے آئے تھے کہ جمعیت کے اس اجلاس میں دارالحرب میں سود کے مسئلہ پر بحث کرنے والے تھے۔حضرت مولانا انورشاہ صاحب اور دوسرے علماء دیو بند بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر حضرات علماء دیو بند حنفیہ کے مشہور مسلک لا ربوا بین الحر بی و المسلم فی دارا لحرب پر متفق ہوں تو میں بھی تائید کرونگا۔مگر علماء میں نج کی گفتگو ہو کر رہ گئی۔ کھلے اجلاس میں کوئی بحث نہیں ہوئی

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے۔ اللہ تعالی اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔

(یادرفتگان از سید سلیمان ندوی۔مجلس نشریات اسلام۔کراچی۔ ۱۹۸۳ء۔ ص ۳۶۹۔ ۳۷۳)

محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

آپ فرماتے ہیں کہ میرا نام محمد ابراہم ولد حاجی قادر بخش میر ساکن سیالکوٹ پیشہ تدریس وزمین داری۔ آباء و اجداد کا وطن کنڈی (کشمیر) کے علاقہ میں تھا۔ الحمد للہ کہ میری ولادت پابند شرع خاندان میں ہوئی۔ والدہ مرحومہ فرمایا کرتی تھیں کہ جس دن تم صبح کو پیدا ہوئے اس روز میرے والد (مولانا میر کے نانا جان) نے مجھے آ کر فرمایا کہ رات کو خواب میں مجھے آنحضرت ﷺ نے گلاب کا پھول دیا ہے۔ میرے ددھیال اور ننھیال ہر دو عبادت گذار اور خدایاد تھے۔ والد ماجد کو خدا تعالیٰ نے بے اندازہ مال و دولت کے ساتھ نعمت دینداری اور خاکساری بھی عطا کر رکھی تھی۔ والدہ ماجدہ اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ میں اپنا جواب آپ تھیں۔ ایسے ماں باپ سے جنم و پرورش پا کر توحید و سنت کے گرویدہ اور علم و عمل میں پختہ اساتذہ سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ باوجود غائت درجے کے تنعم میں پرورش پانے کے اس تخمی وشکمی تاثیر اور مقدس فیض صحبت کے اثر سے بچپن ہی سے طبع کا میلان تصوف و دینی علم کی طرف تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ جہالت و بدعت کی ظلمت مجھ پر ایک دم کے لئے بھی نہ آسکی۔ چونکہ گھر میں آسودگی تھی اس لئے انگریزی سکول میں بٹھایا گیا۔ طبع کی ذہانت اور استدلال کی خوبی اور جواب کی برجستگی سے اقارب کی رائے اس پر تھی کہ لڑکا وکیل بنے گا یا مجسٹریٹ۔ سکول کے خارج کے وقت میں گھر میں قرآن شریف و مذہبی کتب کی تعلیم بھی جاری رہی۔ چنانچہ حضرت مولانا ابوعبداللہ عبیداللہ غلام حسن سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی توصیف مشکل ہے۔ جو تقوی و ذہانت ذکر و عبادت صورت و سیرت اخلاق و معاملات وقار و عظمت استغنا و سیر چشمی سخاوت و شفقت اور شیریں کلامی و حق گوئی میں نمونہ سلف تھے اور میری آنکھوں نے حضرت میاں صاحب دہلوی کے بعد ان جیسی جامعیت کا دوسرا شخص نہیں دیکھا) کے درس میں حاضری لازمی تھی۔ حتی کہ انہی حالات میں میں نے ۱۸۹۵ء میں انٹرنس یعنی میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ کالج میں داخل ہو کر ایک سال ایف اے کلاس میں بھی گزار لیا تھا کہ قائد ازلی نے یکایک میری باگ

کلیتاً دینی علوم کی طرف موڑ دی اور شوق اتنا غالب ہوتا گیا کہ میں کالج کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے سیدھا وزیر آباد (سیالکوٹ سے جانب مغرب ۲۷ میل) کا رخ کیا۔ وہاں جناب حافظ عبدالمنان صاحب محدث (جو ظاہری آنکھوں سے معذور تھے) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ سیالکوٹ تشریف لے چلیں اور میرے والد ماجد سے کہیں کہ وہ مجھے علم حدیث پڑھنے کی اجازت بخشیں۔ حافظ صاحب ممدوح میرے اس شوق و ذہانت کو بخوبی جانتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ میں ان سے علم حدیث پڑھوں اور حضرت والد صاحب مرحوم ان کی اور میرے استاد و مرشد جناب مولانا ابوعبداللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی سے بغایت عقیدت رکھتے تھے۔ حافظ صاحب میری گذارش سن کر میرے ساتھ سیالکوٹ تشریف لے آئے اور نماز عشا کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے دیگر معتقدین کے حلقہ میں بغیر کسی تمہید کے جناب والد صاحب سے یوں گویا ہوئے۔ مستری جی۔ آپ بڑے بیٹے اللہ دتہ سے دنیا کی کھیتی لیتے ہیں۔ ابراہیم سے عاقبت کی کھیتی لیں اور مجھے دے دیں۔ والد مرحوم سیالکوٹ کے معزز اصحاب میں سے تھے۔ خدا جانے میرے انگریزی پڑھانے میں ان کو کیا کیا آرزوئیں اور امیدیں ہونگی۔ آپ نے ان سب کو دل ہی میں رکھ کر بغیر کوئی لفظ بولنے کے میرا دایاں بازو پکڑا اور حافظ صاحب کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ حافظ صاحب نے خوشی سے میری پیٹھ ٹھونکی اور فرمایا۔ بس بھائی اب تو راضی ہو گئے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں جی۔ جسمانی باپ سے تو اجازت مل گئی ہے اب روحانی باپ یعنی مولانا (غلام حسن) صاحب سے بھی اجازت لے کر مجھے اپنے ساتھ وزیر آباد لے چلئے۔ مولانا صاحب اور حافظ صاحب آپس میں سمدھی تھے۔ حافظ صاحب فرمانے لگے وہ تو گھر کی بات ہے۔ اس میں کیا دیر لگے گی۔ خیر نہائت بے تابی سے گذری اور صبح کو درس قرآن اور ناشتہ سے فارغ ہو کر حافظ صاحب میرے ہمراہ جناب مولانا صاحب کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہنے لگے کہ ابراہیم مجھے دے دیجئے۔ مولانا (غلام حسن) صاحب بہت بامذاق تھے فرمانے لگے کیا ابراہیم کی بھی بانٹ ہوگی۔ میرا کیا اور آپ کا کیا؟ آپ کا اختیار ہے۔ حافظ صاحب اسی روز دس بجے کی ٹرین سے مجھے وزیر آباد لے آئے۔ میں ترجمہ قرآن اور تفسیر جلالین بلوغ المرام مشکوۃ جامع ترمذی مع رسائل صرف ونحو اور کتب نحو و بیان اور منطق واصول فقہ کے سیالکوٹ میں حضرت مولانا (غلام حسن)

صاحب سے پڑھ چکا تھا۔ حافظ عبدالمنان صاحب نے پہلے صحیح مسلم اور الفیہ ابن مالک پھر صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد شرح نخبہ اور الفیہ عراقی شروع کرائی ۔ ۱۸۹۶ء کے ماہ ستمبر کی اکیسویں تاریخ تھی اور پیر کا دن تھا کہ سبق شروع ہوئے ۔ میں نہ تو حافظ صاحب کے تبحر علمی کا اندازہ لگا سکتا ہوں اور نہ سبق کے وقت کی اپنی کیفیت بتا سکتا ہوں ۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اپنے وجدان میں ایک سبق پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں نے آج ایک مہینے کے سبق پڑھے ہیں اور جس روز میری قرائت کی نوبت ہوتی تھی ۔ حافظ صاحب ممدوح میرے سر سے اپنا سر جوڑ کر اور میری پشت پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر میری قرآت سنتے رہتے تھے۔ اس وقت اثنائے قرآت میں مجھ پر ایک عجیب کیفیت فیض قدسی کی طاری ہو جاتی تھی اور بعض وقت میرے سامنے عالم جو میں تیس کا ہندسہ بھی لکھا ہوا نظر آ جاتا تھا۔ الحمدللہ کہ بہت تھوڑے عرصہ میں جو کچھ مقدر تھا اس سے اپنا دامن بھر لیا۔ اس کے بعد چالیس سال سے زائد عرصہ مناظرہ و مدافعت اسلامی اور تبلیغ توحید وسنت اور تصنیف کتب اور تدریس وتذکیر کے کام میں بسر کر رہا ہوں ۔ میرے دل میں دنیا کمانے کا کبھی خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ وجہ معاش کی صورت یوں ہے کہ والد صاحب کی زندگی میں تو مجھے کوئی فکر نہیں ہو سکتا تھا لیکن الحمدللہ کہ ان کے بعد بھی یہی صورت قائم ہے ۔ دسمبر ۱۹۱۴ء میں جناب والد صاحب فوت ہو گئے اور مجھے اپنے برادر بزرگ اور ہمشیرگان کے ساتھ جس قدر حصہ وراثت ترکہ میں ملا وہ خدا کے فضل سے اتنا وافر ہے کہ مجھے کوئی پیشہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ خدا کا بے محنت دیا ہوا رزق کھاتا ہوں اور اس کا دین اس کے بندوں تک پہنچاتا ہوں ....خدا نے مال دیا ہے تو اپنی خصوصی اور قیمتی اراضی زرعی میں سے ایک بیگہ میں جماعت اہل حدیث کے لئے عیدگاہ بنائی ہے اور اس میں پھلدار درختوں اور پھولوں کا باغ بھی لگوایا ہے ۔ حضرت والد مرحوم نے بصرف خاص جو دومنزلہ جامع مسجد اہل حدیث کے لئے بنائی تھی اسے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے دوگنا کیا ہے۔ الحمدللہ کہ یہ مسجد سیالکوٹ میں اول نمبر پر ہے اور منزل بالا میں عورتیں اور منزل زیریں میں مرد نماز پڑھتے ہیں ۔ داخل خارج کے راستے اور وضو کی جگہیں عورتوں اور مردوں کے لئے الگ ہیں ۔ یہ نقشہ حضرت والد صاحب مرحوم کا ایجاد کردہ ہے ۔ اب دوسرے شہروں کے اہل حدیث بھی اسی نقشہ کے مطابق مسجدیں بنوا رہے ہیں ۔

اسلامی مدافعت اور نصرت میں بہت سی مفید اور مقبول کتابیں تصنیف کی ہیں اور بہت سے طلبا کو علوم تفسیر و حدیث بھی مع ان کے خدام کے پڑھائے ہیں جو خدا کے فضل سے ملک پنجاب و ہندوستان کے دور و نزدیک کے بہت سے شہروں میں تعلیم و تدریس یا وعظ و تذکیر کی خدمات باحسن صورت انجام دے رہے ہیں ۔ الحمد للہ۔ میرے اپنے اوقات عام طور پر دینی اشغال ذکر وعبادت تلاوت قرآن ۔ تدریس و تعلیم تصنیف و مطالعہ کتب اور وعظ و تذکیر اور خلق اللہ کی بےعوض خدمات میں گذرتے ہیں اور بہت کم ہے کہ میرا کوئی وقت کسی لایعنی کام میں ضائع ہوا ہو۔ فالحمد لله على ذالک '

نیز فرماتے ہیں کہ مکہ معظّمہ کی زیارت خدا کے فضل سے کی ہے حرم کعبہ میں وعظ کی اجازت شریف مکہ سے مجھے ملی تھی ۔ایک دفعہ ۹۸ روز وہاں رہا۔ دوسری دفعہ پورے دس مہینے ۔ بیت المقدس حیفہ یافہ دمشق وغیرہ شہروں میں پھرا ہوں ۔ مفتی محمد عبدہ کی جماعت کے لوگ میرے پاس ہوٹل میں جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا آتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے تھے۔ میں خود سردار اہل حدیث (مولانا امرتسری) کا مشیر ہوں۔

حضرت حافظ عبدالمنان محدث سے کسب فیض کر کے مولانا ابراہیم عازم دہلی ہوئے اور سید نذیر حسین محدث کی خدمت میں حاضر رہ کر سند واجازۃ سے مفتخر ہوئے وہاں سے فراغت کے بعد سیالکوٹ تشریف لائے اور یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ سلسلہ بعد میں آپ کی مصروفیات کے باعث کئی مرتبہ بند ہوا اور پھر جاری ہوا۔ انہوں نے ایک ماہانہ رسالہ الہدی کے نام سے جاری کیا اور ایک رسالہ الہادی کا اجرا بھی عمل میں لایا گیا۔ان میں بڑے تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے تاہم یہ رسالے مستقل طور پر جاری نہ رہ سکے

ایک مرتبہ ماہ شعبان کے آخری دنوں میں آپ کی والدہ نے بیٹے سے اس تمنا کا اظہار کیا کہ رمضان کی نماز تراویح میں وہ قرآن مجید سنائیں۔ بیٹے نے ماں کی تمنا یوں پوری کی کہ وہ دن کو روزے کے ساتھ روزانہ ایک سیپارہ یاد کرتے اور تراویح میں سنا دیتے ۔اس طرح ایک مہینے میں پورا قرآن مجید یاد کر کے نماز تراویح میں سنا دیا۔

مولانا میر قرآنی علوم و معارف کے فاضل اور اسرار و رموز کے ماہر تھے۔ انہوں نے حالات کا جائزہ لے کر فارغ التحصیل اور ذہین علماء کے لئے قرآن کی روشنی میں

فرق باطلہ کی تردید کا تربیتی کورس شروع کیا۔ وہ برصغیر میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے دورہ مضامین قرآن کا آغاز فرمایا۔ بعد میں مولانا احمد علی لاہوری نے بھی قرآن اسی انداز میں پیش کرنے کے لئے لاہور میں دورہ تفسیر کی طرح ڈالی ۔ وہ شرکاء درس پر بہت محنت فرماتے ۔ختم نبوت رد قادیانیت رد عیسائیت رد نیچریت پر مناظرانہ خطابات کرتے اور مجوسیوں یہودیوں آریہ سماجیوں سناتن دھرمیوں اور بدھوں کی خوب تردید کرتے۔

مولانا میر فرماتے ہیں . مدرسہ احمدیہ آرہ کے جلسہ میں ملک کے ہر گوشہ سے مقتدر علماء اہل حدیث جمع تھے جن کا شمار کم وبیش سو کے برابر تھا۔ان میں سے اکثر ایسے تھے جن کی شب زندگی تمام ہونے کو تھی اور صبح صادق کی سفیدی ان کے نورانی افق سے نمودار ہو چکی تھی ۔ اس لئے مجھ کم بصیرت کو کھٹکا ہوا کہ پندرہ بیس برس تک آسمان علم کے یہ روشن ستارے ٹوٹ جائیں گے لہذا ان کی موجودگی میں یہ وقت دماغی تفکر و تجویز کے لئے مبارک اور سعی عمل کے لئے بامن و پرسکون ہے۔کوئی تجویز سوچ لینی چاہیے اور کوئی راہ عمل بنا لینی چاہیے تاکہ ان بزرگ ہستیوں کے بعد جماعت کو کسی نظام میں منسلک رکھا جائے ۔ میں نے مولانا ثناء اللہ ےاس بات کا تذکرہ کیا جنہوں نے اخبار اہل حدیث میں اہل حدیث کانفرنس کی تحریک کی ۔اور مدرسہ احمدیہ کے سالانہ جلسہ پر بشمولیت کثیر التعداد علماء اہل حدیث کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد کانفرنس کے مقاصد کو تمام ہندوستان میں شائع کرنے کے لئے ایک وفد قرار پایا جس کے امیر عبدلعزیز رحیم آبادی مقرر ہوئے اوران کی معیت میں دو خادم (خاکسار اور ثناء اللہ) شریک ہوئے یہ وفد محمد پور کواڑی ضلع دربھنگہ سے چلا اور راج شاہی سے ہوتا ہوا کلکتہ پہنچا پھر بنارس سے امرتسر اور لاہور پہنچا۔میرے اس سفر میں پورے اڑھائی ماہ صرف ہوئے کیونکہ شروع میں مجھے مولوی ابوالقاسم کی معیت میں بہت دن الہ آباد اور بنارس میں بھی تبلیغی کام کرنا پڑا۔

مولانا اسحاق بھٹی بتاتے ہیں کہ ان دنوں لاہور میں جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات بہت کم تھے ۔ پروفیسر عبدالقیوم کے نانا مولوی سلطان احمد اور والد منشی فضل الدین موچی دروازے میں رہتے تھے۔ ۱۹۰۱ء میں انہوں نے اپنے مکان پر اہل حدیث حضرات کو جمع کیا اور حلقہ اہل حدیث کے نام سے ان کی تنظیم قائم کی جس کا صدر مولوی سلطان احمد کو بنایا گیا ۔اس کے بعد ۱۹۰۶ء میں اس تنظیم کا نام حلقہ احباب اہل

حدیث رکھا گیا۔ ۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو پنجاب کے مشہور اور جلیل القدر علمائے اہل حدیث کا اجلاس پروفیسر عبدالقیوم کے نانا اور والد نے اپنے مکان پر منعقد کیا۔ ان علماء میں محمد حسین بٹالوی، احمد اللہ امرتسری، محمد علی لکھوی، عبدالمنان وزیر آبادی، عطاء اللہ لکھوی، محمد حسین لکھوی غلام حسن سیالکوٹی، ثناء اللہ امرتسری، عبدالاحد خانپوری اور محمد ابراہیم میر شامل تھے۔ ان سب حضرات کی رائے سے لاہور کی جماعت کا نام انجمن اہل حدیث رکھا گیا اور مسجد مبارک کا انتظام جو ۱۹۲۰ء میں تعمیر کی گئی تھی اب تک اسی انجمن کے سپرد ہے (سوانح مولانا میر)

اسی طرح صوبائی سطح پر نومبر ۱۹۲۱ء میں اعیان اہل حدیث پنجاب کا اجلاس ہوا اور صدر انجمن اہل حدیث صوبہ پنجاب کے نام سے ایک تنظیم قائم کی گئی جس کا صدر مقام لاہور اور صدر مولانا امرتسری کو بنایا گیا مولانا سیالکوٹی مشیر منتخب ہوئے۔ بعد میں انجمن کے صدر مولانا عبدالقادر قصوری قرار پائے اور ناظم اعلی مولانا امرتسری ہوئے۔ انجمن کے سلسلہ میں اعلان کرنے مولانا سیالکوٹی تھے اور انہی کے قلم سے تمام کاروائی شائع ہوئی تھی'

مولانا میر کہتے ہیں کہ اہل حدیث جماعت کے شعبہ تدریس کی نسبت یہ گذارش ہے کہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب تاجر کی دکان پر بیٹھے ہوئے کسی نے اس امر کا تذکرہ کیا کہ اہل حدیث کانفرنس کی طرف سے کوئی مدرسہ بڑے پیمانے پر نہیں ہے۔ دہلی میں جتنے مدارس اہل حدیث کے زیر اہتمام ہیں ان کے طلبہ کی سکونت و تدریس زیادہ تر مساجد میں ہے۔ چاہیے کہ ہماری ایک اعلی درجہ کی عمارت ہو جس میں مدرسہ کی جمیع ضروریات پوری ہوں۔ اور بڑے پیمانے پر تدریس کا کام کیا جائے۔ چنانچہ حاجی صاحب نے اس خدمت کے لئے ۵۰ ہزار روپئہ دینے کا وعدہ بدیں شرط کیا کہ میں (ابراہیم) خود دہلی میں قیام کر کے اس خدمت کی ذمہ داری لوں۔۔ میں نے حاجی صاحب کی فرمائش کو منظور کرلیا۔ اور ایک سال کے بعد حاجی صاحب نے ہماری امید اور اپنے وعدے سے بڑھ کر روپئہ خرچ کر کے ایک نہائت وسیع عمارت کھڑی کردی جس پر ایک لاکھ سے زیادہ روپئہ خرچ کردیا۔ جب عمارت تیار ہوگئی تو حاجی صاحب نے مجھے اطلاع دی۔

پھر بتایا جاتا ہے کہ تعلیمی سال کے آخر میں مولانا ابراہیم نے تمام اساتذہ اور طلبا (مدرسہ دارلحدیث سیالکوٹ) سے فرمایا کہ اب یہ مدرسہ دہلی میں ہوگا۔ لہذا شوال میں آپ لوگ دہلی آجائیں۔ سب لوگوں نے ایسا ہی کیا .. اور مولانا ابراہیم مع طلبا و اساتذہ

(مدرسہ سیالکوٹ) اورکتب خانہ دہلی چلے گئے تھے۔چونکہ دہلی کا یہ مدرسہ حقیقت میں سیالکوٹ کا منتقل شدہ مدرسہ دارالحدیث تھا اور دہلی کے مدرسہ کے بانی حاجی عبدالرحمٰن صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی شیخ عطاء الرحمان صاحب تھے اس لئے اس مدرسہ کا نام دارالحدیث رحمانیہ تجویز ہوا جو بہت پسند کیا گیا۔

مولانا میر فرماتے ہیں کہ ملک کے ہرگوشہ سے طلبہ مدرسہ رحمانیہ میں آنے لگے۔یہ قبولیت یہاں تک پہنچ گئی کہ مدرسہ دیوبند اور امینیہ دہلی کے بعض فارغ التحصیل علماء بعض باذاق اساتذہ کے اشارہ سے اس ہیچ مدان سے حجۃ اللہ اور تفسیر پڑھنے کے لئے اسی مدرسہ میں داخل ہوئے جن کی الگ جماعت بنائی گئی۔اس طرح اس درس گاہ کی حیثیت ایک کالج کی ہوگئی. (اہل حدیث امرتسر ۵ اپریل ۱۹۲۹ء)

بعد میں کچھ عرصہ بعد مولانا سیالکوٹ چلے آئے اور بعض ناگزیر حالات کی بنا پر دوبارہ دہلی نہ جاسکے۔

جماعتی سرگرمیوں کے علاوہ مولانا میر سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے جیسا کہ مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ ' مولانا ثناءاللہ کی سعی وتجویز سے ۱۹۱۹ء کے آخر میں ہندوستان کے علماء کی تنظیم جمیعت علماء ہند قائم ہوئی تو مولانا سیالکوٹی اس میں شامل تھے اور اسی دور میں انہوں نے ملک کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا تھا۔سیاسی اعتبار سے وہ ملک کا پرآشوب اور نازک دور تھا۔اس دور میں افق ہند پر بہت سے اہم مسائل ابھرآئے تھے جن کے حل کے لئے علماء سے رہنمائی حاصل کرنا ضروری قرار پایا تھا۔مثلاً مسئلہ ہجرت۔ مسئلہ خلافت، ترک موالات، انگریزوں کے سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں اور عدالتوں کا بائیکاٹ اور ولائتی مال کے بجائے ملکی مصنوعات کا فروغ و استعمال وغیرہ اہم امور تھے جن کے بارے میں علماء سے رائے لینا اور شرعی نقطہ نظر معلوم کرنا ضروری تھا۔مولانا سیالکوٹی کا شمار چونکہ اس عہد کے اجل علماء میں ہوتا تھا اس لئے ان مجالس میں ان کی شمولیت کو لازمی سمجھا جاتا تھا جن میں اس قسم کے مسائل زیر بحث آتے تھے۔پھرایک وقت آیا کہ ملکی سیاست میں جمیعت علماء ہند کانگریس کی ہم نوا ہوگئی۔ مولانا ابراہیم کو اس سے اتفاق نہ تھا چنانچہ انہوں نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر جمیعت علمائے اسلام قائم کرلی۔یہ نئی جمیعت کلکتہ میں قائم کی گئی تھی اس کا صدر مولانا عثمانی کو اور

نائب صدر مولانا سیالکوٹی کو بنایا گیا ' متحدہ ہندوستان میں اس کا ایک ہی اجلاس ہوا جو اس نواح میں پہلا بھی تھا اور آخری بھی ۔ یہ اجلاس کلکتہ میں ہوا جس کی صدارت مولانا ابراہیم نے کی ۔ کیونکہ مولانا عثمانی علالت کے باعث اس میں شریک نہیں ہوئے تھے ۔

مولانا میر نے تحریک آزادی میں بہت قابل قدر خدمات انجام دی ہیں ۔ شاہ اسماعیل شہید کے قافلہ کے مجاہدین کے ساتھ بقول مولانا ساجد میر سیالکوٹی ان کا گہرا رابطہ تھا جن کے لئے وہ پنجاب سے امدادی رقوم بھی فراہم کیا کرتے تھے ۔ سیالکوٹ کی مقامی سیاست میں بھی وہ عملی حصہ لیتے تھے اور اس زمانے میں میونسپل کمشنر ہوئے جب یہ ایک بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا ۔ (سوانح مولانا میر ۔ ص ۹۷ ۔ ۹۸)

مولانا محمد میاں صاحب نے انڈیا آفس لندن میں موجود ریکارڈ کی بنا پر ریشمی خطوط سازش کیس کو تحریک شیخ الہند کے نام سے مرتب کیا ہے ۔ اس کتاب کے مطابق اس تحریک میں جو افراد لیفٹیننٹ جنرل تھے ان میں عبدالکریم رئیس المجاہدین ۔ عبدالعزیز رحیم آبادی ، حافظ عبداللہ غازی پوری ، ابوالکلام آزاد اور عبدالقادر قصوری شامل تھے ۔ جو لوگ میجر جنرل تھے ان میں محمد بشیر رئیس المجاہدین ۔ محمد علی قصوری ۔ ثناء اللہ امرتسری اور سید سلیمان ندوی شامل تھے ۔ کرنیلوں کی فہرست میں ولی محمد فتوحی والے مولوی عبدالحق لاہوری ۔ اور مولانا محمد ابراہیم میر شامل تھے ۔ مولانا میر کے متعلق اس کتاب میں لکھا ہے

> . ابراہیم مولوی آف سیالکوٹ پسر مستی قادر بخش سکنہ سیالکوٹ مشہور اور نہائت با اثر اور متعصب وہابی مبلغ ہندوستان میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلسوں میں دوسرے فرقوں سے مناظروں کے دوران نہائت پر جوش تقریریں کرتا ہے اس لئے اس کی ہر وقت مانگ رہتی ہے ۔ ظفر علی کا کٹر حامی ہے اور ثناء اللہ امرتسری کا ساتھی ۔ اور مولوی عبدالرحیم عرف بشیر احمد اور عبداللہ پشاوری کتب فروش کا ساتھی ہے ۔ جنگ طرابلس اور بلقان اور کان پور کی مسجد کے واقعہ پر اس نے سیالکوٹ میں کافی بے چینی اور شورش پھیلا دی تھی ۔ (تحریک شیخ الہند ۔ محمد میاں ۔ ۱۹۸۸ء ص ۳۸۷)

مولانا ابراہیم تحریک ختم نبوت کے نہائت سر برآوردہ ارکان میں شمار ہوتے تھے اور ان کی حیثیت اس تحریک میں شامل باقی بزرگوں سے اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ جس طرح مولانا محمد حسین بٹالوی وہ شخص ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کا دعوی مسیحیت منظر عام

پر آتے ہی ان کا سب سے پہلے تعاقب شروع کر دیا تھا مولانا سیالکوٹی وہ شخص ہیں جنہوں نے مرزا صاحب کو ان کی حیات دنیوی کے آخری روز اور آخری ساعتوں میں پیغام حق پہنچانے کی کوشش کی اور انہیں ان کی زندگی کا آخری چیلنج بھی دیا جس کا جواب وہ اپنے ذمے ادھار لے کر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

آپ کم وبیش ۹۰ کتابوں کے مصنف ہیں اور آپ نے قرآن مجید کی کئی ایک صورتوں کی تفسیر لکھی ہے۔ سورۃ فاتحہ کی تفسیر واضح البیان کے نام سے لکھی۔ اتنی بسیط اور مفصل تفسیر اس سورۃ کی برصغیر کے کسی اور عالم نے نہیں لکھی۔ سورۃ کہف کی بڑی مفصل تفسیر لکھی جس میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بڑی تحقیق سے لکھا

مولا ابراہیم میر ایک کامیاب مناظر بھی تھے اور آپ نے مرزائیوں اور آریوں سے کامیاب مناظرے کئے۔ ایک مناظرہ مونگ ضلع گجرات (پنجاب) میں ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو ہوا۔ اس میں آپ کے مقابل مولوی محمد یار مرزائی تھے مسئلہ حیات مسیح زیر بحث تھا۔ مولانا میر مدعی حیات تھے۔ انہوں نے حدیث پیش کی جس میں ذکر ہے کہ مسیح دنیا میں آکر تبلیغ کریں گے پھر فوت ہو کر مقبرہ رسالت میں دفن ہوں گے۔ (ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں. آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود میری قبر میں دفن ہوگا۔ وہ میں ہی ہوں. (کشتی نوح۔ منقول از محمدیہ پاکٹ بک ص ۱۶۳) نیز مرزا صاحب لکھتے ہیں . اور (حدیث میں موجود رسول اللہ ﷺ کی) یہ پیش گوئی کہ مسیح موعود بعد وفات کے آنحضرت ﷺ کی قبر میں داخل ہوگا۔ اس کے معنی یہ کرنا کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی قبر کھودی جائے گی۔ یہ جسمانی خیال کے لوگوں کی غلطیاں ہیں .. اس کے معنی یہ ہیں کہ مسیح موعود مقام قرب میں آنحضرت ﷺ سے اس قدر ہوگا کہ موت کے بعد وہ اس رتبہ کو پائے گا کہ آنحضرت ﷺ کے قرب کا رتبہ اس کو ملے گا اور اس کی روح آنحضرت ﷺ کی روح سے جا ملے گی۔ گویا ایک قبر میں ہیں. (حقیقۃ الوحی ص ۳۲۶۔ خزائن ج ۲۲)۔ اس سلسلے میں صحیح رائے یہ ہے کہ یہاں قبر بمعنی مقبرہ ہے اور عربوں کے ہاں اس کا استعمال ہوتا ہے جیسا کہ عن عبد اللہ بن مسعود قال ادفنونی فی قبر عثمان بن مظعون (مسند ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز۔ منقول از محمدیہ پاکٹ بک ص ۱۶۴) اور عن عائشہ قالت قلت یا رسول اللہ انی اری انی اعیش بعدک فتاذن ان ادفن الی جنبک فقال

و انی لی بذالک الموضع ما فیه الا موضع قبری و قبر ابی بکر و عمر و عیسی بن مریم (کنز العمال برحاشیہ مسند احمد جلد ۶ ص ۵۷ منقول از محمدیہ پاکٹ بک ص ۱۶۴)
کہ حضرت عائشہ نے آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ مرنے کے بعد آپ ﷺ کے پاس دفن ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا اس میں اختیار نہیں کیونکہ اس جگہ میری ابوبکر عمر اور عیسی بن مریم کی قبروں کے سوا اور جگہ ہی نہیں۔ گویا حدیث میں فی قبری سے مراد میری قبر کے پاس ہے۔ جیسا کہ خود مرزا صاحب کہتے ہیں

. ممکن ہے کوئی مثیل مسیح ایسا بھی آجائے جو آنحضرت ﷺ کے روضہ کے پاس مدفون ہو .(ازالہ اوہام طبع دوم ص ۱۹۶ منقول از محمدیہ پاکٹ بک ص ۱۶۴)

اور فرمایا کہ مرزا صاحب نے اس حدیث کو کئی مقامات پر اپنے دعوی کی دلیل بنایا ہے اس لئے اس پر تنقیدی بحث کرنا مرزائیوں کا حق نہیں ہے۔ وہ مقامات مولانا نے پڑھ کر بھی سنائے۔ (من جملہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۵۳)۔ مرزائی مناظر اس کے جواب میں تنگ آ گیا۔ کبھی کہے کہ یہ حدیث ابن جوزی کی ہے جو صحیح نہیں ہے کبھی کہے کہ اس کے وہ معنے نہیں جو تم مراد لیتے ہو اور ان معنی سے صحیح ہے جو مرزا صاحب لیتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا حدیث کی صحت تو سند کے اعتبار سے ہوتی ہے معنی تو ہر فریق الگ کر سکتا ہے۔ معنی کی تشریح کو صحت حدیث میں دخل نہیں۔ اسی ضمن میں مرزائی مناظر نے آئت فلما تو فیتنی پیش کی۔ اور اس سے حضرت عیسی کی وفات کا ثبوت دینا چاہا۔ مولانا نے فرمایا اس آئت میں روز قیامت کا واقعہ ہے اور ہم مانتے ہیں کہ روز قیامت سے پہلے حضرت عیسی فوت ہو چکے ہوں گے۔ اس لئے یہ آئت ہماری پیش کردہ حدیث کے موافق ہے۔ مرزائی مناظر ایسے گھبرائے کہ آئت و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین میں لکم کو مبتدا کہنے لگے جس سے اہل علم بہت محظوظ ہوئے۔ سوا تین گھنٹوں کی گفتگو کے بعد پہلا مباحثہ ختم ہوا۔ دوسرا مباحثہ ختم نبوت پر تھا اور اس میں مرزائی مناظر مولوی غلام رسول راجیکی مدعی تھے۔ انہوں نے بتایا کہ ختم نبوت سے خدائی فیض بند ہونا لازم آتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا سوروں اور کتوں کی نسل تو بند نہ کرے مگر نبوت بند کر دے۔ پھر بتایا کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ بعد آنحضرت ﷺ براہ راست نبی نہیں آئیں گے۔ ہاں آپ ﷺ کے اتباع میں آئیں گے۔ مولانا ابراہیم نے فرمایا کہ آپ کی یہ تاویل مرزا

صاحب کی تصریحات کے خلاف ہے ۔مرزا صاحب نے کئی جگہوں میں تصریح سے لکھا ہے کہ نبوت ختم ہوچکی ہے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ جو نبوت کا دعوی کرے وہ جھوٹا ہے ۔اسی ضمن میں مرزائی مناظر نے کہہ دیا کہ آنے والے مسیح کے حق میں بھی یہی آیا ہے کہ وہ تمہارا امام ہوگا۔اس پر مولانا نے مرزا صاحب کی کتاب ازالہ اوہام نکال کر دکھائی کہ مرزا نے جو بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بل ھو اما مکم منکم یہ بل ھو بخاری میں دکھا دیں تو میں مان جاؤں گا۔مگر مرزائی مناظر نہ دکھا سکے ۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۰ص ۸)

اکتوبر ۱۹۲۹ میں آریہ سماج والوں کا گجرات (پنجاب) میں جلسہ تھا جس میں انہوں نے مسلمانوں کو تبادلہ خیالات کی دعوت دی۔ حافظ عنائت اللہ وزیر آبادی کہتے ہیں کہ میں نے مولوی ابراہیم صاحب کو دعوت دے کر آریوں سے بات چیت کا آغاز کر دیا۔ پھر شرائط مناظرہ میں اختلاف ہو کر مناظرہ رک گیا۔ تاہم میں نے مولانا موصوف کو اطلاع دی کہ اگرچہ مناظرہ رک گیا ہے مگر آپ بہر حال تشریف لے آئیں ۔ وہ حسب استدعا تشریف لائے اور میں نے انہیں ایک مخفی جگہ ٹھہرایا۔ جلسہ کے آخری روز مغرب کی اذان تیار تھی کہ آریہ نے اطلاع دی کہ آپ کی پیش کردہ شرائط پر مناظرہ منظور ہے اور آج ہی رات پہلے آپ کا وقت ہے۔مسلمان حیران ہوئے کہ وقت بہت تنگ ہے اب کیا کیا جائے۔ کوئی انتظام نہیں ہوسکتا۔ ادھر میں نے جلسے میں اسلامی سٹیج لگوا دیا اور ضروری کتابیں رکھوا دیں۔ عین وقت پر مولانا ابراہیم سٹیج پر تشریف لائے تو لوگ حیران رہ گئے ۔اور ایسا شاندار مناظرہ ہوا کہ دھاک بیٹھ گئی۔ آریہ صدر جلسہ نے مولانا کے طرز بیان کی تعریف کی اور آریہ مناظر کچھ دنوں بعد مسلمان ہوگیا۔ (الجسر البلیغ ۔ص ۶۹)

مولانا میر کے تلامذہ میں مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا عبدالمجید سوہدروی، حکیم صادق سیالکوٹی، مولانا حافظ محمد شریف سیالکوٹی، مولانا عبداللہ ثانی، مولانا عبدالعزیز اوکاڑوی مولانا محمد صدیق فیصل آبادی، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا معین الدین لکھوی مولانا ابو حفص عثمانی وغیرہ شامل ہیں۔

آپ کی وفات ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء کو ہوئی اور حافظ محمد عبداللہ روپڑی نے جنازہ پڑھایا۔

کارکنان تحریک ختم نبوت

چونکہ یہ کتاب تحریک ختم نبوت پر ہے اس لئے ہمارا ارادہ تھا کہ شمع نبوت کے ان پروانوں کی ایک فہرست مرتب کریں جنہیں مرزا غلام احمد کی زندگی میں رد قادیانیت کے محاذ پر کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ۔ ہمیں دشواری یہ پیش آرہی ہے کہ ہمارے پاس ایسا لٹریچر موجود نہیں ہے جس سے پتہ چلتا ہو کہ کس کس مقام پر کون کون موجود تھا۔ مثلاً ہمیں اتنا تو معلوم ہے کہ جب مرزا صاحب ۱۸۹۱ء میں دہلی گئے تو وہاں ہزاروں افراد نے مختلف طریقوں سے مرزا صاحب کے عقائد ونظریات سے نفرت کا اظہار کیا تھا لیکن اگر ہم نام بنام ایسے لوگوں کا ذکر کرنا چاہیں تو پچیس تیس افراد سے آگے بات نہیں بڑھتی ۔اسی طرح ہمیں اتنا تو معلوم ہے کہ اگست ۱۹۰۰ء میں پیر مہر علی شاہ اور دیگر علماء کرام کی لاہور آمد کے موقع پر تحریک کے ہزاروں کارکن وہاں جمع ہو گئے تھے لیکن اگر ہم نام بنام ان بزرگوں کا ذکر کرنا چاہیں تو چالیس پچاس سے آگے بات نہیں بڑھتی ۔ ان حالات میں کارکنوں کی مکمل فہرست مرتب کرنا ہمارے بس کی بات نہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ تحریک ختم نبوت کے ابتدائی دور کا مکمل ریکارڈ اللہ تعالی کے پاس محفوظ ہے اور ہمیں امید ہے کہ اس دور کے تمام کارکن اللہ تعالی کے دربار سے قیامت کے روز اپنی خدمات کا اجر پائیں گے۔انشاء اللہ

قادیانیوں اور مسلمانوں کے متداول لٹریچر سے جتنے کارکنان تحریک ختم نبوت در حیات مرزائے قادیان کے نام ہمیں معلوم ہو سکے ہیں ان کی ایک مختصر سی فہرست (جو حقیقی فہرست کا عشر عشیر بھی نہیں ہے) ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد نے مثیل مسیح ہونے کا دعوی کیا تو ۳۱ جنوری ۱۸۹۱ء کو لاہور سے محمد حسین بٹالوی کے مکتوب بنام مرزا صاحب سے تحریک ختم نبوت کا آغاز ہو گیا۔ اس خط وکتابت (جسے ہم کسی جگہ درج کر چکے ہیں) کے دوران تین چار ماہ کی سرگرمیوں نے کارکنان تحریک کے طور پر جو نام سب سے پہلے نمایاں کئے وہ یہ ہیں

☆ سید نذیر حسین دہلوی ۔محمد حسین بٹالوی ۔عبدالجبار غزنوی ۔ محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی ۔عبدالحق غزنوی۔ محمد حسن رئیس لدھیانہ۔ رشید احمد گنگوہی۔ شیخ عبید اللہ تبّتی۔ عبدالعزیز لدھیانوی۔ غلام دستگیر قصوری۔ مولوی عبداللہ لدھیانوی۔محمد لدھیانوی۔ مشتاق احمد لدھیانوی شاہ دین لدھیانوی ۔محمد اسماعیل علی گڈھی۔

☆ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے سید نذیر حسین محدث کے ساتھ دہلی میں اشتہار بازی شروع کی تو چند اور افراد ہمارے سامنے آتے ہیں جن میں عبدالمجید دہلی (مرزا نے لکھا ہے کہ مولوی عبدالمجید ساکن دہلی نے اپنی کتاب بیان للناس میں میرا ذکر کر کے اور بالمقابل اپنے کو رکھ کر مباہلہ کے طور پر بد دعا کی تھی ۔ تتمہ حقیقۃ الوحی ۔خزائن ج ۲۲ص ۵۹۷) ۔ عبدالحق مئولف تفسیر حقانی ۔حاجی محمد احمد سوداگر دہلی ۔محمد بشیر سہسوانی ۔نواب سعید الدین لوہارو ۔سید بشیر حسین انسپکٹر پولیس ۔نواب سید سلطان مرزا۔عباس علی لدھیانوی شامل ہیں۔

☆ ۱۸۹۲ء میں مرزا صاحب نے لاہور میں ایک مباحثہ کیا اور اس کے بعد انہوں نے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ اس زمانے میں عبدالحکیم کلانوری ۔ ماسٹر فتح دین جالندھری۔ حاجی بدر دین جالندھری اور قاضی محمد سلیمان تحریک کے کارکنوں کے طور پر متعارف ہوئے

☆ محمدی بیگم والے معاملے میں محمدی بیگم ۔اس کا باپ احمد بیگ ۔ محمدی بیگم کا خاوند سلطان محمد اور مرزا غلام احمد کے سمدھی مرزا علی شیر بیگ تحریک کے کارکنوں کے طور پر متعارف ہوئے۔

☆ ۱۸۹۲ء میں فتوی تکفیر مرزا جاری ہوا۔(مرزا صاحب نے یہ فتوی پڑھ کر فرمایا تھا کہ میری. اس تکفیر کا بوجھ نذیر حسین دہلوی کی گردن پر ہے مگر دوسرے مولویوں کا یہ گناہ ہے کہ انہوں نے اس نازک امر تکفیر میں اپنی عقل اور اپنی تفتیش سے کام نہیں لیا۔ بلکہ نذیر حسین کے دجالانہ فتوی کو دیکھ کر جو محمد حسین بٹالوی نے تیار کیا تھا بغیر کسی تحقیق و تنقیح کے ایمان لے آئے ہیں (انجام آتھم) یہ فتوی ہندوستان میں اولین متفقہ فتوی تکفیر مرزا تھا۔فتوی پوچھنے والے محمد حسین بٹالوی تھے اور سید نذیر حسین مفتی تھے ۔ درج ذیل علماء نے فتوی کی تصدیق فرما کر اپنا نام تحریک ختم نبوت کے کارکنوں میں لکھوایا۔

دہلی و آگرہ و حیدرآباد و بنگال سے حفیظ اللہ خان، محمد عبدالجبار عمرپوری، سید احمد حسن دہلوی کلکٹر، اسحاق بن عبدالرحمٰن عربی، محمد بن حسن بن احمد عربی، ابوعبدالمنان محمد

عبدالرحمٰن ، سید محمد ابو الحسن، سید محمد عبدالسلام، سید احمد شاہ پوری، محمد فقیر اللہ الکٹھوی شاہ پوری محمد یوسف ، قادر علی ، محمد حسین پٹیالوی، عبدالکریم ، محمد کرامت اللہ، محمد یحیٰ ابوالحسنات ،محمد الطاف حسین، محمد زکریا، ابو الفضل محمد عبدالرحمٰن، ابوالفضل محمد نصیرالدین، ابومحمد عبدالعزیز، محمد بنیامین خان، محمد عیسیٰ ، ابومحمد ثابت علی ، ابو اسماعیل یوسف خان پوری، محمد سراج الدین، محمد مسعود دہلوی سجادہ نشین نقشبندیہ، حبیب احمد، فتح محمد فتح پوری مدرس دہلی، محمد امان اللہ، عبد القادر، محمد عثمان، ابومحمد عبدالحق حقانی

کان پور و علی گڈھ سے محمد لطف اللہ، محمد عثمان، محمد اسماعیل، محمد ایوب

بنارس و اعظم گڈھ سے حکیم محمد حسین بنارسی ،محمد عبدالرحمٰن (امام جامع اہل حدیث بنارس)، محمد عبدالمجید، حیات محمد، محمد عبدالقادر، عبدالغفور، ولی اللہ، شہیدالدین احمد

آرہ و غازی پور و مہدانواں سے ابوالخیر محمد ضمیرالحق آروی، الفت حسین ،محمد اسماعیل ، وصیت علی، محمد ابراہیم آروی، عبدالغفار، حافظ عبداللہ غازی پوری، ابوعبدالودود ادریس۔

رحیم آباد ضلع دربھنگہ ترہت سے عبدالعزیز رحیم آبادی، عبد الرحیم رحیم آبادی۔

بھوپال سے محمد بشیر سہسوانی، سلامت اللہ جیراج پوری، شیخ حسین بن محسن

لودھیانہ سے مشتاق احمد، نورمحمد، عبدالقادر، قربان علی لکھنوی۔

امرتسر سوجان پور سے غلام مصطفیٰ ، عبدالغنی ،غلام رسول حنفی ، غلام اللہ قصوری، غلام رسول (امام مسجد میاں جان محمد) ،غلام محی الدین، محمد ادریس ابو محمد اسماعیل جنجھانوی ، حشمت علی ، ابوعبید احمداللہ، عبدالجبار بن عبداللہ غزنوی، احمد بن عبداللہ غزنوی، عبدالصمد (برادر عبدالحق غزنوی)، ابوادریس عبدالغفور بن محمد بن عبداللہ غزنوی ،عبدالواحد بن عبداللہ غزنوی، عبدالرحیم بن عبداللہ غزنوی، عبدالحق غزنوی۔

لاہور سے غلام محمد بگوی (امام شاہی مسجد)،نوراحمد (امام مسجد انارکلی)، غلام احمد مدرس مدرسہ نکودر، غلام احمد مدرس مدرسہ نعمانیہ، محمد عبداللہ ٹونکی (مدرسہ عالیہ پنجاب یونیورسٹی)، محمد، رحیم بخش (مصنف سلسلہ تعلیم الاسلام)

بٹالہ سے سید ظہورالحسن سجادہ نشین بٹالہ، امام الدین بٹالوی ، سید محمد صادق ولد مولوی گل علی شاہ، محمد ابراہیم (امام مسجد جامع بٹالہ)، ابوالحسن محمد حسین (برادر مفتی صادق قادیانی

) محمد فخر الدین گجراتی وارد بٹالہ، احمد علی بٹالوی مدرس مدرسہ اسلامیہ بٹالہ۔

پٹیالہ سے محمد اسحاق واعظ ومفتی شہر پٹیالہ و پروفیسر عربی مہندر کالج، حافظ غلام مرتضی پروفیسر فارسی مہندر کالج، کرامت اللہ مولوی فاضل۔ غلام محمد، حشمت اللہ سنوری، طالب علی لاہوری مقیم پٹیالہ، حافظ عظیم بخش سکنہ بنگی مقیم پٹیالہ، عبدالعزیز محدث رئیس موضع کوم ضلع لدھیانہ حافظ سید محمد عنائت علی، امام دین حسین پروفیسر اورئیٹل ڈیپارٹمنٹ مہندر کالج۔

لکھو کے سے عبدالرحمٰن محی الدین، حافظ محمد، محمد حسن بن حافظ محمد۔

علاقہ پشاور سے سید اکبر شاہ حنفی قادری، قاضی احمد پشاوری، نور محمد مدرس مسجد قائم علی خان، حافظ عبدالحکیم قادری، سید محمد واعظ مسجد گنج بن حافظ محمد عظیم، محمد ایوب حنفی پشاوری، مسعود خلف مفتی برکت اللہ، قاضی عبدالقادر، ملا محمد بشیر سوات، ملا محمد منیر، ملا الہداد ۔ ملا نصیر بٹ گرام، ملا معز الدین، ملا وجیہ الدین، ملا اسماعیل اوڈی گرام سوات، ملا بشیر محمد قاضی عبدالخالق ماجور، ملا فصیح الدین یوسف زئی، رحمت اللہ۔

ہزارہ و راولپنڈی سے عبدالاحد خان پوری، محمد خان پوری، محمد بن سالم مکرانی، تاج دین گجراتی پنجابی، قاضی محسن الدین، ہدائت اللہ (امام مسجد موحدین راولپنڈی)، حافظ عبدالہادی شاہ پوری

علاقہ جہلم سے احمد دین دریالوی، ابو عبدالبصیر میر حمزہ ہزاروی، فقیر محمد ایڈیٹر سراج الاخبار، عبدالودود، سلطان محمود جہلمی۔

علاقہ گجرات سے عبدالرحمٰن موضع دیونہ، فضل الدین گجراتی، ابوالفیض محمد حسن حنفی از بہیں تحصیل چکوال۔

سیالکوٹ سے ابو عبداللہ عبیداللہ معروف بمولوی غلام حسن۔

وزیر آباد سے حافظ عبدالمنان، جلال الدین، محمد عبدالقادر سخانوی، محمد محی الدین نظام آبادی، محمد شاہ دین سوہدروی، عبداللہ پسروری، عبدالعظیم پسروری، عبدالکریم پسروری حافظ محمد گوہر نوکھری۔

کپورتھلہ سے محمد اشرف علی ساطان پوری، امام الدین کپورتھلوی، عبدالقادر بیگووال، غلام محمد مدرس فارسی

دیوبند و سہارن پور سے خلیل احمد مدرس دوم مدرسہ عربی دیوبند، عزیز الرحمٰن

دیوبندی، محمود دیوبندی معروف مولوی محمد حسن، رشید احمد گنگوہی، عبدالرحمٰن۔محمود حسن، محمد حسن، بشیر احمد، محمد جان علی، محمد گل، محمد اسماعیل بیگ۔

مراد آباد سے محمد حسن مراد آبادی، محمد احتشام الدین مراد آبادی۔

ضلع پٹنہ سے محمد شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، نور احمد عظیم آبادی، محمد اشرف علی ڈیانوی عظیم آبادی، محمد عبداللطیف، علی نعمت پھلواروی۔

کان پور و لکھنو سے محمد احمد حسن مدرس مدرسہ عالیہ اسلامیہ، محمد صدیق دیوبندی محمد عادل، محمد عبد لغفار لکھنوی، محمد اشرف علی

☆ ۲۵ اپریل ۱۸۹۳ء کو مرزا صاحب نے مباہلے کیلئے ایک چیلنج کیا جس کے مخاطب یہ لوگ تھے۔

محمد حسین بٹالوی، محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی، عبدالجبار غزنوی، عبدالحق غزنوی، محمد علی واعظ بھوپڑی، ظہور الحسن سجادہ نشین بٹالہ، منشی سعد اللہ لدھیانہ (سعد اللہ کی ایک کتاب کا نام مرزا نے بتایا ہے کہ شہاب ثاقب بر مسیح کاذب ہے۔ اس کتاب سے دو شعر بھی نقل کئے ہیں جو یہ ہیں

اخذ یمین وقطع وتین است بہر تو بے رونقی وسلسلہ ہائے مزوری

اکنوں باصطلاح شما نام ابتلاء است آخر بروز حشر وبایں دار خاسری

ضمیمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۴۷۔۴۴۸ خزائن جلد ۲۲)۔

منشی محمد عمر لدھیانہ، محمد حسن رئیس لدھیانہ، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، پیر حیدر شاہ وزیر آبادی، میاں محمد اسحاق پٹیالوی شامل ہیں۔ ان میں کچھ حضرات پہلے سے تحریک کے نمایاں کارکن تھے اور کچھ نئے لوگ تحریک کے حلقوں میں متعارف ہوئے۔

☆ مولانا بٹالوی کے ایک خط بنام مرزا صاحب میں تحریک ختم نبوت کے درج ذیل کارکنوں کے نام ملتے ہیں

محمد فیض الدین قادری، احمد علی، محمد اعظم، شیخ امیر بخش، حافظ غلام قادر، نبی بخش ذیل دار بٹالہ، برکت علی، محمد اسحاق ولد قاضی نور احمد، شیخ محمد واعظ اسلام نقشبندی، محمد ابراہیم امام جامع مسجد، حکیم عطا محمد، علی محمد، محمد احمد اللہ، شمس الدین، محمد علی تھانہ دار پنشنر، حسین بخش اپیل نویس۔ (دافع الوساوس ص ۳۱۹۔خزائن ج ۵)

☆ مرزا صاحب نے ۱۸۹۶ء میں مسلمانوں کو مباہلے کا چیلنج دیا تو ان کے مخاطب

درج ذیل علماء تحریک ختم نبوت کے کارکنوں میں (اگر پہلے سے فہرست میں موجود نہ تھے تو اس موقع پر) شامل ہو گئے۔

سید نذیر حسین دہلوی۔ شیخ محمد حسین بٹالوی۔ عبدالحمید دہلوی مہتمم مطبع انصاری۔ رشید احمد گنگوہی۔ عبدالحق مئولف تفسیر حقانی۔ عبدالعزیز لدھیانوی۔ محمد لدھیانوی۔ محمد حسن رئیس لدھیانہ۔ سعد اللہ نومسلم لدھیانہ۔ احمد اللہ امرتسری۔ ثناء اللہ امرتسری۔ غلام رسول عرف رسل بابا۔ عبدالجبار غزنوی۔ عبدالواحد غزنوی۔ عبدالحق غزنوی۔ محمد علی بوپڑی واعظ۔ غلام دستگیر قصوری۔ عبداللہ ٹونکی۔ اصغر علی لاہور۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی۔ محمد بشیر بھوپالی۔ محمد ابراہیم آرہ۔ شیخ حسین عرب یمانی۔ محمد حسن مئولف تفسیر امروہہ۔ احتشام الدین۔ محمد اسحاق اجراوری۔ عین القضاۃ لکھنو فرنگی محل۔ محمد فاروق کانپور۔ عبدالوہاب کانپور۔ سعید الدین کانپور۔ حافظ محمد رمضان پشاوری۔ دلدار علی مسجد دائرہ الور۔ رحیم اللہ مدرسہ اکبر آباد۔ ابوالانوار محمد رستم علی خان چشتی۔ عبدالمئوید امروہی۔ مالک رسالہ مظہر الاسلام اجمیر۔ محمد حسین کوئلہ والہ دہلی۔ احمد حسن شوکت مالک اخبار شحنہ ہند میرٹھ۔ نذیر حسین ولد امیر علی انبیٹھ ضلع سہارن پور، احمد علی سہارن پور، عبدالعزیز دینا نگر، قاضی عبدالاحد خان پوری، احمد رام پور ضلع سہارن پور، محمد شفیع رام پور ضلع سہارن پور، فقیر اللہ نصرت الاسلام بنگلور محمد امین بنگلور، قاضی عبدالقدوس بنگلور، محمد ابراہیم ویلورہی بنگلور، عبدالقادر پیارم پیٹی بنگلور، محمد عباس ساکن دانمباری بنگلور، گل حسن میرٹھ، امیر علی شاہ اجمیر، احمد کنجپوری حال دہلی خاص جامع مسجد، محمد عمر فراشخانہ دہلی، مستعان شاہ سانبھر جیپور، حفیظ الدین دوجانہ ضلع رہتک، فضل کریم نیازی غازی پور زمینا، حاجی عابد حسین دیوبند

☆ مرزا صاحب نے اپنے خلاف کام کرنے والے نو افراد کے نام انجام آتھم میں لکھ کر انہیں شریر اور مفسدین فی الارض قرار دیا ہے اور کئی صفحات پر ان کی شان میں قصیدے کہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نو افراد ۱۸۹۶ء کے گردوپیش تحریک ختم نبوت میں بہت سرگرم تھے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں

غلام رسول عرف رسل بابا امرتسری، محمد اصغر علی، نذیر حسین دہلوی، عبدالحق دہلوی، عبداللہ ٹونکی، احمد علی سہارن پوری، سلطان الدین جے پوری، محمد حسن امروہی، رشید احمد گنگوہی

مرزا صاحب نے محمد حسین بٹالوی کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تو ان کا سردار ہے اور امام

المستکبرین ۔ و رئیس المعتدین ۔ و راس العادین ہے

☆ شیخ فتح محمد اہل حدیث گجراتی نے محمد حسین بٹالوی کے ساتھ ایک مرحلہ پر کام کر کے تحریک ختم نبوت کے کارکنوں میں اپنا نام لکھوایا۔

☆ مرزا صاحب کے مجموعہ اشتہارات جلد سوم کے صفحات ۳۲۵ تا ۳۴۱ پر ایک اشتہار اور اس کا ضمیمہ درج ہے ۔اس اشتہار کا عنوان یوں ہے

. پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی جو سخت مکذب ہیں ان کے ساتھ ایک طریق فیصلہ مع ان علماء کے جن کے نام ضمیمہ اشتہار ہذا میں شامل ہیں .

یہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ء کا اشتہار ہے ۔اس میں مرزا صاحب نے پیر مہر علی شاہ اور دیگر علماء ومشائخ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دیا۔اس چیلنج سے ظاہر ہوتا ہے کہ درج ذیل بزرگ ۱۹۰۰ء کے گرد و پیش تحریک ختم نبوت کے کاروان میں شامل تھے ۔

محمد لدھیانوی، عبد العزیز لدھیانوی، محمد حسن رئیس لدھیانہ، مشتاق احمد انبیٹھوی مدرس لدھیانہ، شاہ دین مفتی لودھیانہ، معظم دین مرولہ والہ ضلع شاہ پور، میاں چٹو ساکن لاہور، غلام حسن سیالکوٹ، خلیل احمد انبیٹھہ ضلع سہارنپور، شاہ محمد حسین صابری مراد آباد، نذیر احمد سابق ڈپٹی کلکٹر، عبد اللطیف امروہی اودے پور، ولی محمد جالندھری ساکن پتارہ، قاضی عبد القدوس چھاؤنی بنگلور، شیخ عبداللہ چک عمر تحصیل کھاریاں، محمد حسن مفسر امروہہ، عبد الغفار مفتی ریاست گوالیر، عبداللہ کرانچی، احمد حسن مدرس پانواڑی امروہہ، قاسم شاہ سیفی مجتہد لاہور، عنائت علی صاحب شیعی سامانہ ریاست پٹیالہ، سکندر شہر میسور، لطف اللہ قاضی القضاۃ حیدرآباد، نذیر حسین انبیٹھی، عبداللہ سجادہ نشین گڑھی پٹھانوں کی راولپنڈی، محمد حسین موضع بھیں ضلع جہلم، ثناءاللہ امرتسری، کلیم اللہ مچھیانہ گجرات، اسحاق اجراوری پٹیالہ، نذیر حسین دہلوی، تلطف حسین دہلوی، کرامت اللہ صدر بازار دہلی، فضل دین گجرات ۔ عبد الوہاب امام مسجد صدر دہلی، علماء ندوہ، منشی سلیمان ملازم ریاست پٹیالہ مئولف غائیۃ المرام، مسیح الزمان شاہجہان پور، محمد صدیق دیوبندی مراد آباد محمد شفیع رام پور ضلع سہارن پور، دیدار علی ریاست الور، شیخ خلیل الرحمان سرساوہ سہارن پور، نظام دین قاضی مالیرکوٹلہ، عبداللہ ٹونکی ، قاضی ظفر الدین پروفیسر، عبد الحکیم پروفیسر، عبداللہ ساکن جلو، غلام محمد چکوال، محمد ابراہیم آرہ ، محمد حسین بٹالوی، شیخ حسین عرب یمانی بھوپال، اصغر علی پروفیسر، محمد بشیر بھوپال، عبد الجبار

غزنوی امرتسر، احمد اللہ امرتسر، رسل بابا امرتسر، عبدالحق مفسر تفسیر حقانی، عبدالحق غزنوی امرتسر، عبدالواحد غزنوی امرتسر، منہاج الدین، منشی الٰہی بخش، احمد سکندر پور ہزارہ، قاضی میر عالم سکندر پور ہزارہ، رشید احمد گنگوہ، ابوالخیر نقش بندی خانقاہ مرزا مظہر جانجاناں دہلی، احمد علی مدرسہ اسلامیہ میرٹھ، ملا مانکی نوشہرہ، حافظ عبدالمنان وزیرآباد۔ قاضی سلطان محمود آوان گجرات، غلام محمد بگہ والہ مسجد شاہی لاہور، محمد ذکریا انجمن حمائت اسلام لاہور، غلام محمد انجمن نعمانیہ لاہور، غازی خان گولڑہ، غلام رسول قطب ال گوجرخان۔ مفتی غلام محی الدین گڑھا ڈاکخانہ ڈومیلی، عبد السمیع رامپوری، محمود حسن مدرس اول دیوبند۔ احمد حسن کنج پوری صابری دہلی جامع مسجد، احمد حسن ایڈیٹر اخبار شحنہ ہند میرٹھ۔ عبد الخالق جہان خیلاں ضلع ہوشیار پور، عبدالرحمٰن چھوہروی ضلع ہزارہ، فقیر محمد عزیز صاحب ترنواہ ہزارہ۔

☆ مرزا صاحب کے مندرجہ بالا اشتہار کے جواب میں پیر مہر علی صاحب نے ۲۵ جولائی ۱۹۰۰ء کو ایک اشتہار شائع کیا اور لاہور میں اجلاس کے لئے ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کی تاریخ مقرر کر کے مرزا صاحب کو لاہور تشریف لانے کی دعوت دی۔ پیر صاحب کے اس اشتہار پر درج ذیل لوگوں کے بطور گواہ دستخط ہیں۔ اور چونکہ دستخط کنندگان تحریک ختم نبوت کے کارکن ہیں اس لئے ہم ان کے نام اس فہرست میں درج کئے دیتے ہیں۔

محمد غازی، مولوی میر معلم صاحبزادگان خان ملا خان رئیس کابل، قاضی محمد زمان ساکن پنڈی، مولوی محمد، عبداللہ ساکن جلو، ہدائت اللہ، احمد دین ساکن بھوئی، محمد یوسف ساکن بھوئی، غلام ربانی ساکن بھوئی، سید حسن مدرس مدرسہ اسلامیہ پنڈی، محمد اسماعیل گولڑہ عبداللہ ساکن گڑھی افغاناں، میر حمزہ ساکن بھوئی، محمد عرفان ساکن گولڑہ، فضل احمد ساکن سواں، منہاج الدین ساکن کوٹ نجیب اللہ، عبدالمجید ساکن کوٹ نجیب اللہ، محبوب عالم ساکن گولڑہ قاضی نواب ساکن کوٹ، بدر دین پوٹھواری۔ (مہر منیر ص ۲۲۱)

اور حکیم سلطان محمود سکنہ راولپنڈی جنہوں نے ۲۱ یا ۲۲ اگست کو یہ اعلان شائع کرا کر قادیان بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ بھیجا کہ پیر صاحب ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء کو لاہور پہنچ رہے ہیں۔ (مہر منیر ص ۲۳۰)

☆ مرزا صاحب نے تفسیر نویسی کے لئے علماء ومشائخ کو چیلنج تو کر دیا تھا لیکن آپ لاہور تشریف نہ لائے۔ ان کا انتظار کرنے کے بعد اگست ۱۹۰۰ء میں علماء اسلام

نے لاہور کی بادشاہی مسجد میں ایک جلسہ عام منعقد کیا جس میں قرار پایا کہ مرزا صاحب کو تحقیق منظور نہیں ہے اور انہیں صرف شہرت سے غرض ہے ۔ان کے عقائد خلاف قرآن و سنت ہیں اور ان کے دعوی بے بنیاد اور لغو ہیں ۔علمائے ہندوستان اس کے خلاف کفر کا فتوی دے چکے ہیں اس لئے اب وہ مخاطب ہونے کی حیثیت نہیں رکھتے۔اس قرارداد پر درج ذیل لوگوں نے دستخط کر کے کارکنان تحریک ختم نبوت میں اپنا نام لکھوالیا۔(کچھ حضرات پہلے سے تحریک کی صفوں میں شامل تھے اور کچھ خاص اس موقع پر متعارف ہوئے ہیں)۔

محمد عبدالخالق سجادہ نشین جہان خیلاں، عبدالجبار غزنوی ،مفتی عبداللہ ٹونکی، حافظ جماعت علی شاہ سجادہ نشین، سید عبدالقاہر سجادہ نشین باجھ خیلاں پشاور، محمد چراغ سجادہ نشین چکوڑی گجرات، عبد العزیز سجادہ نشین چاچڑ شریف شاہ پور، غلام محمد بگوی امام شاہی مسجد، ثناءاللہ امرتسری، عبدالاحد خان پوری، حافظ عبدالمنان وزیرآبادی، محمد علی واعظ (بھوپڑی)، احمد دین بھوئی ضلع کیمبل پور عبداللہ سجادہ نشین جلو ہزارہ ،حافظ نوراحمد ملتانی مدرسہ انوارالرحمٰن ، محمد نورالحق ضلع شاہ پور شاہ عبدالعزیز باغبان پوری ، محمد ذاکر مدرسہ حمیدیہ لاہور، میر محمد عبداللہ پشاوری ، محمد یوسف سکنہ بھوئی، حافظ احمد دین ، عبدالحق غزنوی، محمد یار امام مسجد طلائی لاہور، محمد شریف سکنہ بھیلو وال گجرات، ابومحمد احمد لاہوری، غلام مصطفیٰ پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور ،محکم الدین لاہوری، محمود الدین مدرسہ اسلامیہ ڈیرہ غازی خان ، غلام احمد دارالعلوم نعمانیہ لاہور، احمد دین ضلع جہلم ، حافظ محمد غازی ضلع راولپنڈی ،حافظ سراج الدین سکنہ گولڑہ ، ابوالفیض محمد حسن فیضی دار العلوم نعمانیہ لاہور، حافظ احمد علی بٹالوی ، نور احمد پسروری ، حافظ جمال الدین لاہوری ، نورالدین امرتسری، حافظ محمد حسین امام مسجد چینیاں والی لاہور، علی محمد انجمن حمائت اسلام لاہور، نور احمد ضلع فیروز پور احمد علی سیالکوٹی ،شفیق الرحمٰن لاہوری، خلیفہ عبدالرحیم واعظ انجمن حمائت اسلام لاہور، سید حسن مدرس مدرسہ اسلامیہ راولپنڈی ،عبداللہ مدرس دارالعلوم نعمانیہ لاہور، غلام ربانی سکنہ بھوئی سید لعل شاہ ضلع ہزارہ ،شہاب الدین مرولہ والہ، فتح علی ریاست جموں، محمد عبدالکریم مدرسہ اسلامی کالرہ ، امیر حمزہ ساکن بھوئی، محمد فضل حق ضلع شاہ پور ، جمال الدین راولپنڈی، شاہ عزیز الدین پشاوری ، ولی احمد ضلع ہزارہ ، عبداللطیف مچنی علاقہ افغانستان، احمد دین سکنہ جواہر تحصیل چکوال، عبدالعزیز جائنٹ سکرٹری انجمن حمائت اسلام ، احمد علی واعظ دہلوی (مہر منیر۔ص ۲۳۷ ۔ ۲۳۹

اور چونکہ درج ذیل افراد کی رائے سے اس جلسہ لاہور کی کاروائی شائع کی گئی

تھی اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی تحریک ختم نبوت کے کارکنوں میں شامل تھے۔

لیفٹیننٹ کرنل عطاء اللہ آنریری مجسٹریٹ صدر انجمن نعمانیہ لاہور۔ چوہدری محمد سلطان خان بیرسٹر۔ خواجہ کریم بخش سیٹھی پشاور۔ مرزا محمد ظفر اللہ خان مجسٹریٹ لاہور۔ سید امیر علی رسالدار میجر۔ سید امیر احمد پلیڈر چیف کورٹ پنجاب لاہور۔ منشی محرم علی ایڈیٹر رفیق ہند لاہور تاج الدین جوہر مختار عدالت چیف کورٹ سکرٹری انجمن نعمانیہ۔ میاں سراج الدین بک مرچنٹ لاہور۔ ڈاکٹر حکیم غلام نبی سابق میونسپل کمشنر لاہور۔ نواب دین مختار کار سردار غلام محمد رئیس ہزارہ۔ خلیفہ عماد الدین انسپکٹر مدارس۔ مرزا محمد ابراہیم قزلباش لاہور۔ میاں تاج الدین پنشنر لاہور۔ حافظ چراغ دین سوداگر و امین انجمن نعمانیہ لاہور۔ منشی شمس الدین شائق مہتمم مطبع شمس الہند لاہور۔ میاں الطاف حسین لاہور۔ حکیم سلطان محمود راولپنڈی۔ محبوب عالم ساکن گولڑہ شریف۔ ابو الفیض فیضی۔ حاجی لالہ عبد الکریم سوداگر پشاوری۔ حکیم سلیم اللہ دفتر فنانشل کمشنر پنجاب۔ حاجی عبد الصمد میونسپل کمشنر لاہور۔ عبد العزیز دفتر رجسٹرار تعلیم و ایڈیٹر رسالہ انجمن حمائت اسلام۔ حافظ محمد دین تاجر کتب مہتمم مصطفائی پریس لاہور۔ (مہر منیر ص ۲۳۹۔۲۴۰)

☆ مرزا صاحب نے ۱۹۰۰ء میں اشتہار انعامی پانسو روپیہ۔ بنام حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر۔ شائع کیا تو لکھا کہ اس اشتہار میں یہ تمام لوگ بھی مخاطب ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔ (چونکہ یہ اس دور کے نئے یا پرانے کارکنان تحریک ہیں اس لئے ہم ان کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کرتے ہیں)

پیر مہر علی گولڑوی، مولوی نذیر حسین دہلوی، مولوی محمد بشیر بھوپالوی، تلطف حسین دہلوی، عبد الحق صاحب تفسیر حقانی، رشید احمد گنگوہی، محمد صدیق دیوبندی مدرس بچھرایوں ضلع مراد آباد، شیخ خلیل الرحمان جمالی سرساوہ ضلع سہارن پور، عبد العزیز لدھیانہ، محمد لدھیانوی، محمد حسن لدھیانہ، احمد اللہ امرتسری، عبد الجبار غزنوی، غلام رسول عرف رسل بابا، عبد اللہ ٹونکی، عبد اللہ چکڑالوی، ڈپٹی فتح علی شاہ ڈپٹی کلکٹر نہر لاہوری، منشی الٰہی بخش لاہوری، منشی عبد الحق اکونٹنٹ پنشنر، محمد حسن ابو الفیض ساکن بھیں، سید عمر واعظ حیدر آباد، مولوی محمد علی سکرٹری ندوۃ العلماء سلطان الدین جے پور، مسیح الزمان استاد نظام حیدر آباد دکن، عبد الواحد خان شاہجہان پوری، اعزاز حسین خاں شاہ جہان پور، ریاست علی خان شاہجہان پور، سید صوفی جان شاہ میرٹھ، اسحاق پٹیالہ۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ کے ص ۳۷ خزائن جلد ۱۷۔ اور اربعین نمبر ۳ خزائن ج ۱۷ ص ۳۸۶)

☆ مرزا صاحب نے تحفہ گولڑ ویہ خواب تحفہ گولڑ ویہ (خزائن جلد ۱۷) کے صفحہ ۱۷۶-۱۷۸ پر ہے میں کسی بزرگ کی ایک خواب درج کر کے ان لوگوں کا مذاق اڑایا ہے جو اس کے خلاف چلنے والی تحریک میں ۱۹۰۰ء کے گردو پیش سرگرم تھے۔ ہم وہ خواب کسی جگہ بیان کر چکے ہیں اور ذیل میں اس خواب میں مذکور لوگوں کے نام درج کئے دیتے ہیں تا کہ وہ بھی (اگر پہلے سے موجود نہیں ہیں تو) اس فہرست کارکنان میں شامل ہو جائیں۔

محمود شاہ واعظ، محمد علی بھوپڑی واعظ، محمد حسین بٹالوی، عبدالحق غزنوی، عبدالجبار غزنوی، عبدالواحد غزنوی، رسل بابا امرتسری، احمد اللہ امرتسری، میاں چٹو لاہوری، سید نذیر حسین، محمد لدھیانوی، عبدالعزیز لدھیانوی، محمد حسن رئیس لدھیانہ، عبدالمنان وزیر آبادی

☆ جب مولانا ثناء اللہ مرزا صاحب کے چیلنج کے جواب میں قادیان گئے تو ان کے رقعات مرزا صاحب کی خدمت میں پہنچانے والے محمد صدیق نے بطور قاصد خدمات سرانجام دے کر تحریک ختم نبوت کے کارکنوں میں اپنا نام شامل کرایا۔

☆ مواہب الرحمان والے مقدمے کے دوران جو دو سال تک مرزا صاحب کو پریشان کرتا رہا مولوی محمد جی قاضی تحصیل جہلم مولوی غلام محمد قاضی تحصیل چکوال اور مولوی ثناء اللہ صاحب استغاثہ کے گواہ تھے۔ مولوی کرم دین ولد مولوی صدر دین موضع بھیں تحصیل چکوال مستغیث تھے ۔مقدمہ ۲۶ جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں دائر کیا گیا تھا اور ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو گورداسپور منتقل ہوا (محمد حسن فیضی مرحوم مستغیث کا تایا زاد بھائی اور بہنوئی تھا)۔ ۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو فیصلہ ہوا جس پر مرزا صاحب نے اپیل کی جس کا فیصلہ ۷ جنوری ۱۹۰۵ء کو ہوا تو جرمانے کی سزا منسوخ ہوئی۔ اس مقدمے کے دوران مولوی محمد جی اور مولوی غلام محمد اور مولوی کرم دین تحریک ختم نبوت کے حلقوں میں کارکنوں کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔

☆ ستمبر ۱۹۰۶ء کے بعد مرزا صاحب کی زندگی میں انجمن اہل حدیث وزیر آباد کی طرف سے ایک فتوی شائع ہوا جس میں مرزا صاحب کے دعوی نبوت و مسیحیت کی بنیاد پر اس کی اور اس پر ایمان لانے والوں کی تکفیر کی گئی تھی۔ نیز ان اشخاص کی بابت بھی فتوی تکفیر صادر کیا گیا تھا جو مرزائی نہ ہونے کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کو نبی و مجدد ماننے والوں کی تکفیر میں تامل کرتے تھے۔ ان فتووں پر درج ذیل بزرگوں نے دستخط فرما کر تحریک ختم نبوت کے کاروان میں (اگر پہلے سے شامل نہیں تھے تو اس موقع پر)

شمولیت اختیار کی ۔

یوسف بگھیلے والہ، محمد عبدالرحمٰن البہاری، احمد رضا بریلوی ،ظفرالدین بریلوی ، محمد عبدالمجید سنبلی ، کریم بخش سنبلی ، عبدالوحید مدرس اول نعمانیہ امرتسر، فتح دین ہوشیار پورسنی حنفی ،عبدالمصطفی ظفرالدین احمد بریلوی بہاری ، ابوالفیض غلام محمد سنی حنفی بریلوی، عبدالنبی نواب مرزا ، امام الدین کپورتھلوی ، سیدعلی قادری جالندھری، عبداللہ پلٹن نمبر ۱۹ سیالکوٹی بریلوی، سعد اللہ شاہ ساکن سوات بنیر ،محمد حسن مدرس نعمانیہ امرتسر، محمد اشرف مدرس نعمانیہ لاہور، حسن مدرس نعمانیہ لاہور، علم الدین لاہوری ،محمد رشید الرحمٰن ، مفتی ولی محمد جالندھری، ابوالفضل محمد حفیظ اللہ دارالعلوم لکھنو، ابوالعماد محمد شبلی جیراج پوری ندوۃ العلما لکھنو، سیدعلی زینبی دارالندوہ لکھنو، محمد واحد نور رام پوری ، مرید احمد میانوالی ، محمد کفائت اللہ مدرسہ امینیہ دہلی، محمد قاسم مدرس امینیہ دہلی، محمد اسحاق مفتی پٹیالہ ، غلام مرتضی پٹیالوی ، غلام محمد، حبیب احمد مدرس فتح پوری دہلی ، سید انظار حسین مدرس امینیہ دہلی ، محمد کرامت اللہ دہلی ، ابومحمد عبدالحق ، محمد امین مدرس اینہ دہلی ، امانت اللہ علی گڑھ محمد لطف اللہ علی گڑھ ،نصیرالدین خان ، غلام مصطفیٰ ، ابراہیم، محمد سلطان احمد خان، محمد رضا خان ۔عین الہدی شاہ قادری کلکتہ ۔ جمال الدین ریاست کشمیر مظفرآباد۔ احمد جی موضع پانڈک ۔سید حافظ محمد حسین واعظ سادھوڑہ ضلع انبالہ ۔احمد علی مدرس میرٹھ ۔عبداللہ خان مدرس اسلامیہ میرٹھ ۔عبدالسلام پانی پتی ۔فضل احمد تعلقہ مردان صوابی محمد کفائت اللہ شاہجہان پوری ۔مشتاق احمد مدرس گورنمنٹ سکول دہلی ۔ محمد اسحاق لدھیانوی ۔ امانت علی از نکودر۔ محمد محی الدین حنفی مدرس نصرۃ الحق امرتسر۔محمد عبدالغفار خان رام پوری محمد معز اللہ خان رام پوری ۔ احمد سعید رام پوری ۔محمد امانت اللہ رام پوری ۔ محمد ضیاء اللہ خان رام پوری ۔خلیل احمد سہارنپوری ۔ عبداللطیف سہارنپوری، محمد کفائت اللہ سہارن پوری ، حافظ محمد شہاب الدین لدھیانوی ۔فضل احمد رائے پور گوجراں ۔ ابوالرجا غلام محمد ہوشیار پوری ۔محمد ابراہیم وکیل اسلام لاہور ۔حکیم نبی بخش رسول نگری ۔ عنائت الٰہی مہتمم مدرسہ عربیہ سہارن پور۔محمد بخش سہسرائے ۔صدیق احمد انبیٹھوی ۔گل محمد خان مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند ۔محمد مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند۔ غلام رسول مدرسہ عربیہ دیوبند۔ قادر بخش جامع مسجد سہارن پور۔عبدالمجید ۔ علی اکبر۔ محمد یعقوب ۔عبدالخالق ۔ نوراللہ خان ۔محمد فتح علی شاہ ۔غلام رسول مدرسہ حمیدیہ لاہور، احمد علی شاہ اجمیری ، جمال الدین کوٹھالوی احمد علی بٹالوی سلطان احمد گنجوی ۔احمد علی سہارن پوری ۔محمد عظیم گکھڑ۔ غلام اللہ قصوری ،محمد

اشرف علی ساکن بھون ۔ غلام احمد امرتسری ایڈیٹر اہل فقہ۔ ابوالہاشم محبوب عالم توکلی ۔ عبدالصمد مدرس دیو بند۔ فتح محمد سوہدرہ ضلع جالندھر۔ شیر محمد۔ رحیم بخش جالندھری۔عبد الکریم مجددی ساکن ٹنڈو محمد خان ضلع حیدرآباد۔ محمد باقر نقش بندی مدرس مشن کالج لاہور۔ محمد رحیم اللہ دہلی ۔ حبیب المرسلین مدرسہ حسن بخش دہلی ۔ محمد وصیت علی مدرسہ مولوی عبدالرب دہلی ۔ خادم حسین مدرسہ مولوی عبدالرب دہلی ۔عزیز احمد مدرسہ حسین بخش دہلی ۔محمد اکرم مدرسہ باڑہ ہندوراؤ دہلی ۔عبدالرحمٰن مدرسہ مولوی عبدالرب ۔ ضیاء الحق ۔محمد پردل دہلی ۔ ولی محمد کرنالوی ۔ غلام احمد مدرسہ نعمانیہ لاہور۔محمد ذاکر بگوی ۔ غلام رسول ملتانی ۔ابومحمد احمد چکوالی ۔ نوراحمد امر تسری ۔ ابوالحامد محمد عبدالحمید حنفی قادری لکھنوی ۔ محمد عبدالخالق لکھنوی ۔ محمد قائم عبد القیوم انصاری لکھنوی ۔ محمد عبدالعزیز لکھنوی ۔ محمد برکت اللہ لکھنوی، محمد عبدالہادی الانصاری لکھنوی ۔ محمد عنائت اللہ لکھنوی ۔ محمد عبدالمجید لکھنوی ۔ ابوبکر علی احمد محموداللہ شاہ بدایونی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری ۔محمد رشید مدرس جامع الکلام کان پور۔محمد اسحاق مدرس جامع العلوم کان پور ۔مقبول حسن مدرس جامع العلوم کان پور۔ مشتاق احمد مدرس فیض عام کان پور۔ حافظ عبدالمنان وزیرآبادی ۔ یوسف علی میرٹھی خیرنگری محمد عبداللہ ناظم دینیات دارالعلوم علی گڈھ ۔ سید محمد اعظم شاہجہان پور۔ غلام محی الدین امام جامع مسجد شاہجہان پور۔عبدالکریم از ہندوستان ۔محمد حسین از ہندوستان ۔ محمد عچمان مدرسہ عین العلم شاہجہان پور۔محمد عبدالخالق مدرسہ عین العلم شاہجہان پور۔ محمد سخاوت اللہ خان مدرسہ عین العلم شاہجہان پور۔ محمد اعزاز علی بریلوی ۔ عبدالجبار عمرپوری کشن گنج دہلی ۔ محمد عبدالحق ملتانی ۔محمود ملتانی ۔ محمد عمر خان ۔محمد عالم مدرسہ حمیدیہ لاہور۔ محمد حسین ۔ محمد یار۔ حسن مدرسہ حمیدیہ لاہور۔ غلام قادر بھیروی لاہور ۔ محمد باقر ۔غلام رسول مدرس لاہور۔ محمد حسین بٹالوی ۔ابوتراب عبدالحق ۔عبدالجبار غزنوی ۔عبدالعزیز قلعہ میہاں سنگھ ۔ سلام دین امرتسری ۔سید شاہ حیدرآبادی ۔ابو یوسف امرتسری ۔محمد محی الدین الصدیقی حنفی امرتسری حافظ محمد شہاب الدین لدھیانوی ۔ ابوالوفا غلام محمد ہوشیارپوری ۔محمد رکن الدین نقش بندی ساکن الور ابوالہاشم محبوب عالم گجرات، فتح محمد، شیر محمد، غلام رسول مدرسہ حمیدیہ، جمال الدین کتھیالوی ۔سلطان احمد گنجوی محمد بخش سہرانے ۔محمود اول مدرس دیو بند۔قادر بخش مہتمم جامع مسجد سہارن پور ابوعبدالجبار محمد جمال امرتسری ۔محمد اکرم مدرسہ باڑہ ہندوراؤ ۔سید محمد اعظم مفتی شاہجہان پور۔ احمد جی علاقہ چھچھ ۔ محمد خدابخش پشاوری ۔محمد فیض اللہ ملتانی

☆ ان کے علاوہ منشی محمد جعفر تھانیسری (مصنف تائید آسمانی دررد نشان آسمانی) محمد ابراہیم میر ڈاکٹر ایم اے سعید (آپ نے مرزا صاحب کو ان کی زندگی کا آخری چیلنج مولانا میر کی طرف سے پہنچایا) ابو الحسن سیالکوٹی (مصنف بجلی آسمانی برسر دجال قادیانی) مولوی غلام مرتضی بھیروی۔ مولوی عبد الرحمٰن سیاح ۔ ڈاکٹر عبد الحکیم پٹیالوی ۔ شیخ نجفی ۔ سید عبد الرزاق بغدادی دکن (جن کے جواب میں مرزا صاحب نے تحفہ بغداد لکھی) سید ابو الحسن تبّتی (جن کے بارے میں ۱۳ ماہیہ ذلت کی پیش گوئی مرزا صاحب نے کی تھی)۔ ملا محمد بخش جعفر زٹلی (جن کے بارے میں ۱۳ ماہیہ ذلت کی پیش گو ئی مرزا صاحب نے کی تھی)۔ ابو اسحاق محمد دین (جنہوں نے مرزا صاحب کے خلاف قطع الوتین لکھی تھی) ۔ عطا محمد (جن کے جواب میں مرزا صاحب نے شہادت القرآن لکھی ۔نسیم سیفی) اور ظہور احمد بگوی (مصنف برق آسمانی برخرمن قادیانی)۔ خواجہ غلام الثقلین (لاہور میں مرزا صاحب کے آخری قیام کے دوران تحریک میں سرگرم تھے) سید محمد عبد الواحد مدرس سکول و قاضی برہمن بڑیہ ضلع ٹپرا بنگال (جن کے سوالات کے جواب، مرزا نے ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم میں دینے کی کوشش کی ہے) کارکنان تحریک ختم نبوت میں شامل ہیں ۔

☆ ایڈیٹر پیسہ اخبار نے طاعون کے دنوں میں تحریک ختم نبوت میں خدمات سرانجام دیں جیسا کہ مرزائیوں نے لکھا ہے کہ دافع البلاء کی اشاعت پر ایڈیٹر پیسہ اخبار نے قادیان کی حفاظت سے متعلق پیش گوئی کو غلط ثابت کرنے کے لئے جھوٹی اور خلاف واقعہ رپورٹیں شائع کیں اور قادیان کی حفاظت سے متعلق پیش گوئی کو اعتراضات کا نشانہ بنایا تب حضرت نے ان کی مفتریات کا جواب نزول المسیح میں دیا (خزائن جلد ۱۸ ابتدائیہ۔ص ۱۳)

☆ میاں شمس الدین حمائت اسلام لاہور والے بھی طاعون کے زمانے میں تحریک کے کارکن تھے۔ اور مرزائی کہتے ہیں کہ . کریم بخش نام لاہور میں ٹھیکیدار تھا وہ سخت بے ادبی اور گستاخی حضور کے حق میں کرتا تھا اور اکثر کرتا ہی رہتا تھا (حقیقۃ الوحی ص ۲۳۸ خزائن ج ۲۲)

☆ مرزائی کہتے ہیں کہ . حافظ سلطان سیالکوٹی حضور (مرزا) کا سخت مخالف تھا ۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ارادہ کیا تھا کہ سیالکوٹ میں آپ (مرزا) کی سواری گذرنے پر آپ پر راکھ ڈالے ..... ایسا ہی شہر سیالکوٹ میں حکیم محمد شفیع جو بیعت کر کے مرتد (مسلمان) ہو گیا تھا جس نے مدرسہ دار القرآن کی بنیاد ڈالی تھی آپ (مرزا) کا سخت مخالف

تھا....اور سیالکوٹ کے محلّہ لوہاراں کے لوگ جو سخت مخالف تھے عداوت اور مخالفت میں ان کا شریک ہوگیا.....ایسا ہی مرزا سردار بیگ سیالکوٹی جو اپنی گندہ زبانی اور شوخی میں بہت بڑھ گیا تھا اور ہروقت استہزا اور ٹھٹھا اس کا کام تھا اور ہر ایک بات طنز اور شوخی سے کرتا تھا (حقیقۃ الوحی ص ۲۳۸ خزائن ج ۲۲)

قائدین تحریک ختم نبوت

مرزا صاحب کے دوران حیات ان کے دعووں الہامات اور ان کی پیش گوئیوں نے ایک تسلسل کے ساتھ رسائل اخبارات کتابوں اشتہارات اور تقاریر کے ذریعے مسلمانوں کو نشانہ بنایا ہوا تھا اور جو لوگ قادیان سے چلنے والے اس سیلاب بلاء کی روک تھام کی کوشش کررہے تھے مرزا صاحب انہیں اپنے راستے کا کانٹا سمجھتے تھے۔ جتنی شدومد سے کوئی اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی کوشش کررہا تھا مرزا صاحب کو وہ اتنا ہی زیادہ کھٹکتا تھا اور ان کی تقریر وتحریر میں اس کا ذکر بھی اسی تناسب سے ہوتا تھا۔یعنی جس شخص نے قادیانی عقائد ونظریات کی تردید کا جتنا کام کیا مرزا صاحب نے اس شخص کو اسی قدر تقریر وتحریر میں اپنا نشانہ بنایا ہے۔ اور چونکہ مرزا صاحب کا اکثر و بیشتر لٹریچر متداول ہے اس لئے اسے کھنگالنے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن کی سرگرمیاں اس پیمانے پرتھیں کہ مرزا صاحب کو ان کی تحریروں اور تقریروں کے جواب اور ان کو اپنے مقابلے میں نکلنے کے چیلنج دینا پڑتے تھے۔

مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں بہت سے اشتہار شائع کئے جو مرزائیوں نے مجموعہ اشتہارات میں شائع کردیئے ہیں۔ان میں سے کچھ مرزا صاحب کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں۔ کچھ ان کی کتابوں کے اشتہار ہیں۔ کچھ اشتہاروں میں مرزا صاحب کے مریدوں کے لئے ہدایات ہیں اور کچھ اشتہار حکومت وقت سے وفاداری کے اظہار کے لئے ہیں۔ چند اشتہارات آریوں ہندوؤں عیسائیوں وغیرہ کو مخاطب کرکے دیئے گئے ہیں ۔ایسے تمام اشتہارات سے ہمیں اس وقت کوئی خاص غرض نہیں ہے۔ لیکن کچھ اشتہارات ایسے ہیں جن میں مرزا صاحب نے کارکنان تحریک ختم نبوت کی تقریروں اور تحریروں کا جواب دیا ہے یا انہیں مباحثوں اور مباہلوں کے چیلنج دیئے ہیں۔ یا ان کے ساتھ اپنے مباحثوں وغیرہ کی روئداد درج کی ہے۔ ایسے اشتہار اس وقت ہمارے مفید مطلب ہیں کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کی زندگی میں کون سے لوگ نمایاں اور

قائدانہ طریق پر ردقادیانیت کے محاذ پر کام کر رہے تھے۔

یہی حال مرزا صاحب کی کتابوں کا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ۷۰ سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں کچھ ایسی ہیں جو کسی نہ کسی مسلمان عالم دین کو نامزد کر کے اس کی کسی کتاب یا تقریر یا اشتہار یا کسی اور سرگرمی کا جواب دینے کے لئے لکھی ہیں۔ اور کچھ کتابیں ایسی ہیں جن میں انہوں نے متعدد مخالفین کو نام لے کر مخاطب کیا ہے اور ردقادیانیت کے محاذ پر سرانجام دی گئی ان کی خدمات کو نشانہ بنا کر انہیں جلی کٹی سنائی ہیں۔ ایسی کتابیں اس وقت ہمارے مفید مطلب ہیں کیونکہ ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس دور میں کون سے اصحاب، قادیانیت کے خلاف مصروف عمل تھے اور ان کی سرگرمیاں مرزا صاحب پر کس قدر اثر انداز ہو رہی تھیں۔

قصہ مختصر۔ مرزا صاحب کے اشتہارات اور تصنیفات پر ایک نظر ڈالی جائے تو

مشک آنست کہ خود ببوئد نہ کہ عطار بگوئد

کے مصداق خود بخود پتہ چل جاتا ہے کہ بانی قادیانیت کی زندگی میں قائدین تحریک ختم نبوت کون تھے۔ ذیل کی سطور میں یہی بات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء کے ابتدائی مہینوں میں مثیل مسیح ہونے کا دعوی کیا تو اس کے ساتھ تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوگیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی مرحوم نے انہیں مباحثے کے لئے بلایا اور مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے انہیں مباہلے کی دعوت دی۔ یہ تفصیلات کتاب ہذا کے حصہ اول میں بیان کی جا چکی ہیں۔

☆ ۱۶ مارچ ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار دیا جس کا عنوان تھا

ضروری اشتہار

لیہلک من ہلک عن بینۃ و یحی من حی عن بیینۃ

اور لکھا کہ اس اشتہار کے . عام طور پر وہ تمام مولوی صاحبان مخاطب ہیں جو مخالفانہ رائے ظاہر کر رہے ہیں اور خاص طور ان سب کے سرگروہ یعنی مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی مولوی (محی الدین) عبدالرحمٰن صاحب لکھو کے والے مولوی شیخ عبید اللہ صاحب بنتی۔ مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی معہ برادران اور مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری۔

اور مرزا صاحب نے کہا کہ یہ لوگ ایک عام مجلس مقرر کر کے میرے ساتھ تحریری مباحثہ کرلیں ۔ (مجموعہ اشتہارات ص ۲۰۲۔ ۲۰۴ جلد اول)

☆ مولوی عبدالحق غزنوی کی دعوت مباہلہ کے جواب میں مرزا صاحب نے مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کو ۱۱ فروری ۱۸۹۱ء کو خط لکھا کہ میں تب مباہلہ کرونگا جب

چند مولوی صاحبان نامی جیسے مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری بالاتفاق یہ فتوی لکھ دیں کہ ایسی جزئیات خفیفہ میں اگر الہامی یا اجتہادی طور پر اختلاف واقع ہو تو اس کا فیصلہ بذریعہ لعن طعن کرنے.... کے جس کا دوسرا نام مباہلہ ہے کرنا جائز ہے

(مجموعہ اشتہارات جلد اول ص ۲۰۸)

☆ ۲۳ مئی ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب کی طرف سے اشتہار **دعوت حق** دیا گیا۔ اس میں مولوی عبداللہ صاحب لدھیانوی مولوی محمد صاحب لدھیانوی مولوی عبدالعزیز صاحب لدھیانوی مولوی مشتاق احمد صاحب لدھیانوی مولوی شاہ دین صاحب لدھیانوی مولوی رشید احمد گنگوہی ۔ مولوی محمد حسن صاحب رئیس اعظم لدھیانہ اور مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی صاحب مخاطب ہیں ۔ اور انہیں تحریری بحث کی دعوت دی ہے ۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۲۷۰۔۲۷۳) ۔ (اس اشتہار کے جواب میں انجام کار مولانا بٹالوی اور مرزا صاحب کا لدھیانہ میں جولائی ۱۸۹۱ء میں مباحثہ ہوا جو ۱۲ روز جاری رہا)۔

☆ یکم اگست ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب نے اشتہار واجب الاظہار شائع کیا ۔ یہ اشتہار مولوی محمد حسین بٹالوی کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے اور اس میں مرزا صاحب نے مباحثہ لدھیانہ کی کیفیت بیان فرما کر حاشیہ پر بٹالوی صاحب کو آسمانی نشان دکھانے کا چیلنج دیا ہے (مجموعہ اشتہارات ۔جلد ا ص ۲۲۵۔۲۲۹) ۔ (مولانا بٹالوی نے اس کا جواب اپنے یکم اگست ۱۸۹۱ء کے اشتہار میں دیا کہ مرزا صاحب کی درخواست برائے آسمانی نشان اس وقت مسموع ہوگی جب وہ اول اپنے عقائد کا عقائد اسلام ہونا ثابت کر دیں گے ۔ کیونکہ غیر مسلم خواہ کتنے بھی آسمانی نشان دکھائے اہل اسلام اس کی طرف التفات نہیں کرتے ۔ ازالہ اوہام ۔ خزائن جلد ۳۔ص ۵۹۵)

☆ اس کے بعد مرزا صاحب نے ایک اشتہار بعنوان

ہمارے مخالف الرائے مولوی صاحبوں کا حوصلہ

شائع کیا۔ اس میں لکھتے ہیں کہ خدائے تعالی نے پورے طور پر جلوہ قدرت دکھلانے کے لئے ایک ایسے نامی مولوی صاحب سے ہمیں ٹکرا دیا جن کی لیاقت علمی جن کی طاقت فہمی جن کی طلاقت لسانی جن کی فصاحب بیانی شہرہء پنجاب و ہندوستان ہے ۔ اس طویل اشتہار میں مولانا بٹالوی کے بارے میں باتیں کی ہیں۔ (مجموعہ اشتہارات۔جلد ا۔ص ۲۹۰۔ ۲۹۲)

☆ اگست ۱۸۹۱ء کا اشتہار بعنوان . اطلاع . ہے جو مولوی محمد حسین صاحب کے بارے میں ہے اور مباحثہ لدھیانہ کے متعلق ہے۔ (مجموعہ اشتہارات۔ج ا۔ص ۲۹۲۔۲۹۳ بحوالہ ازالہ اوہام حصہ دوم بار اول ٹائٹل کے صفحہ آخر پر)

☆ ۲۹ ستمبر ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب دہلی پہنچے اور دو اکتوبر کو یہ اشتہار دیا

ایک عاجز مسافر کا اشتہار قابل توجہ جمیع مسلمانان انصاف شعار

و حضرات علمائے نامدار

اس اشتہار میں اپنے مسیح موعود ہونے کا دعوی بیان کر کے سید نذیر حسین اور ان کے شاگرد مولوی عبدالحق حقانی کو مباحثے کا چیلنج دیا ہے۔ (مجموعہ اشتہارات۔جلد ا ص ۲۳۰۔ ۲۳۶)

☆ ۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب نے دہلی میں یہ طویل اشتہار دیا۔

اشتہار بمقابل مولوی سید نذیر حسین صاحب سرگروہ اہل حدیث

اس اشتہار میں میاں صاحب کے ساتھ مولانا بٹالوی کو بھی مخاطب کیا گیا ہے اور انہیں حیات مسیح پر مباحثے کا چیلنج دیا ہے۔ (مجموعہ اشتہارات۔جلد ا ص ۲۳۷...)۔اس کے جواب میں مرزا صاحب کو مباحثے کے لئے بلایا گیا لیکن وہ نہیں آئے۔

☆ ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب نے دہلی میں یہ اشتہار دیا

اللہ جل شانہ کی قسم دے کر سید محمد نذیر حسین صاحب کی خدمت میں

بحث حیات و ممات مسیح ابن مریم کے لئے درخواست

اور لکھا ہے اے مولوی سید نذیر حسین صاحب آپ نے اور آپ کے شاگردوں نے دنیا میں شور ڈال دیا ہے کہ یہ شخص یعنی یہ عاجز دعوی مسیح موعود ہونے میں مخالف قرآن و حدیث بیان کر رہا ہے اور ایک نیا مذہب و نیا عقیدہ نکالا ہے جو سراسر مغائر تعلیم اللہ و رسول اور بہ بداہت باطل ہے ... (مجموعہ اشتہارات جلد ا ص ۲۴۱)۔اس اشتہار کے بعد حضرت

میاں صاحب دہلی کی جامع مسجد آئے۔ مرزا صاحب بھی تشریف لائے لیکن انہوں نے اپنے دلائل بیان نہیں کیئے۔ اور جلسہ برخواست ہو گیا۔

☆ ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب نے یہ اشتہار دیا

تقریر واجب الاعلان متعلق ان حالات و واقعات کے جو مولوی سید نذیر حسین صاحب ملقب بہ شیخ الکل سے جلسہ بحث ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو ظہور میں آئی

اس اشتہار میں مرزا صاحب نے جامع مسجد دہلی والے اجتماع کی تفصیلات دی ہیں اور مولانا سید نذیر حسین کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ تمام دہلی کا گناہ آپ ہی کی گردن پر ہے۔ اگر شیخ بٹالوی اور مولوی عبدالمجید نہ ہوتے تو شائد آپ راہ پر آ سکتے۔ لیکن آپ کی بدقسمتی سے ہر وقت ان دونوں کی آپ پر نگرانی رہی۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۲۵۰۔۲۶۴)۔ دہلی کے سارے واقعات ہم حصہ اول میں بیان کر چکے ہیں۔

☆ مجموعہ اشتہارات جلد اول میں اس کے بعد ایک اشتہار ہے جس کا عنوان ہے

تو فی کے لفظ کی نسبت نیز الدجال کے بارے میں

ہزار روپیہ کا اشتہار

اس اشتہار میں خاص مخاطب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہیں جنہوں نے (بقول مرزا) غرور اور تکبر کی راہ سے یہ دعوی کیا ہے کہ تو فی کا لفظ جو قرآن مجید میں حضرت مسیح کی نسبت آیا ہے اس کے معنی پورا لینے کے ہیں یعنی جسم اور روح کو بہ ہیئت کذائی زندہ ہی اٹھا لینا ... یہ شرطی اشتہار جاری کیا گیا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب اوران کے ہم خیال علماء نے لفظ تو فی اور الدجال کی نسبت اپنے دعوی متذکرہ بالا کو بپایہ ثبوت کو پہنچا دیا تو وہ ہزار روپیہ لینے کے مستحق ٹھہریں گے (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۲۸۴۔۲۸۶) (اس چیلنج کو مسلمان علماء نے کئی بار قبول کیا۔ مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے قبول کیا۔ مولوی فضل الرحمٰن کلرک نے قبول کیا۔ حافظ عنائت اللہ وزیر آبادی نے قبول کیا۔ مولانا ابراہیم میر نے قبول کیا۔ مولانا عبداللہ معمار نے قبول کیا۔ لیکن قادیانیوں کی مرغی کی ابھی تک ایک ہی ٹانگ ہے)

☆ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کا اشتہار بعنوان، میر عباس علی شاہ صاحب، مجموعہ اشتہارات جلد اول کے صفحہ ۲۹۳ پر ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ میر عباس علی (جو قادیانیت میں حکیم نور دین صاحب کے بعد نمبر دو تھے۔ اور مباحثہ لدھیانہ اور مباحثہ دہلی میں مرزا صاحب کی شکست دیکھ کر مرزائیت

سے تائب ہوگئے تھے) کو بٹالوی صاحب نے ورغلایا ہے۔

☆ ۳۱ جنوری ۱۸۹۲ء کو منشی میراں بخش صاحب کے مکان پر لاہور میں مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری سے مرزا صاحب کا مباحثہ ہوا۔ اور مباحثہ کے بعد مرزا صاحب نے ۳ فروری ۱۸۹۲ء کو اشتہار دیا کہ میری تحریروں میں لفظ نبی کو کاٹا ہوا سمجھیں۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۲۱۲ ـ ۲۱۴)

☆ آسمانی فیصلہ کے متعلق خط وکتابت مئی ۱۸۹۲ء میں میر عباس علی صاحب کے ساتھ ہوئی جو مجموعہ اشتہارات جلد اول کے صفحہ ۳۱۷ ـ ۳۲۲ پر ہے .... اور جس شخص نے آسمانی نشان دکھانے کی غرض سے میدان میں نکلنے کے لئے کہا وہ مولانا محی الدین عبد الرحمٰن صاحب لکھوی تھے ۔ مرزا صاحب مقابلے میں نہیں آئے ۔

☆ جب فتوی تکفیر جاری ہوا تو مرزا صاحب نے اشتہار دیا

شیخ بٹالوی صاحب کے فتوی تکفیر کی کیفیت

اور اس اشتہار میں لکھا کہ

. میں خوش ہوں کہ میاں نذیر حسین اور شیخ بٹالوی اور ان کے اتباع نے مجھ کو کافر اور مردود اور دجال اور ضال اور بے ایمان اور جہنمی اور اکفر کہہ کر اپنے دل کے بخارات نکال لئے ... مگر افسوس تو یہ ہے کہ میاں نذیر حسین اور شیخ بٹالوی نے اس تکفیر میں جعل سازی سے بہت کام لیا ہے اور طرح طرح کے افتراء کر کے اپنی عاقبت درست کر لی ہے ۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۳۳۰ ـ ۳۳۲)

☆ مرزا صاحب نے **مباہلہ کے لئے اشتہار** دیا اور اس میں لکھا کہ

اب میں خدا تعالی سے مامور ہوگیا ہوں کہ تا میں آپ لوگوں سے مباہلہ کرنے کی درخواست کروں ....سو میرے پہلے مخاطب میاں نذیر حسین دہلوی ہیں .... پھر شیخ محمد حسین بٹالوی ..... بعد اس کے تمام وہ مولوی صاحبان جو مجھ کو کافر ٹھہراتے ہیں اور مسلمانوں میں سرگروہ سمجھے جاتے ہیں . (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۳۴۲ تا ۳۴۶) ۔(مباہلے کا محاذ مولوی عبدالحق غزنوی صاحب نے سنبھالا ہوا تھا۔ بلکہ پہلا چیلنج انہی کی طرف سے آیا تھا۔ اور پھر بات ملتوی ہوتے ہوتے ۲۷ مئی ۱۸۹۳ء تک پہنچ گئی جب امرتسر میں دونوں کا مباہلہ بالآخر منعقد ہوگیا)

☆ جلسہ سالانہ قادیان کے بعد مرزا نے ایک اشتہار جاری کیا جس کا عنوان تھا

ناظرین کی توجہ کے لئے

اس اشتہار میں مولانا بٹالوی صاحب کا ذکر ہے اور لکھا ہے

. اب سوچنا چاہیے کہ کیا یہ خدا تعالی کی عظیم الشان قدرتوں کا ایک نشان نہیں کہ بٹالوی صاحب اوران کے ہم خیال علماء کی کوششوں کا الٹا نتیجہ نکلا اور وہ سب کوششیں بر باد ہوگئیں ۔..میاں بٹالوی کے پنجاب اور ہندوستان میں پھرتے پھرتے پاؤں بھی گھس گئے لیکن انجام کار خدا تعالی نے انکو دکھلا دیا.....

(مجموعہ اشتہارات ۔ ج ا ص ۳۶۶ ۔۳۶۷)

☆ ۳۰ مارچ ۱۸۹۳ء مرزا صاحب نے ایک اشتہار جاری کیا جس کا عنوان ہے

ایک روحانی نشان جس سے ثابت ہوگا کہ یہ عاجز صادق اور خدا تعالی سے مئوید ہے یا نہیں اور شیخ محمد حسین بٹالوی اس عاجز کو کاذب اور دجال قرار دینے میں صادق ہے یا خود کاذب اور دجال ہے

یہ سارا اشتہار مولانا بٹالوی کے خلاف ہے اور اس میں عربی میں تفسیر نویسی کا چیلنج بھی ہے ۔ (مجموعہ اشتہارات ج اص ۳۸۰ ۔۳۸۴) (

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے، شیخ محمد حسین بٹالوی اور بسلسلہ تفسیر نویسی یہ طویل اشتہار مولانا بٹالوی کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے (مجموعہ اشتہارات ج اص ۳۹۱ ۔۳۹۴)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

منکرین کے ملزم کرنے کے لئے ایک اور پیش گوئی

خاص کر شیخ محمد حسین بٹالوی کی توجہ کے لئے

اس اشتہار میں مرزا صاحب نے ۲۰ اپریل ۱۸۹۳ء کو اپنے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر دی ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک پیش گوئی تھی جو میں نے ۲۰ اپریل سے چار مہینے پہلے کی تھی اور اب پوری ہوگئی ہے۔محمد حسین بٹالوی جواب دے کہ یہ پیش گوئی کیوں پوری ہوئی ؟

(مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۳۹۴ ۔۳۹۵)

☆ ۲۵ اپریل ۱۸۹۳ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار دیا جس کا عنوان ہے

اشتہار مباہلہ میاں عبد الحق غزنوی اور حافظ محمد یوسف صاحب

اس اشتہار میں اس مباہلے کا ذکر ہے جو لاہور میں مرزا صاحب اور ان کے

مریدان خاص مولوی نور دین اور محمد احسن امروہی کی صداقت وغیرہ پر مولوی عبدالحق غزنوی اور حافظ محمد یوسف صاحب کے درمیان ہوا تھا ۔ مرزا صاحب کو مباہلے کے انعقاد کا علم ہوا تو انہوں نے خوش ہوکر اس اشتہار میں اس کی منظوری عنائت فرمائی ۔ اور پھر اشتہار کے آخر میں مرزا صاحب نے اپنی طرف سے یہ چیلنج دیا

. اس اشتہار میں خاص طور پر میاں محمد حسین بطالوی اور میاں محی الدین لکھو کے والہ اور مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور ہر ایک نامی مولوی یا سجادہ نشین کو جو اس عاجز کو کافر سمجھتا ہو مخاطب کر کے عام طور پر شائع کیا جاتا کہ اگر وہ اپنے تئیں صادق قرار دیتے ہیں تو اس عاجز سے مباہلہ کر لیں ...اور اس مباہلہ کے لئے اشخاص مندرجہ ذیل بھی خاص مخاطب ہیں محمد علی واعظ ۔ ظہور الحسن سجادہ نشین بٹالہ ۔ منشی سعد اللہ مدرس لدھیانہ ۔ منشی محمد عمر سابق ملازم لدھیانہ ۔ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ ۔ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی ۔ میر حیدر شاہ وزیر آبادی میاں محمد اسحاق پٹیالوی.

(مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۳۹۵ ۔ ۳۹۹) ۔

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

میاں بٹالوی کی اطلاع کے لئے اشتہار

یہ اشتہار بسلسلہ عربی تفسیر نویسی ہے ۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا صفحہ ۴۱۴ ۔ ۴۱۵)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

شیخ محمد حسین بٹالوی کی نسبت ایک پیش گوئی

اس اشتہار میں لکھا ہے . کہ یہ شخص (بٹالوی) اس عاجز کو کافر سمجھتا ہے......وانی رئیت ان ھذا الرجل یئومن بایمانی قبل موتہ ورئیت کانہ ترک قول التکفیر و تاب وھذہ رءیای وارجو ان یجعلھا ربی حقا ۔ (مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۴۱۵ ۔ ۴۱۶) ۔ یعنی اس وقت تو بٹالوی میرا مخالف ہے لیکن انجام کار یہ مرزائی ہوجائے گا ۔ مرزا کی یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی جو ان کے کاذب ہونے کی دلیل ہے ۔

☆ ۱۸۹۳ء میں ایک اشتہار . اطلاع عام . کے عنوان سے شائع ہوا ۔ اس میں مولانا محمد حسین بٹالوی کو خطاب ہے اور عربی تفسیر نویسی کا معاملہ چل رہا ہے ۔

(مجموعہ اشتہارات ج ا ص ۴۱۸ ۔ ۴۱۹) ۔

☆ ۱۸۹۳ء میں ایک اشتہار ہے

اعلان مباہلہ بجواب اشتہار عبدالحق غزنوی

اس میں عبدالحق کے علاوہ مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، منشی سعداللہ لدھیانوی مدرس ہائی سکول لدھیانہ، عبدالعزیز واعظ لدھیانہ، منشی محمد عمر سابق ملازم ساکن لدھیانہ، مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ، میاں نذیر حسین دہلوی۔ پیر حیدر شاہ، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، میاں عبداللہ ٹونکی۔ مولوی غلام دستگیر، مولوی شاہ دین، مولوی مشتاق احمد مدرس ہائی سکول لدھیانہ، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمد علی واعظ ساکن بوپراں ضلع گوجرانوالہ، مولوی محمد اسحاق اور مولوی سلیمان ساکنان ریاست پٹیالہ، ظہور الحسن سجادہ نشین بٹالہ اور مولوی محمد ملازم مطبع کریم بخش لاہور شامل ہیں،

(مجموعہ اشتہارات۔ جلد ا۔ ص ۴۲۰۔ ۴۲۴)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے . اعلان عام .

اور اس اشتہار میں مرزا صاحب نے مولانا عبدالحق غزنوی سے مجوزہ مباہلے کے بارے میں اعلان کیا ہے کہ وہ ۱۰ ذی قعد ۱۳۱۰ھ کو عیدگاہ امرتسر میں ہوگا۔ جو لوگ دیکھنے کے لئے آنا چاہیں آجائیں۔ (مجموعہ اشتہارات۔ جلد ا۔ ص ۴۲۶۔ ۴۲۷)

☆ مجموعہ اشتہارات جلد دوم کے آغاز میں عیسائیوں کے خلاف ایک اشتہار ہے جس کے حاشیے میں مولانا بٹالوی کا ذکر فرماتے ہوئے مرزا صاحب نے لکھا ہے

. بعض دوست خدشہ نہ کریں کہ ممکن ہے کہ شیخ محمد حسین بٹالوی جو عوام میں مولوی کر کے مشہور ہے اس وقت بھی .....عیسائیوں کی مدد کرے..... شیخ مذکور تو آپ ہی علم اور ادب اور علوم عربیہ سے تہی دست اور بے نصیب اور صرف ایک اردو نویس منشی ہے ..... (مجموعہ اشتہارات ص ۶ جلد دوم)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

نکتہ چینوں کے لئے ہدائت اور واقعی غلطی کی شناخت کے لئے ایک معیار

اس اشتہار میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ. شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی جو ہماری عربی کتابوں کو عیب گیری کی نیت سے دیکھتے ہیں بباعث ظلمت تعصب کاتب کے سہو کو بھی غلطی کی مد میں داخل کر دیتے ہیں.... بعض خوش فہم آدمی چند سہو کاتب یا

کوئی اتفاقی غلطی نکال کر انعام کے امیدوار ہوئے اور ذرہ آنکھ کھول کر یہ بھی نہ دیکھا کہ فی غلطی (انعام) دینے کے لئے یہ شرط ہے کہ ایک شخص اول بالمقابل رسالہ لکھے ورنہ حاسد نکتہ چین جو اپنے ذاتی سرمایہ علمی کچھ بھی نہیں رکھتے دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں ہیں۔ کس کس کو انعام دیا جائے۔ چاہیے کہ اول مثلاً اس رسالہ سر الخلافہ کے مقابل پر رسالہ لکھیں اور پھر اگر ان کا رسالہ غلطیوں سے خالی نکلا اور ہمارے رسالہ کا بلاغت فصاحت میں ہم پلہ ثابت ہوا تو ہم سے علاوہ انعام بالمقابل رسالہ کے فی غلطی دو روپئہ بھی لیں جس کا ہم وعدہ کر چکے ہیں۔ ورنہ یوں ہی نکتہ چینی کرنا حیا سے بعید ہوگا۔ (مجموعہ اشتہارات۔ ج دوم۔ ص ۱۴۔۱۵)

۔مرزا صاحب کا چیلنج تھا کہ میرا رسالہ سر الخلافہ معجزاتی ہے اس میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی ۔ جب رسالہ شائع ہوا تو اس اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بٹالوی نے اس میں غلطیوں کی نشان دہی کی جن کو مرزا صاحب نے تسلیم کیا لیکن بہانہ یہ بنایا ہے کہ یہ سہو ہے ۔ یا کاتب کی غلطیاں ہیں۔ مولانا بٹالوی کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی غلطیوں کی نشان دہی کر کے انعام کا مطالبہ کیا تو مرزا صاحب گھبرا گئے اور انعام سے مکر گئے کہ کیسا انعام؟ اور کہا کہ میں کس کس کو انعام دوں؟ ہاں پہلے تم میرے مقابلے میں رسالے لکھو۔ ان رسالوں کا امتحان ہوگا اور جو رسالے غلطیوں سے مبرا ہوں گے ان کے مصنفین کو انعام ملے گا۔ جب کہ نبی و رسول مجدد اور سلطان القلم ہونے کا دعوی تو مرزا صاحب کا تھا۔ غلطیوں پر انعام کا اعلان بھی انہی کی طرف سے تھا۔ پھر یہ کیا ہوا؟)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

عام اطلاع کے لئے ایک اشتہار

سارا اشتہار مولانا بٹالوی کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔ (مجموعہ اشتہارات ۔ جلد دوم ۔ ص ۱۵ تا ۲۳)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری اور اس کے داماد سلطان محمد کی نسبت
جو پیش گوئی تھی اس کی حقیقت

یہ اشتہار مجموعہ اشتہارات جلد دوم کے صفحہ ۳۹ سے ۴۹ تک ہے اور اس میں مرزا صاحب کہتے ہیں

. ہم ان میں سے شیخ محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی ثم امرتسری اور مولوی رشید احمد گنگوہی کو اس فیصلہ کے لئے منتخب کرتے ہیں کہ اگر وہ تینوں یا ان میں سے کوئی ایک ہمارے اس بیان کا منکر ہو...تو طریق فیصلہ یہ ہے کہ وہ ایک تاریخ مقرر کر کے جلسہ عام میں ......صرف دو گھنٹہ تک ہمیں مہلت دیں تا ہم ... دلائل شافیہ ان کے سامنے پیش کر دیں۔ (مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۳۹ سے ۴۹)

(محمدی بیگم والی مرزا صاحب کی پیش گوئی دراصل دو حصوں پر منقسم ہو کر دو پیش گوئیاں تھیں۔ ان دونوں پیش گوئیوں کی وجہ یہ پیش آئی تھی کہ جناب مرزا صاحب نے اپنے قریبی عزیزوں میں ایک نوعمر لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا جسکی بابت وہ لکھتے ہیں ' و هي حديثة السن و انا متجاوز على الخمسين (یعنی وہ لڑکی ابھی چھوکری ہے اور میں پچاس سال سے زیادہ ہوں) (آئینہ کمالات اسلام۔ص ۵۷۴)۔ اس لڑکی کے والد نے رشتہ کرنے سے انکار کر دیا تو مرزا صاحب نے اعلان پر اعلان جاری کرنے شروع کر دئے۔ کہ خدا نے مجھے بذریعہ الہام فرمایا ہے کہ اگر یہ لڑکی کسی اور جگہ بیاہی گئی تو تھوڑے عرصہ میں اسکا خاوند مر جائیگا اور وہ بیوہ ہو کر میرے ساتھ بیاہی جائیگی۔ چنانچہ آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں ' اس خدائے قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں کے نکاح کیلئے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جاویگا۔ اور نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا۔ اور ان تمام رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۰ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہائت ہی برا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال میں فوت ہو جائے گا۔ اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لئے کئی کراہیت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔ پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کیلئے بار بار توجہ کی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ خدائے تعالی نے جو مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جسکی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک مانع دور کرنے کے بعد آخر کار اسی عاجز کے نکاح میں لاوے گا۔ اور بے دینوں کو مسلمان بنا دے گا۔ اور گمراہوں میں ہدائت پھیلا دے گا۔ چنانچہ عربی الہام اس بارے میں یہ ہے۔ كذبوا بآياتنا و كانوا بها يستهزئون ۔ فسيكفيكهم الله و يردها اليك لا تبديل لكلمات الله ان ربك فعال لما يريد ۔ انت معي و انا معك عسى ان يبعثك ربك مقاماً محموداً ۔ یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا۔ اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے تھے۔ سو خدا تعالی ان سب کے تدارک کیلئے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا۔ اور انجام کار اسکی اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تیرا رب وہ قادر ہے کہ جو کچھ چاہے وہ ہو جاتا ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور عنقریب وہ مقام تجھے ملے گا جس میں تیری تعریف کی جائیگی۔....احمق اور نادان لوگ بدباطنی و بدظنی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں اور نالائق باتیں منہ پر لاتے ہیں

۔لیکن آخر کار خدا تعالی کی مدد دیکھکر شرمندہ ہوں گے اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تعریف ہوگی ۔ (خاکسار غلام احمد ازقادیان ضلع گورداسپور ۔۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء)‘

اس اشتہار میں مرزا صاحب محمدی بیگم کو نکاح کے بعد بیوہ ہونے کی دھمکی دیتے ہیں ۔ پھر فرماتے ہیں ’ نفس پیش گوئی اس عورت (محمدی بیگم) کا اس عاجز (مرزا غلام احمد قادیانی) کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی ۔ کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے لا تبديل لكلمات الله یعنی میری (اللہ کی) یہ بات نہیں ٹلے گی ۔پس اگر ٹل جائے تو خدا تعالی کا کلام باطل ہوتا ہے‘ ۔ (اشتہار ۶ ۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء) ۔ پھر مرزا صاحب نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ اس لڑکی (محمدی بیگم) کا خاوند یعنی جس شخص سے وہ لڑکی باوجود پیغام مرزا صاحب غلام احمد قادیانی کے بیاہی گئی تھی جس کا نام مرزا سلطان محمد ساکن پٹی ضلع لاہور ہے روز نکاح سے اڑھائی سال میں مرجائیگا ۔اسکی بابت یہ امر اظہار کرنا ضروری ہے کہ نکاح کس تاریخ کو ہوا اور اسکی آخری مدت حیات کیا تھی ۔ اور وہ اس مدت میں مرا یانہیں ؟ پس واضح ہو کہ نکاح مذکور حسب اطلاع خود مرزا صاحب ۷ ۔اپریل ۱۸۹۲ء کو ہوا تھا (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۰) اس حساب سے ۶ ۔ اکتوبر ۱۸۹۴ء کا دن مرزا سلطان محمد کی زندگی کا آخری روز ہوتا ہے ۔ جب اکتوبر ۱۸۹۴ء گذر گیا اور مرزا سلطان محمد زندہ رہا اور مخالفوں نے طعن وتشنیع کرنے شروع کئے تو مرزا صاحب نے ان کو ٹھنڈا کرنے کیلئے ایک آخری اعلان شائع فرمایا ۔جس کے الفاظ یہ ہیں ۔ ’ میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ (مرزا سلطان محمد ناکح منکوحہ) کی تقدیر مبرم ہے ۔ اسکی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیشگوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائیگی‘ ۔(رسالہ انجام آتھم ص ۳۱) اور مرزا صاحب خود تو مئی ۱۹۰۸ء میں فوت ہوگئے جب کہ مرزا سلطان محمد جس کی موت کی پیش گوئی تقدیر مبرم کی صورت میں کرتے تھے آپ کے بعد بھی عرصہ تک زندہ رہا ۔ یہ بات مرزا صاحب کی الہامی پیش گوئی کے جھوٹا اور مفتری علی اللہ ہونے کا ثبوت ہے)

☆ ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو مرزا صاحب نے ایک اشتہار دیا جس کا عنوان ہے شیخ محمد حسین بٹالوی

اس اشتہار میں ان اعتراضات کا ذکر ہے جو مولانا بٹالوی نے محمدی بیگم والی پیش گوئی کے غلط ہونے پر لکھے تھے ۔ مرزا صاحب انہیں اس انداز میں خطاب کرتے ہیں ۔

اب اگر بے چارہ شیخ بٹالوی کے دل کو دھڑکا پکڑتا ہو کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے ان اللہ لا یخلف المیعاد .. اے نادان اس کی نظیر قرآن آپ دیتا ہے ...اب فرمایئے شیخ جی ابھی تسلی ہوئی یا کچھ کسر ہے ۔۔۔اب اے شیخ جی ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو.....شیخ جی اب تو آپ ہر یک پہلو قابو میں آگئے ......(مجموعہ اشتہارات ج ۲ ص ۱۰۶ ۔۱۱۶) ۔

یہی وہ اشتہار ہے جس کے آخر میں مرزا صاحب نے دعا کی ہے کہ اے اللہ

. احمد بیگ کی دختر کلاں کا آخر اس عاجز کے نکاح میں آنے کی پیش گوئی تیری طرف سے ہے تو ایسے طور سے ظاہر فرما جو خلق اللہ پر حجت ہو.....اور اگر یہ تیری طرف سے نہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت کے ساتھ ہلاک کر. (اور پھر کیا ہوا؟ مرزا صاحب کو ان کی مراد (محمدی بیگم) نہیں ملی اور ۱۹۰۸ء میں وہ نامرادی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے)۔

☆ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۱۱۷ پر یہ اشتہار شروع ہو کر صفحہ ۱۳۱ پر ختم ہوتا ہے

ایک فیصلہ کرنے والہ اشتہار انعامی ہزار روپیہ

میاں رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی ایمان داری پر کھنے کے لئے جنہوں نے اس عاجز کی نسبت

یہ اشتہار شائع کیا ہے کہ یہ شخص کافر اور دجال اور شیطان ہے اور اس پر لعنت اور سب و شتم کرتے رہنا ثواب کی بات ہے اور اس اشتہار کے وہ سب مکفر مخاطب ہیں جو کافر اور اکفر کہنے سے باز نہیں آتے خواہ لدھیانوی ہوں یا امرتسری یا غزنوی یا بٹالوی یا گنگوہی یا پنجاب اور ہندوستان کے کسی اور مقام میں ہوں الا لعنۃ اللہ علی الکا فرین المکفرین الذی یکفرون المسلمین ۔ اب ان سب پر واجب ہے کہ اپنے ہم جنس مولوی محمد حسن صاحب لدھیانوی کو قسم دلا کر ہزار روپیہ ہم سے لے لیں.

اس اشتہار میں ایک جگہ اپنے مخالفوں کا ذکر کرتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں

. مولوی عبد العزیز برادر مولوی محمد ساکن لدھیانہ کی نسبت سرکاری کاغذات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بماہ جون ۱۸۵۷ء ہمراہ پدر خود باغی مفسدوں کے ساتھ دہلی چلے گئے اور مفسدوں میں شامل رہے ۔ اور پھر ۱۸۵۹ء میں دہلی سے گرفتار ہوئے اور آخر بدمعاشوں کی فہرست میں درج کئے گئے ۔ دیکھو روبکار ۴ دسمبر ۱۸۵۸ء دفتر ضلع لودھیانہ ۔ اور جو فتوی تکفیر مولوی نذیر حسین دہلوی کی طرف سے اس عاجز کی نسبت شائع ہوا ہے اور جو اشتہار تکفیر اس فتوی پر زور دینے کے لئے اسی عبد العزیز مولوی اور اس کے بھائیوں کی طرف سے نکلا ہے ان کاغذات کو اگر کبھی گورنمنٹ غور سے دیکھے تو ثابت ہوگا کہ یہ سب لوگ درحقیقت ایک ہی ہیں ۔ ایک خونی مہدی اور خونی مسیح کے دن رات منتظر ہیں.

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

اشتہار قابل توجہ گورنمنٹ اور نیز عام اطلاع کے لئے

اور اس اشتہار کا آغاز مرزا صاحب اس فقرے سے کرتے ہیں
. چونکہ شیخ محمد حسین بٹالوی اور دوسرے مخالف واقعات صیحہ کو چھپا کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ...(مجموعہ اشتہارات۔جلد دوم۔ صفحہ ۱۳۲۔۱۳۳)

☆ مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ ۲۹۶ سے جو اشتہار شروع ہوتا ہے اس کا عنوان ہے

مولوی غلام دستگیر صاحب کے اشتہار کا جواب

اس اشتہار میں مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مولوی غلام دستگیر صاحب کی طرف سے مباہلہ کی یہ شرط رکھنا کہ مباہلے کے بعد . جھوٹے پر فوری عذاب ہو. غلط ہے۔ اور اشتہار کے آخر میں مولوی غلام دستگیر صاحب کی کسی بات کو جھوٹ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ . جب آپ نے ہمیں اکفر بنایا۔ بے دین بنایا۔ دجال بنایا۔تکفیر کے لئے حرمین تک وہ تکلیف اٹھائی کہ بچارے شیخ بٹالوی کو بھی نہ سوجھی تو یہ کذب تو ایک ادنی بات ہے . یہ اشتہار ۲۰ شعبان ۱۳۱۴ھ کا ہے۔

☆ اتمام حجت علی العلماء کے عنوان سے ایک اشتہار جلد دوم کے صفحہ ۳۰۰ سے شروع ہوتا ہے اس میں ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں
اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو شیخ محمد حسین بٹالوی اور دوسرے نامی مخالف مجھ سے مباہلہ کرلیں۔

☆ جلد دوم کے صفحہ ۴۰۵ سے شروع ہو کر صفحہ ۴۱۰ پر ختم ہونے والا اشتہار یکم مئی ۱۸۹۷ء کا ہے اور اس کا عنوان ہے۔

محمد حسین ۔گنگا بشن ۔ اشتہار واجب الاظہار

اس اشتہار کا آغاز یوں ہوتا ہے
. شیخ محمد حسین بٹالوی اڈیٹر اشاعت السنہ کا ایک اشتہار جس پر تاریخ کوئی نہیں اور جس کا یہ عنوان ہے . الہامی قاتل مرزا غلام احمد . میری نظر سے گذرا....شیخ صاحب اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ لیکھرام والی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی۔ نیز ارقام فرماتے ہیں کہ میں اس بارے میں قسم کھانے کے لئے تیار ہوں۔ (یہ سارا اشتہار مولانا بٹالوی کے خلاف ہے)

☆ جلد دوم کے صفحہ ۴۱۱ تا ۴۱۴ پر اشتہار کا عنوان ہے

اشتہار قطعی فیصلہ کے لئے

یہ اشتہار ۱۹ مئی ۱۸۹۷ء کو جاری ہوا تھا اور اس میں مرزا صاحب کہتے ہیں کہ دونوں

فریق خدا سے دعا کریں کہ انکے حق میں خدا کی طرف سے نشان ظاہر ہو۔ اور فریق مخالف کی حمائت میں نشان ظاہر ہونے کی صورت میں میں . سمجھ لوں گا کہ محمد حسین بٹالوی اور عبدالجبار غزنوی اور عبدالحق غزنوی اور رشید احمد گنگوہی اور محمد حسین کا پیارا دوست محمد بخش جعفر زٹلی اور دوسرا پیارا دوست محمد علی بوپڑی یہ سب اولیاء اللہ اور عباد اللہ الصالحین ہیں ...(اگر) . خدا نے مجھے سچا کر دیا تو چاہیے کہ محمد حسین بٹالوی اور عبدالجبار غزنوی اور رشید احمد گنگوہی میرے ہاتھ پر توبہ کریں . (اس اشتہار کے مخاطب محمد حسین بٹالوی عبدالجبار غزنوی عبدالحق غزنوی اور رشید احمد گنگوہی ہیں).

☆ مجموعہ اشتہارات جلد سوم کے صفحہ ۳۱ سے یہ اشتہار شروع ہوتا ہے

کیا محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ کو

عدالت صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور میں کرسی ملی

۷ مارچ ۱۸۹۸ء کا یہ اشتہار مولانا بٹالوی کو مخاطب کر کے دیا گیا تھا۔ مرزا صاحب کو دعوی تھا کہ وہ کرسی نشین خاندان سے ہیں اور انہیں عدالت میں کرسی ملتی ہے۔ پھر کرم دین والے مقدمے میں (جس نے دو سال تک انہیں پریشان رکھا تھا) لالہ آتما رام کی عدالت میں مرزا صاحب کو روزانہ گھنٹوں کے حساب سے کھڑے ہونا پڑتا تھا اور ٹانگیں خشک ہو جاتی تھیں

☆ ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار کا عنوان ہے۔

ہم خدا پر فیصلہ چھوڑتے ہیں

اور اس کا آغاز یوں ہوتا ہے

. جن لوگوں نے شیخ محمد حسین بٹالوی کے چند سال کے پرچہ اشاعت السنہ دیکھے ہوں وہ اگر چاہیں تو محض للہ گواہی دے سکتے ہیں کہ شیخ صاحب موصوف نے اس راقم کی تحقیر اور توہین اور دشنام دہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی. (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۵۷۔۶۲)

یہی وہ اشتہار ہے جس میں مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی مولانا سید ابوالحسن تبتی اور ملا محمد بخش جعفر زٹلی کی ۱۳ ماہ میں ذلت کی پیش گوئی کی ہے۔ یاد رہے کہ یہ پیش گوئی انجام کار جھوٹی نکلی تھی اور بعد میں مرزا صاحب صاف مکر گئے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے ذلت کے لئے کوئی مدت مقرر ہی نہیں کی تھی۔

☆ ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء کو مرزا صاحب نے اشتہار دیا

ان اللہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون

اور اس اشتہار میں لکھتے ہیں

. میں اپنی جماعت کے لئے خصوصاً یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ وہ اس اشتہار کے نتیجے کے منتظر رہیں کہ ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کو بطور مباہلہ شیخ محمد حسین بٹالوی صاحب اشاعت السنہ اوراس کے دو رفیقوں کی نسبت شائع کیا گیا ہے جس کی میعاد ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء میں ختم ہوگی (مرزا صاحب نے اپنے ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء والے اشتہار کو مباہلہ کہا۔ پھر ہوا یہ کہ ۱۹۰۸ء میں خود مر گئے جبکہ ان کے تینوں مخالف زندہ تھے) پھر کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ شیخ محمد حسین اوراس کے رفیقوں سے ہرگز ملاقات نہ کرو .... اور بہتر ہے کہ اس عرصہ میں (کسی سے) کچھ بحث مباحثہ بھی نہ کرو۔ ... مجھے امید تھی کہ میرے اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کے بعد جو بمقابلہ شیخ محمد حسین بٹالوی اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبّتی کے لکھا گیا تھا یہ لوگ خاموش رہتے کیونکہ اشتہار میں صاف طور پر یہ لفظ تھے کہ ۱۵ جنوری ۱۹۰۰ء تک اس بات کی میعاد مقرر ہوگئی ہے کہ جو شخص کاذب ہوگا خدا اس کو ذلیل اور رسوا کریگا۔ ..لیکن افسوس انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ زٹلی مذکور نے (اپنے) اشتہار ۲۰ نومبر ۱۸۹۸ء میں وہی گند پھر بھر دیا ہے جو ہمیشہ اس کا خاصہ ہے ...اب یہ اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء آخری فیصلہ ہے۔ چاہیے کہ ہر ایک طالب صادق صبر سے انتظار کرے۔ خدا جھوٹوں دجالوں کذابوں کی مدد نہیں کرتا.... دونوں فریق اس کے سامنے ہیں اور عنقریب ظاہر ہوگا کہ اس کی مدد اور نصرت کس طرف آتی ہے۔ خاکسار غلام احمد ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص ۶۷۔ ۷۳)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

پوری ہوگئی

یہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء کو دیا گیا تھا اور اس میں مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مولانا بٹالوی نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے آمد مہدی سے انکار کیا ہے اور یہی ان کی ذلت ہے۔ اور ان ذلیل ہونے سے میری پیش گوئی پوری ہوگئی ہے۔ اور پھر حکومت سے درخواست کی ہے کہ

. محمد حسین نے اپنی اشاعۃ السنہ جلد ۱۸ نمبر ۳ ص ۹۵ میں میری نسبت اپنے گروہ کو

اکسایا ہے کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔ پس جب کہ ایک قوم کا سرگروہ میری نسبت واجب القتل ہونے کا فتوی دیتا ہے تو مجھے گورنمنٹ عالیہ کے انصاف سے امید ہے کہ جو کچھ ایسے شخص کی نسبت قانونی سلوک ہونا چاہیے وہ بلا توقف ظہور میں آوے۔ تا اس کے معتقد ثواب حاصل کرنے کے لئے اقدام قتل کے منصوبے نہ کریں۔ (حاشیہ۔ محمد حسین نے اس قتل کے فتوی کے وقت یہ جھوٹا الزام میرے پر لگایا ہے گویا میں نے حضرت عیسی کی توہین کی ہے اس لئے میں قتل کے لائق ہوں۔ مگر یہ سراسر محمد حسین کا افتراء ہے۔ جس حالت میں مجھے دعوی ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور حضرت عیسی سے مجھے مشابہت ہے تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ میں نعوذ باللہ حضرت عیسی کو برا کہتا تو اپنی مشابہت ان سے کیوں بتلاتا)۔
خاکسار غلام احمد ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء۔ (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۴۷ سے ۷۸)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

مولوی محمد حسین بٹالوی پر آخری حجت یعنی بلا شرط مباہلہ کی دعوت

یہ اشتہار مرزا صاحب نے اپنے مریدوں سے دلوایا تھا۔ کیونکہ خود مجبور تھے۔ مسیح موعود اور مالک کن فیکون ہونے کے باوجود ہندوستان کے ایک ضلعی مجسٹریٹ کی عدالت میں اقرارنامہ دے آئے تھے کہ میں آئندہ ایسے کام خود نہیں کرونگا۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۸۸۔۹۱)۔ اس قسم کے اشتہاروں کے جواب میں مولانا بٹالوی کے دوست سید ابوالحسن تبّتی اور ملا محمد بخش جعفر کہا کرتے تھے کہ ہمت ہے تو خود سامنے آؤ۔ دوسروں کی آڑ میں چھپ کر کیوں تیراندازی کرتے ہو؟

☆ مرزا صاحب کے ایک اشتہار کا عنوان ہے

ایک پیش گوئی کا پورا ہونا

اشتہار قابل توجہ گورنمنٹ

یہ اشتہار مولانا بٹالوی کے خلاف ۳ جنوری ۱۸۹۹ء کو جاری کیا اور اس میں بتایا کہ ۱۳ ماہ میں ذلیل وخوار ہونے والی پیش گوئی مولوی صاحب کے مہدی والے مضمون سے (ایک مرتبہ پھر) پوری ہوگئی ہے۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۹۱۔۱۱۴)

☆ اس کے بعد صفحہ ۱۱۵ سے ایک اشتہار شروع ہوتا ہے جس کا عنوان ہے

نقل اس ڈیفنس کی جو انگریزی میں چھاپا گیا

اس میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ

. میں نے اپنے اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء میں کوئی ایسی پیش گوئی نہیں کی جس سے محمد حسین یا اس کے کسی اور شریک کی جان یا مال یا عزت کو خطرہ میں ڈالا ہو... میرا اشتہار مباہلہ ۱۲ نومبر ۱۸۹۸ء جو فریق مخالف (محمد حسین ۔ ابوالحسن تبّتی ۔ محمد بخش جعفر زٹلی) کی کئی چھپی ہوئی درخواست مباہلہ اور کئی قلمی خطوط طلبی مباہلہ کے بعد لکھا گیا اور ایسا ہی دوسرا اشتہار جو ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع ہوا .

(مجموعہ اشتہارات ۔ جلد سوم ۔ ص ۱۱۵) ۔

دوسرے مقامات پر مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ مسلمان علماء ان کی دعوت قبول کر کے مباہلے کے لئے میدان میں نہیں آتے ۔ لیکن اس اشتہاری تحریر میں مرزا صاحب اقرار کر رہے کہ انہیں مطبوعہ اشتہاروں اور قلمی خطوط کے ذریعے لوگوں نے مباہلے کی دعوت دی ہے ۔ اور وہ مقابلے میں نکلنے کے بجائے گھر میں بیٹھ کر محمد حسین ۔ ابوالحسن تبّتی اور محمد بخش جعفر زٹلی کیلئے تیرہ مہینوں میں ذلت کی پیش گوئی کر کے بالمقابل مباہلہ کرنے سے جان چھڑا رہے ہیں ۔

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

اپنے مریدوں کی اطلاع کے لئے

۲۶ فروری ۱۸۹۹ء کے اس اشتہار میں مرزا صاحب بتاتے ہیں کہ گورداسپور کے ڈپٹی کمشنر کی عدالت میں جو فوجداری مقدمہ زیر دفعہ ۱۰۷ ان کے خلاف چل رہا تھا اس میں انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو ایک اقرارنامہ دیا ہے ۔ اس لئے اب میرے مرید مولوی محمد حسین اور اس کے ساتھیوں سے بکلی قطع کلام اور ترک ملاقات رکھیں اور کوئی کسی کو مباہلہ کے لئے نہ بلاوے نہ بٹالہ کو ط کے ساتھ بطالہ لکھے ۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۱۳۴ ۔ ۱۳۷)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

ایک عظیم الشان پیش گوئی کا پورا ہونا

۱۷ دسمبر ۱۸۹۹ء کا یہ اشتہار مولانا بٹالوی محمد بخش جعفر زٹلی اور ابو الحسن تبّتی کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہے کہ ۱۳ ماہیہ پیش گوئی مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو اقرار نامہ دینے کی وجہ سے (ایک مرتبہ پھر) پوری ہوگئی ہے کیونکہ اب تم لوگوں نے مجھے گالیاں دینا بند کر دیا

ہے۔ وغیرہ

اس اشتہار میں مولوی عبدالحق غزنوی کو بھی خطاب ہے کہ میں نے پیش گوئی کی تھی کہ تمہاری زندگی میں میرا چوتھا بیٹا پیدا ہوگا۔ دیکھو اب میرا بیٹا مبارک احمد پیدا ہوگیا ہے۔ اس کی پیدائش تمہاری ذلت ہے۔اور چونکہ اس پیش گوئی کے پورا ہونے سے میری عزت ہوئی ہے اس لئے یہ بھی بلا شبہ مولوی محمد حسین اور اس کے گروہ جعفر زٹلی وغیرہ کی ذلت کا موجب ہے (یعنی مبارک احمد کی ولادت سے ۱۳ ماہیہ پیش گوئی ایک مرتبہ پھر پوری ہوگئی۔ بھلا مبارک کی ولادت کا مولانا بٹالوی یا محمد بخش یا ابوالحسن سے کیا تعلق؟ اور جب یہ لڑکا بچپن میں مرگیا تو اس کے لوح مزار پر لکھا. میں جو غلام احمد نام خدا کا مسیح موعود ہوں ۔مبارک احمد جس کا اوپر ذکر ہے میرا لڑکا تھا۔ وہ بتاریخ ۷شعبان ۱۳۲۵ھ .....وفات پا کر الہامی پیش گوئی کے موافق اپنے خدا کو جاملا۔ کیونکہ خدا نے میری زبان پر اس کی نسبت فرمایا تھا کہ وہ خدا کے ہاتھ سے دنیا میں آیا ہے اور چھوٹی عمر میں ہی خدا کی طرف واپس جائے گا۔ درثمین ص ۹۷ بحوالہ لوح مزار مبارک احمد نوشتہ ماہ ستمبر۱۹۰۷ء۔ مرزا صاحب یہاں بھی جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ کوئی الہام یا پیش گوئی مبارک کی وفات سے پہلے کی ایسی نہیں ہے جس میں کہا گیا ہو کہ یہ لڑکا بچپن میں مرجائے گا۔ایسی باتیں مرزا صاحب نے مبارک کی وفات کے بعد گھڑی ہیں۔ اور مرزا صاحب کی اصل پیش گوئی تو یہ تھی کہ انہیں چار بیٹے ملیں گے جو عمر پاویں گے۔مبارک کے مرنے سے وہ پیش گوئی بھی غلط ہوگئی)۔

اور اس اشتہار میں مرزا صاحب نے مولانا ثناء اللہ کو خطاب کرکے لکھا ہے

. اس جگہ افسوس کے ساتھ ہمیں یہ بھی لکھنا پڑا ہے کہ پرچہ اخبار عام ۲۳ نومبر ۱۸۹۹ء میں ایک شخص ثناء اللہ نام امرت سری نے یہ مضمون چھپوایا ہے کہ اب تک مولوی محمد حسین کی کچھ بھی ذلت نہیں ہوئی.... (پھر مولانا امرتسری کے اس مضمون پر مرزا صاحب تبصرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں). رہا یہ سوال کہ محمد حسین کو کچھ زمین مل گئی ہے یعنی ذلت کی بجائے عزت ہوگئی ہے...(تو) کسی کے گلے میں کاشت کاری کا سامان پڑا یہ بھی ایک قسم کی ذلت ہے(یعنی ایک مرتبہ پھر پیش گوئی پوری ہوگئی).....اور رہی یہ بات کہ محمد حسین کا کسی ریاست میں وظیفہ مقرر ہوگیا ہے.....اس جگہ تو (ہمیں) وہ فقرہ یاد آتا ہے بئس الفقیر علی باب الامیر (جبکہ مرزا صاحب ہندو ریاستوں کے عہدہ داروں سے بھی

خیرات مانگتے رہتے تھے جیسا کہ پٹیالہ کے مسلمان وزیر سے براہین کے لئے ۵۰۰ سو روپیہ کی خیرات وصول کی تھی) (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحات ۱۹۲ تا ۲۱۷)

☆ مجموعہ اشتہارات جلد سوم کے صفحہ ۲۶۸ سے ایک طویل اشتہار شروع ہوتا ہے جس کا عنوان اشتہار معیار الاخیار ہے ۔ اور مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ اس اشتہار کو منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ اور حافظ محمد یوسف اور اولاد مولوی عبداللہ غزنوی غور سے پڑھیں ۔ اور منشی الٰہی بخش صاحب جواب دیں کہ کیا ان کا الہام سچا ہے یا انکے مرشد مولوی عبداللہ غزنوی کا ۔

☆ مرزا صاحب کا ایک طویل اشتہار یوں ہے

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی جو سخت مکذب ہیں ان کے ساتھ ایک
طریق فیصلہ مع ان علماء کے جن کے نام ضمیمہ اشتہار ہذا میں شامل ہیں

یہ ۲۰ جولائی ۱۹۰۰ ء کا اشتہار ہے ۔اس میں مرزا صاحب نے پیر مہر علی کے علاوہ درج ذیل ۸۶ علماء ومشائخ کو تفسیر نویسی کا چیلنج دے کر لاہور بلایا ہے

محمد لدھیانوی، عبد العزیز لدھیانوی، محمد حسن رئیس لدھیانہ، مشتاق احمد انبیٹھوی مدرس لدھیانہ، شاہ دین مفتی لودھیانہ، معظم دین مرولہ والہ ضلع شاہ پور، عبداللہ چکڑالوی، میاں چٹو ساکن لاہور، غلام حسن سیالکوٹ، خلیل احمد انبیٹھہ ضلع سہارنپور، شاہ محمد حسین صابری مرادآباد، نذیر احمد سابق ڈپٹی کلکٹر، عبداللطیف امروہی اودے پور، ولی محمد جالندھری ساکن پتارہ، قاضی عبدالقدوس چھاؤنی بنگلور، شیخ عبداللہ چک عمر تحصیل کھاریاں محمد حسن مفسر امروہہ، عبدالغفار مفتی ریاست گوالیر، عبداللہ کراچی، احمد حسن مدرس پانواڑی امروہہ، قاسم شاہ سیفی مجتہد لاہور، مجتہد صاحب لکھنو، عنائت علی صاحب شیعی سامانہ ریاست پٹیالہ، سکندر شہر میسور، لطف اللہ قاضی القضاۃ حیدرآباد، نذیر حسین انبیٹھی، عبداللہ سجادہ نشین گڑھی پٹھانوں کی راولپنڈی، محمد حسین موضع بھیں ضلع جہلم، ثناء اللہ امرتسری، کلیم اللہ مچھیانہ گجرات، اسحاق اجراوری پٹیالہ، نذیر حسین دہلوی، تلطف حسین دہلوی، کرامت اللہ صدر بازار دہلی، فضل دین گجرات، عبدالوہاب امام مسجد صدر دہلی، علماء ندوہ، منشی سلیمان ملازم ریاست پٹیالہ مئولف غائیۃ المرام، مسیح الزمان شاہجہان پور، محمد صدیق دیوبندی مرادآباد، محمد شفیع رام پور ضلع سہارنپور، دیدار علی ریاست الور، شیخ خلیل

الرحمان سرساوہ سہارنپور، نظام دین قاضی مالیر کوٹلہ، عبداللہ ٹونکی، قاضی ظفرالدین پروفیسر، عبدالحکیم پروفیسر، عبداللہ ساکن جلو، غلام محمد چکوال، محمد ابراہیم آرہ، محمد حسین بٹالوی، شیخ حسین عرب یمانی بھوپال، اصغرعلی پروفیسر، محمد بشیر بھوپال (سہسوانی)، عبدالجبار غزنوی امرتسر، احمد اللہ امرتسر، رسل بابا امرتسر، عبدالحق حقانی، عبدالحق غزنوی امرتسر، عبدالواحد غزنوی امرتسر، منہاج الدین، منشی الٰہی بخش، احمد سکندر پور ہزارہ، قاضی میر عالم سکندر پور ہزارہ، رشید احمد گنگوہ، ابوالخیر نقش بندی خانقاہ مرزا مظہر جانجاناں دہلی، احمد علی مدرسہ اسلامیہ میرٹھ، ملا مانکی نوشہرہ، حافظ عبدالمنان وزیرآباد، قاضی سلطان محمود آوان گجرات، غلام محمد بگہ والہ مسجد شاہی لاہور، مولوی شبلی نعمانی، مولوی الطاف حسین حالی، محمد ذکریا انجمن حمائت اسلام لاہور، غلام محمد انجمن نعمانیہ لاہور، غازی خان گولڑہ، غلام رسول قطب ال گوجر خان، مفتی غلام محی الدین گڑھا ڈاکخانہ ڈومیلی، عبدالسمیع رامپوری، محمود حسن مدرس اول دیوبند، احمد حسن کنج پوری صابری دہلی جامع مسجد، احمد حسن ایڈیٹر اخبار شحنہ ہند، عبدالخالق جہان خیلاں ضلع ہوشیارپور، عبدالرحمٰن چھوہروی ضلع ہزارہ، فقیر محمد عزیز ترنواہ ہزارہ شیخ نظام الدین سجادہ نشین شاہ نیاز صاحب خاص بریلی (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۳۲۵۔۳۴۱)

مرزا صاحب نے علماء و مشائخ کو چیلنج تو کر دیا تھا لیکن آپ لاہور تشریف نہ لائے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ لاہور میں میرے مرید کم ہیں جب کہ پیر صاحب کے ساتھ ان کے سرحدی مرید تھے جن سے مجھے خطرہ تھا۔

☆ پھر مرزا صاحب نے ایک اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا

عام لوگوں کو اس بات کی اطلاع کہ پیر مہرعلی شاہ صاحب گولڑوی
نے میری دعوت کے جواب میں کیا کاروائی کی

اس اشتہار میں مرزا صاحب لکھتے ہیں. پیر صاحب کی جماعت کی تہذیب کا یہ حال ہے کہ گندی گالیوں کے کارڈ میرے نام ڈاک سے بھیجے جاتے ہیں۔ ایسی گالیاں کہ کوئی ادنی سے ادنی چوہڑہ یا چمار بھی زبان پر نہیں لا سکتا۔ پہلے میرا ارادہ تھا... کہ اپنے دوستوں میں سے... مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی پیر صاحب کے ساتھ بحث کرنا قبول فرماتے۔۔ مگر افسوس کہ سید صاحب موصوف نے جب دیکھا کہ اس جماعت میں ایسے گندے لوگ موجود ہیں کہ گندی گالیاں ان کا طریق ہے تو اس کو مشتے نمونہ از خروارے پر قیاس

کر کے ایسی مجلسوں میں حاضر ہونے سے اعراض بہتر سمجھا۔ ہاں میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب کے لئے بطور تحفہ ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام تحفہ گولڑویہ رکھا ہے جب پیر صاحب موصوف اس کا جواب لکھیں گے تو لوگوں کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے دلائل کیا ہیں اور ان کا جواب کیا ہے۔.. خاکسار غلام احمد ۲۵ اگست ۱۹۰۰ء (یعنی مرزا صاحب نے خود بھی میدان میں آنے کی ہمت نہیں اور نہ ہی آپ مولوی محمد احسن صاحب کو میدان میں نکال سکے۔ اور جہاں تک گھر میں بیٹھ کر رسالہ لکھنے کی بات ہے گھر میں تو ہر ایک شیر ہوتا ہے)۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۳۴۶ ۔ ۳۴۸)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے

پیر مہر علی شاہ صاحب کے توجہ دلانے کیلئے آخری حیلہ

اس اشتہار میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

. مجھے معلوم ہوا ہے کہ لاہور کے گلی کوچے میں پیر صاحب کے مرید اور ہم مشرب شہرت دے رہے ہیں کہ پیر صاحب تو بالمقابل تفسیر لکھنے کیلئے لاہور پہنچ گئے تھے مگر مرزا بھاگ گیا اور نہیں آیا..... میں بہر حال لاہور پہنچ جاتا۔مگر میں نے سنا ہے کہ اکثر پشاور کے جاہل سرحدی پیر صاحب کے ساتھ ہیں اور ایسا ہی لاہور کے اکثر سفلہ اور کمینہ طبع لوگ گلی کوچوں میں مستوں کی طرح گالیاں دیتے پھرتے ہیں اور نیز مخالف مولوی بڑے جوشوں سے وعظ کر رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے۔تو اس صورت میں لاہور جانا بغیر کسی احسن انتظام کے کس طرح مناسب ہے....اس درجہ کی گندہ زبانی کو ان لوگوں نے استعمال کیا ہے کہ مجھے امید نہیں کہ اس قدر گندہ زبانی ابو جہل نے آنحضرت ﷺ کے مقابل پر یا فرعون نے حضرت موسی کے مقابلے پر دکھلائی ہو...(پھر اس اشتہار میں مرزا صاحب نے کہا ہے کہ اگر لاہور کے فلاں فلاں رئیس میری حفاظت کی ذمہ داری لیں تو میں آؤں گا.....کیونکہ) . اس فتنہ اور اشتعال کے وقت میں بجز شہر کے رئیسوں کی پورے طور پر ذمہ داری کے لاہور میں قدم رکھنا گویا آگ میں قدم رکھنا ہے۔ جو لوگ گورنمنٹ کے قانون کی بھی کچھ پرواہ نہ رکھ کر علانیہ فتوے پر فتوی میری نسبت دے رہے ہیں کہ یہ شخص واجب القتل ہے کیا ان کا وجود خطرناک نہیں .....المشتہر مرزا غلام احمد ۲۸ اگست ۱۹۰۰ء ۔ (مرزا صاحب کان و ما

یکون کے مالک اور واللہ یعصمک من الناس اور انی مہین من اراد اہانتک کے دعویدار تھے پھر بھی اتنے ڈرے ہوئے تھے)

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم۔صفحہ ۳۴۸ تا ۳۵۵)

 ۱۹۰۰ء کا ایک اشتہار ہے

اشتہار انعامی پانسو روپیہ

بنام حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار نہر

مرزا صاحب نے اس میں لکھا ہے کہ

. ایسا ہی اس اشتہار میں یہ تمام لوگ بھی مخاطب ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں۔ پیر مہر علی گولڑوی، نذیر حسین دہلوی، محمد بشیر بھوپالوی، تلطف حسین دہلوی، عبدالحق حقانی رشید احمد گنگوہی، محمد صدیق دیوبندی مدرس بچھرایوں ضلع مرادآباد، شیخ خلیل الرحمان جمالی سرساوہ ضلع سہارنپور، عبدالعزیز لدھیانہ، محمد لدھیانوی، محمد حسن لدھیانہ، احمد اللہ امرتسری، عبدالجبار غزنوی، غلام رسول عرف رسل بابا، عبداللہ ٹونکی عبداللہ چکڑالوی، ڈپٹی فتح علی شاہ ڈپٹی کلکٹر نہر لاہوری، منشی الٰہی بخش لاہور، منشی عبدالحق اکونٹنٹ پنشنر، محمد حسن ابوالفیض ساکن بھیں، سید عمر واعظ حیدرآباد علمائے ندوہ معرفت مولوی محمد علی سکرٹری ندوۃ العلماء، سلطان الدین جے پور، مسیح الزمان استاد نظام حیدرآباد دکن۔ عبد الواحد خان شاہجہان پوری، اعزاز حسین خاں شاہ جہان پور، ریاست علی خان شاہجہان پور، سید صوفی جان شاہ میرٹھ، اسحاق پٹیالہ، جمیع علماء کلکتہ وبمبئی و مدراس جمیع سجادہ نشینان ومشائخ ہندوستان۔

(یہ طویل اشتہار ضمیمہ تحفہ گولڑویہ (خزائن جلد ۱۷) کے صفحہ ۳۷ سے شروع ہوتا ہے اور اربعین نمبر ۳ (خزائن ج ۱۷) کے صفحہ ۳۸۶ سے بھی یہی اشتہار شروع ہوتا ہے)۔

☆ ایک شتہار ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کا ہے جس کا عنوان ہے

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

اس اشتہار میں مرزا صاحب نے پیر صاحب کو چیلنج کیا کہ میرے مقابل سورت فاتحہ کی عربی میں تفسیر لکھیں۔ اگر ان کی تفسیر مجھ سے بہتر ہو تو ۵۰۰ روپیہ انعام پائیں اور چاہیں تو اپنی مدد کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور محمد حسین

بھیں وغیرہ کو بلا لیں ۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۳۶۷ ۔ ۳۷۲)

☆ ایک طویل اشتہار کا عنوان ہے

شتاب کار نکتہ چینوں کیلئے مختصر تحریر اور براہین احمدیہ کا ذکر

اس اشتہار میں لاہور والے جلسے کا ذکر ہے اور اس کے حاشیہ میں منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ کو مخاطب کر کے ان کی کتاب عصائے موسیٰ میں مندرج الہامات کا جواب دیا ہے۔ نیز منشی صاحب کے اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش بھی فرمائی ہے کہ مرزا صاحب کتابوں کے لئے چندہ مانگ کر پیسہ جمع کر لیتے ہیں لیکن کتابیں شائع نہیں کرتے ۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۳۷۲ ۔ ۳۸۱)

☆ ایک اشتہار بعنوان . آیات الرحمان . ہے۔ یہ مرزا صاحب کے مرید مولوی محمد احسن امروہی کی کتاب کا اشتہار ہے جو انہوں نے منشی الٰہی بخش صاحب کے جواب میں لکھی تھی ۔ اس اشتہار میں مرزا صاحب نے اپیل کی ہے کہ لوگ پیشگی قیمت روانہ کر دیں تو جمع ہونے والے سرمائے سے کتاب شائع کروائی جائے ۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۴۴۲)

☆ پیر مہر علی صاحب کو مخاطب کر کے دیئے گئے ایک اشتہار کا عنوان یہ ہے

اشتہار انعامی پچاس روپیہ

اس میں مرزا صاحب نے پیر مہر علی صاحب کو چیلنج کیا ہے کہ وہ تحفہ گولڑویہ کا رد لکھیں اور پھر . مولوی محمد حسین بٹالوی ایک مجمع بٹالہ میں مقرر کر کے ہم دونوں (مرزا صاحب اور پیر صاحب) کی حاضری میں میرے تمام دلائل ایک ایک کر کے حاضرین کے سامنے رکھ دیں اور پھر ہر ایک دلیل کے مقابل جس کو وہ بغیر کسی کمی بیشی اور تصرف کے حاضرین کو سنا دیں گے پیر صاحب کے دلائل سنا دیں اور خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ یہ جوابات صحیح ہیں اور دلیل پیش کردہ کی قلع قمع کرتے ہیں تو میں مبلغ ۵۰ روپیہ انعام بطور فتح یابی پیر صاحب کو اسی میدان میں دیدونگا۔ المشتہر مرزا غلام احمد کیم ستمبر ۱۹۰۲ء

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۴۷۵ ۔ ۴۷۶)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے دس ہزار روپئے کا اشتہار

مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو مخاطب کر کے یہ اشتہار دیا ہے اور

۲۹ ـ ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو مد ضلع امرتسر کے مناظرے میں جو کچھ مرزائیوں کے ساتھ ہوا تھا اس داغ کو دھونے کی ناکام کوشش کی ہے ۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۴۷۸ تا ۴۸۱)

☆ ۲۰ دسمبر ۱۹۰۲ء کے اشتہار کا عنوان ہے

اصلاح حسب منشا کھلی چٹھی مولوی ثناء اللہ صاحب

مرزا صاحب نے اپنی ایک کتاب میں لکھا تھا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ذریعہ معاش مردوں کا کفن دفن ہے ۔ مولانا ثناءاللہ نے مرزا صاحب سے گذارش کی کہ وہ اس دعوی کا ثبوت پیش فرمائیں ۔ اس پر مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے ایسا لکھ کر غلطی کی ہے ۔ یہ اشتہار اسی غلطی کی اصلاح کے لئے دیا گیا تھا (مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص ۴۸۲)

☆ ایک اشتہار کا عنوان ہے ، خدا سچے کا حامی ہو

۱۶ اگست ۱۹۰۶ء کا یہ اشتہار ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی کے خلاف ہے اور اس میں مرزا صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی پیش گوئیوں کے مقابلے میں اپنی پیش گوئیاں اور دعوے درج کئے ہیں ۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم ۔ صفحہ ۵۵۷ ۔ ۵۶۰) ۔

ڈاکٹر صاحب اور مرزا صاحب کی اشتہاری جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا صاحب ڈاکٹر صاحب کی زندگی میں اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنی پیش گوئی (کہ عبدالحکیم میرے سامنے مرے گا) کو غلط ثابت کر گئے ۔

☆ مرزا صاحب کے تمام اشتہارات میں سے سب سے زیادہ مشہور اشتہار وہ ہے جو انہوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع فرمایا ۔ اس کا عنوان ہے

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ

اس اشتہار میں مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ امرتسری کو مد مقابل بنا کر خدا سے شکائت کی ہے کہ اس شخص نے مجھے بہت ذلیل کیا ہے اور یہ میرے قلعے کو گرانا چاہتا ہے مجھے کذاب دجال وغیرہ کہتا ہے اور اس نے دور دراز کے ممالک میں بھی میرے بارے میں ایسی باتیں پہنچا دی ہیں ۔ اس لئے اے اللہ تو میرے اور اس کے درمیان آخری فیصلہ کر دے کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہیضہ یا طاعون وغیرہ بیماری سے مر جائے ۔

اور اس اشتہاری دعاء کا انجام یہ ہوا کہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب دنیا

سے چل بسے جب کہ مولوی ثناء اللہ صاحب ان کے بعد بھی چالیس سال تک زندہ رہے

یوں کہا کرتا تھا مر جائیں گے اور　　اور تو زندہ ہیں خود ہی مر گیا

اس کے بیماروں کا ہوگا کیا علاج　　کالرہ سے خود مسیحا مر گیا

مرزا صاحب کے اشتہارات کے بعد آیئے اب ہم ان کی کتابوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

☆　مرزا صاحب نے اپنی کتاب فتح اسلام میں مولوی اسماعیل علی گڈھی کا ذکر کیا ہے

☆　مرزائی لوگ مباحثہ لدھیانہ کو بھی مرزا صاحب کی تصنیفات میں شامل کرتے ہیں۔ یہ مباحثہ جولائی ۱۸۹۱ء میں مولانا بٹالوی اور مرزا صاحب کے درمیان ہوا تھا۔ اور اس میں مرزا صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ مولانا بٹالوی کے دلائل کی تردید میں کہا ہے　نسیم سیفی قادیانی نے اپنی انگریزی کتاب. مسیح موعود کی کتابیں. (وکالت تصنیف ربوہ۔۱۹۸۳ء). میں فتح اسلام کے تعارف میں لکھا ہے

The subject to be discussed was the death of Jesus Christ. Batalwi wanted the position of Hadith to be clarified before taking up the real subject of the debate and he harped on this clarfication for all the 12 days till the debate ended without the topic of death of Jesus Christ being discussed. Ghulam Ahmad, claims saifi, gave clear and full length answers to his questions about the position of Hadith but Batalvi repeated his demand every time; he said that a clear cut reply had not been given. Nasim Saif p 14.

☆　ازالہ اوہام، مرزا صاحب کے دعوی مسیحیت کے بعد ان کے ابتدائی دور کی ایک ضخیم کتاب ہے۔اس کے صفحہ ۲۴۹ پر مرزا صاحب لکھتے ہیں

. میرے دوست مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اپنے ایک خط میں مجھے لکھتے ہیں کہ اگر آپ کا مثیل مسیح ہونا مان لیا جائے تو پھر بخاری ومسلم و دیگر صحاح نکمی و بے کار ہو جائیں گی. اور پھر مرزا صاحب نے کئی صفحات مولانا بٹالوی کی نذر کیۓ ہیں۔

صفحہ ۳۰۱ پر مرزا صاحب اپنا یہ الہام لکھتے ہیں یعیسی انی متوفیک و رافعک الی و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ اور فرماتے ہیں

. یہ مولوی صاحبان عبدالرحمٰن (محی الدین لکھوی) عبدالحق (غزنوی) تو مجھے اس

وقت قطعی دوزخی بتاتے ہیں لیکن ان کے بیان سے دس سال پہلے خدا تعالی مجھے جنتی ہونے کا وعدہ دے چکا ہے۔ اور جس طرح یہودیوں نے خیال کیا کہ نعوذ باللہ عیسی مسیح لعنتی ہے اور ہرگز عزت کے ساتھ اس کا رفع نہیں ہوگا اور ان کے رد میں یہ آئت نازل ہوئی تھی انی متوفیک ورافعک الی اسی طرح خدا تعالی نے اس جگہ بھی پہلے سے ہی اپنے علم قدیم کی وجہ سے یہ الہام بطور پیش گوئی اس عاجز کے دل پر القاء کیا۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ چند سال کے بعد میاں عبدالحق اور میاں عبدالرحمٰن اسی طرح اس عاجز کو لعنتی ٹھہرائیں گے جس طرح یہودیوں نے حضرت مسیح کو ٹھہرایا تھا.

اور پھر مرزا صاحب نے غزنوی اور لکھوی علماء کے خلاف دلائل دیئے ہیں۔

اس کتاب کے صفحہ ۵۶۷ سے ۶۰۵ تک مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی کے اس اشتہار کا جواب دیا ہے جو انہوں نے مباحثہ لدھیانہ کے بارے میں یکم اگست ۱۸۹۱ء کو دیا تھا۔ اور مرزا صاحب نے توفی والہ مشہور چیلنج بھی مولانا بٹالوی اور ان کے ہم خیال علماء کو دیا ہے۔ (ازالہ اوہام خزائن جلد۳ ص ص ۵۶۷ تا ۶۰۵)

☆ مباحثہ دہلی کو بھی مرزائی حضرات مرزا صاحب کی تصنیفات میں شمار کرتے ہیں جب کہ یہ اس مباحثے کی روئداد ہے جو دہلی میں مرزا صاحب اور مولوی محمد بشیر سہسوانی کے درمیان اکتوبر ۱۸۹۱ء میں ہوا تھا۔ اس میں جو کچھ مرزا صاحب نے کہا ہے وہ مولوی بشیر صاحب کو مخاطب کر کے ان کے دلائل پر اپنے خیالات کا اظہار ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مرزا صاحب اس مباحثے کو نامکمل چھوڑ کر دہلی سے اس معاہدے کے باوجود چلے آئے تھے کہ فریقین میں سے جو مباحثے کو نامکمل چھوڑے گا اس کی شکست متصور ہوگی ۔ نسیم سیفی قادیانی نے اس کتاب کے تعارف میں لکھا ہے

Ghulam Ahmad called upon Nazir Hussain and Abdul Haq to get the issues (life and death of jesus) clarified . Mohammad Bashir came forward for a debate ..and quoted four verses from the Holy Quran to show that Jesus was still alive. Nasim Saifi p 16

☆ آسمانی فیصلہ ۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ شیخ بٹالوی نے ایک لمبے اشتہار میں جو اس نے لدھیانہ کی بحث کے بعد چھاپا ہے.... بڑے انکار اور عناد کی راہ سے اس عاجز کی

نسبت بیان کیا ہے کہ یہ شخص جو آسمانی نشانوں کے دکھلانے کی طرف دعوت کرتا ہے اس کی اس دعوت کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ نشان تو ابن صیاد سے بھی ظاہر ہوتے تھے اور دجال معہود بھی دکھلائے گا پھر نشانوں کا کیا اعتبار (آسمانی فیصلہ خزائن جلد ۴ ص ۲۱) پھر مرزا صاحب کہتے ہیں

. یہ دعوت جس کی طرف میں میاں نذیر حسین اور ان کی جماعت کو بلاتا ہوں درحقیقت مجھ میں اور ان میں کھلا کھلا فیصلہ کرنے کا طریق ہے (آسمانی فیصلہ خزائن جلد ۴ ص ۲۳)

اور . میں نے حضرت شیخ الکل صاحب اور ان کے شاگردوں کی زبان درازیوں پر بہت صبر کیا اور ستایا گیا۔ اور آپ کو روکتا رہا۔ اب میں مامور ہونے کی وجہ سے اس دعوت اللہ کی طرف شیخ الکل صاحب اور ان کی جماعت کو بلاتا ہوں

(آسمانی فیصلہ خزائن جلد ۴۔ ص ۲۴)

ہوا یوں تھا کہ مرزا صاحب کے چیلنج کے جواب میں مولانا بٹالوی نے کہا کہ ہم تیار ہیں لیکن نشان دکھانے کی مدت دو ہفتے ہونی چاہیے ایک سال کا انتظار کون کرے؟ اور مولانا کے ایک ساتھی میر عباس علی لدھیانوی نے مرزا صاحب کو خط لکھ دیا کہ ان سے روحانی مقابلہ کرنے کے لئے ایک بزرگ تیار ہے بس آپ چلے آئیں۔ اس پر مرزا صاحب کے پسینے چھوٹ گئے اور انہوں نے کہا

. یہ درخواست کس قدر فضول ہے کہ ایک سال کے عرصے کو جو الہامی امر ہے خود بخود بدلا جائے اور ایک یا دو ہفتے بجائے اس کے مقرر کئے جائیں (مرزا صاحب کو اگر الہام ہوا ہے ایک سال کا تو دوسروں کو اس سے کیا؟)

(آسمانی فیصلہ ص ۳۱ خزائن جلد ۴)

اور لکھا

. اب اگر کوئی صوفی پردہ نشین جو پردہ سے نکلنا نہیں چاہتا بقول بٹالوی صاحب اور میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے بالمقابل نشان دکھانے کو تیار ہے تو وہ بھی ایسی دو پیش گوئیاں انہیں ثبوتوں کے ساتھ اپنے حق میں کسی گذشتہ ولی کی طرف سے پیش کرے . (آسمانی فیصلہ خزائن جلد ۴ ص ۳۶)۔

یعنی مرزا صاحب نے شرطیں لگا کر مقابلے سے فرار ہو گئے۔

نسیم سیفی نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے

Asmani Faisla ....was a sort of invitation to Nazir Hussain and his pupil of Batala (Mohammad Hussain) and to all those who think in like manner to a Divine Decision. Ghulam Ahmad says that these are the people who have dubbed him a kafir, dajjal, liar, irreligious, faithless, and the accursed. He invites them to heavenly signs. Nasim Saifi .P 17

☆ نشان آسمانی ۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب نشان آسمانی میں مولانا بٹالوی کو خطاب کیا ہے اور ، شیخ بٹالوی صاحب کے فتوی تکفیر کی کیفیت ، کے عنوان سے قادیانی عقائد کا دفاع کیا ہے۔ نسیم سیفی نے اس کتاب کے تعارف میں لکھا ہے

Ghulam Ahmad takes up criticism levied by Mohammad Hussain against his book entitled Assmani Faisla. He explains his claim and tells his reader that Batalvi and his master Sayed Nazir Hussain are trying to mislead the people .Nasim Saifi P 19

☆ مرزا صاحب نے اپنی کتاب دافع الوساوس (آئینہ کمالات اسلام) فتوی تکفیر کے جواب میں لکھی ہے جو سید نذیر حسین نے مولانا بٹالوی کے استفتا پر دیا تھا۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں نے فتح اسلام وغیرہ کتابیں لکھیں تو ان سے فائدہ ہونے کی بجائے

. بعض علماء کی فتنہ اندازی کی وجہ سے معاملہ برعکس ہوا.....اور اسی بنا پر اس عاجز کا نام بھی کافر اور ملحد اور زندیق اور دجال رکھا.....اس فتنہ اندازی کے اصل بانی مبانی ایک شیخ صاحب محمد حسین نام ہیں جو بٹالہ ضلع گورداسپور میں رہتے ہیں....سب سے پہلے استفتا کا کاغذ ہاتھ میں لے کر ہر یک طرف یہی صاحب دوڑے ۔ چنانچہ سب سے پہلے کافر اور مرتد ٹھہرانے میں میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے قلم اٹھائی اور بٹالوی صاحب کے استفتاء کو اپنی کفر کی شہادت سے مزین کیا ۔ اور میاں نذیر حسین نے....اس عاجز کو بلا توقف وتامل کافر ٹھہرا دیا.....غرض بانی استفتاء بٹالوی صاحب اور اول المکفرین میاں نذیر حسین صاحب ہیں اور باقی سب ان کے پیرو ہیں جو اکثر بٹالوی صاحب کی دل جوئی اور دہلوی صاحب کے حق استادی کی رعائت سے

ان کے قدم پر قدم رکھتے گئے ....اور عموماً تمام علمائے مکفرین پر یہ افسوس ہے کہ انہوں نے بلا تفتیش و تحقیق بٹالوی صاحب کے کفر نامہ پر مہریں لگا دیں....جیسے ایک بھیڑ دوسری بھیڑ کے پیچھے چلی جاتی ہے اور جو کچھ وہ کھانے لگتی ہے اسی پر یہ بھی دانت مارتی ہے یہی طریق اس تکفیر میں ہمارے بعض علماء نے بھی اختیار کرلیا۔

(مقدمہ دافع الوساوس ص ۳۰۔۳۳ خزائن ج ۵)

اور یوں یہ ساری کتاب اسی فتوے کی تردید میں ہے اور اس کتاب کے صفحہ ۱۶۲ سے ۱۰ دسمبر ۱۸۹۲ء کا اشتہار مباہلہ شروع ہوتا ہے جس کے مخاطب میاں نذیر حسین پھر مولانا بٹالوی اور پھر سب علماء مکفرین ہیں۔

اور اس کتاب کے صفحہ ۲۸۹ پر بٹالوی صاحب کے نام مرزا صاحب کا خط ہے جو ۳۱ دسمبر ۱۸۹۲ء کو لکھا گیا جس میں منذر الہام اور آسمانی فیصلہ کا ذکر ہے۔اور اس کے بعد مولانا بٹالوی کا جواب ہے اور ساتھ ہی مرزا صاحب کی طرف سے جواب الجواب ہے جو صفحہ ۳۲۶ تک چلتا ہے۔ اور اس کتاب کے صفحہ ۵۹۷ پر (خزائن جلد ۵) . شیخ محمد حسین بٹالوی کے اس مضمون کا جواب ہے جو انہوں نے ۹ جنوری ۱۸۹۳ء کو لکھ کر اپنے پرچہ اشاعۃ السنہ نمبر ا جلد ۱۵ میں شائع کیا تھا۔ یہ جواب صفحہ ۶۰۴ تک چلتا ہے۔

اس کے بعد صفحات ب اور ج پر میاں رحیم بخش لاہوی کا ذکر ہے کہ ان کے پاس جلسہ قادیان کے بارے استفتاء آیا تو انہوں نے اسے ناجائز قرار دے دیا مرزا صاحب بڑے غصے میں لکھتے ہیں . ایک مولوی صاحب ..... جو رحیم بخش نام رکھتے ہیں اور لاہور چینیا نوالی مسجد کے امام ہیں (نے اس جلسہ قادیان) کو بدعت بلکہ معصیت قرار دیا ہے کہ ایسے جلسوں کا تجویز کرنا محدثات میں سے ہے . پھر مرزا صاحب نے مولانا رحیم بخش کے دلائل کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اور سید نذیر حسین کے سفر پنجاب پر بھی تنقید کی ہے جو انہوں نے مولانا بٹالوی کے بیٹے کی شادی میں شرکت کی غرض سے کیا تھا۔

نسیم سیفی قادیانی نے اس کتاب کے تعارف میں لکھا ہے

Mohammad Hussain led the way and prepared a Fatwa to declare him (Ghulam Ahmad) a kafir and got his teacher , Mian Nazir Hussain , to sign it as the first signatory. .. He (Ghulam Ahmad) says that he does not mind the

fatwas of kufr. Nasim Saifi P 21

☆ حجۃ الاسلام ۔ مرزا صاحب کی اس کتاب کے تعارف میں نسیم سیفی نے لکھا ہے

Ghulam Ahmad calls upon Mohammad Hussain to write the commentary of the Holy Quran in Arabic .Nasim Saifi P 26

☆ سچائی کا اظہار۔مرزا صاحب کی اس کتاب کے بارے میں نسیم سیفی نے لکھا ہے

At the end of the book , Ghulam Ahmad issues an announcement in reply to a poster issued by Abdul Haq

Ghaznavi. In it he invites him and others of his kind to a prayer duel and as a postscript Ghulam Ahmad says that if Mohammad Hussain does not turn up, it will be a proof of the fact that the prophecy about him(that he will repent and stop calling him a kafir) has been fulfilled . Nasim Saifi P 27

☆ شہادت القرآن ۔نسیم سیفی کے نزدیک اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ ہے

Ghulam Ahmad received a printed letter written by one Ata Mohammad wherein he had asked him whether he was the promised Messiah? ... Ghualm Ahmad dealt the question . (and) has added a note to the book - the note is captioned as ' For the attention of the Government ' . In this note he refutes the propaganda against him that he is working against the government and in order to prove his case he quotes a passage from the newspaper Ishaatus Sunnaa published by Mohammad Hussain .Saifi P 30

☆ مرزا صاحب کی تصنیف تحفہ بغداد کے بارے میں جلال الدین نے لکھا ہے ۔

. یہ رسالہ آپ (مرزا) نے محرم ۱۳۱۱ھ مطابق جولائی ۱۸۹۳ء میں تالیف فرمایا۔ وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ ایک شخص سید عبدالرزاق قادری بغدادی نے حیدر آباد دکن سے ایک اشتہار اور ایک خط عربی زبان میں آپ (مرزا) کو بھیجا جس میں اس نے حضرت مسیح موعود کے دعوی کو خلاف شریعت اور ایسے مدعی کو واجب القتل اور (مرزا صاحب کی ایک تحریر) التبلیغ کو معارض قرآن قرار دیا تھا۔ حضرت مسیح موعود (مرزا) نے

ان کے اشتہار اور خط کو نیک نیتی پر محمول کر کے محبت آمیز طریقے سے جواب دیا...
نیز لکھا کہ مولویوں کے فتاوی تکفیر سے دھوکہ نہ کھائیں (خزائن جلد ۷۔ابتدائیہ ص ۱۷)
نسیم سیفی نے تحفہ بغداد کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے

Sayed Abdul Razaq Baghdadi sent a poster and a letter in Arabic to Ghulam Ahmad from HyderAbad Deccan . The theme of the poster and letter was that the claim of Ghulam Ahmad to be Promised Messiah was against the Shariah of Islam and that he was liable to be beheaded; he also said that his book Tabligh (2nd part of Aaina Kamalat Islam) was a contradiction of the Holy Quran . Ghulam Ahmad took the writer of the letter seriously and wrote Tohfai Baghdad explaining what his claim was

.Saifi P 31

☆ کرامات الصادقین ۔ مولوی جلال الدین شمس قادیانی نے مرزا صاحب کی اس کتاب کے تعارف میں لکھا ہے

. مولوی محمد حسین بٹالوی کے ایک مضمون کا جو انہوں نے ۹ جنوری ۱۸۹۳ء کو لکھ کر اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ بابت جنوری ۱۸۹۳ء میں شائع کیا تھا ۳۰ مارچ کو جواب دیتے ہوئے حضور (مرزا) نے تحریر فرمایا کہ میاں محمد حسین کو اس پر سخت اصرار ہے کہ یہ عاجز عربی علوم سے بالکل بے بہرہ اور کودن اور نادان اور جاہل ہے ... اس لئے میرے مقابلے میں قصیدہ لکھو۔ رسالہ لکھو ۔ اور چاہو تو ساتھ میاں شیخ الکل اور دوسرے تمام متکبر ملاؤں کو ساتھ ملا لو ۔ اس کے علاوہ مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی کو تفسیر نویسی کا چیلنج بھی دیا۔ (خزائن جلد ۷ کا ابتدائیہ ص ۱۷۔۱۹)

اور نسیم سیفی نے لکھا ہے

In January 1893 Mohammad Hussain published an article in his newspaper .... to the effect that Ghulam Ahmad did not know the Arabic language and that he was also ignorant of the meaning and true interpretation of the Holy Quran. Ghulam Ahmad had told Mohammad Hussain to draw lots and pick up

a sura of the Holy Quran for writing its commentary in the Arabic language..He had also told him (Batalvi) that he could call others also to his help, including his teacher , Nazir Hussain. Mohammad hussain said that he was ready to do so.. (then) Ghulam ahmad wrote Karamatus Sadiqeen .Saifi P 32

☆ ۱۳۱۱ھ میں لاہور سے طبع ہونے والی تصنیف اتمام الحجۃ کے ٹائٹل پر مرزا صاحب نے لکھا ہے الحمد للہ الذی وفقنا لتالیف رسالتنا ھذہ التی الفت لا فحام المولوی رسل بابا الامرتسری ۔(کہ یہ رسل بابا کو سمجھانے کے لئے لکھی گئی ہے)۔

اور مرزائیوں کے روحانی خزائن کی جلد ۸ کے ابتدائیہ میں جلال دین نے لکھا ہے

. یہ رسالہ حضرت مسیح موعود نے مولوی رسل بابا امرتسری پر اتمام حجت کرنے کے لئے جون ۱۸۹۴ء میں شائع کیا۔ اس رسالہ کا کچھ حصہ عربی میں ہے اور کچھ اردو میں ۔ اس کی تالیف کا باعث مولوی رسل بابا کا رسالہ حیات المسیح ہوا۔ جس میں حضرت مسیح ناصری کے آسمان پر بجسدہ العنصری زندہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی..... مولوی مذکور نے اپنے رسالہ میں ان کے دلائل رد کرنے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا بھی اعلان کیا تھا۔ رسل بابا حضرت مسیح موعود کے اشد ترین مخالفوں میں سے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب انجام آتھم میں ان کا شمار نومشہور مفسد مخالفین میں کیا ہے۔ (خزائن ج ۸ ابتدائیہ ص ۸۔۹)

اور اتمام الحجۃ عربی کے آخر پر

مولوی رسل بابا امرتسری کے رسالہ حیات المسیح پر ایک اور نظر

کا عنوان ہے اور اس میں صفحہ ۳۹۸ سے ۴۱۸ تک ایک اشتہار ہے جس کا عنوان ہے

عام اطلاع کیلئے ایک اشتہار

یہ اشتہار مولانا محمد حسین بٹالوی کے خلاف ہے۔

نسیم سیفی نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے

Rusul Baba of Amritsar published a book to prove that Jesus Christ was not dead. He also announced that he would give a prize of 1000 rupees to anyone

who would prove that Jesus was no more living . Ghulam Ahmad could not let this opprtunity of proving the death of Jesus go unavailed. So he published Itmamu Hujja. Saifi P 37

☆ سر الخلافہ کے متعلق خزائن جلد ۸ کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی یہ کتاب جولائی ۱۸۹۴ء میں شائع ہوئی۔ اور

. اس کتاب کے عربی زبان میں لکھنے کا ایک مقصد حضور (مرزا) نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ کتاب شیخ محمد حسین بطالوی اور دوسرے علماء مکفرین کے الزام اور افحام اور انکی مولویت کی حقیقت کھولنے کے لئے بوعدہ انعام ستائیس روپئے شائع ہوئی ہے (خزائن جلد ۸ ص ۱۰۔ ابتدائیہ)۔ اور نسیم سیفی قادیانی نے لکھا ہے.

The reason why this book was written in Arabic was to expose the hollowness of the claim of Mohammad Hussain and others to be great learned people. Saifi P 38

☆ مرزا صاحب نے اپنی کتاب ، انوار الاسلام ، میں مولوی عبدالحق غزنوی اور منشی سعد اللہ لدھیانوی کو خزائن جلد ۹ کے صفحہ ۲۷ سے مخاطب کرنا شروع کیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ ڈپٹی آتھم کے پیش گوئی کی مدت کے دوران نہ مرنے کو غزنوی قادیانی مباہلے کا اثر قرار دے رہے ہیں ۔ اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ حکیم نوردین کے بیٹے کی موت بھی اس مباہلہ کا اثر ہے ۔ یہ مضمون صفحہ ۵۴ تک چلا جاتا ہے اور مرزا صاحب مولوی عبدالحق اور منشی سعد اللہ کی تردید کر کے بتاتے ہیں کہ انہیں اس مباہلے کے بعد نقصانات کے بجائے فوائد ہوئے ہیں۔

کتاب کے صفحہ ۱۱۵ سے مولانا بٹالوی کو خطاب شروع ہوجاتا ہے جن کا کہنا تھا کہ احمد بیگ کے داماد سلطان محمد اور ڈپٹی آتھم کی اموات کے بارے میں مرزا صاحب کی پیش گوئیاں غلط ثابت ہوئی ہیں۔ مرزا صاحب کا جوابی بیان صفحہ ۱۲۵ تک چلتا ہے۔

☆ ضیاء الحق (خزائن جلد جلد ۹) میں بھی بٹالوی اور لدھیانوی ہندو زادہ کو اور عبدالحق غزنوی کو خطاب ہے۔ یہ کتاب ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔

☆ مرزا صاحب کی کتاب نور الحق کا حصہ دوم عربی میں ہے اور اس کے ٹائٹل پر

لکھا ہے ہذہ رسالۃ کا لعصب الجراز لا فحام کلمن تحض للبراز اول مخاطبنا با لا طماع فی الا نعام المتنصرون الذین ھم کا لا نعام وعمادھم الذی یری عنقہ کا لانعام و اخوانہ الذین یقولون انا نحن المولویون الماہرون فی العربیۃ و العلوم الادبیۃ ثم البطالوی الشیخ محمد حسین مضل العوام بکلمات کالسراب او کا لجہام ۔

اس کتاب کی عربی میں وجہ تصنیف مولانا بٹالوی اور دیگر علماء پر یہ ثابت کرنا ہے کہ مرزا صاحب کو عربی زبان وادب پر عبور حاصل ہے۔

☆ انجام آتھم مرزا صاحب کی مشہور کتاب ہے جو اس وقت لکھی گئی جب مولانا بٹالوی مولانا عبدالحق غزنوی مولانا ثناء اللہ امرتسری اور دیگر علماء نے مرزا صاحب کی آتھم کی موت کے متعلق کی گئی پیش گوئی کے غلط نکلنے پر انہیں تنقید کا نشانہ بنایا۔ڈپٹی آتھم پیش گوئی کی میعاد ختم ہونے کے بائیس ماہ بعد ۱۸۹۶ء میں فوت ہوا تو مرزا صاحب نے پینترا بدل کر عبدالحق غزنوی (اور دوسرے علماء کو) مخاطب کر کے اس کتاب میں کہا . تو اب ہمیں دکھلا کہ آتھم کہاں ہے؟ اے خبیث کب تک تو جئے گا .(خزائن جلد ۱۱ انجام آتھم ص ۳۲۹)

اور . عبدالحق غزنوی کو رئیس الدجالین قرار دیا (خزائن جلد ۱۱ انجام آتھم ۔ ص ۳۳۰)

اور لکھا. پھر ایک اور اعتراض سادہ لوح عبدالحق کا یہ ہے .(خزائن جلد ۱۱ ص ۳۳۲)

اور لکھا کہ . ایک وسوسہ عبدالحق غزنوی نے یہ پیش کیا ہے کہ خسوف کسوف کے بارے میں جو اقوال ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے بعد مہدی کا ظہور ہو۔مگر مرزا قادیانی کے دعوی اور خروج کا یہ چوتھا سال ہے . (خزائن جلد ۱۱ انجام آتھم ص ۳۳۴)

اور دیگر علماء کو یوں مخاطب کیا . اے نادانو آنکھو کے اندھو مولویت کو بدنام کرنے والو۔ (خزائن جلد ۱۱ انجام آتھم ص ۳۳۰).

مرزا صاحب نے اس کتاب میں مشہور مخالفین کے نام بھی دیئے ہیں جو یہ ہیں . و کان فی ھذہ الدیار تسعۃ رھط من الاشرار۔ و کانوا مفسدین فی الارض و لا ینتھجون مھجۃ الخیار۔ و ما کانوا صالحین۔ و وجدتھم فی الکبر و الاباء۔ کا لجملۃ المتناسبۃ الاجزاء۔ او کا

مراض متنشا بهة فی الخبث و الا یذاء ۔ و رئیت کا نهم من المعادین المعتدین ۔..... اور نام بنام ان مخالفین کا ذکر کیا ہے رسل بابا اصغرعلی نذیرحسین عبدالحق دہلوی عبداللہ ٹونکی احمد علی سہارن پوری سلطان الدین جے پوری محمد حسن امروہی رشید گنگوہی ۔ اور محمد حسین کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تو امام المستکبرین ۔ و رئیس المعتدین ۔ و راس العادین ۔ و ہو الذی کفر نی قبل ان یکفر الآ خرون

(مکتوب غلام احمد ۔ وکالۃ التبشیر ربوہ ۱۹۶۳ء طبع خامس)۔

اس کتاب میں مرزا صاحب نے درج ذیل مخالفین کو مباہلے کا چیلنج بھی دیا ہے سید نذیر حسین دہلوی ۔ محمد حسین بٹالوی ۔ عبدالحمید دہلوی ۔ رشید احمد گنگوہی ۔ عبدالحق حقانی ۔ عبدالعزیز لدھیانوی ۔ محمد لدھیانوی ۔ محمد حسن رئیس لدھیانہ ۔ سعد اللہ نومسلم لدھیانہ ۔ احمد اللہ امرتسری ۔ ثناء اللہ امرتسری ۔ غلام رسول عرف رسل بابا ۔ عبدالجبار غزنوی ۔ عبدالواحد غزنوی ۔ عبدالحق غزنوی ۔ محمد علی بوپڑی واعظ ۔ غلام دستگیر قصوری ۔ عبداللہ ٹونکی ۔ اصغر علی لاہور ۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی ۔ محمد بشیر بھوپالی ۔ محمد ابراہیم آرہ ۔ شیخ حسین عرب یمانی ۔ محمد حسن مئولف تفسیر امروہہ ۔ احتشام الدین ۔ محمد اسحاق اجراوری ۔ عین القضاۃ فرنگی محل ۔ محمد فاروق کان پور ۔ عبدالوہاب کان پور ۔ سعید الدین کان پور ۔ حافظ محمد رمضان پشاوری ۔ دلدار علی مسجد دائرہ الور ۔ رحیم اللہ مدرسہ اکبر آباد ۔ ابوالانوار محمد رستم علی چشتی ۔ عبدالمئوید امروہی ۔ مالک رسالہ مظہرالاسلام اجمیر ۔ محمد حسین کوئلہ والہ دہلی ۔ احمد حسن شوکت مالک اخبار شحنہ ہند میرٹھ ۔ نذیر حسین ولد امیر علی انبیٹھ ضلع سہارنپور ۔ احمد علی سہارنپور ۔ عبدالعزیز دینا نگر ۔ قاضی عبدالاحد خانپوری ۔ احمد رام پور ضلع سہارنپور ۔ محمد شفیع رام پور ضلع سہارنپور ۔ فقیر اللہ نصرۃ الاسلام بنگلور ۔ محمد امین بنگلور ۔ قاضی عبدالقدوس بنگلور ۔ محمد ابراہیم ویلوری بنگلور ۔ عبدالقادر پیارم پیٹی بنگلور ۔ محمد عباس ساکن دانمباری بنگلور ۔ گل حسن میرٹھ ۔ امیر علی شاہ اجمیر ۔ احمد گنجپوری حال دہلی خاص جامع مسجد ۔ محمد عمر فراشخانہ دہلی ۔ مستعان شاہ سانبھر جیپور ۔ حفیظ الدین دوجانہ ضلع رہتک ، فضل کریم نیازی غازی پور زمینا ، حاجی عابد حسین دیو بند

☆ مرزا صاحب کی ایک تصنیف کا نام سراج منیر ہے جو ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی (۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں مرزا صاحب نے سراج منیر کی تیاری کی خبر دی اور اس کی طباعت

کے لئے کافی رقم اکٹھی کی۔ گیارہ سال بعد ۲۴ مارچ ۱۸۹۷ء کو سراج منیر کے نام سے ۷۲ صفحات کا ایک رسالہ شائع کر دیا جو سابقہ اعلان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا اور اسے بھی مفت تقسیم کرنے کے بجائے قیمتاً فراہم کیا اور جمع شدہ رقم کا کوئی حساب نہیں دیا) اس میں اپنے مخالفین کے تذکرے میں آپ لکھتے ہیں

نذیر حسین دہلوی نے تکفیر کی بنیاد ڈالی۔ محمد حسین بٹالوی نے کفار مکہ کی طرح یہ خدمت اپنے ذمے لے کر تمام مشاہیر اور غیر مشاہیر سے کفر کے فتوے اس پر لگوائے (خزائن جلد ۱۲۔ سراج منیر ص ۷۰)۔ اور

. شیخ محمد حسین صاحب اشاعۃ السنہ جو بانی مبانی تکفیر ہے اور جس کی گردن پر نذیر حسین دہلوی کے بعد تمام مکفروں کے گناہ کا بوجھ ہے . (خزائن جلد ۱۲۔ سراج منیر ص ۸۰)

☆ مرزا صاحب نے ایک پیش گوئی پنڈت لیکھ رام کی موت کے بارے میں کی تھی۔ ان کی کتاب **استفتاء** لیکھ رام کی موت کے بعد کی تصنیف ہے۔ اور چونکہ مولانا بٹالوی نے کہا تھا کہ لیکھ رام کی موت کا مرزا صاحب کی پیش گوئی سے تعلق نہیں ہے اس لئے مرزا صاحب نے اس تصنیف میں مولانا پر خوب غصہ نکالا ہے۔ کہتے ہیں . مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ اور ایسا ہی بعض اور چند مولویوں نے عام طور پر یہ رائے شائع کر دی ہے کہ یہ پیش گوئی (لیکھ رام کی موت کی) جھوٹی نکلی۔ چنانچہ انہوں (محمد حسین) نے ایک خط میری طرف بھی بھیج دیا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ

. میں (محمد حسین) نے اپنی نیک نیتی سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پیش گوئی پوری نہیں ہوئی یعنی لیکھ رام کی موت صرف ایک اتفاقی امر تھا۔۔اور (محمد حسین نے) اس بات پر زور دیا کہ کیوں یہ امر ثابت شدہ مان لیا جائے کہ پیش گوئی سچی ہوئی۔ اور کیوں یہ قبول نہ کیا جائے کہ یہ ایک اتفاقی موت ہے جو پیش گوئی کے زمانہ میں وقوع میں آئی۔

(استفتاء۔ خزائن جلد ۱۲ ص ۱۱۱)

اور مرزا صاحب نے مولانا بٹالوی کی تردید میں اپنا زور قلم صرف کیا ہے جیسا کہ صفحہ ۱۳۵ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں

. اس شیخ دشمن حق کا یہ بھی مجھ پر افتراء ہے کہ اور بھی بعض پیش گوئیاں جھوٹی نکلی ہیں۔ ہم بجز اس کے کیا کہیں کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ ہم شیخ مذکور کو

فی پیش گوئی سو روپیہ نقد دینے کو تیار ہیں اگر وہ ثابت کر سکے کہ فلاں پیش گوئی خلاف واقعہ ظہور میں آئی۔ مگر کیا وہ یہ بات سن کر تحقیقات کے لئے درخواست کرے گا؟ نہیں اس کو نخوت نے اندھا کر دیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ شخص نہائت درجہ کا مفسد اور دشمن حق ہے اس کو اسلام سے کچھ خاص دشمنی ہے۔ اس کا دل نہیں چاہتا کہ اس پر آشوب زمانہ میں اسلام کی عزت اور شوکت اور بزرگی ظاہر ہو۔ مگر یہ اس ارادہ میں ناکام رہے گا۔ میری بات سن رکھو۔ اب سے خوب یاد رکھو۔ کہ خدا بہت سے نشان دکھائے گا۔ نہیں چھوڑے گا جب تک ایسے لوگوں کو ذلیل کر کے نہ دکھلائے.

(حاشیہ استفتاء۔ خزائن جلد ۱۲۔ ص ۱۳۵)۔

اور جب مولانا نے ایک مرتبہ جوابی چیلنج کیا کہ آؤ اور ایک ایسے اجتماع میں جہاں فریقین کے سامعین کی مساوی تعداد ہو فلاں فلاں پیش گوئی کو سچا ثابت کر کے دکھاؤ تو مرزا صاحب نے کہا

. مجھے اس بات کی ضرورت نہیں کہ اس الہامی پیش گوئی کی آزمائش کے لئے بٹالہ میں کوئی مجلس مقرر کروں. (خزائن جلد ۵ ص ۳۲۳)

اور مرزا صاحب استفتاء لکھتے ہیں . ہامان سے مراد نذیر حسین دہلوی ہے ۔ فرعون سے مراد محمد حسین ہے۔ (خزائن جلد ۱۲ استفتاء ص ۱۳۰)

استفتاء کے تعارف میں نسیم سیفی صاحب لکھتے ہیں

Istifta was published in May 1897. In this book Ghulam Ahmad says that ' he had been fortold that he would have to confront three trials. Those trials were 1 . The case of Abdullah Atham. 2. The mischief caused by Mohammad Hussain, the like of which is not known in the history of Ulema. Saifi p 54.

☆ مرزا صاحب کی ایک کتاب کا نام حجۃ اللہ ہے جو عربی اور اردو میں ہے ۔ اس کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے مولوی جلال دین شمس قادیانی لکھتے ہیں

حجۃ اللہ لکھنے سے پہلے مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے حضرت مسیح موعود (مرزا) کے خلاف ایک نہائت گندہ اشتہار شائع کیا اور آپ کی عربی دانی پر معترض ہوا اور اپنی قابلیت جتانے کے لئے عربی زبان میں مباحثہ کرنے کی آپ کو دعوت دی ۔ اس

دعوت کو حضرت مسیح موعود (مرزا) نے منظور فرماتے ہوئے شرط لگائی .... کہ اگر آپ مقابلہ کے وقت مجھ سے شکست کھا گئے تو .... میری بیعت میں داخل ہونا ہوگا (عربی میں فاضل ہونے کا مطلب مسیح موعود ہونا ہو تو سارے عرب علماء وفضلاء مسیح موعود ہیں) لیکن جب مولوی غزنوی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ اس کا ساتھی شیخ نجفی کچھ بولا تو آپ نے مولوی غزنوی اور شیخ نجفی کو مخاطب کر کے یہ رسالہ فصیح و بلیغ عربی میں ۱۷ مارچ ۱۸۹۷ء کو لکھنا شروع کیا اور ۲۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو مکمل کر دیا ۔ اس رسالہ... میں نجفی اور غزنوی کے علاوہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بھی دعوت مقابلہ دی۔

(ابتدائیہ خزائن ج ۱۲ ص ۴)۔

حجۃ اللہ کے عربی حصے میں مرزا صاحب لکھتے ہیں

و منهم رجل من الغزنی یسمونه عبد الحق و انه سب و شتم ...... و شابهه فی قوله شیخ طویل اللسان کثیر الهذیان قد زعم انه من فضلاء الزمان ۔ و انه نجفی و من المتشیعین ۔ و انه ارسل الی مکتوبة فی العربیه لیخدع الناس بالکلم الملقة و لتعظمه قلوب العامة......ترجمہ ۔ اور ان میں سے غزنی کا ایک شخص ہے جس کا نام عبدالحق ہے اس نے مجھے سب وشتم کیا ہے ۔ اور ایک شیخ لمبی زبان والہ بہت ہذیان والہ عبدالحق سے مشابہ ہے ۔اس نے گمان کیا ہے کہ وہ زمانہ کے فاضلوں میں سے ہے اور یہ شیخ نجفی ہے اور شیعہ ہے ۔ اور اس نے عربی میں میری طرف ایک خط لکھا تا اپنے پر تکلف جوڑے ہوئے فقروں کے ساتھ لوگوں کو دھوکہ دے اور تا کہ عوام الناس کے دل اس کی بزرگی کریں ۔ اور تا کہ جاہلوں کو اپنی طرف میل دے ۔ اس کا قول صرف فاضلوں کے قول کا ایک فضلہ تھا اور ان کے کلمہ باکرہ کی ایک نجاست تھی.....اس نے سب اور شتم کو کمال تک پہنچا دیا اور کسی گالی کو نہ چھوڑا جس کو کمینہ رذیلوں کی طرح نہ لکھا ....اس کے دل کی مثال ایسی ہے جیسا کہ وہ دن جو سخت سرد ہو اور ....اس کا دل تہ بہ تہ جما ہوا ہو ۔ (حجۃ اللہ خزائن ج ۱۲ ص ۱۷۵)

و العجب کل العجب ان عبد الحق الغزنوی یسبنی منذ

خمس سنین ....و نعلم بعد الیقین انه لیس بذا ته مبدء هذا السبب و التو ہین بل علمه ابلیس آ خر من الغز نویین ۔ و لا ریب انہم هم العلل المو جبة لفتنة و منبت شعبته و جر موثة شذ نته (ترجمہ)اور تمام تر تعجب یہ ہے کہ عبدالحق پانچ برس سے مجھے گالیاں نکال رہا ہے...اور ہم یقینی علم سے جانتے ہیں کہ وہ بذات خود اس سب وتو ہین کا موجب نہیں بلکہ اس کو غزنویوں میں ایک اور شیطان (عبدالجبار غزنوی کی طرف اشارہ ہے) نے سکھایا ہے ۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہی لوگ اس کے فتنہ کے موجب ہیں اوراس کی شاخ کے منبت اور اس کی شاخ کی جڑ ہیں ۔ (حجۃ اللہ ص ۲۰۰ ۔۲۰۱ ۔خزائن ج ۱۲) ... اور میں جانتا ہوں کہ وہی اس ظلم کے امام ہیں .. میں امید رکھتا تھا کہ وہ اپنے تجاوز سے باز آجائیں گے یہاں تک کہ جب ان کی شر کمال کو پہنچ گئی اور بکواس سے باز نہ آئے پس میں نے جان لیا کہ وہ مردود اور مخذول ہیں اور بدبخت اور محروم ہیں .....اے گمراہ عبدالجبار نام تو خدا کے قہر سے کیوں نہیں ڈرتا ۔ کیا تو گھن دار داڑھی کے ساتھ تکبر کرتا ہے .... بدبختوں کے طریق پر چلتا ہے فاسقوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے ....تو نے زہر کا بیج بویا..... تیرا دل زنگ پکڑ گیا ۔ پلیدی نے تیری صورت کو متغیر کر دیا.....تو ایک بھیڑیا ہے نہ انسان کی قسم اور شریروں میں سے ہے .....اور تو بوڑھا ہو گیا اور چمڑا پرانا ہو گیا اور وقت نزدیک آ گیا کہ پیٹھ ٹیڑھی ہو جائے.....پس قبل اس کے جو تجھ کو کیڑے کھالیں اور موت آجائے اپنے نفس کی اصلاح کر۔

(حجۃ اللہ۔ خزائن جلد۱۲۔ص ۲۰۲ ۔۲۰۴)

حجۃ اللہ (خزائن جلد۱۲) میں صفحہ ۱۵۰ سے عنوان شروع ہوتا ہے

ذب المفترین

اور اس کے تحت مرزا صاحب لکھتے ہیں ۔ اس وقت میرے سامنے وہ کاغذ پڑے ہیں جن میں نام کے مسلمانوں نے مجھ کو گالیاں دی ہیں ۔ چنانچہ ان میں سے ایک عبدالحق غزنوی ہے جو اپنے اشتہار میں مجھے دجال ٹھہرا کر اپنے اشتہار کے عنوان میں لکھتا ہے ضرب النعال علی و جه الد جال یعنی اس دجال کے منہ پر جوتی مارتا ہوں ۔ (خزائن جلد۱۲ حجۃ اللہ ص ۱۵۰) سو اس نے یہ تو سچ کہا کیونکہ وہ خود دجال ہے اور آسمان سے اسی کے

منہ پر جوتی پڑی۔

اس کے بعد مرزا صاحب نے بے شمار صفحات عبدالحق غزنوی صاحب کی نذر کیئے ہیں۔ اور ان کے ساتھ سب غزنویوں کو لتاڑا ہے۔ فرماتے ہیں

. اے غزنوی لوگو۔ کس قدر تمہیں سچائی سے دشمنی ہے۔ کیا کوئی حد بھی ہے؟ کیا تمہارا یہی تقوی ہے جس کو لے کر تم پنجاب میں آئے ہو؟ (خزائن ۱۲ حجۃ اللہ ص ۱۵۲)

. پھر اسی اشتہار میں اسی بزرگ عبدالحق نے اور بھی گالیاں دی ہیں۔ (خزائن جلد ۱۲ حجۃ اللہ صفحہ ۱۵۳) . اور یہ بھی یاد رہے کہ اس عبدالحق اور اس کی جماعت کا ایک قلمی خط بھی رمضان کے مہینہ کے سر پر میرے پاس پہنچا چونکہ وہ گالیوں سے بھرا ہوا تھا اس لئے میں نے نہ چاہا کہ رمضان میں اس کا جواب لکھوں۔ (خزائن جلد ۱۲ حجۃ اللہ صفحہ ۱۵۵)۔

. اور ایک اور صاحب جو دشنام دہی میں عبدالحق کے چھوٹے بھائی یا بڑے بھائی ہیں اپنے پرچہ درۃ الاسلام میں بہت سی گندہ زبانی کے ساتھ آتھم کی پیش گوئی کا ذکر کرتے ہیں . (خزائن جلد ۱۲ حجۃ اللہ ص ۱۵۵)

. اور پھر ایک صاحب اپنا نام شیخ نجفی ظاہر کر کے میرے مقابل پر آئے ہیں اور مجھے کذاب اور دجال اور جاہل ٹھیراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسوف اور خسوف کا نشان قیامت کو ظاہر ہوگا نہ اب .... اور پھر یہی صاحب اپنے خط عربی میں جو ژولیدہ زبانی سے بھرا ہوا ہے مجھ کو لکھتے ہیں کہ اگر تو میرے مقابل پر آوے تو میں اپنا علم عربی تجھ کو دکھلاؤں (خزائن جلد ۱۲ حجۃ اللہ ص ۱۶۰)

.... اور ایسا ہی عبدالحق نے بھی اپنے اشتہار میں یہی لاف زنی کی ہے .... کہتا ہے کہ (مرزا) مجھ سے عام علماء کی مجلس میں عربی زبان میں بحث کرے۔ دونوں کی عربی قلم بند ہو جائے گی بعد میں علماء پر پیش کی جائے گی۔ اگر (مرزا) فوقیت لے گیا تو مانا جائے گا کہ یہ رسائل عربی اس (مرزا) نے بنائے ہیں اور بحث تقریری بالمشافہ ہوگی۔ اگر بحث میں تجھ (مرزا) سے کچھ نہ بنا تو لعنت اللہ علی الکاذبین. (حجۃ اللہ ص ۱۶۱ خزائن ۱۲)۔

اور مرزا صاحب نے علماء کے مجمع میں آنے اور بالمشافہ مقابلہ کرنے سے

انکار کرتے ہوئے لکھا کہ میں اب جو عربی لکھ رہا ہوں اس کا جواب عربی میں دو۔ اور کچھ آگے چل کر لکھا

و ما تد عونی متفردا فی المبا ہله فهذا دجلک و کید ک یا غول البا دیة ا لا تعلم ایها الد جال و الغوی البطال ان الشر ط منی فی المبا ہلة مجئی عشرة رجال ۔ لملا عنة و ابتهال ۔ فی حضرة معین الصادقین فما قبلت شریطی ۔ و کان فیه نفعک لا منفعتی ثم اردت ان اتم الحجة علیک و علی رهطک المتعصبین فرضیت بثلثة من رجال عا لمین و خففت علیک و قنعت یا عدوا لا خیار ۔ بان تبا ہلنی مع عبد الوا حد و عبد الجبار و انهما اکا بر جما عتک و حر ثاء زراعتک ۔ و ابنا شیخ امین ۔ ففررت فار الظلام من النور ۔ و ولیت دبرا ا لکذب و الزور و دخلت الحجر کا لمتخوفین۔ وما ورد علی صا حبیک انهما فرا و فقاء اعینک و ما جاء نی کا لمبا ہلین ۔ و ای خوف منعهما من المباہله ان کا نا یکفرا نی علی و جه البصیرة فاین ذهبا ان کا نا من الصادقین ۔ و من اقوا لک فی اشتهارک ۔ انک خا طبنی و قلت بکمال اصرارک ۔ انک تحترق فی النار و تغر ق فی الماء و لا یمسنی لو د خلتهما و احفظ من البلا ء ۔ اما الجواب ۔ فاعلم ایها الکذاب انک رئیت کل ذا لک بعد المبا ہلة ا لاو لی ۔ و اغرقت و احترقت یا فضلة النو کی ۔ فا نبئنا این خرجت من الماء ۔ بل مت فی ماء التند م کا لا شقیاء و این نجیت من النار ۔ بل احتر قت بنار الحسرة التی تطلع علی الاشرار ۔ و ما صارت النار علیک بردا و سلا ما ۔ بل اکلتک نارا خزاء الله و لقیت آ لا ما و کذا لک یخزی الله المفترین (حجۃ اللہ خزائن ج ۱۲ص ۲۱۹۔۲۲۰)۔ (تر جمہ از مرزا صاحب) اور تو جو مجھے مباہلہ کے لئے اکیلا بلاتا ہے سو یہ اے دیو بادیہ تیرا مکر ہے ۔ کیا تو اے دجال اور گمراہ بطال نہیں جانتا کہ میری طرف سے مباہلہ کے لئے دس آدمی

کی شرط ہے (کیوں؟)۔ جو ملاعنہ اور ابتہال کے لئے آئیں۔ پس تو نے میری شرط کو قبول نہیں کیا اور اس میں تیرا نفع تھا نہ میرا۔ پھر میں نے ارادہ کیا کہ تجھ پر اور تیرے گروہ پر حجت پوری کروں۔ پس میں تین آدمیوں کے ساتھ راضی ہوگیا۔ اور تیرے پر میں نے تخفیف کر دی اور میں نے کہا کہ اے نیکوں کے دشمن عبدالواحد (غزنوی) اور عبدالجبار (غزنوی) کو لے کر میرے ساتھ مباہلہ کر اور وہ دونوں تیری جماعت کے بزرگ اور تیری کھیتی کے زمین دار اور امین شیخ کے بیٹے ہیں۔ پس تو ایسا بھاگا جیسا کہ اندھا روشنی سے بھاگتا ہے اور جھوٹ کی پیٹھ کو تو نے پھیر لیا اور ڈرنے والوں کی طرح سوراخ میں جا چھپا۔ اور تیرے دونوں صاحبوں کو کیا پیش آیا۔ وہ دونوں بھاگ گئے اور تجھے اندھا کر گئے۔ اور مباہلہ کرنے والوں کی طرح میرے مقابل پر نہ آئے۔اور کس خوف نے ان کو مباہلہ سے منع کیا اگر وہ علی وجہ البصیرت مجھ کو کافر جانتے تھے۔ پس وہ کہاں چلے گئے اگر وہ سچے تھے۔اور منجملہ تیرے اقوال کے جو تیرے اشتہار میں ہیں جو تو نے مجھے مخاطب کر کے بکمال اصرار کہا ہے کہ تو آگ میں جل جائے گا اور پانی میں غرق ہو جائے گا اور مجھے اگر ان دونوں میں داخل ہوں تو کچھ دکھ نہیں پہنچے گا۔ مگر ہمارا جواب اے کذاب یہ ہے کہ تو پہلے مباہلہ کے بعد یہ سب دیکھ چکا ہے اور تو غرق کیا گیا اور جلایا گیا اے احمقوں کے فضلے۔ پس ہمیں بتلا کہ کب تو پانی میں سے نکلا۔ بلکہ تو ندامت کے پانی میں بدبختوں کی طرح ڈوب گیا اور کہاں تجھے آگ سے نجات حاصل ہوئی۔ بلکہ تو اس حسرت کی آگ سے جل گیا جو شریروں پر بھڑکتی ہے اور تیرے پر آگ ٹھنڈی نہ ہوئی بلکہ خدا کی رسوا کرنے کی آگ تجھ کو کھا گئی اور کئی دردوں کو تو جا ملا۔اور اسی طرح خدا مفتریوں کو رسوا کرتا ہے۔ (حجۃ اللہ۔خزائن ج ۱۲۔ ص ۲۱۹۔ ۲۲۰)

اوراس کے بعد ایک قصیدے میں عبدالحق غزنوی کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں

ومن کان مفتریا یضاع نسرعة   ویھلک کذاب بسم التخلق

اور مفتری جلد ہلاک کیا جاتا ہے اور کاذب جھوٹ کے زہر سے مرجاتا ہے،

رقصت کرقص بغیة فی مجالس   وفسقتنی مع کون نفسک افسق

اور تو نے بدکار عورت کی طرح رقص کیا اور مجھے فاسق ٹھہرایا حالانکہ تو سب سے زیادہ فاسق ہے

فذرنی و ربی اننی لک نا صح   و ان کذا با فاردی و اوبق

پس مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دے اگر میں کاذب ہوں تو ہلاک کیا جاؤں گا۔

(حجۃ اللہ ۔ص ۲۳۵ خزائن جلد۱۲)۔

اور پھر مرزا صاحب جلد ہی جھوٹ کے زہر سے مر گئے جب کہ مولانا عبدالحق اور مولانا عبدالجبار اور مولانا عبدالواحد ان کے بعد بھی برسوں زندہ رہے۔

حجۃ اللہ کے تعارف میں نسیم سیفی صاحب نے لکھا ہے

Ghulam Ahmad says the Shaikh of Batala had tried all he could to make the people refrain from those books (of Ghulam Ahmad). How he could justify himself in keeping the people away from these books... Then he (Mirza) writes prose and poetry and throws a challenge to Abdul Haq Ghaznavi and his colleague to present a writing of the same standard. Saifi P 55

☆ مرزا صاحب کی ایک کتاب کا نام کتاب البریۃ ہے ۔اس کے تعارف میں نسیم سیفی لکھتے ہیں

Ghulam Ahmad has also cited the abuses uttered against him by Nazir Hussain , Mohammsad Hussain, the Ghaznavi Group, Abdul Haq Ghaznavi and Rajendar Singh. Saifi P 59

☆ مرزا صاحب کی ایک کتاب رازحقیقت کے نام سے ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء کو شائع ہوئی اس میں محمد حسین بٹالوی محمد بخش جعفر زٹلی اور سید ابوالحسن کو خطاب ہے اور ان اشتہاروں کا ذکر ہے جو انہوں نے مرزا کے بارے میں مختلف مواقع پر شائع کئے تھے۔ اور مرزا صاحب نے اپنی اس پیش گوئی کا ذکر کیا ہے جو ان تینوں کی ۱۳ مہینوں میں ذلت کے بارے میں ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے پورا ہونے کا انتظار کرو ۔ اور اس میں حضرت عیسی کی قبر کے متعلق تحقیقات کا ذکر ہے۔ اور اشتہار فوری ذلت کا ذکر ہے جو بقول مرزا صاحب مولانا بٹالوی کو پہنچ بھی چکی تھی۔اس کے علاوہ اس میں مباہلے کا بھی ذکر ہے

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ شیخ محمد حسین صاحب بٹالوی بار بار یہی کہتے رہے کہ ہم صادق اور کاذب کے پرکھنے کے لئے مباہلہ چاہتے ہیں ... لیکن ساتھ اس کے یہ بھی

درخواست ہے کہ اگر ہم کاذب ٹھہریں تو فوری عذاب ہم پر نازل ہو ۔ اس کے جواب میں میں نے اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ میں مفصل لکھ دیا ہے کہ مباہلہ میں فوراً عذاب نازل ہونا بالکل خلاف سنت ہے ۔ (ص ۱۷۳ راز حقیقت خزائن جلد ۱۴)

یعنی مرزا صاحب کو مولانا بٹالوی کی شرائط پر مباہلہ کرنا منظور نہیں ہے ۔
نسیم سیفی صاحب نے راز حقیقت کے تعارف میں لکھا ہے

At the very outset Ghulam Ahmad draws the attention of his followers that the prayer duel with Mohammad Hussain is to mature on the 15th January 1900, they should, therefore, be on the look out for the result of this duel."

In the epilogue of the book Ghulam Ahmad says that he is grateful to God that it has been proved that the tomb which is in Khanyar , srinagar and is said to e the tomb of Yuz asaf, is really the tomb of Jesus christ; this has helped to prove the truth of his claim greatly . Nasim Saifi P 64 .

☆ مرزا صاحب کی کتاب کشف الغطاء ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء کو شائع ہوئی ۔ یہ کتاب مولانا بٹالوی کے خلاف ہے اور اس میں بٹالوی صاحب اور ان کے دوستوں ابوالحسن تبّتی اور محمد بخش جعفر زٹلی کے اشتہارات کا بھی ذکر ہے ۔ اور مرزا نے حکومت وقت سے کہا ہے کہ ہم تو آپ کے وفادار ہیں جبکہ محمد حسین بٹالوی سلطان روم کی تعریف کرتا ہے ۔ وغیرہ

کشف الغطاء کے ضمیمے میں جو صفحہ ۲۱۴ سے شروع ہوتا ہے مرزا لکھتے ہیں

. مجھے اس رسالہ کے لکھنے کے بعد محمد حسین بٹالوی صاحب اشاعۃ السنہ کا انگریزی میں ایک رسالہ ملا جس کو اس نے وکٹوریہ پریس لاہور میں چھاپ کر بماہ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں شائع کیا ہے ۔ اس رسالہ کے دیکھنے سے مجھے نہائت افسوس ہوا کیونکہ اس نے اس میں میری نسبت اور نیز اپنے اعتقاد مہدی کی نسبت نہائت قابل شرم جھوٹ سے کام لیا ہے .... دوسرا امر جو اسی رسالہ میں محمد حسین نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ گویا میں نے کوئی الہام اس مضمون کا شائع کیا ہے کہ گورنمنٹ عالیہ کی سلطنت آٹھ سال کے عرصہ میں تباہ ہو جائے گی ۔ میں اس بہتان کا جواب بجز اس کے کیا لکھوں

کہ خدا جھوٹے کو تباہ کرے۔ میں نے ایسا الہام ہرگز شائع نہیں کیا۔

(کشف الغطا خزائن ۱۴۔ص۲۱۴۔۲۱۶)

ہم بتا چکے ہیں کہ مرزا صاحب اس جگہ جھوٹ بول رہے ہوں کیونکہ انہوں نے

سلطنت برطانیہ تا ہشت سال

والہ الہام واقعتاً کررکھا تھا جس کی گواہی اس کے بیٹوں نے بھی دی ہے۔اس جھوٹ کے بعد آپ نے کئی صفحات مولانا بٹالوی کے خلاف لکھے ہیں۔اور پھر صفحہ ۲۲۴ پر پوری ہوگئی کے عنوان سے ۱۳ ماہیہ پیش گوئی کا ذکر ہے۔ اور آخر میں صفحہ ۲۲۶ پر مرزا صاحب نے حکومت سے اپیل کی ہے کہ محمد حسین کے خلاف مجھے تحفظ دیا جائے۔(یہ وہ شخصیت ہیں جن کا کہنا ہے و اللہ یعصمک من الناس)۔

نسیم سیفی صاحب کشف الغطاء کے ضمیمے کے بارے میں لکھتے ہیں

A supplement to the book also draws the attention of the government to the fact that Mohammad Hussain has published an issue of Ishaatus Sunna in English in which he has shamelessly told lies about him and his claim. Saifi P 65.

☆ مرزا صاحب کی کتاب حقیقت المہدی فروری ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔

اس کتاب میں مرزا صاحب نے محمد حسین صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے

. اس بے چارے نے میری بدخواہی کے لئے اپنا آرام حرام کردیا۔ بٹالہ سے بنارس تک اپنا قابل شرم استفتاء لے کر میرے کفر کی نسبت مہریں لگواتا پھرا۔

(خزائن جلد۱۴۔حقیقت المہدی۔ص۴۳۵)۔

اور لکھتے ہیں کہ محمد حسین نے

. قوم کو اکسانا شروع کیا اور میری نسبت یہ فتوی شائع کیا کہ اس شخص کا قتل کرنا موجب ثواب ہے چنانچہ اس کے فتوی کو دیکھ کر اور کئی مولویوں نے بھی قتل کا فتوی دے دیا. (خزائن جلد۱۴۔حقیقت المہدی۔ص۴۳۵۔۴۳۶)

اس کتاب کے بارے میں نسیم سیفی قادیانی نے لکھا ہے

In this book Ghulam Ahmad compares his own views about the advent of

Mahdi with the views of those who call themselves Ahl-i-Hadith or the Wahhabis and shows that it is the Wahhabis who believe in the advent of a Mahdi who will shed blood while his own belief is that the mahdi has to work for the supremacy of Islam peacefully. Ghulam Ahmad intended this statement to be read by the officials of the government.. He adds a detailed statement of his beliefs and his claim in Arabic and Persian and calls upon Mohammad Hussain to do the same so that these statements could be sent to various countries. Saifi P 68

☆ تحفہ غزنویہ ۔مرزا صاحب کی اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ غزنویوں کے خلاف ہے۔اس میں ایک جگہ آپ نے لکھا ہے

. میاں عبدالحق صاحب غزنوی نے ایک اشتہار نکالا ہے جو درحقیقت مولوی عبد الجبار اوران کے بھائیوں کی طرف سے معلوم ہوتا ہے۔اس اشتہار میں جس قدر سخت بیانی اورٹھٹھا اورہنسی ہے جو قدیم سے طریق سفہاء کا ہے... یہ اشتہار دو رنگ کے حملوں پر مشتمل ہے۔اول میاں عبدالحق نے بعض گذشتہ نشانوں اور پیش گوئیوں کو جو فی الواقع پوری ہوچکیں یا وہ جوعنقریب پوری ہونے کو ہیں پیش کر کے عوام کو یہ دھوکہ دینا چاہا ہے کہ گویا پوری نہیں ہوئیں۔ مثلاً ڈپٹی آتھم والی اور احمد بیگ والی اور اس کے داماد (سلطان محمد) کی.... (تحفہ غزنویہ خزائن ج ۱۵ صفحہ ۵۳۴)۔

پھرمرزا صاحب نے جواب دینے کی کوشش کی ہے

دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمد والی پیش گوئی مرزا صاحب کی زندگی کے آخر تک پوری نہیں ہوئی اور اس بات کا خود مرزا صاحب نے اپنی موت سے ڈیڑھ ماہ قبل اقرار کیا ہے جیسا کہ ان کے ملفوظات میں ۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء کا ایک واقعہ یوں لکھا ہے

. کسی معترض کا ایک خط مولوی محمد احسن کی خدمت میں آیا تھا جس میں اس نے مرزا احمد بیگ والی پیش گوئی پر اعتراض کیا تھا مولوی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں بوقت سیر اس کا تذکرہ کیا۔حضرت اقدس نے فرمایا۔ایسے آدمی سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہیے کہ آیا تم کلمہ گو بھی ہو یا نہیں؟ اورآنحضرت ﷺ اورانبیاء

سابقین پر بھی ایمان رکھتے ہو یا کہ نہیں؟ .....ان سے یہ سوال کیا جائے کہ جو ہزارہا بین نشان موجود ہیں ان سے تم نے کیا فائدہ اٹھایا؟ (یعنی صاف اقرار ہے کہ یہ احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کے روز نکاح ہمراہ محمدی بیگم سے ڈھائی سال کے اندر مرنے کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی).....دیکھو آنحضرت ﷺ کا صلح حدیبیہ کا معاملہ جس میں بعض بڑے بڑے اکابر صحابہ کو بھی ٹھوکر لگ گئی تھی .... پھر آنحضرت ﷺ کا اس امر کا اظہار فرمانا کہ ابوجہل مسلمان ہو جائے گا (مرزائی کہتے ہیں کہ ابوجہل کی نسبت دیکھا گیا کہ بہشتی انگور کا خوشہ اس کو ملا ہے مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔ بدر ۲۲ اپریل ۱۹۰۸ء)۔ دیکھو ہماری اس پیشگوئی کی ایک ٹانگ تو اسی وقت پیش گوئی کے عین مطابق ٹوٹ گئی جس کی وجہ سے ان لوگوں پر خوف طاری ہوا..... حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی اپنی کتاب فتوح الغیب میں لکھتے ہیں کہ قد یوعد ولا یوفی کہ بعض وعدے خدا تعالی کے ایسے بھی ہوتے ہیں جو پورے نہیں کئے جاتے۔خود قرآن میں متشابہات کا ذکر ہے ۔مومن اور کافر میں ایسے متشابہات سے تمیز ہو جاتی ہے ۔اور چھپے ہوئے مرتد اور منافق لوگوں کے الگ کرنے کا یہ ایک آلہ ہوتے ہیں ۔

(ملفوظات جلد ۱۰ص ۲۲۵۔۲۲۸)۔

قصہ مختصر یہ کہ ۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء تک احمد بیگ کے داماد سلطان محمد کی موت کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی تھی ۔ اور ۱۹۰۸ء سے کئی سال پہلے مولوی عبدالحق صاحب نے کہا کہ یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوئی تو کیا انہوں نے غلط کہا؟)

نسیم سیفی قادیانی صاحب نے تحفہ غزنویہ کے بارے میں لکھا ہے

The book was written in 1900 but was publishe on 3rdOctober 1902. it was a reply to a poster published by Abdul Haq ghaznavi. The posterAhmad... Nasim saifi P 74

☆ مرزا صاحب کی ایک کتاب کا نام تحفہ گولڑویہ ہے جس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو مخاطب کر کے لکھی گئی ہے ۔جیسا کہ خود مرزا صاحب فرماتے ہیں

میرے رسالہ تحفہ گولڑویہ اور تحفہ غزنویہ کو ہی دیکھو جو پیر مہر علی شاہ اور غزنوی

جماعت عبدالجبار و عبدالواحد و عبدالحق وغیرہ کی ہدائت کیلئے لکھی گئی ہیں

(اربعین نمبر۲ خزائن ۱۷ ص ۳۷۰)

تحفہ گولڑویہ میں محمد حسین بٹالوی کا ذکر فرماتے ہوئے مرزا صاحب لکھتے ہیں

. اول المکفرین وہی تھے۔ اور اس آگ کو اپنی شہرت کی وجہ سے تمام ملک میں سلگانے والے میاں نذیر حسین صاحب دہلوی تھے .

(خزائن جلد ۱۷۔ تحفہ گولڑویہ ص ۲۱۵)

اور فرماتے ہیں

. اس الہام میں خدا تعالی نے استفتاء لکھنے والے (محمد حسین) کا نام فرعون رکھا اور فتوی دینے والے (نذیر حسین) کا نام جس نے اول فتوی دیا ہامان

(خزائن جلد ۱۷۔ تحفہ گولڑویہ ص ۶۷)

تحفہ گولڑویہ میں وہ خواب بھی بیان ہوا ہے جس میں مرزا صاحب دربار رسالت میں حاضر کئے گئے تھے۔ اس خواب میں اس دور کے مشہور کارکنان تحریک کے نام ملتے ہیں۔ جو یہ ہیں ۔ محمود شاہ واعظ ۔ محمد علی بھوپڑی واعظ ۔ محمد حسین بٹالوی۔ عبدالحق غزنوی۔ عبدالجبار غزنوی ۔ عبدالواحد غزنوی ۔ رسل بابا امرتسری ۔ احمد اللہ امرتسری ۔ میاں چٹو لاہوری ۔ سید نذیر حسین ۔ محمد لدھیانوی ۔ عبدالعزیز لدھیانوی ۔ محمد حسن رئیس لدھیانہ ۔ حافظ عبدالمنان وزیرآبادی

ضمیمہ تحفہ گولڑویہ میں محمد حسین بٹالوی مولوی اسماعیل علی گڈھی مولوی غلام دستگیر مولوی محی الدین عبدالرحمٰن مولوی رسل بابا مولوی عبدالحق غزنوی اور عبدالجبار غزنوی پیر مہر علی شاہ منشی الہی بخش رشید گنگوہی سید نذیر حسین اور حافظ محمد یوسف ضلع دار کا ذکر ہے

نسیم سیفی قادیانی نے تحفہ گولڑویہ کے تعارف میں لکھا ہے

Hafiz Mohammad Yusuf, Ghulam Ahmad says, has said it emphatically in a gathering of well meaning persons that a false claimant to revelation could live as long as 23 years after his his claim , He can even live longer. In other words, what Mohammad Yusuf says is that to live 23 years after the claim of being a recipient of revelation is not proof of the truth of the claimant.

Ghulam Ahmad says that Mohammad Yusuf 's assertion is not correct. He quotes the Holy Quran to prove his case (wa low taqawaala alaina ba'zal aqaweel la akhazna minho bil yamin summa laqata'ana minhulwatin). Ghulam Ahmad says that Mohammad Yusuf should not have disagreed with the verse of Holy Quran . " (Also,) Ghulam Ahmad asked him (Mehr Ali) to pick some verses of the Holy Quran by lot and write a commentary on them . Saifi P 81-82

☆ مرزا صاحب کی اربعین نمبر۲ میں محمد حسین بٹالوی سید نذیر حسین دہلوی عبد الجبار غزنوی مولانا رشید احمد گنگوہی اور پیر مہر علی صاحب کو خطاب ہے

☆ مرزا صاحب کی اربعین نمبر۳ میں مولوی اسماعیل علی گڈھی مولوی غلام دستگیر قصوری کی کتابوں ذکر ہے جن میں بقول مرزا صاحب انہوں نے تحریری مباہلہ کیا تھا اور انجام کار وہ مجھ صاحب سے پہلے مر گئے ۔ (یہ مرزا صاحب کا جھوٹ ہے اور اس کا تذکرہ ہم نے کئی جگہ کیا ہے) ۔ اس کے علاوہ اس اربعین میں ذکر ہے کہ مولوی غلام دستگیر کی موت سے شیخ محمد حسین عبد الجبار غزنوی عبد الحق غزنوی پیر مہر علی شاہ مولانا رشید احمد گنگوہی میاں نذیر حسین دہلوی مولوی رسل بابا امرتسری منشی الٰہی بخش اور حافظ محمد یوسف ضلعدار وغیرہ کی کمریں ٹوٹ گئی ہیں ۔ حافظ محمد یوسف صاحب کا خاص طور پر ذکر ہے اور انہیں لو تقول کے بارے میں چیلنج بھی دیا ہے ۔

☆ مرزا صاحب کی تصنیف اعجاز المسیح کے بارے میں نسیم سیفی صاحب لکھتے ہیں

Ghulam Ahmad had invited Pir Mehr Ali Shah and others to a public meeting at Lahore where they would pick a chapter of the Holy Quran by lot and comment upon 40 of its verses. No body accepted the invitation. But, without informing Ghulam Ahmad, the pir proceeded to Lahore and issued a note that a debate will be held before the writig of the commentary. Ghulam Ahmad knew nothing of his arrival there . The followers of Pir Mehr Ali had won a victory; they even hurled filthy

abuses on Ghulam Ahmad. Ghulam Ahmad issued a poster on 15 december 1900 calling upon Pir once again ..Saifi .p 86

☆ مرزا صاحب کی کتاب نزول المسیح کے بارے میں نسیم سیفی نے لکھا ہے کہ یہ

is a reply to and refutation of the views expressed on different matters by the editor of Paisa Akhbar and Pir Mehr Ali Shah. The book was written in July/August 1902 but its final stages of printing and availability to the readers was, for some reason or the other, delayed until 25 August 1909. Saifi P 9②

☆ مرزا صاحب کی تصنیف کشتی نوح میں ڈاکٹر کلارک والے مقدمے کا ذکر ہے جو اس نے مرزا صاحب پر دائر کیا تھا اور مولانا بٹالوی اس میں گواہ کے طور پر پیش ہوئے تھے۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے

. جیسا کہ مسیح کے مقدمہ میں یہودی مولویوں نے جا کر گواہی دی تھی ضرور تھا کہ اس مقدمہ میں بھی کوئی مولویوں میں سے گواہی دیتا۔ اس لئے اس کام کیلئے خدا نے مولوی محمد حسین بٹالوی کا انتخاب کیا۔ اور وہ ایک بڑا لمبا جبہ پہن کر گواہی کیلئے آیا

(کشتی نوح خزائن جلد ۱۹ص ۵۵)

اور . اسی طرح مسیح کے وقت وہ یہودی ہلاک ہو گئے جو اہل حدیث کہلاتے تھے.... یہودیوں میں حضرت مسیح کے منکر اہل حدیث ہی تھے ..

(کشتی نوح خزائن جلد ۱۹ص ۶۴-۶۵)

ایک اور موقع پر . حضرت اقدس نے اپنا ایک پرانا الہام سنایا یا یحی خذ الکتاب بقوۃ و الخیر کلہ فی القرآن اور فرمایا کہ اس میں ہم کو حضرت یحی کی نسبت دی گئی ہے کیونکہ حضرت یحی کو یہود کی ان اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا جو کتاب اللہ تورات کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے اور ہر بات میں احادیث کو پیش کرتے تھے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہل حدیث کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے ہیں اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں .(ملفوظات ج ۳ ص ۲۷۲)

☆ ۶ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو شائع ہونیوالہ مرزا صاحب کا تحفہ ندوہ یوں شروع ہوتا ہے

آج ۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ایک اشتہار مجھے ملا جو حافظ محمد یوسف پنشنر کی طرف سے

میرے نام پر شائع ہوا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ میں ایک دفعہ زبانی اس بات کا اقرار کر چکا ہوں کہ جن لوگوں نے نبی یا رسول یا اور کوئی مامور من اللہ ہونے کا دعوی کیا تو وہ لوگ ایسے افتراء کے ساتھ جس سے لوگوں کو گمراہ کرنا مقصود تھا تیئیس برس تک زندہ رہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور پھر حافظ صاحب اسی اشتہار میں لکھتے ہیں کہ ان کے اس قول کی تائید میں ان کے ایک دوست ابو اسحاق محمد دین نام نے قطع الوتین نام ایک رسالہ بھی لکھا تھا جس میں مدعیان کاذب کے نام مع مدت دعوی تاریخی کتابوں کے حوالہ سے درج ہیں . (تحفہ ندوہ۔ خزائن جلد ۱۹ ص ۹۲)

اور بقول مرزا صاحب حافظ یوسف صاحب کہتے ہیں

. میں (یوسف) چاہتا ہوں کہ ندوۃ العلما کے سالانہ جلسہ میں جو ابتدائے ۹ اکتوبر ۱۹۰۲ء سے بمقام امرتسر منعقد ہوگا جس میں ہندوستان کے مشاہیر علماء شریک ہوں گے مرزا صاحب یہ اقرار لکھ دیں کہ رسالہ قطع الوتین میں جو نظائر پیش کی گئی ہیں اگر مقرر کردہ حکم کے نزدیک یعنی ندوہ کے علماء کے نزدیک محک امتحان پر پوری اتریں.... کہ جس عمر کو ابتداء وحی سے میں نے پایا ہے اور جس انکشاف سے اور پورے زور اور یقین سے خدا کی وحی پر میرا دعوی ہے اور میں نے جس طرح ہزار ہا کلمات خدا تعالی کی وحی کے اپنی نسبت لکھے ہیں اور دنیا میں مشہور کئے ہیں ایسا ہی ان لوگوں نے مشہور کئے تھے اور خدا پر افتراء کیا تھا پھر وہ ہلاک نہ ہوئے بلکہ میری جیسی ان کی بھی جماعت ہوگئی تو ایسی صورت میں مجھے اس مجلس میں توبہ کرنی چاہیے ۔ میں (مرزا) قبول کرتا ہوں کہ ندوہ کے علماء اگر ان کو خدا نے چشم بصیرت دی ہے اور تقوی اور انصاف بھی ہے اور پورا غور کرنے کے لئے وقت بھی ہے تو وہ ضرور میرے بیان اور حافظ صاحب کی قطع الوتین دیکھ کر سچا فتوی دے سکتے ہیں ۔ مگر میں ندوہ کے پاس امرتسر نہیں آ سکتا کیونکہ میرا ان لوگوں پر حسن ظن نہیں ہے ۔ سچی بات ہے کہ میں نہ تو ان لوگوں کو متقی سمجھتا ہوں اور نہ عارف حقائق قرآن خیال کرتا ہوں..... پھر میں ان کا حکم ہونا کس وجہ سے منظور کروں ۔ ہاں اگر چند منتخب مولوی ان میں سے بطور طالب حق قادیان آ جاویں تو میں زبانی ان کو تبلیغ کر سکتا ہوں ۔ ورنہ خدائی کام چل رہا ہے . (خزائن جلد ۱۹ تحفہ ندوہ ۹۴۔۹۵) ۔ (یعنی مرزا صاحب

نے میدان میں آنے سے انکار کر دیا۔)

تحفہ ندوہ کے آخر پر مد ضلع امرتسر والے مناظرے کے بارے میں دس ہزار روپئے کا اشتہار ہے ۔ (خزائن جلد ۱۹ تحفہ ندوہ ص ۲۰۲ ۔ ۲۰۵)

اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ میں واقعہ مد پر شاعری کر رہا ہوں ۔ میرے اشعار کے جواب میں قصیدہ لکھو تا کہ فیصلہ ہو کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون؟ (کسی کو جواب لکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ فیصلہ تو مد میں ہی ہو گیا تھا کہ مرزائی جھوٹے ہیں ۔ اور مرزا صاحب کے اپنے اشعار سے بھی شکست جھلکتی ہے)

نسیم سیفی صاحب تحفہ ندوہ کی وجہ تصنیف یوں بیان کرتے ہیں

It so happened that Nadwatul Ulama held a meeting at Amritsar on 9th -11th October 1902. Before that , Hafiz Mohammad Yusuf published a poster which Ghulam Ahmad replied in the following terms: '.....Saifi .P 97

☆ مولوی جلال دین صاحب لکھتے ہیں مرزا صاحب کی کتاب . اعجاز احمدی ضمیمہ کتاب نزول المسیح مرقومہ ۸ نومبر ۱۹۰۲ء جس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کے انعام کا اشتہار ہے ۱۵ نومبر ۱۹۰۲ء کو شائع کی گئی ۔ اس کی وجہ تالیف یہ ہے کہ مد ضلع امرتسر میں مولوی ثناء اللہ سے مناظرہ کے لئے مرزا صاحب نے مولوی سرور شاہ اور مولوی عبداللہ کشمیری کو بھیجا ۔ دوران مباحثہ مولوی ثناء اللہ نے کہا کہ مرزا صاحب کی تمام پیش گوئیاں جھوٹی نکلیں ۔ دوسرے یہ کہ میں مرزا صاحب سے مباہلہ کے لئے تیار ہوں ۔ (جب سرور شاہ نے مد سے واپس قادیان آ کر مناظرے کی کاروائی سنائی تو مرزا صاحب کہتے ہیں کہ) . میں نے خدا تعالی سے درخواست کی کہ ایک سادہ قصیدہ بنانے کے لئے روح القدس سے میری تائید فرما دے جس میں مباحثہ مد کا بھی ذکر ہو ۔ اور میری وہ دعا منظور ہو گئی اور روح القدس سے ایک خارق عادت مجھے تائید ملی (خزائن ۔ جلد ۱۹ ۔ اعجاز احمدی ۔ ابتدائیہ ص ۸) اور یوں وہ اعجازی قصیدہ وجود میں آیا جس کے چند اشعار یہ ہیں ۔

فجائوا بذئب بعد جهد آذابهم　　و نعني ثناء اللى منه و نظهر

پھر بہت کوشش کے بعد (ہمارے مخالفین مناظرے کے لئے) ایک بھیڑیئے کو لائے اور مراد ہماری اس سے ثناء اللہ ہے اور ہم ظاہر کرتے ہیں

و اوجس خیفة شرہ بعض رفقتی لما عرفوا من خبث قوم تنمروا

اور پوشیدہ طور پر میرے بعض رفیقوں (سرور شاہ وغیرہ) کے دلوں میں خوف ہوا کیونکہ قوم کی درندگی انہوں نے معلوم کر لی تھی

دفا ھم عما یات الا ناس و حمقھم رئوا مد قوم و المدی قد شھروا

قوم کی جہالتوں نے ان (سرور شاہ وغیرہ) کو خستہ کر دیا موضع مد کو انہوں نے ایسی صورت میں دیکھا جو چھرئیں نکالی ہوئی ہیں

فصاروا بمد للر ماح دریة و یعلمھا احمد علی المد بر

پس میرے دوست (سرور شاہ وغیرہ) مد میں تیروں کا نشانہ بن گئے اوراس بات کو احمد علی جو میر مجلس تھا خوب جانتا ہے

و انکر آ یا تی و انکر دعوتی و انکر الہا می و قال مزور

اور (ثناء اللہ نے) میرے نشانوں سے انکار کیا اور میری دعوت سے انکار کیا اور میرے الہام سے انکار کیا اور کہا کہ یہ ایک جھوٹا آدمی ہے

و کذ بنی با لبخل من کل صورة و خطاء نی فی کل وعظ اذکر

اوراس (ثناء اللہ نے) نے ہرایک صورت سے مجھے کاذب ٹھہرایا اور ہرایک وعظ میں جو میں نے کیا مجھے خطا کی طرف منسوب کیا

فافردت افراد الحسین بکر بلا و فی الحی صرنا مثل من کان یقبر

پس اس جگہ میں اکیلا رہ گیا جیسا کہ حسین کربلا میں ۔ اور اس قوم میں ہم ایسے ہوگئے جیسا کہ مردہ دفن کیا جاتا ہے

الا رب خصم قد رئیت جدا لہ و ما رئینا مثلہ من یزور

خبردار ہو میں نے بہت بحث کرنے والے دیکھے ہیں مگر اس (ثناء اللہ) جیسا فریبی میں نے کوئی نہیں دیکھا

اغلط اعجازی حسین یعلمہ و ھیئات ما حول الجھو ل اتسخر

کیا میری کتاب اعجاز المسیح کی محمد حسین نے غلطیاں نکالیں ۔ اور یہ کہاں ہوسکتا ہے اور محمد حسین کی کیا طاقت ہے، کیا ہنسی کر رہا ہے

و ان کا ن فی شیء بعلم حسینکم فما لک لا تدعوہ و الخصم یحصر

اور اگر تمہارا محمد حسین کچھ چیز ہے پس تو اس کو کیوں نہیں بلاتا اور دشمن سخت گرفت کر رہا ہے

و نحسبه کا لحوت فات بنظمه　　متی حل بحراً نقتنصمه و ناسر

اور ہم تو اس کو ایک مچھلی کی طرح سمجھتے ہیں پس اس کی نظم پیش کر جب وہ شعر کے بحروں میں سے کسی بحر میں داخل ہوگا تو ہم اس کو شکار کرلیں گے اور پکڑ لیں گے

و ان یا تنی اصبحه کا ساً من الہدی　فا حضره للا ملاء ان کان یقدر

اگر وہ میرے پاس آئے گا تو اسی صبح ہدائت کا پیالہ پلاؤں گا۔ پس اس کو لکھنے کے لئے حاضر کر اگر وہ لکھنے کے لئے طاقت رکھتا ہے۔

اذا ما ابتلاه الله با لا رض سخطة　　بلا ئل قا لوا مکر م و معزز

جب خدا نے بے زاری کے طور پر اس (محمد حسین) کو زمین لائل پور میں دی تو مخالفوں (ثناء اللہ) نے کہا کہ اس کی بڑی عزت ہے

اذا نحن با رز نا فاین حسینکم　　و ان کنت تحمده فا علن و اخبر

جب ہم میدان میں آئے تو تمہارا حسین کہاں ہوگا اور اگر تو اس کی تعریف کرتا ہے پس اس کو خبر دے دے

اتحسبه حیاً و تا الله اننی　　اراه کمن ید فی و یفنی و یقبر

کیا تو اس کو زندہ سمجھتا ہے اور بخدا میں دیکھتا ہوں اس کو مثل اس شخص کے جو کشتہ ہے اور مر گیا اور قبر میں دا خل ہو گیا

و ما ان قنطنا و الر جاء معظم　کذالک و حی الله یدری و یخبر

اور ہم اس (محمد حسین) کے ایمان سے ناامید نہیں ہوئے بلکہ امید بہت ہے اسی طرح خدا کی وحی خبر دے رہی ہے

سیبدی لک الر حمن مقسوم حبکم　سعید فلا ینسیه یوم مقدر

تجھ پر خدا تعالی تیرے دوست محمد حسین کا مقسوم ظاہر کر دے گا۔ سعید ہے پس روز مقدر اس کو فراموش نہیں کرے گا

و یحی با یدی الله و الله قادر　و یا تی زمان الرشد و الذنب یغفر

اور خدا کے ہاتھوں سے زندہ کیا جائے گا اور خدا قادر ہے اور رشد کا زمانہ آئے گا اور گناہ بخش دیا جائے گا

فیسقونه ماء الطہارة و التقی　نسیم الصبا تا تی بریا یعطر

پس پاکیزگی اور طہارت کا پانی اسے پلائیں گے اور نسیم صبا خوشبو لائے گی اور معطر کر دے گی

و ان کلا می صادق قول خا لقی　و من عاش منکم بر ھة فسینظر

اور میرا کلام سچا ہے اور میرے خدا کا قول ہے۔ اور جو شخص تم میں سے کچھ زمانہ زندہ رہیگا وہ دیکھ لے گا

اتعجب من ہذا فلا تعجبن لہ کلام من المولی و وحی مطہر

کیا تو اس سے تعجب کریگا پس کچھ تعجب نہ کر یہ خدا کا کلام ہے اور پاک وحی ہے

و ما قلتہ من عند نفسی کراجم اریت و من امر القضا اتحیر

اور میں نے اپنے ہی دل سے اٹکل بات نہیں کی بلکہ کشفی طور پر مجھے دکھلایا گیا اور میں اس سے حیران ہوں

اقلب حسین یھتدی من یظنہ عجیب و عند اللہ ھین و ایسر

کیا محمد حسین کا دل ہدائت پر آجائے گا یہ کون گمان کرسکتا ہے عجیب بات ہے اور خدا کے نزدیک سہل اور آسان ہے

ثلثہ اشخاص بہ قد رئیتھم و منھم الٰہی بخش فاسمع و ذکر

تین آدمی اس کے ساتھ اور ہیں۔ ایک ان میں سے الٰہی بخش اکونٹنٹ ہے پس سن اور سنادے

لعمرک ذقنا دون ذنب رماحھم فما سرنا الا دعاء یکرر

تیری قسم کہ ہم نے بغیر گناہ کے ان کے نیزوں کا مزہ چکھا پس ہمیں یہی اچھا معلوم ہوا کہ ان کے حق میں دعا کرتے ہیں

متی ذکروا یغتم قلبی بذکرھم بما کان وقت بالملاقات نبشر

جب وہ ذکر کئے جاتے ہیں تو میرا دل غمناک ہوجاتا کیونکہ یاد آتا ہے کہ ایک دن ہم ملاقات سے خوش ہوتے تھے

ءارضعت من غول الغلا یا ابا الوفا فمالک لا تخشی و لا تتفکر

کیا تجھے جھوٹ کا دودھ پلایا گیا، اے ثناء اللہ۔ پس تجھے کیا ہوگیا کہ نہ ڈرتا ہے نہ فکر کرتا ہے

عقرت بمد صحبتی یا ابا الوفا بسب و توہین فربی سیقہر

اے ثناء اللہ تو نے مدمیں ہمارے دوستوں کو رنج پہنچایا گالی سے اور توہین سے پس میرا خدا عنقریب غالب ہوجائے گا۔

(خزائن جلد ۱۹ ضمیمہ نزول المسیح (اعجاز احمدی ص ۱۵۰۔ ۱۶۳)

مرزا صاحب کے بقول یہ اعجازی قصیدہ ہے جو انہوں نے روح القدس کی مدد سے لکھا ہے۔ اس قصیدے میں آپ فرماتے ہیں کہ مجھے وحی آئی ہے کہ محمد حسین بٹالوی اور منشی الٰہی بخش مرزائی ہوجائیں گے۔

قدرت نے مرزا صاحب کے اس اعجازی قصیدے سے ان کے کذاب ہونے کا اعجازی نشان ظاہر کر دیا کہ نہ محمد حسین کبھی مرزائی ہوا اور نہ منشی الٰہی بخش واپس مرزائیت میں داخل ہوا۔

نسیم سیفی صاحب اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

It was written on the request of Sana Ullah , one of the bitterest opponents of Ghulam Ahmad, and it was completed in 5 days. It also mentions Pir Mehr Ali Shah , Asghar ali, Ali Hairy (Shia). Ghulam Ahmad refers to a book written by a jew who , he says, is just like Sanaullah or Mohammad Hussain' .He throws a challenge to Sanaullah for a prayer duel. Saifi P 98

مرزا صاحب نے اعجاز احمدی میں مولانا ثناء اللہ کو چیلنج کیا تھا کہ وہ پیش گوئیوں کی پڑتال کے لئے قادیان نہیں آئیں گے۔ لیکنن جب مولانا قادیان پہنچ گئے اور مرزا صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دی تو مرزا صاحب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے ۔ ان کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور ان کی زبان بے قابو ہوگئی ۔ مرزا بشیر احمد لکھتے ہیں

'بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں اعجاز احمدی کی تصنیف کے بعد مولوی ثناء اللہ قادیان آیا اور حضرت مسیح موعود کے ساتھ اسکی دستی خط و کتابت ہوئی تو اس نے ایک دفعہ اپنا ایک آدمی کسی بات کے دریافت کرنے کیلئے حضرت صاحب کے پاس بھیجا ۔ ...۔ اس نے حضرت صاحب سے کوئی بات پوچھی اور حضرت صاحب نے اس کا جواب دیا۔ جس پر اس نے کوئی سوال کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کام یا یہ بات کون کرے۔ مولوی (شیر علی) صاحب کہتے ہیں کہ سوال مجھے یاد نہیں رہا مگر اس پر حضرت صاحب نے اسے فرمایا 'تو' ۔ مولوی (شیر علی) صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس دفعہ کے علاوہ کبھی حضرت مسیح موعود (مرزا) کے منہ سے کسی شخص کو تو کہتے نہیں سنا۔ موافق ہو یا مخالف ۔ غریب سے غریب اور چھوٹے سے چھوٹا بھی ہوتا تھا تو حضرت صاحب اسے ہمیشہ آپ کے لفظ سے مخاطب کرتے تھے ۔ مگر اس وقت اس شخص کو آپ نے خلاف عادت تو کا لفظ کہا اور ہم سب نے اس بات کو عجیب سمجھ کر محسوس کیا' (سیرۃ المھدی حصہ اول ص ۱۴۵) (

سیدھی سی بات ہے کہ مولانا کی آمد کا سن کر مرزا صاحب حواس باختہ ہو گئے تھے)۔

اور مرزا صاحب نے مولانا امرتسری سے مباحثہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور

ملفوظات جلد ۴ کے صفحہ ۲۱۴ پر ' مولوی ثناء اللہ کا ذکر ' کے عنوان سے لکھا ہے

' بابو شاہ دین صاحب نے ثناء اللہ کے (قادیان) آنے کا ذکر کیا تو (مرزا غلام احمد نے) فرمایا کہ لعنت لے کر چلا گیا اور جو منصوبہ وہ گھڑ کے لایا تھا اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ ہم نے اس کا ذکر اور جواب وغیرہ اس عربی کتاب میں کر دیا ہے اب جہلم سے واپس آ کر بشرط فرصت اردو میں لکھیں گے۔

(البدر جلد ۲ نمبر ۵ ص ۳۴ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۰۳ء)'

☆ مرزا صاحب کی ایک کتاب کا نام تذکرۃ الشہادتین ہے۔ اس کتاب میں دیگر باتوں کے علاوہ ڈاکٹر کلارک والے اس مقدمے کا ذکر ہے جس میں مولانا بٹالوی نے گواہی دی تھی۔ مرزا صاحب نے اس مقدمے کی کاروائی میں سے مسیح ابن مریم کے ساتھ اپنی مشابہتیں تلاش کی ہیں اور بڑے فخر سے عدالت میں کرسی ملنے کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ مجھے کرسی ملتی ہے جب کہ بٹالوی صاحب کو عدالت میں جھڑکیاں ملتی ہیں۔ یہ واقعہ ہم کسی جگہ تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ اور مسیح ابن مریم سے مرزا صاحب کی مشابہتوں کا بھی کسی جگہ تذکرہ ہو چکا ہے۔

☆ مرزا صاحب نے لدھیانہ میں ایک تقریر کی تھی جسے مرزائیوں نے **لیکچر لدھیانہ** کے نام سے شائع کیا۔ اس لیکچر میں بھی اوپر والے اس مقدمے کا ذکر ہے اور مرزا صاحب کہتے ہیں

. اس مقدمے میں مولوی محمد حسین نے بھی میرے خلاف بڑی کوشش کی اور خود شہادت دینے کے واسطے گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں پھنس جاؤں اور مجھے سزا ملے۔ مولوی محمد حسین کی یہ کوشش ظاہر کرتی تھی کہ وہ دلائل و براہین سے عاجز ہے

(لیکچر لدھیانہ۔ خزائن۔ جلد ۲۰۔ ص ۲۵۱)

اور فرمایا ہے کہ محمد حسین نے میرے خلاف فتوی جاری کرایا اور اس فتوے کو

. ہندوستان کے تمام بڑے شہروں میں پھرایا گیا اور دو سو کے قریب مولویوں اور مشائخوں کی گواہیاں اور مہریں اس پر کرائی گئیں .

(لیکچر لدھیانہ۔ خزائن۔ جلد۔۲۰ ص ۲۵۰)

☆ مرزا صاحب کی کتاب حقیقۃ الوحی کے بارے میں مرزائی کہتے ہیں کہ

. کتاب نصرۃ الحق ابھی زیر طبع ہی تھی کہ ایک فتنہ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی کے ارتداد کا اٹھا جس کے دفع کرنے کے واسطے آپ نے حقیقۃ الوحی ایک ضخیم کتاب جو سات سو صفحہ کی ہے تصنیف فرمائی۔ اور اس میں دو سو آٹھ نشانات کا ذکر بھی آپ نے فرمایا..... اس کے ختم کرنے پر (مرزا صاحب کا) ارادہ تھا کہ کتاب نصرۃ الحق کو مکمل کیا جاوے کہ انہی ایام میں آپ (مرزا) کا مضمون آریوں کے جلسہ میں پڑھا گیا جس کے بالمقابل آریوں کی طرف سے گالیوں سے بھرا ہوا لیکچر حضرت کے خدام کی حاضری میں سنایا گیا اس کے جواب میں کتاب چشمۂ معرفت جو ساڑھے تین سو صفحہ کی پر معارف کتاب ہے شائع فرمائی۔ ابھی اس کو شائع کیئے دو تین روز گذرے تھے کہ پیغام صلح لکھنے پر ضرورت وقت نے حضور کو توجہ دلائی وہ لکھ ہی رہے تھے اور ختم کیا ہی تھا کہ خدا تعالی کی طرف سے آپ کی طلبی کا پیغام آپہنچا اور رسالہ وصیت مجریہ ۱۹۰۶ء کی پیش گوئیوں کے مطابق الرحیل ثم الرحیل کا نقارہ بج گیا ۔(نزول المسیح کے آخر پر اشتہار بعنوان . اشاعت .) (خزائن جلد ۱۸۔ ص ۶۱۹)

مرزائیوں کے اس اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقۃ الوحی کے لکھے جانے کی ایک وجہ ڈاکٹر عبدالحکیم کے اٹھائے ہوئے فتنے کا سد باب تھا۔ جیسا کہ ایک جگہ خود مرزا صاحب لکھتے ہیں

. اب ہم ان وساوس کا جواب دیتے ہیں جن کا جواب بعض حق کے طالبوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے اور اکثر ان میں وہ وساوس ہیں جو عبدالحکیم خان اسسٹنٹ سرجن پٹیالہ نے تحریراً یا تقریراً لوگوں کے دلوں میں ڈالے ہیں .. میں نے ان چند وساوس کا جواب منشی برہان الحق صاحب شاہجہان پور کے اصرار سے لکھا ہے جو انہوں نے نہائت انکسار سے اپنے خط میں ظاہر کیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔ خزائن۔ جلد ۲۲ ص ۱۵۲)

اس کے علاوہ حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب نے اور بھی بہت سے لوگوں کے اعتراضات کے جواب دینے کی کوشش کی ہیں۔ جن میں مولانا بٹالوی اور مولانا امرتسری شامل ہیں۔ حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۴۶۲ سے مولانا ثناء اللہ کو خطاب ہے کہ ہماری کتاب

شائع ہو گی پھر تمہارا امتحان ہو گا پھر تمہارے ساتھ ہمارا مباہلہ ہو گا۔

تتمہ حقیقۃ الوحی (خزائن جلد ۲۲ ص ۵۳۳ ۔ ۵۴۰) میں ایک عنوان ہے

چمکتا ہوا نشان نمبر ۱۹۸ بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ پنشنز لاہور جھوٹا موسیٰ مر گیا

اور صفحہ ۵۴۰ کے آخر پر مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ

اب اول میں یہ لکھوں گا کہ جن الہامات کو اس (الٰہی بخش) نے اپنی کتاب عصائے موسیٰ میں لکھا وہ سب کے سب جھوٹے ثابت ہوئے اور بعد میں اس بات کا ثبوت دیا جائے گا کہ وہ میری پیشگوئی کے مطابق مرا ہے.... (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ الٰہی بخش صاحب کی موت مرزا صاحب کے کذب کا نشان ہے کیونکہ مرزا صاحب نے کہہ رکھا تھا کہ منشی صاحب دوبارہ مرزائی ہو جائیں گے۔ اور منشی صاحب اس پیش گوئی کے بعد مرزائی نہیں ہوئے بلکہ ان کی وفات مسلمان ہونے کی حالت میں ہوئی) پھر بے شمار صفحات منشی صاحب کے رد میں لکھے ہیں۔ اور منشی صاحب کی شان میں شاعری بھی فرمائی ہے۔ کہتے ہیں

الٰہی بخش کے کیسے تھے یہ تیر   کہ آخر ہو گیا ان کا وہ نخچیر

اسی پر اس کی لعنت کی پڑی مار   کوئی ہم کو تو سمجھا دے یہ اسرار

(درثمین احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۹۵۱ء۔ ص ۵۷ بحوالہ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

اور حقیقۃ الوحی میں مرزا صاحب ایک پیش گوئی یوں فرماتے ہیں

وہ گھڑی آتی ہے جب عیسیٰ پکاریں گے مجھے   اب تو تھوڑے رہ گئے دجال کہلانے کے دن

(درثمین ص ۷۷ بحوالہ حقیقۃ الوحی صفحہ آخر مطبوعہ ۱۹۰۷ء)۔

اس پیش گوئی کو کئے ہوئے ایک صدی گذرنے کو ہے لیکن ابھی تک نہ تو عیسائیوں نے آپ کو عیسیٰ مانا ہے نہ یہودیوں نے۔ نہ مسلمانوں نے مانا ہے نہ بدھوں نے۔ نہ ہندوؤں نے مانا ہے نہ سکھوں نے۔ نہ کمیونسٹوں نے مانا ہے نہ دہریوں نے۔

حقیقۃ الوحی میں ایک جگہ مرزا صاحب نے اپنے مخالفوں کے ذکر میں لکھا ہے

نذیر حسین دہلوی جو ان سب کا سرغنہ تھا جو دعوت مباہلہ میں اول المدعوین ہے۔ (حقیقۃ الوحی ۔خزائن جلد ۲۲ ص ۴۵۴)۔

اور محمد حسین کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے

جرأت کے ساتھ زبان کھول کر میرا نام دجال رکھا اور میرے کفر پر فتویٰ لکھوا کر

صد ہا پنجاب اور ہندوستان کے مولویوں سے مجھے گالیاں دلوائیں ۔ اور مجھے یہود ونصاری سے بدتر قرار دیا ۔ (خزائن ج ۲۲ حقیقۃ الوحی ص ۴۵۳) .

نسیم سیفی صاحب نے حقیقۃ الوحی کے تعارف میں لکھا ہے

In the epilogue of the book Ghulam Ahmad answers some of the objections raised by his opponents. The first thing that he talks about is the views expressed by one Dr Abdul Hakim.. Dr Abd al Hakim had also tried to mislead the people by saying that the prophecies that Ghulam Ahmad has announced had not come to pass; he was making special reference to the prophecy about Atham, the son in law of Ahmad Baig and Mohammad Hussain and his colleagues. Ghulam Ahmad explains them at length. " Ghulam Ahmad quotes what Abdul Hakim called to be his prophecies in respect of life of Ghulam Ahmad. He also mentions his own prophecy about Abdul Hakim. Saifi P 123

☆ مرزا صاحب کی براہین احمدیہ جلد پنجم جو انکی موت کے بعد شائع ہوئی اس میں مرزا صاحب کہتے ہیں کہ براہین احمدیہ کے

. پچاس حصے لکھنے کا رادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا ۔ اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا .

(براہین پنجم خزائن جلد ۲۱ ص ۹)

نیز فرماتے ہیں .

یہ بھی یاد رہے کہ جو براہین کے بقیہ حصے چھاپنے میں تئیس برس تک التواء رہا ۔ یہ التواء بے معنی اور فضول نہ تھا بلکہ اس میں یہ حکمت تھی کہ تا اس وقت تک پنجم حصہ دنیا میں شائع نہ ہو جب تک کہ وہ تمام امور ظاہر ہو جائیں جن کی نسبت براہین احمدیہ کے پہلے حصوں میں پیش گوئیاں ہیں ۔ (براہین پنجم خزائن جلد ۲۱ ص ۸)

نیز فرماتے ہیں

. خریداروں کی طرف سے بھی کتاب کے مطالبہ کے لئے سخت الحاح ہوا اور اس مدت

مدید اور اس قدر زمانہ التواء میں مخالفوں کی طرف سے بھی وہ اعتراض مجھ پر ہوئے کہ جو بدظنی اور بدزبانی کے گند سے حد سے زیادہ آلودہ تھے اور بوجہ امتداد زمانی درحقیقت وہ دلوں میں پیدا ہو سکتے تھے۔...اس بات کے تصور سے دل دردمند ہو جاتا ہے کہ بہت سے لوگ جو اس کتاب کے خریدار تھے اس کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی دنیا سے گذر گئے۔ (براہین پنجم خزائن جلد ۲۱ ص ۲۔۳)

یوں مرزا صاحب نے اقرار کیا ہے کہ بہت سے لوگ جنہوں نے کتاب کی پیشگی قیمت دے رکھی تھی وہ کتاب حاصل کئے بغیر چل بسے۔ آپ نے کہیں نہیں بتایا کہ مر جانے والے خریداروں کے وارثوں کو پیشگی ادا کی ہوئی قیمت واپس کر دی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر آپ نے اقرار کیا ہے کہ آپ نے لوگوں سے براہین احمدیہ کی پیشگی قیمت وصول کی ہے اور بہت سے لوگوں کو نہ ان کی رقم واپس کی ہے اور نہ مال ادا کیا ہے۔

یہی بات جب مولانا بٹالوی نے مرزا صاحب کے گوش گذار کی تھی تو ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ حالانکہ لین دین کا معاملہ حقوق العباد سے متعلق ہے اور قیامت کے روز اس کی بنا پر مرزا صاحب بہت مشکل میں ہوں گے۔

براہین پنجم میں مولانا بٹالوی اور سید نذیر حسین اور ان کے فتوے کا ذکر ہے لکھا ہے

. پھر فرماتا ہے کہ اس مکر کرنے والے کو یاد کر جو تجھے کافر ٹھہرائے گا اور تیرے دعوے سے منکر ہو گا وہ ایک اپنے رفیق سے استفتاء پر فتوی لے گا تا عوام کو اس سے افروختہ کرے۔ ہلاک ہو گئے دونوں ہاتھ ابی لہب کے جن سے وہ فتوی لکھا تھا (حاشیہ ۔ اس جگہ ابی لہب کے معنی ہیں آگ بھڑکنے کا باپ یعنی اس ملک میں جو تکفیر کی آگ بھڑکے گی دراصل باپ اس کا وہ ہو گا جس نے یہ استفتاء لکھا)

(براہین پنجم خزائن جلد ۲۱ ص ۸۴)

اور

. اس سے پہلی پیش گوئی اس استفتا کے بارے میں ہے جو مولوی محمد حسین کے ہاتھ سے اور مولوی نذیر حسین کے فتوی لکھنے سے ظہور میں آئی جس سے دنیا میں ایک شور اٹھا اور سب نے ہمارا تعلق چھوڑ دیا۔ اور کافر اور بے ایمان اور دجال کہنا موجب

ثواب سمجھا۔ (براہین پنجم خزائن جلد ۲۱ص ۸۵)۔

نیز لکھا ہے ۔اس سے پہلی پیش گوئی اس استفتاء کے بارے میں ہے جو مولوی محمد حسین کے ہاتھ سے اور مولوی نذیر حسین کے فتوی لکھنے سے ظہور میں آیا جس سے ایک دنیا میں شور اٹھا اور سب نے ہمارا تعلق چھوڑ دیا اور کافر اور بے ایمان اور دجال کہنا موجب ثواب سمجھا۔ (براہین پنجم ۔خزائن ص ۸۵)

براہین پنجم میں محمد اکرام اللہ خان شاہجہان پوری کے اعتراضات کا جواب ہے جو پیسہ اخبار ۲۲ مئی ۱۹۰۵ء میں مرزا صاحب کی پیش گوئیوں پر شائع ہوئے تھے۔

براہین پنجم کے ضمیمہ میں صفحہ ۲۶۵ سے ۳۰۵ تک مولانا بٹالوی کو خطاب ہے۔اور براہین جلد اول تا چہارم میں موجود پیش گوئیوں پر ان کے اعتراضات مطبوعہ کا جواب دینے کی کوشش میں لکھتے ہیں

. اب ہم چند شبہات مولوی ابو سعید محمد حسین بٹالوی کو جو انہوں نے پرچہ پیسہ اخبار ۱۹ جون ۱۹۰۵ء میں چھپوائے ہیں اس جگہ رفع کرتے ہیں ۔ (ص ۲۶۵)

اور آخر میں لکھتے ہیں ۔ اے نادان ۔اول تعصب کا پردہ آنکھ سے اٹھا۔ تب معلوم ہو جائے گا کہ سب پیش گوئیاں ہوگئیں ۔(براہین پنجم ضمیمہ۔خزائن ص ۳۰۵)

جہاں تک مرزا صاحب کی براہین احمدیہ میں کی گئی پیش گوئیوں کا تعلق ہے وہ ہماری اس کتاب میں جا بجا زیر بحث آئی ہیں۔ اس موقع پر ہم صرف اس پیش گوئی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ان کی تین شادیوں کے متعلق ہے۔ مرزا صاحب نے کہا ہے کہ براہین احمدیہ میں خدا نے ان کو تین شادیوں کا وعدہ دیا ہے۔اور اس کی تشریح آپ یوں کرتے رہے ہیں کہ ایک شادی تو وہ ہے جو فضل احمد کی ماں سے ہوئی۔ دوسری وہ ہے جو محمود کی والدہ سے ہوئی۔ اور تیسری زوجہ کا انتظار ہے۔

انتظار جاری رہا اور مرزا صاحب کے کوچ کا وقت آ گیا۔کوئی بتائے کہ یہ تیسری بیوی ملنے والی پیش گوئی پوری ہوئی ؟ یقیناً نہیں ہوئی ؟

کیا تیسری بیوی والی پیش گوئی براہین کے حصص سابقہ میں نہیں تھی ؟ مرزا صاحب کے بقول یقیناً تھی۔

پھر جب پیش گوئی پوری نہیں ہوئی اور براہین کا حصہ پنجم بھی شائع ہو گیا تو

مرزا صاحب کا یہ کہنا کیوں کر صحیح ہوا کہ حصہ پنجم کی اشاعت کے التواء میں

. حکمت تھی کہ تا اس وقت تک پنجم حصہ دنیا میں شائع نہ ہو جب تک کہ وہ تمام

امور ظاہر ہو جائیں جن کی نسبت براہین احمدیہ کے پہلے حصوں میں پیش گوئیاں ہیں .

((براہین پنجم خزائن جلد ۲۱ ص ۸)

ضمیمہ براہین پنجم میں مرزا صاحب نے شاعری بھی فرمائی ہے لکھتے ہیں

رمی کل من عادی الی سہامہ فاصبحت امشی کالوحید و اکفر

ہر ایک دشمن نے میری طرف اپنے تیر چلائے پس میں اکیلا رہ گیا اور کافر قرار دیا گیا

حسین دفاہ القوم فی دشت کربلا وکلمنی حسین آخر

ایک حسین وہ تھا جسکو دشمنوں نے کربلا میں قتل کیا اور ایک وہ حسین ہے جس نے مجھ کو محض ظلم سے مجروح کیا

ایا راشقی قد کنت تمدح منطقی و تثنی علی بالفۃ و توقر

اے میرے پر تیر چلانے والے ایک زمانہ وہ تھا جو تو میری باتوں کی تعریف کرتا تھا اور محبت کے ساتھ میری تعریف کرتا تھا اور میری عزت کرتا تھا

و للہ درک حین قرظت مخلصاً کتابی و صرت لکل ضال مخفر

اور تو نے کیا خوب میری کتاب براہین کا اخلاص سے ریویو لکھا تھا اور ہر ایک گمراہ کے لئے رہنما ہو گیا تھا

و انت الذی قال فی تقریظہ کمثل المئولف لیس فینا غضنفر

اور تو وہی ہے جس نے اپنے ریویو میں لکھا تھا کہ اس مئولف کی طرح ہم نے کوئی بھی دین کی راہ میں شیر نہیں

عرفت مقامی ثم انکرت مدبراً فما الجھل بعد العلم ان کنت تشعر

تو نے میرے مقام کو شناخت کیا پھر منکر ہو گیا پس یہ کیسا جہل ہے جو علم کے بعد دیدہ دانستہ وقوع میں آیا

کمثلک مع علم بحالی و فطنۃ عجبت لہ یبغی الھدی ثم یاطر

تیرے جیسا آدمی میرے حال سے واقف اور دانا۔ تعجب ہے کہ وہ ہدائت پر آ کر پھر راہ راست چھوڑ دے

قطعت وداداً قد غرسناہ فی العصا و لیس فئوادی فی الوداد یقصر

تو نے اس دوستی کو کاٹ دیا جس کا درخت ہم نے ایام کودکی میں لگایا تھا مگر میرے دل نے دوستی میں کوئی کوتاہی نہیں کی

علی غیر شیء قلت ما قلت عجلۃ و واللہ انی صادق لا ازور

کسی بات پر تو نے نہیں کہا جو کچھ کہا جلدی سے اور بخدا میں سچا ہوں میں نے جھوٹ نہیں بولا

(براہین پنجم ضمیمہ۔خزائن ص ۳۳۴۔۳۳۵)

اوراسی براہین حصہ پنجم میں مرزا صاحب اس براہین کی تغلیط کرتے ہیں جس کے ریویو کے طعنے وہ بٹالوی صاحب کودیتے ہیں ۔ لکھتے ہیں

. تم خود گواہ ہو کہ اس وقت اور اس زمانہ میں مجھے اس آیت پر اطلاع بھی نہ تھی کہ میں اس طرح پر عیسی مسیح بنایا جاؤنگا۔ بلکہ میں تمہاری طرح بشریت کے محدود علم کی وجہ سے یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ عیسی بن مریم آسمان سے نازل ہوگا۔اور باوجود اس بات کے کہ خدا تعالی نے براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میرا نام عیسی رکھا اور جو قرآن شریف کی آیتیں پیش گوئی کے طور پر حضرت عیسی کی طرف منسوب تھیں وہ سب آیتیں میری طرف منسوب کر دیں اور یہ بھی فرمادیا کہ تمہارے آنے کی خبر قرآن و حدیث میں موجود ہے مگر پھر بھی میں متنبہ نہ ہوا۔ اور براہین احمدیہ حصص سابقہ میں میں نے وہی غلط عقیدہ اپنی رائے کے طور پر لکھ دیا اور شائع کر دیا کہ حضرت عیسی علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسی بن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا۔اس زمانہ اور اس امت کے لئے تو ہی عیسی بن مریم ہے ۔ یہ میری غلط رائے جو براہین احمدیہ حصص سابقہ میں درج ہوگئی یہ بھی خدا تعالی کا ایک نشان تھا اور میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ تھا۔

(براہین پنجم خزائن ص ۱۱۱)

گویا مرزا صاحب نے محمد حسین کو کہا کہ میرے پاس بوتل میں تریاق ہے۔محمد حسین نے اس تریاق کی تعریف کی ۔ پھر مرزا کو پتہ چلا کہ اس کی بوتل میں تریاق نہیں، زہر ہے ۔اور محمد حسین سے کہا کہ اسے پیؤکہ تم نے اس چیز کی تعریف کی تھی جو میرے پاس بوتل ہے اس لئے اسے پی جاؤ۔تمہیں اس سے کیا کہ یہ تریاق ہے یا زہر؟ جان بوجھ کر زہر کیوں پیتا ہے؟

ضمیمہ براہین پنجم کے صفحہ ۳۳۶ سے ۳۶۵ تک مولوی سید محمد عبدالواحد (مدرس سکول وقاضی مقام برہمن بڑیہ ضلع ٹپرا ملک بنگالہ) کے سوالات کے جواب ہیں ۔ایک سوال ما قتلوہ و ما صلبوہ کے بارے میں ہے، ایک و ما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ کے

بارے میں ۔ ۔ایک اعتراض کے بارے میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں سمجھ نہیں سکا اس لئے جواب سے مجبور ہوں (ص ۳۵۶)....ایک سوال مرزا صاحب سے ان کی عمر کے بارے میں ہے اور پوچھا گیا کہ آپ کی عمر اس وقت کس قدر ہے ۔اور یہ کہ آپ جو بشارت دیتے ہیں کہ آپ کے ذریعہ اسلام نہائت ترقی کرے گا۔کیا وہ ترقی آپ (مرزا) کی عین حیات میں وقوع میں آئے گی ۔اس کے جواب میں مرزا نے لکھا

. عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالی کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس وقت جو سنہ ہجری ۱۳۲۳ھ ہے ۔ میری عمر ستر (۷۰) کے قریب ہے ۔ واللہ اعلم ۔ اور میں نہیں کہہ سکتا کہ پورے طور پر ترقی اسلام کی میری زندگی میں ہوگی یا میرے بعد

(براہین پنجم ضمیمہ خزائن ص ۳۶۵)

اور یہ کتاب مرزا صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی تھی ۔اور اس کے ممطابق مرزا صاحب کی عمر بوقت وفات بمشکل ۷۰ ہوتی ہے ۔ جو ان کی پیش گوئیوں اور دعاوٰں اور الہامات کی تکذیب ہے ۔

سید عبدالواحد صاحب کے سوالات کے جواب میں ہی ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں

. میں امتی بھی ہوں اور ظلی طور پر نبی ہوں ۔اسی کی طرح وہ وحی الہی بھی اشارہ کرتی ہے جو حصص سابقہ براہین احمدیہ میں ہے کل برکة من محمد صلی اللہ علیہ و سلم فتبارک من علم و تعلم۔یعنی ہر ایک برکت آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے ۔پس برکت والہ وہ انسان ہے جس نے تعلیم کی یعنی آنحضرت ﷺ ۔اور پھر بعد اس کے بہت برکت والہ وہ ہے جس نے تعلیم پائی یعنی یہ عاجز۔پس اتباع کام کی وجہ سے میرا نام امتی ہوا۔اور پورا عکس نبوت حاصل کرنے سے میرا نام نبی ہو گیا

(ضمیمہ براہین پنجم ۔خزائن ج ۲۱ ص ۳۶۰)

براہین پنجم کے اس ضمیمہ میں صفحہ ۳۷۱ سے ۴۱۰ تک مولانا رشید احمد گنگوہی کی کتاب الخطاب الملیح فی تحقیق المھدی و المسیح کا جواب لکھا ہے ۔اور کہا ہے کہ گنگوہی صاحب کی یہ کتاب سراسر کچی اور بے اصل اور لغو خیالات اور مفتریات سے پر ہے .لیکن چونکہ مولوی رشید کے مرید سہارن پور کے نواح میں اس کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے اس کا جواب لکھ رہا ہوں ۔ (ص ۳۷۱)

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصہ پنجم لکھ دینے کے باوجود اپنی زندگی میں شائع نہیں فرمائی۔محسوس ہوتا ہے کہ آپ حصہ پنجم اس وقت شائع کرنا چاہتے تھے جب ان کی تیسری شادی ہو جاتی۔تاکہ لوگ انہیں تیسری شادی کی پیش گوئی کے پورا نہ ہونے کی بنا پر جھوٹا نہ کہیں۔یوں وہ تیسری شادی کے انتظار میں براہین پنجم کا مسودہ دبائے بیٹھے تھے کہ اوپر سے بلاوا آ گیا۔

مرزائیوں نے مرزا صاحب پر ایک ظلم یہ کیا کہ اپنی صفوں میں سے اپنے نبی کے لئے اس کی زندگی میں تیسری بیوی (یعنی ۱۸۸۵ء کے بعد ایک قابل نکاح عورت) کا انتظام نہیں کر سکے۔ اور شائد یہی بات ہے جس کا شکوہ مرزا صاحب نے براہین پنجم میں با یں الفاظ کیا ہے

. جو شخص درحقیقت اپنی جان اور مال اور آبرو کو اس راہ میں بیچتا نہیں میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ خدا کے نزدیک (میری) بیعت میں داخل نہیں۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ظاہری بیعت کرنے والے بہت ایسے ہیں کہ نیک ظنی کا مادہ بھی ہنوز ان میں کامل نہیں اور ایک کمزور بچہ کی طرح ہر ایک ابتلاء کے وقت ٹھوکر کھاتے ہیں ۔اور بعض بدقسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کتا مردار کی طرف ۔پس میں کیوں کر کہوں کہ وہ حقیقی طور پر بیعت میں داخل ہیں .

(خزائن جلد ۲۱۔ نصرۃ الحق۔ براہین احمدیہ پنجم ص ۱۱۴)

۱۹۰۸ء کے بعد مرزائیوں نے ایک اور ظلم یہ کیا کہ براہین پنجم کا مسودہ نکال کر شائع کر دیا جو ان کے نبی کے جھوٹ کا اشتہار بن گیا کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ مرزا صاحب کی تیسری شادی نہیں ہوسکی جس کی پیش گوئی براہین کے ان حصص سابقہ میں کی گئی تھی جن کے متعلق مرزا صاحب کہتے ہیں کہ براہین پنجم کی اشاعت اس لئے ملتوی رہی کہ پہلے ان میں کی گئی پیش گوئیاں پوری ہو جائیں۔

الحمد لله رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین

کتابیات

اس کتاب کی تالیف میں قرآن مجید اور متعدد کتب حدیث کے علاوہ درج ذیل کتب رسائل اور اخبارات سے مدد لی گئی ہے۔ (کتاب کے نام کے بعد مصنف کا نام اور جہاں تک ممکن ہوسکا ہے مقام اشاعت اور سال طباعت دیئے گئے ہیں۔ ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے دی گئی ہے)۔

ابوالکلام آزاد (سوانح)۔ آغا شورش کاشمیری۔ لاہور۔۱۹۹۴ء
الثورۃ الہندیہ۔فضل حق خیرآبادی۔ترجمہ عبدالشاہد شروانی۔لاہور۔۱۹۷۴ء
الجسر البلیغ۔حافظ عنائت اللہ وزیرآبادی۔۱۹۶۳ء۔اشاعت نو لاہور ۱۹۹۱ء
الحیاۃ بعد المماۃ (سید نذیر حسین کی سوانح عمری)۔فضل حسین بہاری۔طبع اول
الہامات مرزا۔ثناء اللہ امرتسری۔طبع ششم
اسلام اور قادیانیت۔عبدالغنی پٹیالوی۔طبع ملتان۔۱۹۷۸ء
اسلامیہ پاکٹ بک۔محمد مسلم بن برکت اللہ۔کراچی ۱۹۷۶ء
اسیر مالٹا۔ حسین احمد مدنی۔ مکی دارالکتب لاہور
اشد العذاب علی مسیلمۃ البنجاب۔مرتضی حسن چاند پوری۔طبع سوم فروری ۱۹۷۶ء
اشرف السوانح۔مرتبہ خواجہ عزیز الحسن۔ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۹۸۵ء
العطر البلیغ۔حافظ عنائت اللہ وزیرآبادی۔دسمبر ۱۹۶۳ء۔ اشاعت نو لاہور ۱۹۹۱ء
افادات و ملفوظات مولانا سندھی۔ مرتبہ محمد سرور۔لاہور۔ ۱۹۶۶ء
انقلاب ۱۸۵۷ء۔ مرتبہ پی سی جوشی۔محمد علی فاروق۔ لاہور۔ ۱۹۹۵ء
القول الفصیح۔ محمد داؤد ارشد۔نارنگ منڈی۔ مارچ ۱۹۸۸ء
اہل حدیث اور سیاست۔نذیر احمد رحمانی۔ بنارس۔ ۱۹۸۶ء
آثار الحدیث۔ خالد محمود۔ دارالمعارف لاہور۔ ۱۹۸۸ء
ایک غلطی کا ازالہ۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ مطبوعہ ربوہ
برق مہریہ۔ تقدیم شبیر احمد۔ الفہیم پبلی کیشنز۔لاہور
بزم ارجمنداں۔ محمد اسحاق بھٹی لاہور

بطش قدیر ۔ ثناء اللہ امرتسری۔ مکتبہ ناصریہ فیصل آباد
بیس بڑے مسلمان ۔مرتبہ عبدالرشید ارشد ۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور
پرانے چراغ ۔ابوالحسن علی ندوی ۔مجلس نشریات اسلام کراچی ۔ ۱۹۷۵ء
تاریخ محاسبہ قادیانیت ۔(مصنفہ یکے از اساتذہ گورنمنٹ کالج فیصل آباد)
تاریخ مشائخ چشت ۔ محمد ذکریا کاندھلوی ۔کراچی ۔ ۱۳۹۷ھ
تاریخ اہل حدیث ۔ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ لاہور۔ ۱۹۵۳ء
تاریخ مرزا۔ ثناء اللہ امرتسری۔مکتبہ سلفیہ لاہور۔ ۱۹۷۳ء
تاریخی روزنامچہ (۱۸۵۷ء) ۔ عبداللطیف ۔ ندوۃ المصنفین دہلی ۔
تحریک ختم نبوت ۔ آغا شورش کاشمیری ۔مطبوعات چٹان لاہور۔۱۹۷۶ء
تذکرہ صادقہ ۔عبدالرحیم صادقپوری ۔ کراچی ۔ ۱۹۹۶ء
تائید الاسلام ۔قاضی سلیمان منصور پوری ۔ڈیرہ غازی خان
تاریخ اہل حدیث جموں وکشمیر۔صوفی احمد مسلم ۔ دہلی ۔ ۱۹۸۴ء
تراجم علمائے حدیث ہند ۔ابویحیٰ امام خان ۔مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کراچی ۱۴۱۳ھ
تاریخ احمدیت ۔ دوست محمد شاہد ۔ ربوہ
تحدیث نعمت ۔ چوہدری ظفر اللہ ۔ لاہور ۔ دسمبر ۱۹۹۴ء
تحفہ شاہزادہ ویلز۔مرزا محمود احمد قادیانی
تذکرہ (مرزا غلام احمد کے الہامات وپیش گوئیوں کا مجموعہ) چوتھا ایڈیشن
تذکرۃ الرشید ۔ عاشق الٰہی میرٹھی ۔ لاہور ۱۹۸۶ء
تحریک آزادی فکر ۔ محمد اسماعیل سلفی ۔ لاہور
تذکرہ علمائے خانپور۔قاضی عبداللہ خانپوری ۔مکتبہ سلفیہ لاہور۔ ۱۹۸۵ء
تاریخ سندھ ۔ اعجاز الحق قدوسی ۔اردو سائنس بورڈ ۔لاہور
تحریک احمدیت ۔محمد علی لاہوری ۔ لاہور۔۱۹۳۱ء
تحریک شیخ الہند۔محمد میاں ۔ مکتبہ محمودیہ لاہور۔۱۹۸۸ء
تقدیم الارشاد الی سبیل الرشاد (محمد شاہجہان پوری) از عطاء اللہ حنیف ۔ ۱۹۶۶ء
مولانا ثناء اللہ امرتسری ۔فضل الرحمٰن ۔ دار الدعوۃ السلفیہ لاہور۔ جون ۱۹۸۷ء

ثبوت حاضر ہیں ۔ محمد متین خالد ۔مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان ۔نومبر ۱۹۹۷ء
جماعت اہل حدیث کی تدریسی خدمات ۔ عابد حسن وعزیز الرحمٰن ۔ بنارس ۱۹۸۰ء
جماعت اہل حدیث کی تصنیفی خدمات ۔ محمد مستقیم سلفی ۔ بنارس ۱۹۹۲ء
حیات عبدالحی ۔ابوالحسن علی ندوی ۔مجلس نشریات اسلام کراچی ۔ ۱۹۸۵ء
حیات شبلی ۔ سید سلیمان ندوی ۔ اعظم گڈھ ۔ طبع چہارم ۔ ۱۹۸۳ء
خاتم النبیین ۔مصباح الدین ۔طبع چہارم راولپنڈی ۔ ۱۹۸۸ء
ختم نبوت اورتحریک احمدیت ۔غلام احمد پرویز ۔طلوع اسلام ٹرسٹ لاہور ۔ ۱۹۹۶ء
داستان خانوادہ مولانا احمد علی لاہوری ۔ جلد اول ۔عبداللہ ملک ۔کوثر پبلشرز لاہور ۱۹۸۶ء
داستان راعیاں ۔صوبیدار میجر محمد شریف ۔ لاہور ۔ ۱۹۹۹ء
دافع البلاء ۔مرزا غلام احمد ۔طبع قادیان ۔ اپریل ۱۹۰۲ء
دافع البلاء ۔مرزا غلام احمد ۔ طبع شرکت اسلامیہ ربوہ
درثمین (مرزا غلام احمد کا اردو اور فارسی کلام) احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۹۵۱ء
دیباچہ تفسیر احسن التفاسیر جلد اول (ڈپٹی احمد حسن) از عطاء اللہ حنیف ۔مکتبہ سلفیہ لاہور
ذکر حبیب (مرزا غلام احمد کی سوانح) محمد صادق قادیانی ۔قادیان ۔ ۱۹۳۶ء
رحمۃ للعالمین ۔قاضی محمد سلیمان منصور پوری
روحانی خزائن ۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی تصنیفات کا مجموعہ۔
اس مجموعے میں شامل درج ذیل کتب سے حوالے دیئے گئے ہیں ۔
☆ اتمام الحجہ ☆ ازالہ اوہام
☆ اربعین نمبر ا تا نمبر ۴ ☆ اعجاز احمدی
☆ اعجاز المسیح ☆ استفتاء
☆ انجام آتھم ☆ انوار الاسلام
☆ آسمانی فیصلہ ☆ آئینہ کمالات اسلام (دافع الوساوس)
☆ ایام الصلح ☆ براہین احمدیہ جلد اول تا پنجم
☆ تذکرۃ الشہادتین ☆ تریاق القلوب

☆ تحفہ بغداد ☆ تحفہ گولڑویہ
☆ تحفہ غزنویہ ☆ تحفہ قیصریہ
☆ تحفہ ندوہ ☆ چشمہ معرفت
☆ حجۃ الاسلام ☆ حجۃ اللہ
☆ حمامۃ البشری ☆ حقیقت المہدی
☆ حقیقت الوحی ☆ خطبہ الہامیہ
☆ راز حقیقت ☆ سچائی کا اظہار
☆ سراج منیر ☆ سرالخلافہ
☆ شہادۃ القرآن ☆ ضیاء الحق
☆ فتح اسلام ☆ کتاب البریہ
☆ کرامات الصادقین ☆ کشف الغطا
☆ کشتی نوح ☆ لیکچر لدھیانہ
☆ لیکچر سیالکوٹ ☆ مباحثہ دہلی
☆ مباحثہ لدھیانہ ☆ مواہب الرحمٰن
☆ نزول المسیح ☆ نشان آسمانی
☆ نورالحق ☆ وصیت

رود کوثر۔ شیخ محمد اکرام۔ لاہور۔ طبع چہارم۔ ۱۹۹۲ء
رئیس قادیان۔ ابوالقاسم رفیق دلاوری۔
سب سے پہلا فتویٰ تکفیر۔ حبیب الرحمٰن۔ فیصل آباد۔ ۱۹۹۷ء
سوانح ابراہیم میر سیالکوٹی۔ اسلم سیف۔ ماموں کانجن۔ ۱۹۹۴ء
سوانح عبداللہ غزنوی۔ غلام رسول۔ مرتبہ احمد دین۔ منڈی بہاء الدین
سوانح مولانا داؤد غزنوی۔ مرتبہ ابوبکر غزنوی۔ لاہور۔ ۱۹۷۴ء
سوانح قاسمی۔ مناظر احسن گیلانی۔ مکتبہ رحمانیہ لاہور
سیاسی اتار چڑھاؤ۔ منیر احمد۔ لاہور۔ ۱۹۸۹ء
سیرۃ ثنائی۔ عبدالمجید سوہدروی۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور

سیرۃ مسیح موعود (مرزا)۔عبدالکریم سیالکوٹی قادیانی
سیرۃ المہدی۔مرزا بشیر احمد۔طبع دسمبر ۱۹۲۷ء
سیرۃ المہدی۔مرزا بشیر احمد قادیانی۔قادیان۔۱۹۳۵ء
سیرۃ المہدی۔مرزا بشیر احمد۔طبع اپریل ۱۹۳۹ء
شاہ اسماعیل شہید۔عبداللہ بٹ۔قومی کتب خانہ لاہور۔جون ۱۹۷۴ء
شاہ انگلستان اور مرزا۔ثناءاللہ امرتسری
شہادات مرزا۔ثناءاللہ امرتسری۔اکتوبر ۱۹۲۳ء
شہادۃ القرآن۔محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔طبع چہارم۔۱۹۵۸ء
شمائم امدادیہ۔مرتبہ اشرف علی تھانوی۔ملتان۔۱۴۰۵ھ
شہادات مرزا۔ثناءاللہ امرتسری۔امرتسر ۱۹۲۳ء
شیخ الہند مولانا محمود حسن۔ابوسلمان شاہجہان پوری۔کراچی۔۱۹۸۸ء
صحیفۃ الحق۔مرتضیٰ حسن چاندپوری۔طبع چہارم ۱۳۹۶ھ
عجائبات مرزا۔ثناءاللہ امرتسری۔مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ۔کراچی
علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ۔مرتبہ محمد حسین بٹالوی۔لاہور ۱۹۸۶ء
علمائے دیوبند اور حسام الحرمین۔خلیل احمد۔دارالاشاعت کراچی
علمائے دیوبند کا ماضی۔محمود احمد۔گوجرانوالہ۔دوسرا ایڈیشن
علمائے ہند کا شاندار ماضی۔محمد میاں۔مکتبہ محمودیہ لاہور ۱۹۷۷ء
فاتح قادیان۔ثناءاللہ امرتسری
فتاویٰ قادریہ۔محمد لدھیانوی۔مکتبہ قادریہ لاہور
فسانہ قادیان۔محمد ابراہیم کمیرپوری۔ملتان۔۱۹۹۱ء
فتنہ قادیانیت اور مولانا ثناءاللہ امرتسری۔صفی الرحمٰن اعظمی۔بنارس ۱۹۷۶ء
فتاویٰ نذیریہ۔طبع سوم۔۱۹۸۸ء
قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔الیاس برنی۔اہل حدیث اکیڈمی لاہور
قادیانیت۔ابوالحسن علی ندوی۔لکھنو۔۱۹۶۶ء
قادیانیت اپنے آئینے میں۔صفی الرحمٰن اعظمی۔بنارس۔۱۹۸۱ء

قادیانیت سے اسلام تک ۔ متین خالد ۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان ۔ ۱۹۹۸ء
قومی ڈائجسٹ ۔ قادیانیت نمبر ۔ قومی پبلشرز لاہور ۔ جولائی ۱۹۸۸ء
کاروان سلف ۔ محمد اسحاق بھٹی ۔ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد ۱۹۹۹ء
کالا پانی ۔ محمد جعفر تھانیسری ۔ فیصل آباد
مباحثہ سرگودھا ۔ مابین میر محمد اسحاق قادیانی و ثناء اللہ امرتسری ۔ مکتبہ ناصریہ فیصل آباد
مجالس حکیم الامت مع ملفوظات ۔ مرتبہ محمد شفیع ۔ دہلی ۔ ۱۳۹۶ھ
مرزائے قادیان کے دس جھوٹ ۔ محمد ابراہیم کمیرپوری ۔ ادارہ دینیات لاہور
مقالات پروفیسر عبدالقیوم ۔ مکتبہ سلفیہ لاہور ۔ اکتوبر ۱۹۸۷ء
محمدیہ پاکٹ بک ۔ محمد عبداللہ معمار ۔ طبع ششم مکتبہ سلفیہ لاہور
مرزائیت اور اسلام ۔ احسان الٰہی ظہیر ۔ لاہور ۔ ۱۹۹۳ء
مصداق بشارت احمد ۔ چوہدری محمد سرفراز خان ۔ استقلال پریس لاہور
مقابیس المجالس ۔ مرتبہ رکن الدین ۔ تحقیق کپتان واحد بخش ۔ لاہور
ملت اسلامیہ کا موقف ۔ اراکین قومی اسمبلی پاکستان ۔
موج کوثر ۔ شیخ محمد اکرام ۔ لاہور ۔ ۱۹۹۲ء
مہر منیر ۔ فیض احمد ۔ گولڑہ ۔ طبع پنجم ۔ ۱۹۸۷ء
مکتوب احمد ۔ وکالۃ التبشیر ربوہ طبعہ خامسۃ ۱۹۶۳ء
مکتوبات احمدیہ (مرزا غلام احمد کے مکتوبات کا مجموعہ) ۔ قادیان
مجموعہ اشتہارات (مرزا غلام احمد کے اشتہارات کا مجموعہ) ربوہ ۔ ۱۹۸۶ء
ملفوظات مرزا غلام احمد قادیانی ۔ ربوہ ۔ نومبر ۱۹۸۴ء
ناقابل مصنف مرزا ۔ ثناء اللہ امرتسری ۔ امرتسر ۔ جون ۱۹۴۳ء
نتائج التقلید ۔ محمد اشرف سندھو ۔ دارالاشاعت اشرفیہ بلوکی ۔ ۱۹۵۸ء
نسیم دعوت ۔ مرزا غلام احمد ۔ قادیان ۔ دسمبر ۱۹۳۶ء
نصیحت سلفی ۔ محمود احمد ۔ گوجرانوالہ
نقش حیات ۔ حسین احمد مدنی ۔ اسلامی اکیڈیمی لاہور
نقش دوام ۔ انظر شاہ ۔ لاہور ۔ ۱۹۸۹ء

نقوش عظمت رفتہ ۔ محمد اسحاق بھٹی ۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور ۔ ۱۹۹۶ء

Women of the Raj by Margaret MacMillan, Thames & Hudson, 1988

ہندوستان میں وہابی تحریک ۔ قیام الدین ۔ ترجمہ محمد مسلم ۔ کراچی ۔ ۱۹۸۰ء

ہمارے ہندوستانی مسلمان ۔ ولیم ہنٹر

یاد رفتگان ۔ سید سلیمان ندوی ۔ کراچی ۔ ۱۹۸۳ء

رسائل واخبارات

ماہنامہ اشاعۃ السنہ بٹالہ ۔ متعدد شمارے

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ۔ فروری مارچ ۱۹۹۷ء

ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۔ متعدد شمارے

الامداد ۔ تھانہ بھون ۔ صفر ۱۳۳۶ھ

ماہنامہ الرشید دیوبند نمبر ۔ لاہور فروری مارچ ۱۹۷۶ء

ماہنامہ الرسالہ ۔ وحید الدین خان ۔ دہلی ۔ متعدد شمارے

ماہنامہ محدث ۔ مجلس التحقیق الاسلامی ۔ لاہور ۔ متعدد شمارے

ماہنامہ محدث ۔ جامعہ سلفیہ بنارس ۔ متعدد شمارے

ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۔ متعدد شمارے

ہفت روزہ اہل حدیث لاہور ۔ متعدد شمارے

ماہنامہ التوعیہ ۔ دہلی

فکر ونظر ۔ اسلام آباد ۔ جنوری تا جون ۱۹۹۹ء

الفضل انٹرنیشنل ۔ متعدد شمارے

علاوہ ازیں درج ذیل قادیانی اخبارات و رسائل سے بالواسطہ حوالے دیئے گئے ہیں

☆ الفضل قادیان ☆ الفضل لاہور ☆ الحکم قادیان ☆ بدر قادیان ☆ فاروق ☆ ریویو آف ریلیجنز ☆ تشحیذ الاذہان ☆ رسالہ احمدی ☆ پیغام صلح

خیر الختام

از قلم حضرت مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی ، امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

قصر نبوت کی آخری اینٹ حضور نبی کریم حضرت محمد ﷺ ہیں اور ان کے بعد کسی ظلی یا بروزی نبی کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن وحدیث کے دلائل اس پر واضح ہیں ۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نیز آئمہ عظام کے درمیان یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ جل شانہ کے آخری پیغمبر ہیں اور ان کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔

مسیلمہ کذاب سے لے کر آج تک جتنے بھی متنبّی آئے علماء کرام نے اپنے اپنے دور میں انہیں بے نقاب کیا۔ ہندوستان میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں ایک متنبّی آیا جس نے اپنی زندگی میں کئی بہروپ بھرے لیکن وقت کے علماء حق خصوصاً اہل حدیث اکابرین نے اسے بے نقاب کر کے اس کے ساتھ مباحثے کئے اور اسے ذلت سے دوچار کیا۔

شیخ الاسلام وکیل المسلمین مولانا محمد حسین بٹالوی مرزا قادیانی کے ہمسائے تھے ۔ آپ نے مرزا صاحب کے عقائد و نظریات کو اکٹھا کر کے ایک استفتاء مرتب کیا اور سب سے پہلے حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی سے جواب حاصل کیا۔ پھر برصغیر کے تمام مسلمان فرقوں کے علماء سے فتوی لیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

شیخ الاسلام بٹالوی نے اس کے بعد ہر جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کا تعاقب کیا اور گورداسپور پنجاب کے مجسٹریٹ کی عدالت میں ان سے لکھوایا کہ آئندہ نہ تو وہ کسی کو مباہلہ کی دعوت دیں گے اور نہ کسی مسلمان کی موت و اہانت کی پیش گوئی شائع کریں گے۔

وکیل المسلمین بٹالوی صاحب نے تحریری و تقریری طور پر متنبّی قادیان کا

ناطقہ یوں بند کیا کہ اسے کہنا پڑا

و من المعتر ضین المذ کورین شیخ ضال بطا لوی ... یقال له محمد حسین قد سبق الکل فی الکذ ب و المین ... حتی قیل انه امام المستکبرین و رئیس المعتدین .. (میرے معترضین میں میرا ا یک گمراہ ہمسا یہ محمد حسین ہے جو مجھ پر جھوٹ بو لنے میں سب سے آ گے ہے۔ یہ اتنا بڑا متکبر ہے کہ امام المتکبرین بن چکا ہے۔ یہ شخص (محمد حسین) تمام گمرا ہوں کا سردار ہے اور اسی نے سب سے پہلے مجھے کا فر کہا ہے)۔

مولا نا ثناء اللہ امرتسری (جنہیں دنیا فاتح قادیان اور منا ظر اسلام کے نام سے جانتی ہے) نے مرزا غلام احمد کی زندگی میں اس کے عقائد و نظریات کی تردید کا کام اتنے بھر پور انداز میں کیا کہ متنبّی قادیان نے تنگ آ کر اپریل ۱۹۰۷ء میں دعائے آخری فیصلہ شائع فرمادی جس کی لپیٹ میں وہ خود ہی آ گئے اور مولا نا ثناء اللہ فاتح قادیان قرار دیئے گئے۔

ڈاکٹر محمد بہاء الدین صاحب نے ماہنا مہ صراط مستقیم برمنگھم میں تحریک ختم نبوت کا نقطہ آغاز کے عنوان سے کچھ عرصہ قبل مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ خیال تھا کہ چند اقساط میں یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا لیکن وہ پھیلتے پھیلتے ساٹھ اقساط کو محیط ہو گیا۔ ہندوستان و پاکستان اور برطانیہ کے مسلمان اہل علم نے اسے پسند کیا۔ انہیں اپنے رسائل میں من وعن شائع کیا۔ ہندی زبان میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا اور اس کے اقتباسات کا عربی ترجمہ جامعہ سلفیہ بنارس کے صوت الامۃ میں شائع ہوا۔

ماہنامہ صراط مستقیم میں جب یہ سلسلہ مضامین شائع ہو رہا تھا تو ادارہ کو مبارکباد کے خطوط آیا کرتے تھے جن میں ڈاکٹر بہاء الدین صاحب کی علمی کاوش کو سراہا جاتا۔ مجھے یاد ہے کہ چند تنقیدی خطوط بھی آئے تھے اور بعض رسائل میں تنقیدی مضامین بھی شائع ہوئے تھے جن میں اعتراضات کی بوچھاڑ تھی۔ ڈاکٹر بہاء الدین صاحب نے ان اعتراضات کے جوابات بڑے علمی انداز میں دیئے تھے۔

اس کے بعد ادارہ صراط مستقیم برمنگھم نے ڈاکٹر صاحب کی نگارشات کو تحریک ختم نبوت حصہ اول (۱۸۹۱ء تا ۱۸۹۶ء) کی صورت میں لاہور سے شائع کر دیا۔ بعد میں

وہ کتاب دہلی سے بھی شائع ہوگئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے صراط مستقیم میں اپنا سلسلہ مضامین بند کردیا تاہم وہ اپنے موضوع پر تحقیق و جستجو میں مصروف رہے۔ اور تحریک ختم نبوت حصہ دوم (۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۵ء) مرتب کر کے اشاعت کے لئے دہلی کے ایک ادارے کے حوالے کردی۔

جنوری ۲۰۰۵ء میں ایک روز ڈاکٹر صاحب نے مجھے فون کیا اور ملاقات کی خواہش کی اظہار کیا۔ اس کے چند روز بعد جب وہ میرے ہاں لندن تشریف لائے تو انہوں نے اپنی کتاب تحریک ختم نبوت کا تیسرا حصہ مجھے دکھایا جو ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۲ء تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ یہ ضخیم اور وقیع مسودہ دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اتنا علمی اور تحقیقی کام اس سے پہلے مرزائیت کے رد میں نہیں ہوا تھا اور یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ تین جلدوں پر مشتمل یہ کتاب ردقادیانیت میں اہل حدیث علماء کی خدمات کا انسائیکلو پیڈیا بن گئی ہے کیونکہ اس میں ایسے علما کا تذکرہ بھی ہے جن کی خدمات سے اہل علم بھی ناآشنا تھے اور تاریخ نے انہیں بھلا دیا تھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنی کاوش سے انہیں زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے ہندوستان، پاکستان اور برطانیہ کے مسلمان اہل علم سے رابطہ کیا اور جہاں انہیں علمی مواد کی بھنک پڑی کوشش کر کے وہاں سے وہ مواد منگوایا۔ اور یوں کھوج لگا کر ان علمی ہیروں کو گمنامی سے نکال کر قدردانوں کے سامنے رکھ دیا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالی ڈاکٹر صاحب کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان علماء کے درجات بلند فرمائے جنہوں نے قصر نبوت میں نقب لگانے والے مرزا غلام احمد قادیانی کو بے نقاب کیا۔ میرے نزدیک اس کتاب کی حیثیت دستاویزی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر اہل علم کے پاس اس کا ہونا ضروری ہے

اور ڈاکٹر صاحب سے میری گذارش ہے کہ ان کا قلم چل پڑا ہے تو اسے مت روکیں اور اس طرح کے دیگر علمی گوہر بھی تلاش کر کے اہل علم کی ضیافت طبع کا اہتمام کریں۔

ثناءاللہ سیالکوٹی (امیر جمعیت اہل حدیث برطانیہ) ۹۔ فروری ۲۰۰۵ء